ترجمہ و تفہیم

عطاء اللہ ثاقب

طبع بامر

حضرت صاحب الجلالۃ الملک المعظم فیصل بن عبدالعزیز آل سعود

وعلی نفقتہ الخاصۃ

الناشر

پاکستان

تحفہ از
جناب علامہ مظہر عباسی

هداية المستفيد

اردو ترجمہ

فتح المجيد شرح كتاب التوحيد

تأليف
العلامة الشيخ عبد الرحمن بن حسن آل الشيخ
رحمه الله

تصنيف
مجدد الدعوة الإسلامية شيخ الإسلام محمد بن عبد الوهاب
رحمه الله

ترجمہ و تفہیم
عطاء اللہ ثاقب

طبع بأمر
حضرة صاحب الجلالة الملك المعظم فيصل بن عبد العزيز آل سعود
وعلى نفقته الخاصة

الناشر
أنصار السنة المحمدية
فضل منزل ○ بیڈن روڈ ○ لاہور ○ پاکستان

یوزّع مجّانا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ
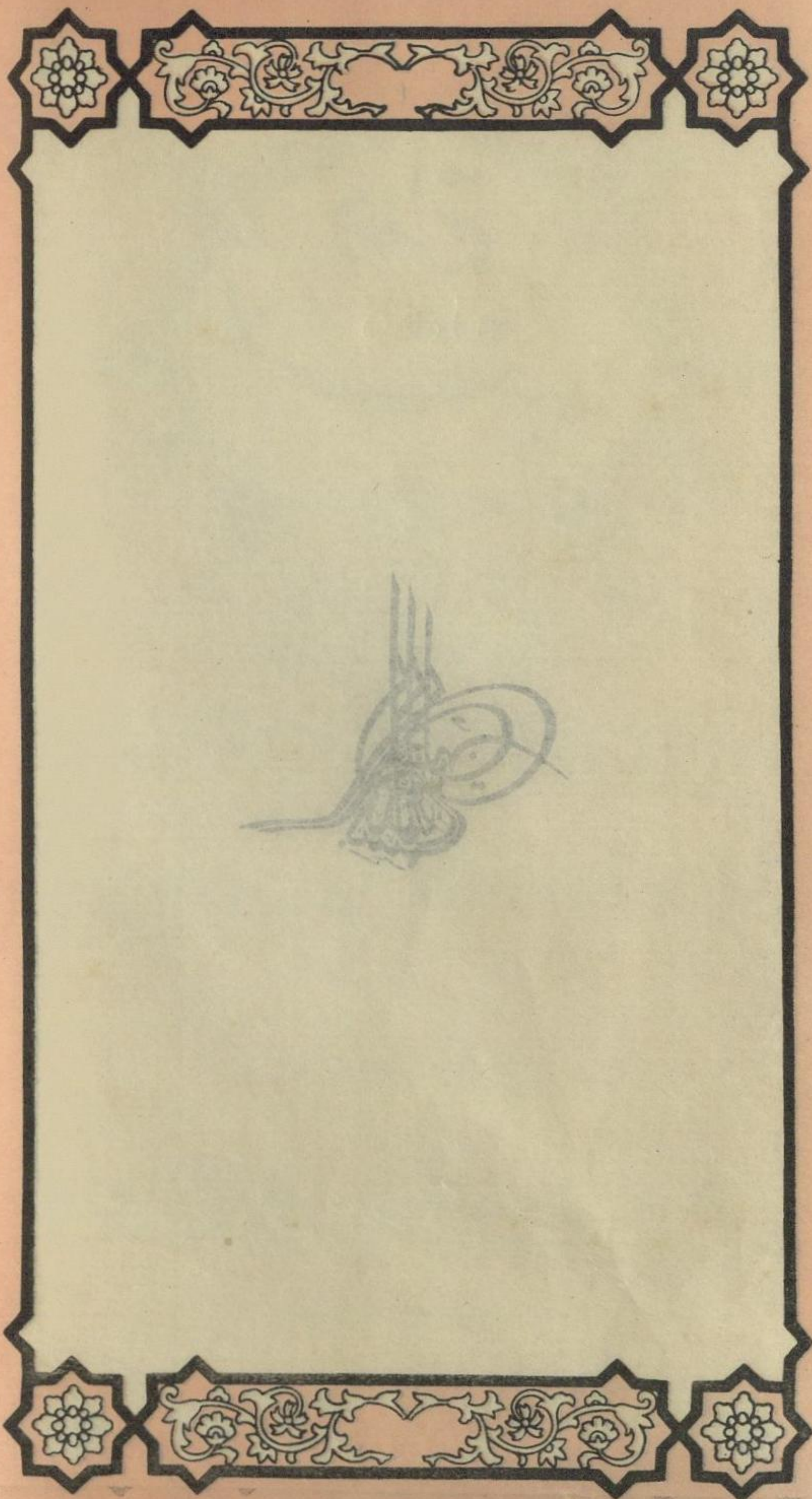
وبعد

مجدّد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام **محمدؒ بن عبدالوہاب** رحمہ اللہ
نہ صرف نجد و حجاز کے بلکہ پورے عالم عرب کے مصلح اعظم تھے۔ انہوں نے بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں اُس وقت علمِ توحید بلند کیا اور کتاب وسُنّت کی دعوت کا بیڑا اُٹھایا جب سرزمینِ عرب میں اسلام کی آواز ماند پڑ چکی تھی۔ گلستانِ توحید میں خزاں چھارہی تھی، قرآن و حدیث کی صدائے حق میں ضعف و نقاہت کے آثار اُبھر آتے تھے، قال اللہ و قال الرسول کے دل نواز نغموں اور رُوح پرور زمزموں کی جگہ بدعات ومُنکرات کی مکروہ آوازیں پردۂ سماع سے ٹکرانے لگی تھیں، اور حق وصداقت کی لہراتی ہوئی کھیتی پر شرک وقبور پرستی کی بادِ سموم کے تباہ کُن جھکڑ چلنے لگے تھے۔ **امام الدعوۃ** نے قلم، زبان، تلوار ہر طریق سے اِسلام کا دفاع کیا اور اِس محاذ کو جتنا مضبوط بنا سکتے تھے بنایا۔

آپ متعدّد کتابوں کے مصنّف اور نہایت پُراثر اور زور دار مبلّغ اسلام تھے۔

آپ کی تصانیف میں سے "**کتاب التوحید**" کو خاص طور پر شہرت واہمیّت حاصل ہے اِس کتاب میں مسئلۂ توحید کے مختلف گوشوں کی وضاحت کی گئی ہے اور اِس بنیادی رُکنِ اسلام کو قرآن وسُنّت کی روشنی میں نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس کی اہمیّت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ اہلِ علم نے اِس کی سات شرحیں سپُردِ قلم کیں۔ ان میں سے ایک شرح "**فتح المجید**" ہے جو شیخ الاسلام کے پوتے امام الموحدین

العلامۃ الشیخ عبد الرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ شیخ ممدوح اپنے جدِ امجد شیخ الاسلام محمدؒ بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ اور اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور نامور محدّث و فقیہہ تھے۔

اِس بندۂ عاجز کو ۱۹۷۲ء میں اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ کی سعادت بخشی تو وہاں کے علماء و فضلا کے بابِ عالی پر حاضری دینے کا بھی شرف حاصل ہوا، جن میں سماحۃ العلامہ فضیلۃ الشیخ محمدؒ بن عبداللہ بن سبیل المحترم امام الحرم المکی بالخصوص قابلِ ذکر ہیں آپ کے علم و فضل کی وُسعت اور اخلاقِ حسنہ سے اس درجہ متاثر ہوا کہ بار بار آپ سے ملاقات اور گفتگو کے مواقع مُیسّر آتے رہے۔ آپ پُر وقار شخصیت کے مالک اور سراپا خلوص ہیں آپ الرئاسۃ العامۃ للاشراف الدینی میں نائب الرئیس اور بیت العتیق میں امامت و خطابت کے عُہدۂ جلیلہ پر فائز ہیں منصب و عُہدہ کی اس رفعت کے باوجود متواضع اور منکسر المزاج ہیں مجھے آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ آپ نے جن نامور شیوخ سے حصولِ علم کیا ان میں سماحۃ الشیخ محمدؒ بن مقبل، فضیلۃ الشیخ عبد العزیز بن سبیل اور سماحۃ العلامہ فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن محمد بن حمید الرئیس العام للاشراف الدینی حفظہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی لائق تذکرہ ہیں۔

ایک روز دورانِ گفتگو فتح المجید کے اُردو ترجمے کا ذکر ہوا تو بہت خوش ہوئے اور اس کی تکمیل کے لیے دُعا فرمائی۔

چنانچہ حرم بیت اللہ ہی میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس اہم خدمتِ دین کا آغاز کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مُسلسل دو سال کے عرصہ میں اسی مقدس گھر میں مکمّل ہوگیا۔

خوش قسمتی سے ان دنوں پاکستان کے نامور عالمِ دین، صاحبِ لوائے توحید، ناصر السُنّۃ، قامع البدعۃ، العلامۃ الشیخ السید بدیع الدین شاہ السندی الراشدی بھی وہاں

تشریف فرما تھے۔ آپ نے از راہِ کرم پُورا ترجمہ از اوّل تا آخر سُنا اور میری رہنمائی فرمائی۔ جزاہ اللہ عنّی وعن المسلمین خیرا۔ شیخ ممدوح نے اس پر ۸۴ صفحات پر مشتمل ایک طویل مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جو معزز قارئین کے لیے اضافۂ معلومات کا باعث ہوگا۔

اسی اثنا میں اِس عاجز نے ترجمے کا ذِکر سماحۃ المفتی الشیخ ابراہیم بن محمد سے کیا جو شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی اولاد سے ہیں اور اُن دِنوں رئیس دار الافتاء والدعوۃ والارشاد کے منصب بلند پر متعیّن تھے اور اب مملکتِ سعودیہ کے محکمہ عدلیہ میں خدماتِ دینی انجام دے رہے ہیں۔ آپ بہت بڑے صاحبِ علم وفضل ہیں۔ اس خدمتِ دین کے سلسلے میں، شیخ موصوف کے مشفقانہ مشورے اور مخلصانہ دعائیں میرے لیے انتہائی ممد ومعاون ثابت ہُوئیں۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے الفتاویٰ الکبریٰ کی موجودہ ترتیب ان ہی کے جدِّ امجد شیخ محمد رحمہ اللہ کی سعی ومحنت کا نتیجہ ہے، اور یہ آلِ شیخ کی وُہ خدمتِ علمی ہے جس سے اربابِ علم ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں گے۔

علاوہ ازیں آلِ شیخ میں سے شیخ عبدالملک رئیس ہیئت امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی جو حجاز کے جیّد علماء میں سے ہیں، ترجمہ کے بارے میں اطلاع پاکر انتہائی خوش ہُوئے، مترجم عاجز کو دُعائیں دیں اور بڑی حوصلہ افزائی کی اور اس کی اشاعت کے لیے اپنے بھرپُور تعاون کا یقین دلایا۔

سماحۃ العلامۃ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز جو اس زمانے میں مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اور اب دار الافتاء والدعوۃ والارشاد کے رئیس ہیں، ترجمہ سے مطلع ہوئے تو بہت ہی خوش ہوئے اور ہر اعتبار سے تعاون کی پیش کش فرمائی۔ اللہ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مکہ مکرّمہ میں یہ پورا ترجمہ شروع سے آخر تک الشیخ بدیع الدین الراشدی السندی نے تو ملاحظہ فرمایا ہی تھا، ان کے علاوہ الشیخ عبدالغفار حسن (پروفیسر مدینہ یونیورسٹی، مدینہ طیبہ) الشیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ السندی المدرس بمعہد الحرم المکی، الشیخ عبدالوکیل المدرس۔

الحرم المکی، مولانا عطاء اللہ حنیفؒ مدیر مسئول ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور جوان دِنوں حج کے لیے تشریف لے گئے تھے، بھی اِس پر طائرانہ نظر ڈال چکے تھے۔

ترجمہ کے اختتام پر اس کی طباعت واشاعت کا مسئلہ زیرِ بحث آیا تو اس کا تذکرہ استاذی المکرم نے سماحۃ العلامۃ فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن حمید الرئیس العام للاشراف الدینی سے کیا جو نجد و حجاز کے کبار علماء کی صفِ اوّل میں شمار ہوتے ہیں۔ پہلے مملکت سعودیہ میں منصبِ قضاء پر متعین تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر اصنافِ علوم پر کامل عبور رکھتے ہیں اور عالمِ اسلام میں نہایت عزّت و احترام سے دیکھے جاتے ہیں۔

شیخ ممدوح نے میری اس کوشش کی بہت تعریف کی اور کمال مہربانی اور انتہائی شفقت سے اسے جلالۃ الملک المعظم فیصل بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے علم میں لائے۔ انہوں نے ازراہِ کرم اس طرف عنانِ توجہ مبذول فرمائی اور ایک مکتوبِ گرامی کے ذریعے جس کی ایک نقل اس عاجز کے پاس موجود ہے، اپنے ذاتی خرچ سے اس کی اشاعت کی منظوری عطا فرمائی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ، وادخلہ الجنۃ۔

پاکستان میں اِس ترجمہ پر نظرِ ثانی کے لئے میں نے مُلک کی دو اہم علمی شخصیتوں کی طرف رجوع کیا اور مجھے نہایت خوشی ہے کہ اُنہوں نے میری درخواست کو شرفِ قبولیّت بخشا اور اس کو اصل کتاب سے مقابلہ کرکے شروع سے آخر تک پُورے غور و خوض سے دیکھا اور میرے ساتھ پُورا پُورا علمی تعاون فرمایا۔ وہ ہیں مولانا محمدؐ حنیف صاحب ندوی، ڈپٹی ڈائریکٹر ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور اور مولانا محمد اسحاق صاحب بھٹی رفیق ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور۔

مولانا ندوی بہت بڑے عالم اور اسلامی فلسفہ وکلام سے متعلق متعدد کتابوں کے مصنفؒ ہیں موصوف علوم وفنون کے مختلف گوشوں پر گہری نظر رکھتے ہیں اِن کا شمار برِ صغیر پاک و ہند کے جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے جو بیک وقت مشرقی و مغربی علوم و معارف میں مجتہدانہ

دستگاہ رکھتے ہیں۔

مولانا محمد اسحاق صاحب بھٹی علمی اور ادبی دُنیا میں ایک ممتاز درجہ کے مالک ہیں۔ آپ سولہ سال تک ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور کے ایڈیٹر رہے۔ آپ کے اداریوں میں کتاب وسُنّت کی آواز قیامت تک گونجتی رہے گی۔ اب ادارہ ثقافتِ اسلامیہ میں رفیق ادارہ کی حیثیت سے علمی و تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ موصوف کئی علمی و تحقیقی کتابوں کے مصنّف اور نامور عالم ہیں۔

مَیں اُن تمام حضرات کا بدرجہ غایت شکر گزار ہوں جنہوں نے اِس اہم علمی کام کے سلسلے میں کسی صُورت میں بھی میرے ساتھ تعاون کیا اور میری حوصلہ افزائی کی۔ ربّ کریم ہی اُنہیں جزائے خیر دے گا۔

فتح المجید کے ترجمے کا کام بہت اہم مُشکل اور صبر آزما تھا۔ جو محض اللہ کی نصرت سے انجام کو پہنچا۔ مَیں نے اس کی کتابت وطباعت کو حتی الامکان معیاری بنانے کی کوشش کی ہے اور اس ضمن میں قدم قدم پر مجھے رکاوٹیں بھی پیش آئیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فضلِ خاص سے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اب کتاب قارئین کرام کے پیشِ نگاہ ہے۔ اِس سے میری مسلسل محنت اور پیہم تگ ودو کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے تاہم یہ ایک اِنسانی کوشش ہے، اگر اس میں کوئی غلطی رہ گئی ہے تو میں اربابِ نظر اور اصحابِ علم سے عرض کروں گا کہ وہ میرے کھاتے میں ڈال دیں اور مہربانی فرما کر مجھے اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح کی جا سکے۔ لیکن اگر اس کو وہ بہتر پائیں اور ان کے نزدیک یہ خدمتِ دینی درجہ قبولیّت حاصل کرنے کے لائق ہو تو اسے محض اللہ تعالےٰ کا فضل قرار دیں اور میرے لیے دُعائے خیر فرمائیں۔

یہاں مَیں ایک اور بات بھی آپ کے علم میں لانا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ میں نے صِرف اللہ تعالےٰ کی نصرت کے سہارے مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن

عبد الوہاب رحمہ اللہ کی "کتابُ التوحید" اور اس کی شرح "فتح المجید" کو انگریزی خواں طبقہ کے مطالعہ میں لانے کا بھی عزم کیا ہے۔ چنانچہ قارئینِ کرام یہ معلوم کر کے خوش ہوں گے کہ "کتابُ التوحید" کا انگریزی ترجمہ بھی زیرِ طبع ہے جو کچھ عرصہ تک طباعت کی منزل سے گزر کر آپ کے سامنے آجائے گا۔ إن شاء الله

بحمد اللہ فتح المجید کے انگریزی ترجمہ کا بہت سا حصہ مکمل ہو چکا ہے اس سلسلے میں یہ عاجز آپ کی دعاؤں کا متمنی ہے۔

وما توفیقی الّا باللہ

وصلّی اللہ علی النبیّ وآلہ وصحبہ اجمعین

واللہ اسأل ان ینفعنی بہ ومن رام الانتفاع بہ من اخوانی، وان یجعلہ من الاعمال التی لا تنقطع عنّی نفعھا بعد ان ادرج فی اکفانی ؂

عطاء اللہ ثاقب

رئیس
انصار السنۃ المحمدیۃ
فضل منزل ○ بیڈن روڈ ○ لاہور ○ پاکستان

۱۵ر ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ
۱۹ر دسمبر ۱۹۷۵ء
بروز جمعۃ المبارک

مراجع

اس کتاب کی تصنیف و تالیف اور ترجمہ و تفہیم میں

مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے

- ابو داؤد
- الادب المفرد
- الاستیعاب
- اغاثۃ اللھفان
- اُردو دائرۃ المعارف
- الافصاح
- اقتضاء الصراط المستقیم
- الباعث فی انکار البدع والحوادث
- البحر الرائق شرح کنز الدقائق
- بدائع الفوائد
- تاریخ بغداد
- ترمذی
- تطہیر الاعتقاد
- تفسیر بقی بن مخلد
- تفسیر بیضاوی
- تفسیر قرطبی
- تفسیر معالم التنزیل
- تفسیر الطبری
- التوشیح (سیوطی)
- التہذیب
- تہذیب الکمال
- جامع العلوم والحکم
- جامع المسانید
- الحجۃ علی تارک المحجۃ
- حلیۃ الاولیاء
- خلاصۃ التہذیب

- تفسیر ابن عباس
- تفسیر ابن کثیر
- تفسیر البحر المحیط
- دلائل النبوّة
- الذہب الابریز
- الرد علی من ادّعی ان للاولیاء تصرفات فی الحیات وبعد الممات علی سبیل الکرامۃ
- الرسالۃ السنّیۃ
- سراج المُریدین (صنع اللہ حنفی)
- سُنن ابنِ ماجہ
- سُنن دارمی
- سُنن سعید بن منصُور
- سُنن نسائی
- شرح درر البحار
- شرحُ المنازل
- شرح المنہاج
- شرحِ المہذب
- الصارم المنکی فی الرد علی السبکی
- صحیح ابنِ حبّان
- صحیح بخاری
- دار قطنی
- الدرر السّنیۃ فی مولد خیر البریۃ
- الدر المنثُور
- الفتاوےٰ الکبُریٰ
- فتاوےٰ بزازیہ
- الفصل فی الملل والنحل
- قرآن مجید
- قرۃ عیوُن الموحّدین
- الکافی (ابن قدامہ)
- کافیہ شافیہ ”ابن قیم“
- کامل ابن عدی
- کتابُ الاستغاثہ
- کتابُ الاصول (ابو عمر الطلمنکی)
- کتابُ الاضداد
- کتابُ الاطراف
- کتاب الانساب
- کتابُ التوحید
- کتابُ الرّد علی الجہمیّہ
- کتابُ الزّہد (امام احمد بن حنبلؒ)
- کتابُ الزّہد (بیہقی)

- صحیح مسلم
- الطبقات
- عیون المسائل
- الصحیح للبرقانی
- کتاب الکبائر
- کتاب المسائل
- کتاب المغازی
- کتاب النجوم
- اللباب فی تہذیب الانساب
- المبسوط
- المختارة
- مدارج السالکین
- مستدرک حاکم
- مسند ابن ابی شیبہ
- کتاب العلوّ
- کتاب الغنیہ عن الکلام واہلہ
- کتاب الفروع
- کتاب الصحیح (ابن خزیمہ)
- مسند ابی یعلیٰ
- مسند امام احمد
- مسند حارث بن ابی اسامہ
- مسند الخوارزمی
- مسند عبد بن حمید
- مسند الفردوس
- مفتاح دار السعادة
- موارد الظمآن
- النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر

خطّاطین

خطاط متن:

جناب سیّد انور حسین نفیس رقم صاحب

خطاط عناوین:

جناب سیّد انور حسین نفیس رقم صاحب

جناب حافظ محمد یوسف سدیدی صاحب

خطاط ترجمہ و تشریح:

جناب صوفی خورشید عالم صاحب

جناب محمد خالد صاحب،

جناب محمّد عثمان صاحب

جناب منظور احمد انور صاحب

جناب محمد اقبال صاحب

جناب محمد جمیل صاحب،

تزئین

جناب محترم جالی صاحب

مطبوعہ

مَطْبَعَۃ ابن تیمیۃ لاہور

الناشر انصار السنۃ المحمدیۃ

فہرست

جلد اوّل

تقدیم

تقاریظ

مُقدّمَة

باب فضل التوحید وما یکفر من الذنوب

بَابُ مَنْ حَقَّقَ التَّوْحِيْدَ دَخَلَ الْجَنَّةَ

باب الخوف من الشرک

بابُ الشفاعۃ

باب ماجاء ان الغلو فی قبور الصالحین یصیرھا اوثانا تعبد من دون اللہ

باب ماجاء فی حمایۃ المصطفٰی ﷺ جناب التوحید وسدہ کل طریق یوصل الی الشرک

تقريظ

سماحة العلامة الشيخ عبد القادر بن حبيب الله السندي -

المدرس بمعهد الحرم المكي - مكة المكرمة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على أشرف المرسلين نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين - أما بعد

فيقول العبد الضعيف أحد طلبة العلم بالمسجد النبوي الشريف عبد القادر بن حبيب الله السندي - الحامل على درجة الماجستير في الشريعة الإسلامية - والمدرس بمعهد الحرم المكي الإشراف الديني بالمسجد الحرام، مكة المكرمة،

إني قد اطلعت على جزء يسير على الترجمة المباركة التي قام بها الأخ الشيخ عطاء الله ثاقب رئيس أنصار السنة المحمدية بلاهور لكتاب بارع عظيم فتح المجيد شرح كتاب التوحيد للعلامة الشيخ عبد الرحمن بن حسن آل الشيخ رحمه الله تعالى من اللغة العربية إلى اللغة الأردية - تلك اللغة التي يتكلم بها ملايين المسلمين في أنحاء العالم الإسلامي فضلا عن الهند والباكستان.

واعتبر هذا العمل الجليل عملا مباركا وحسنة كبيرة للأخ الشيخ عطاء الله ثاقب المذكور.

ولا شك أنها أول ترجمة للكتاب المذكور وقد بذل فيها المترجم جهدا مباركا

يشكر عليه لأنها تقع بأسلوب سهل مفيد لا تعمق فيها ولا تعقيد يستفيد منها كل مسلم له إلمام باللغة الأردية - ولأنها تخلو عن الفلسفة اللسانية التي أضاعت على هذه الأمة ما أضاعت من دينها الحق وعقيدتها الصافية النقية -

والشيء الجميل الذي لاحظت في هذه الترجمة أن المترجم وضع نصوص الكتاب التي تشتمل مع الآيات القرآنية والأحاديث النبوية إلى جانب الأيمن من الكتاب والترجمة عن يساره، وهذا لا شك مما يعم به الفائدة الكبيرة للذي كتب ربنا جلا وعلا لهم الإستفادة بهذه الترجمة المباركة - وللترجمة مزايا أخرى كثيرة -

وأرجو الله تعالى وأتضرع إليه سبحانه وتعالى أن تعم هذه الترجمة في أنحاء العالم الإسلامي والإستفادة منها - ويكتب للمترجم الأجر والثواب مع نية خالصة لوجهه تعالى - إنه جواد كريم وبر رؤوف - وصلى الله وسلم وبارك على عبده ورسوله محمد وعلى آله وصحبه أجمعين -

حرر بالمدينة المنورة في ٢ من شهر رمضان المبارك لعام ١٢٩٣

المدرس بكلية الشريعة والدراسات الإسلامية

بجامعة الملك عبد العزيز

عبد القادر حبيب الله السندي المدرس بقسم الدراسات العليا

١٢٩٢/٩/١٢

تقريظ

سماحة العلامة وفضيلة الأستاذ الشيخ محمد حنيف الندوي حفظه الله

بسم الله الرحمن الرحيم

التحيات والطيبات لله وحده والصلاة والسلام على الرسول الخاتم الذي لا نبي بعده۔

كانت الإنسانية قبل الإسلام في الدرك السافل والمستنقع الوبيء من الشرك والجهل حيث فقدت شرفها وكرامتها التي خولها الإسلام وكانت على شفا حفرة من النار۔ متخبطة في ظلمات وظنون ومتمسكة بكل زائف وباطل غير مستقرة على ثقة وإيمان۔

فلما ألقت عليها شمس الإسلام أضواءً وهاجة أشرقت الأرض وانكشفت سحائب الحلكة واتضح الطريق وتبين الرشد من الغي وازداد الإيمان بالله رونقا وبهجة وزهق الباطل إن الباطل كان زهوقا۔

وأصدق كلمة قام بها الإسلام وتصدى بها التنزيل كلمة التوحيد التوحيد الخالص الكامل المجرد الشامل لا تشوبه لوثة الشرك والجهل۔ وهي كلمة الفصل في ذاته وصفاته وعلاقته بعباده۔

وليس التوحيد الإقرار باللسان والتصديق بالجنان بفردانيته فحسب۔ بل في الوقت ذاته وجهة نظر، ومنهاج عمل، وسلوك ومنوال للحياة المترامية الأطراف المختلفة النواحي والألوان۔ تسمو به الإنسانية وتتمكن من السيطرة على الكون ومن الكشف عن مخبآت لا حساب لها۔ ومن أجله

ومن بركته استطاع الانسان ان يجدد مكانته المرموقة فى الدنيا - ويحظى بشرفه الاصيل ومجده المفطور عليه وان شئت فقل ان فكرة التوحيد هى التى تفتح ابواب التضامن والفلاح والاخوة الشاملة الرحيبة التى الانسانية متطلعة اليها اليوم بصبواتها واشواقها كلها - وهى حل لكل معظلة فردية كانت أو شعبية وزلفى من الله -

كذلك الشرك بالله لايعتبر مجرد العقيدة الكامنة فى طيات الاذهان والقلوب بل هو ضلال وزيغ وتجنب عن الجادة القويمة التى لها ارتباطا وثيقا بالحيوة مباشرة ، بل هو فساد والتواء فى الفكر والعمل ، بل هو ازدراء بالانسانية ومذلة وعار يرمى بالانسان الى حضيض مافوقه حضيض تتخبطه طيور الغواية وتهوى به ريح الزهو والانزلاقه الى مكان سحيق وماله من محيص.

وهذا وفضل انشاء المجتمع الإسلامى على مبدء التوحيد ، يعود بلاريب ودون شك إلى الإسلام فإنه الدين الوحيد ، الذى ما اكتفى بنشر قيم المعنوية والمادية فقط بل على اضوائه الباهرة بنى بناء حيا ضخما عاليا شامخا ، وكون البنية الاسلامية بمعناها واعد رجالا يحبون الله ويحبهم رجالا لايعتزون الا بالاسلام - يذكرون الله قياما وقعودا وتتجافى جنوبهم عن المضاجع وهم لله مخلصون وشاكرون -

ولكن ياللاسف ! مامرت فترة طويلة على ذلك المجتمع المتطلع إلى الله فى جميع أحواله حتى تغيرت الظروف والموازين وغلبت على الانفس الشهوات لعدم المبالات وترك الاعتناء بمسئلة مهمة تتعلق بتربية الامة واصلاحها من جهة السلطات الدينية والعلماء المرشدين ، فاذا ركدت عملية التطور والتطهر ، وسكنت استجاشة الصدور للإرتواء من معين الكتاب والسنة الصافى النقى ،

وتغشتها الجهل بد يرنها وبدا رته النبيلة واصبحت كانها لا تمت بصلة إلى الاسلام نسيت ما ذكرت به من عقيدة التوحيد وما لها من خطورة فى معترك الحيوة واتخذتها مهجورة وراء ظهورها او بعبارة واضحة اشركت بالله وعبدت القبور والطواغيت علانية من غير خوف ورهب -

فى هذا العصر الحافل بالخرافات والمحاط بالخزعبلات تحركت سنة الله سنة الاصلاح والتجديد ولن تجد لسنة الله تبديلا - فبعث الله رجلا حكيما ، باسلا شجاعا ، عبقريا ، ومصلحا عظيما ، قد أتيح ان يبذل جهودا ضخمة بكل طاقته وعظاؤ وانشاء فى سبيل احياء الدين واذاعة عقيدة التوحيد - فكافح وجاهد ولقى فى تحقيق هدفه كل عنت وعدوان ، وواصل العمل وما وهن وما وفى - ووقف موقف المصلح فرفع معالم الدين واستجد رونقه وبهجته الأولى - الا وهو الامام الاوحد ، الحبر العلم المجتهد الحافظ النبيل ابو على شيخ الاسلام محمد بن عبد الوهاب طيب الله ثراه وبرد مضجعه وجعله فى رحاب رحمته الواسعة -

وشخصية الامام كما يعرفه كل من له ادنى المام بالتاريخ الإسلامى شخصية بارزة عظيمة لم تظهر فى القرون الثلاثة الاخيرة مثله -

دعى دعوة إلى التمسك بعروة الدين المتين لا انفصام لها داعيا -

بان الدين هو الاساس الوحيد الذى يبنى عليه الهيكل الإسلامى الحضارى العلمى و نبرته هذه طرقت كل اذن وزنت كل سمع تجاوزت حدود نطاق العرب وانتهت إلى اقصى العالم الإسلامى ولا نبالغ فى القول اذا نقول ان اليقظة الراهنة فى ارجاء العالم الإسلامى بحذافيره موكولة إلى جهود الامام الجبارة التى بذلها فى سبيل اعلاء كلمة الحق وتضحيات حملها - ومن حسن حظ النهضة انها منذ اول يوم نالت عون الدرعية وترعرعت فى احضان آل السعود ولا تزال تكسب منها عطفا ونصرا

مؤزرا حكومة وشعبا ودبج يراعه كتبا عديدة رائعة ورسائل وفتاوى تدل على علمه الموفور ونظره الثاقب - منها

١ ـــــ مختصر صحيح البخاري

٢ ـــــ كتاب التوحيد - الذي هو حق الله على العبيد

٣ ـــــ كشف الشبهات

٤ ـــــ كتاب الكبائر

٥ ـــــ القواعد الاربع في التوحيد

٦ ـــــ مختصر زاد المعاد

٧ ـــــ احاديث الفتن

٨ ـــــ فضائل الإسلام

٩ ـــــ اصول الإيمان

١٠ ـــــ مختصر الإنصاف

١١ ـــــ مختصر الشرح الكبير

١٢ ـــــ مسائل الجاهلية

١٣ ـــــ مفيد المستفيد

١٤ ـــــ آداب المشي الى الصلوة

١٥ ـــــ اصول الدين الإسلامي

ومن أكبر كتب الإمام نفعا وأوسعها بركة ونفوذا كتابه الفذ كتاب التوحيد الذي أثار العقول وأنار الأذهان وغير مجرى التاريخ ولعب دورا هاما في تاريخ الإصلاح والتجديد نصر فيه السنة ودعم فيه الطريقة السلفية بأوضح الأدلة وأبين الحجج يتلى في العالم الإسلامي كله مشارقه ومغاربه بكل شوقه وتقدير

والف شرحه فتح المجيد المضافي الفضل حفيده الشيخ عبدالرحمن ابن حسن رحمه الله - واودع فيه درر المعاني المكنونة المبتكرة واخرجه في اسلوب قشيب جذاب حيث زاد اقبال الناس اليه - فيه من نصوص القرآن لامعة والحديث واقوال السلف زاهرة مايضاعف الإيمان والثقة ويحطم اغلال الكفر والشرك ويهدم احد البدعات والظنون ، بل فيه مايشفي العليل ويروي الغليل ، ونور وهداية وما تقربه العيون وتلتذ به الأنفس . ومايكاد يقرأه احد حتى تزيل عنه زيوف الفكر وتتطرق إلى خلد اهواء ، وهاجة وارا ، صافية مبرأة من كل لوث لاغبش فيها ولا غبار -

وفي نهاية المطاف نقول كلمات عن ترجمة فتح المجيد شرح كتاب التوحيد المذكور آنفا - قد حاول فضيلة الأستاذ الشيخ عطاء الله ثاقب " رئيس انصار السنة المحمدية " بباكستان ترجمه من العربية إلى الاردوية وسماها : "هداية المستفيد" والترجمة سهلة عذبة ، دالة على قدرة المترجم على اللغتين اعني العربية والاردوية على السواء ، ولا نتعدى حدود الصدق اذا نهنئه على ذالك فإنه موفق ماجور - ونسئل الله العلي القدير ان يوفقه لمزيد -

محمد حنیف الاول

نائب مدير المؤسسة الثقافية الإسلامية

بلاهور - باكستان ،

فضيلة الشيخ عطاء الله حنيف الفوجياني

رئيس التحرير مجلة الأسبوعية "الاعتصام" لاهور

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى - اما بعد

فمما لاشك فيه ان فتنة الشرك بالله تعالى وعبادة القبور واتخاذها اوثانا وعبادتها
من دون الله قد عمت وشاعت في كثير ممن يدعي الإسلام - ووالله ماهم بمسلمين حقا - ومما
لامرية فيه ان الترجمة الاردية لكتاب التوحيد الذي هو حق الله على العبيد قد انتفع بها
آلاف ملايين من العامة والخاصة من أبناء القارة الهندية -

ولقد سررت كثيرا حينما علمت ان اخانا الفاضل الشاب الشيخ عطاء الله ثاقب
رئيس أنصار السنة المحمدية بلاهور الباكستان قد قام بترجمة اجل الشروح عليه وهو الكتاب
البارع النافع فتح المجيد شرح كتاب التوحيد للعلامة الشيخ عبد الرحمن بن حسن آل الشيخ رحمه الله
إلى الاردية وقد قمت بمراجعة بعض الفصول من هذه الترجمة ، فوجدت ان الأخ المترجم
قد وفق في نقل الأصل إلى الاردية بأسلوب سهل بسيط ،

واني اوافق ماكتبه فضيلة الشيخ عبد الغفار حسن الأستاذ بالجامعة الاسلامية
بالمدينة الطيبة من ضرورة طبع هذه الترجمة وتوزيعها في انحاء العالم الاسلامي
ليعم بها النفع ويهدي الله بها كثيرا إلى التوحيد الخالص - وتجتث جذور الشرك

والبدعة -

والله اسأل ان يتقبله كما تقبل اصل الكتاب وشرحه - انه سميع مجيب

وانا العاجز الفقير

محمد عطاء الله حنيف الفوجياني

المدير العام للمكتبة السلفية ، بلاهور

ورئيس التحرير جريدة الاسبوعية "الاعتصام" بلاهور

ورئيس جمعية اهل الحديث بمنطقة لاهور - الباكستان

نزيل حالا بمكة المكرمة ٦ ذوالقعدة سنة ١٣٩٢ هج

تقریظ

سماحۃ العلامۃ فضیلۃ الشیخ عبدالغفار حسن

المدرس بجامعۃ الاسلامیۃ - مدینۃ طیبۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان الشیخ عطاء اللہ ثاقب قد بذل جهده فی نقل الکتاب ، فتح المجید شرح کتاب التوحید من العربیۃ إلی الاُردیۃ -لاشک ان هذا السعی سعی مشکور وعمل مبرور-

وقد درست بعض الابحاث المهمّۃ وقارنت بین اصل الکتاب وبین ترجمته فوجدت انہ قد اصاب فی نقل مطالب الکتاب إلی الاردیۃ بعبارۃ سهلۃ واسلوب مناسب -

فهذه الترجمۃ جدیرۃ بان توزع علی الناطقین باللغۃ الاُردیۃ کی تستقیم عقیدتهم وتنشرح صدورهم بنور الإیمان-

واخیرا ادعوا اللہ تعالیٰ ان یرزق هذه الترجمۃ القبول لدی الناس کما رزق اصل الکتاب القبول -

والسلام

عبدالغفار حسن

المدرس بالجامعۃ الاسلامیۃ
بالمدینۃ الطیبۃ

تقریظ

مولانا محمّد اسحٰق صاحب بھٹیؒ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ - لاہور

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

مجدّد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمّد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ عالمِ فکر و عمل کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ اُنھوں نے سرزمینِ نجد میں اس وقت علمِ توحید بلند کیا جب کہ نہ صرف عالمِ عرب مختلف قسم کی بدعات اور خلافِ شرع رسُوم کی زنجیروں میں جکڑا ہُوا تھا، بلکہ پُوری دُنیا کے مسلمان اسلام کی صاف سُتھری اور واضح تعلیمات کو فراموش کر چکے تھے۔ ان کی تبلیغی مساعی کی رفتار اس درجہ تیز اور زُود اثر تھی کہ اس نے بہت جلد مستقل جہاد کی صُورت اختیار کرلی جس نے کفر و شرک کے ایوانوں میں لرزہ بپا کر دیا۔ انھوں نے خوابِ غفلت میں پڑے ہُوئے لوگوں کو جگایا، جو جاگ رہے تھے، ان کو جھنجھوڑا اور ان میں کتاب و سُنّت کی اطاعت عمل بالحدیث اور اتباعِ توحید کی نئی رُوح پھُونکی۔ غیر شرعی طاقتوں پر ان کا حملہ اس قدر زور دار اور مؤثر تھا کہ جو سامنے آیا اس نے مُنہ کی کھائی۔ وُہ ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھے۔ علم و فضل کی نعمت سے پُوری طرح بہرہ ور، قلم اور تلوار کے دھنی، قوّتِ گویائی اور زورِ بیان میں بے نظیر، دلائل و براہین کے پیش کرنے میں عدیم المثال، کلمۂ حق کہنے میں جری مصلحِ وقت اور مجدّدِ دعوتِ اسلامیہ تھے۔ علاوہ ازیں اشاعتِ اسلام کے لیے جس جرأت و دلیری، جوش و جذبہ اور قلبی و فکری بے داری کی ضرورت ہے اس

سے مالامال تھے اور حالات و واقعات کی رفتار سے پوری طرح آگاہ تھے۔ یہ تمام اوصاف ان کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے اس انداز اور مقدار میں ودیعت کر دیے تھے کہ وُہ بڑی سے بڑی غیر دینی طاقت سے ٹکر لینے اور خلافِ شرع رسُوم و عوائد سے برسرِ پیکار رہنے کے لیے اپنے آپ کو ہر آن آمادہ و تیار پاتے تھے۔

اُنھوں نے نجد و حجاز کے تپتے ہُوئے صحراؤں اور وسیع و عریض علاقوں کو جو اپنی تگ و دو کا مرکز ٹھہرایا تو اس کا مقصد فقط لتكون كلمة الله هي العليا کی تکمیل تھا۔ اِن کی زندگی کا مقصدِ وحید یہی تھا۔ اِن کے پیشِ نظر نہ مال و دولت جمع کرنا تھا اور نہ دینوی جاہ و جلال کا حصول ان کے سامنے تھا۔ ان کا مطمحِ نظر توحید کی نشر و اشاعت، اللہ اور اس کے رسُول ﷺ کے احکام کی ترویج اور دینِ حق کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنا تھا، اس کے لیے اُنھوں نے اپنی مساعی وقف کر دیں لوگوں کو اسلام کا بھولا ہُوا سبق یاد دلایا اور اس میں وُہ بفضلہٖ کامیاب رہے۔

اِن کی صدائے حق پر سعودی خاندان میں جس نے سب سے پہلے لبیک کہا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیّت کو پھیلانے کا عہد کیا وہ موجودہ سعودی سلطنت کے ایک بزرگ امیر محمدؒ بن سعود تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

آپ نے باقاعدہ شیخ الاسلام محمدؒ بن عبدالوہابؒ کے حلقہ بیعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ امیر ممدوح نہایت نیک، بہادر، اُونچے درجے کے منتظم اور امورِ سیاسیہ کے نبض شناس تھے۔ دُور اندیشی، صالحیّت، جرأت و دلیری، ذاتی وجاہت اور معاملہ فہمی میں اپنا کوئی حریف نہ رکھتے تھے۔ آپ نے دُشمن اور طاقتور حریفوں کا نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ عددی اعتبار سے قلّت میں ہونے کے باوجُود مضبوط اکثریّت پر فتح پائی اور دُنیا نے اپنی آنکھوں سے اللہ کے اس فرمان کی صداقت کا نظارہ دیکھا۔

كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله

امیر ممدوح کو اتباعِ حق کے لیے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور وہ کئی قسم کی تکالیف سے دوچار ہُوئے ، لیکن اس مردِ حق نے اپنے عہد پر قائم رہنے کا صحیح عزم کر رکھا تھا ، اس لیے اس کے پائے استقلال میں کوئی جنبش آنا تھی نہ آئی ۔ نہ اس کو کوئی دنیوی لالچ اپنی جگہ سے ہٹا سکا اور نہ کوئی تکلیف اس کے ارادے کو متزلزل کر سکی ۔ اُنہوں نے شیخ سے جو پیماں باندھا اس پر نہ صرف وُہ ذاتی طور پر قائم رہے ، بلکہ آج تک خاندانِ سعود اور آلِ شیخ اس پر پُوری طرح عمل پیرا ہیں ، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ **سعودی حکومت** اسلام کی مستحکم بنیادوں پر استوار ہے اور لیل و نہار کی ہزاروں گردشوں کے باوجُود اس میں شرائعِ اسلامی کی تنفیذ کا جذبہ اَب بھی اسی طرح موجزن ہے ، جس طرح کہ پہلے تھا اور مستقبل سے روشنی کی لہریں اُٹھتی ہُوئی نظر آ رہی ہیں ۔ دُعا ہے ، اللہ تعالیٰ اس کو ہر اعتبار سے استحکام بخشے ، نصرتِ الٰہی ہمیشہ اس کے شاملِ حال رہے اور سطحِ ارض پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کے احکام و اوامر کی ترویج و تنفیذ کے لیے یہ ابد الآباد تک مثالی مملکت کی حیثیت سے قائم رہے ۔

شیخ الاسلام **محمدؒ بن عبد الوہاب** رحمہ اللہ زرخیز اور ہمہ گیر ذہن و فکر کے مالک تھے شرک کی سرحدوں تک پہنچتی ہوئی بدعات کی اس یلغار کے مقابلے میں جہاں وُہ توحید کے بُہت بڑے مبلغ اور پُر جوش مجاہد فی سبیل اللہ تھے ، وہاں متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنّف بھی تھے ۔ ان کی تصنیفات میں جس کتاب نے خصوصیّت کے ساتھ اپنی اثر انگیزیوں کے لحاظ سے بہت زیادہ شہرت حاصل کی ، وُہ کتاب التوحید ہے ۔ اس کی مقبولیّت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اَب تک اس کی کئی شرحیں معرضِ تسوید میں آ چکی ہیں ، جن میں ایک شرح ان کے پوتے امام الموحّدین الشیخ عبد الرحمٰن بن حسن متوفی ۱۲۵۸ھ) نے فتح المجید کے نام سے لکھی ۔ یہ شرح بڑی مفصّل اور جامع ہے ۔ کتاب عربی زبان میں ہے ۔ اُردُو ادب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کی یہ دِلی خواہش تھی کہ اس کو اُردُو میں منتقل کیا جائے ۔ ہمارے معزّز دوست مولانا عطاء اللہ ثاقبؔ رئیس انصار السنۃ المحمدیہ پاکستان اہلِ شوق کے شکریہ

کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے حسن وخوبی سے یہ علمی خدمت انجام دی اور اس کتاب کو اُردو کے قالب میں ڈھال کر اُردو داں طبقے کو اس سے مستفید ہونے کا سامان فراہم کیا۔

جزاه الله عنا وعن جميع المسلمين خيرا۔

مجھے اس ترجمہ کو اوّل سے آخر تک دیکھنے کا موقع ملا ہے اور میں نے اس کے ایک ایک لفظ کو بڑے غور سے پڑھا اور اس کا کتاب سے مقابلہ کیا ہے۔ ترجمہ اصل کتاب کے مطابق، رواں دواں اور شستہ ہے۔ یہ ترجمہ اسلامی لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافے کی حیثیّت رکھتا ہے۔ توقع رکھنی چاہیے کہ اُردو داں حضرات اس کو اپنے مطالعہ میں لائیں گے اور کتاب کے مضامین ومندرجات سے مستفید ہوں گے۔

مُقدّمَة

من

ناصر السنة النبوية — ناصر العقيدة السلفية

قامع البدعة — المجاهد لاعلاء كلمة الله

الصلب فی السنة — الملازم للعبادة

العالم الفاضل — المحدّث الفقیه

رئیس المحققین — العلامة الشیخ

السیّد بدیع الدّین الشاه

السندی الراشدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین و لا عدوان الا علی الظٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین و علی اٰلہ و اصحبہ اجمعین ــــ اما بعد،

توحید باری تعالیٰ ہی ایسا مسئلہ ہے جسے سمجھانے کے لئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت ہوئی، جیسا کہ فرمایا:

ولقد بعثنا فی کل امۃٍ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت (النحل-۳۶)	ہم نے ہر اُمت میں ایک رسُول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

اسی دعوت کو عام کرنے کے لئے کتب اور صحیفے نازل ہوتے اور سب سے آخری رسُول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر آخری کتاب قرآن کریم نازل ہوا جس کا مقصدِ وحید بھی یہی تھا کہ دعوتِ توحید کو پھیلایا اور عام کیا جائے۔ ارشاد ہے:

ھذا بلاغ للناس ولینذروا بہ ولیعلموا انما ھو الٰہ واحد ولیذکر	یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لئے اور یہ بھیجا گیا ہے اس لئے کہ ان کو اس کے ذریعہ سے خبردار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس

اولوا الالباب (ابراہیم ۵۲) ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آجائیں

بلکہ قرآنِ کریم کی ہر آیت سے صراحتہً یا کنایتہً توحید ہی کا اثبات ہوتا ہے۔ یہی بات شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "کلمہ طیبہ" میں کہی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں پختہ اور مفصل ارشاد ہوئی ہیں، ایک دانا اور باخبر ہستی کی طرف سے کہ تم نہ بندگی کرو مگر صرف اللہ کی۔ میں اس کی طرف سے خبردار کرنے والا بھی ہوں اور بشارت دینے والا بھی۔	کتٰب احکمت ایٰتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر الا تعبدوا الا اللہ انی لکم منہ نذیر و بشیر ○ (ھود، ۱-۲)

انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی جو بڑی بڑی تکلیفوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اس کا سبب بھی یہی دعوتِ توحید تھی۔ فرمانِ الٰہی ہے:

یونہی ہوتا رہا ہے ان سے پہلے کی قوموں کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جسے انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ ساحر ہے یا مجنون۔	کذلک ما اتی الذین من قبلہم من رسول الا قالوا ساحرا و مجنون ○ (الذاریات، ۵۲)
تمہاری طرف سے ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لئے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی خدا قرار دیتے ہیں۔ عنقریب انہیں معلوم ہو جائیگا،	انا کفینٰک المستہزءین ○ الذین یجعلون مع اللہ الٰہا اخر فسوف یعلمون (الحجر، ۹۵-۹۶)
اور ان اہلِ ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے	وما نقموا منہم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید (البروج، ۸)

الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله ط (الحج ۴۰)

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

وقال رجل مؤمن من اٰل فرعون يكتم ايمانه اتقتلون رجلا ان يقول ربي الله وقد جاءكم بالبينٰت من ربكم ط (المؤمن-۲۸)

اس موقع پر آلِ فرعون میں سے ایک مومن شخص جو اپنا ایمان چھپاتے ہوتے تھا بول اٹھا، کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل کرو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بینات لے آیا۔

یہی سلوک رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ روا رکھا گیا، ارشادِ خداوندی ہے

وقال الكفرون هذا سحر كذاب ○ اجعل الالهة الها واحدا ج ان هذا لشيء عجاب ○ وانطلق الملا منهم ان امشوا واصبروا على اٰلهتكم ج ان هذا لشيء يراد ○ ما سمعنا بهذا في الملة الاٰخرة ان هذا الا اختلاق ○ (ص، ۴، ۵، ۶، ۷)

منکرین کہنے لگے کہ یہ ساحر ہے۔ سخت جھوٹا ہے کیا اس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے اور سردارانِ قوم یہ کہتے ہوتے نکل گئے کہ چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں کی عبادت پر، یہ بات تو کسی اور غرض سے کہی جا رہی ہے یہ بات ہم نے زمانہ قریب کی ملت میں کسی سے نہیں سنی۔ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک من گھڑت بات'

رسول اللہ ﷺ کو مخالفین کی طرف سے کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لتبلونّ في اموالكم وانفسكم

مسلمانو! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائش

ولتسمعن من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذًی کثیراط (آل عمران ۱۸۶)

پیش آکر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے ،

متعدد مقامات پر لڑائیاں ہوئیں ، کم وبیش نو برس کے عرصہ میں چوبیس لڑائیوں میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس شریک ہوئے ۔ بدر ، احد ، حنین اور تبوک وغیرہ معرکے توحید الٰہی کے قیام کے لئے ہوئے ۔ ارشادِ الٰہی ہے :

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ (الانفال ۳۹)

اے ایمان لانے والو ! ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے ۔

مکی دَور میں مشرکین کی طرف سے آنحضرت کو کئی قسم کی اذیتیں برداشت کرنا پڑیں ۔ مثلاً بد زبانی ، استہزاء ، مارپیٹ اور ترکِ موالات ، پھر شعب ابی طالب میں قید کے دن گزارنا ۔ آخر مجبور ہو کر ہجرت کرنا پڑی اور مکہ معظمہ کو خطاب کر کے فرمایا :

واللہ انك لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ الی اللہ ولولا انی اخرجتُ منك ما خرجت (ترمذی ابن ماجہ)

بخدا تو اللہ کی بہترین سرزمین ہے اور اللہ کی ہر سُو پھیلی ہوئی تمام زمین میں سے اس کی محبوب ترین زمین ہے اگر مجھے تجھ سے نکال نہ دیا جاتا تو میں بالکل نہ نکلتا ۔

ان سب تکلیفوں کی محرّکِ اوّل دعوت توحید تھی اور جب کہیں آپؐ نے کوئی مبلّغ بھیجا تو اس کو بھی اسی مسئلہ کی طرف دعوت دینے کے لئے حکم فرمایا ، چنانچہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے وقت ارشاد فرماتے ہیں :

اول ما تدعوھم الیہ ان

تم ان کو سب سے پہلی دعوت یہ دو کہ وہ اللہ کی توحید

یوحد واللہ (بخاری) کا اقرار کریں۔

کیونکہ تمام اعمال کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولقد اوحی الیك والی الذین من قبلك لان اشركت لیحبطن عملك ولتكونن من الخسرین ○ (الزمر - ۶۵)

تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاً کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہوگے

بلکہ توحید ہی سے عمل صالح کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک اللہ پر ایمان رکھنے سے دوسروں کا خوف دِل سے نکل جاتا ہے اور جن سے امیدیں وابستہ تھیں وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر یہ دو وجہیں رجا، خوف، عمل صالح کے لئے دل میں رغبت اور میلان پیدا کرتی ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو صحیح طور پر نہیں جانتے جس طرح کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنے رسُولِ مقبول ﷺ کی زبانی اپنی شان بیان فرمائی ہے، وہ دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح غیر اللہ کو مددگار یا مشکل کشا جاننے والے، یا ان کے توسل سے نجات یا حاجت روائی یا امراض سے شفا حاصل کرنے کا عقیدہ رکھنے والے اللہ تعالیٰ سے بالکل بے خوف ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے بناوٹی معبودوں یا وسیلوں کا خیال رہتا ہے وہ ان ہی کی بد دعا سے ڈرتے اور ان کی سفارش کے اُمیدوار رہتے ہیں۔ اسی طرح ان کے لئے گناہوں اور برائیوں کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور ان کے پاؤں راہِ حق سے پھسلتے رہتے ہیں۔ توحید ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جس کی بدولت ایک مومن نیکی، عملِ صالح، اخلاقِ حسنہ، ایمان داری اور راست بازی پر قائم رہ سکتا ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

فمن یکفر بالطاغوت و

اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لے

یؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لانفصام لھا (البقرۃ-۲۵۶)	آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔
ومن یسلم وجھہ الی اللہ وھو محسن فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ (لقمان-۲۲)	جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے اور عملاً وہ نیک ہو۔ اس نے فی الواقع ایک بھروسے کے قابل سہارا تھام لیا۔

بلکہ اسی توحید سے انسانیت کا نظام برقرار رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے:

امر الا تعبدوا الا ایاہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون ٥ (یوسف-۴۰)	اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ٹھیٹھ سیدھا طریقِ زندگی ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

اور اسی سے اُمّت کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم رہتا ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولاتتفرقوا فیہ کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ (الشوریٰ-۱۳)	اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جسے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہی بات اِن مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے

توحید ہی کی بدولت آپس میں بگڑے ہوئے دِل ملیں گے، بغض، حسد اور کینہ سے صاف ہوں گے جیسا کہ فرمایا:

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ	تم لوگوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے

فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برءٰٓؤا منکم ومما تعبدون من دون اللہ	ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا۔ ہم تم سے اور تمہارے اِن معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔
کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتّٰی تؤمنوا باللہ وحدہٗ (ممتحنہ۔۴)	ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بَیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

توحید کی طرف دعوت دینا رسُول اللہ ﷺ کے متبعین کا شیوہ ہے جو کہ دعوت و تبلیغ میں ان کے سچے جانشین ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

قل ھذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحان اللہ وما انا من المشرکین○ (یوسف۔۱۰۸)	آپ ان سے صاف کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے مَیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

توحید کی حقانیت جب لوگوں کے دلوں میں بیٹھنے لگی تو ہر آنے والی مصیبت ان کے لئے سہل ہونے لگی۔ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا گرم پتھروں اور کوئلوں پر احد احد پکارنا، خبیب جہنی رضی اللہ عنہ کا شہادت سے قبل دو رکعت پڑھنے کی اجازت طلب کرنا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بوقت وفات شہادت کی حسرت میں رونا، حالانکہ ان کے جسم کا ہر حصّہ اللہ کی راہ میں دشمن کے وار کا نشانہ بن چکا تھا۔ اسی طرح غزوہ تبوک میں مالی و معاشی مشکلات پر صبر و استقامت سے رہنا۔ نیز صحابیات کا اپنے بیٹوں کی شہادت پر صبر کرنا بلکہ خوش ہونا اور اس قِسم کے بے شمار واقعات جو تاریخِ اسلام کے شاہ کار ہیں

سب اس حقیقت پر دلالت کناں ہیں کہ وہ توحید کو دِل کی گہرائیوں سے جان چکے تھے اور اس کی عاقبت محمودہ پر ایمان رکھتے تھے۔ یہی وہ حلاوۃ الایمان ہے جس کا ذکر صحیحین کی روایات میں موجود ہے کہ وہی شخص ایمان کی لذت کو پا سکتا ہے جو تین صفات کا حامل ہو ان میں سے ایک صفت یہ ہے:

وَيَكْرَهُ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ	جب اللہ نے اس کو کفر کی حالت سے نکال دیا تو وہ اس میں دوبارہ جانے کو اسی طرح برا سمجھے جس طرح کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

زمانۂ نبوت کے بعد خلفائے راشدین کے دَور میں بھی یہی حال رہا کہ توحید کو زبان، قلم اور تلوار سے دُور دُور تک پھیلایا۔ مشرکین کی کئی ریاستیں فتح کیں اور وہاں اسلام کا جھنڈا گاڑ کر توحید الٰہی کو چمکایا۔ اس وقت سے لے کر آج تک علمائے حق کا یہی طریقہ رہا ہے۔

لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین)	میری اُمّت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہیگا جو انہیں ذلیل کرتے ہیں اور ان کی مخالفت کے درپے ہیں وہ انہیں تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے فیصلہ کن وقت آجائے اور وہ اس پر قائم ہوں گے۔

جہاں کہیں توحید کے دشمنوں نے سَر اٹھایا تو سینہ سپر ہو کر اس کا مقابلہ کیا توحید کے ایک ایک جز کی نگہداشت اور حفاظت کی۔

فتنہ خلق قرآن توحید پر ایک زبردست وار تھا۔ اُس وقت اس مسئلہ کو ایسا مشکل بنا کر پیش کیا گیا کہ کم علم والا اس کو سمجھ نہ سکے، ان کا خلاصہ استدلال یہ تھا:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ	اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

(المزمر - ۶۲)

قرآن کی اس آیت کے بعد وہ یہ کہتے ہیں :

وَالْقُرْآنُ شَيْءٌ مِّنَ الْاَشْيَاءِ — قرآن باقی اشیا میں شے ایک شے ہے۔

پس ثابت ہوا کہ قرآن بھی مخلوق ہے (معاذ اللہ)

اس استدلال میں ایسی گہری تلبیس ہے جس کو معلوم کرنا ہر شخص کا کام نہیں اور کئی کم فہم لوگ اس کا شکار ہو گئے۔ ان لوگوں نے اپنے مذعومہ دلائل کو فلسفہ یونان کا رنگ چڑھا کر مزید الجھا دیا۔ کہنے لگے، کلام اللہ کی صفت ہے اور صفت قائم بالموصوف ہوتی ہے لہٰذا یہ صفت اللہ سے کیسے الگ ہو سکتی ہے اور جس کا نزول ہوا ہے وہ تو حروف ہیں جو رٹ کر معدوم ہو سکتے ہیں۔

وَمَا ثَبَتَ قِدَمُهٗ اِسْتَحَالَ عَدَمُهٗ — جس کا قدیم ہونا ثابت ہے، اس کا معدوم ہونا محال ہے۔

ان کی یہی بحث آج تک چلی آ رہی ہے۔

کچھ دن ہوئے ایک مولوی صاحب نے جن کا تعلق اہل الرائے سے تھا میرے ساتھ بحث کرتے ہوئے یہی دلیل پیش کی۔

علامہ ابن عابدین الشامی المتوفی ۱۲۵۲ھ الرد المختار حاشیہ الدر المختار جلد ۳ صفحہ ۲۲ طبع دوم میں لکھتے ہیں :

اَنَّ غَيْرَ الْمَخْلُوْقِ هُوَ الْقُرْآنُ يَعْنِيْ كَلَامُ اللّٰهِ الصِّفَةُ النَّفْسِيَّةُ الْقَائِمَةُ بِهٖ تَعَالٰى لَا بِمَعْنَى الْحُرُوْفِ الْمَعْنَى الْمُنَزَّلَةِ — یقیناً قرآن ہی غیر مخلوق ہے یعنی وہ اللہ کا کلام ہے۔ اس کے ساتھ استوار ہے معنی حروف میں نہیں معنی منزلہ میں۔

قرون اولیٰ جو کہ مشہود لہم بالخیر ہے، کے لوگوں کا عقیدہ تھا جو امام سفیان ابن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ سے تواتر کے ساتھ مروی ہے :

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ قَالَ اَدْرَكْتُ — عمرو بن دینار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے

اَلنَّاسَ مُنْذُ سَبْعِيْنَ سَنَۃً | ستر سال سے لوگوں کو پایا، رسول اللہ ﷺ
اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم | کے صحابہ اور ان کے علاوہ بھی یہی کہتے تھے، اللہ خالق
فَمَنْ دُوْنَہُمْ یَقُوْلُوْنَ: اَللّٰہُ خَالِقٌ | ہے اور جو اس کے سوا ہے وہ مخلوق ہے۔ مگر قرآن
وَمَا سِوَاہُ مَخْلُوْقٌ اِلَّا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّہٗ | مخلوق نہیں، وہ اللہ کا کلام ہے جو اسی سے نکلا ہے۔
کَلَامُ اللّٰہِ مِنْہُ خَرَجَ وَاِلَیْہِ یَعُوْدُ | اور اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔

(ذکرہ الذہبی فی کتاب العلو للعلی الغفار ص۱۱۵ طبع ثانیہ)

پس جس طرح اللہ کی ذات بے مثل ہے اور ہم اس پر بلا تکییف و تمثیل ایمان رکھتے ہیں اسی طرح اس کی صفات سب بے مثل ہیں اور ان پر بھی بغیر کسی بحث عن الکیفیت والشبہۃ کے ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح قراءت اور مقروء، تلاوت اور متلو میں فرق کرتے ہیں۔

اَلْفِعْلُ فِعْلُ الْقَارِیْ وَالْکَلَامُ کَلَامُ الْبَارِیْ | فعل، قاری کا فعل ہے اور کلام، اللہ کا کلام ہے۔

اس فتنے کو روکنے کے لئے ائمہ دین میدان میں آئے چنانچہ عبد العزیز الکنانی رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے فرزند ارجمند کے سر پر کفن باندھ کر خلیفہ مامون الرشید کے دربار میں بشر مریسی اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ مناظرہ کے لئے بغداد جاتے ہیں اور مناظرہ شروع ہوتا ہے بالآخر بشر مریسی تنگ آکر کہتا ہے کہ عبد العزیز بار بار نصوص (آیات و احادیث) کو استدلال میں لاتا ہے اور مجھ سے بھی نص کا مطالبہ کرتا ہے اگر وہ قیاس و نظر کی رو سے بحث کرے تو ابھی وہ خلق قرآن کا قائل ہو جائے گا۔ بصورتِ دیگر میرا سر قلم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو مامون الرشید پر کہ اس نے بشر کو خطاب کرکے کہا:

تَقُوْلُ لِرَجُلٍ تُنَاظِرُ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ دَعْہُمَا وَاخْرُجْ اِلَی النَّظَرِ وَالْقِیَاسِ | تم ایسے شخص سے جو کتاب و سنت کی روشنی میں مناظرہ کرتا ہے کہتے ہو کہ ان کو چھوڑ دو، اور نظر و قیاس کے

هٰذا مالا یجوز۔ نقطہ نظر سے بات کرو، یہ بات صحیح نہیں ہے۔

(حاشیہ۔ کتاب الحیدہ ص۱۲۵)

آخر میں عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس و نظر کی روشنی میں گفتگو کی پھر بھی بموجب وعدہ الٰہی۔

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے

(ابراھیم-۲۷)

مخالف کو زبردست شکست ہوئی۔

اسی طرح نعیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے ساتھی قید خانے میں مار کھا کر جان بحق ہوئے اور ظالموں نے غسل و کفن اور جنازہ کے بغیر ان کو گڑھے میں ڈال کر دفن کر دیا۔

امام اہل السنۃ ابو عبد اللہ احمد بن حنبل الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد اور قید و بند کی زندگی کو کیسے فراموش کیا جا سکتا ہے کبھی کوڑے لگ رہے ہیں اور کبھی طمع اور لالچ دلائی جاتی ہے امام موصوف کی زبان پر یہی مطالبہ جاری ہے۔

اَعْطُوْنِیْ شَیْئًا مِّنْ کِتَابِ اللّٰهِ عزوجل اَوْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اقول بہ۔ تم میرے سامنے کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے کوئی چیز پیش کرو تاکہ میں بھی اسی کے مطابق جواب دوں۔

(مناقب امام احمد بن حنبل لابن جوزی صفحہ ۳۲۲)

اس اثنا میں کئی لوگ مارے گئے، جیل میں ٹھونسے گئے، سزائیں دی گئیں لیکن:

فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوتے۔ انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوتے، ایسے ہی صابروں کو

الصَّابِرِيْنَ ۔ اللہ پسند کرتا ہے۔

(آل عمران-۱۴۶)

اسی طرح دیگر صفاتِ الٰہیہ کا انکار پھر تشبیہہ اور تاویل، ان سب کا مقابلہ اُمت کے فحول ائمہ وعلما نے کیا پھر اصنام تصادیر، قبروں اور مزاروں کی پوجا پاٹ اور ان پر نذر و نیاز اور عرس و میلے، غیر اللہ (یعنی انبیاء، صلحاء اور اولیاء) کو پکارنا، ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، ان کو دعا و مغفرت اور حاجت روائی کے لئے وسیلہ یا واسطہ بنانا، غرض کئی قسم کے شرک تھے، جن کی اہلِ علم نے تردید کی اور ان کو مٹانے کی کوشش کی، اس میں جان و مال خرچ کیے، کتابیں تصنیف کیں۔

امام سید جعفر الصادق بن محمد بن الباقر بن علی ابن زین العابدین بن الحسین الشہید بن علی بن ابی طالب سے کتاب التوحید المسمیٰ بہ الادلۃ علی الحکمۃ والتدبیر والرد علی القائلین بالاہمال ومنکری العمل مروی ہے۔

صحیح بخاری میں جو کہ قرآن کریم کے بعد سب سے اوّلین اور صحیح ترین کتاب ہے امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ نے کتاب کے آخر میں مستقل عنوان کتاب التوحید والرد علی الجہمیہ وغیرہم ذکر فرمایا ہے جس میں کئی مسائل توحید مختلف ابواب کے تحت بیان کیے ہیں جن میں سے چند ایک درج ہیں:

باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ امتہ الی توحید اللہ تبارکت اسمائہ وتعالیٰ۔

باب قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ

باب قول اللہ عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدا و ان اللہ عندہ علم الساعۃ۔

باب السوال باسماء اللہ تعالیٰ والاستعاذۃ بہا۔

باب قول اللہ تعالیٰ کل شیء ہالک الا وجہہٗ

باب کان عرشہ علی الماء وہو رب العرش العظیم

باب قول اللہ تعالٰے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ

باب قول اللہ تعالیٰ ان اللہ یمسک السمٰوٰت والارض ان تزولا۔

باب ماجاء فی تخلیق السمٰوٰت والارض وغیرہا من الخلائق وہو فعل الرب وامرہ فالرب بصفاتہ وفعلہ وامرہ وکلامہ ہو الخالق الکون غیر مخلوق وما کان بفعلہ وامرہ وتخلیقہ وتکوینہ فہو مفعول مخلوق مکون،

باب قول اللہ تعالٰے قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربہ

باب المشیئۃ والارادۃ

باب قولہ ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ حتےٰ اذا فزع عن قلوبہم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق وہو العلے الکبیر، ولم یقل ماذا خلق ربکم وقال من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ،

باب قولہ انزلہ بعلمہ والملٰئکۃ یشہدون،

باب قول اللہ وکلم اللہ موسٰی تکلیما،

باب ذکر اللہ بالامر وذکر العباد بالدعا والتضرع والرسالۃ والابلاغ،

باب قول اللہ فلا تجعلوا للہ اندادا،

باب قول اللہ کل یوم ہو فی شان

باب قول اللہ تعالیٰ واللہ خلقکم وما تعملون انا کل شیء خلقناہ بقدر،

باب قول اللہ ونضع الموازین بالقسط لیوم القیٰمۃ۔

وغیرہا من الابواب، جن میں توحید کے اہم مسائل بیان کرنے کے ساتھ امام ہمام فرق باطلہ کی اجمالاً تردید کر گئے ہیں۔ اسی طرح امام موصوف نے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی جو "خلق افعال العبادؒ" کے نام سے معروف ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

قال ابو عبد اللہ والقرآن کلام اللہ غیر مخلوق لقول

ابو عبد اللہ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی رُو سے قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے، درحقیقت

الله عز وجل إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ	تمہارا ربّ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوا، جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے سب اس کے فرمان کے تابع ہیں۔
بامرہ (الاعراف-۵۴)	
فبیّن ان الخلائق والطلب والحثیث والمسخرات بامرہ ثم شرح فقال أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ۔	پس اس سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ جو چیزیں اس آیت میں مذکور ہیں اور وہ جس خدمت پر مامور ہیں وہ سب اللہ کے حکم سے ہیں، پھر تشریح کی اور فرمایا، الا لہ الخلق والامر فتبارک اللہ رب العٰلمین،

ایک مقام پر لکھتے ہیں :

باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ سلم یستعیذ بکلمات اللہ لا بکلام غیرہ ولا بکلام الجن والانس والملئکۃ وفی ھذا دلیل ان کلام اللہ غیر مخلوق وما سواہ خلق۔اھ	باب اس حقیقت کے بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ نہ اللہ کے کلام سے پناہ مانگتے تھے، نہ کسی اور کے کلام سے۔ نعیم کہتے ہیں، آنحضرت ﷺ نہ مخلوق سے پناہ طلب کرتے تھے نہ جنّ اور انسان کے کلام سے نہ فرشتوں سے یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ مخلوق ہے۔

اس طرح دوسرے آئمہ دین نے بھی اپنی اپنی تصنیفات میں توحید کو واضح فرمایا، امام الائمہ قدوۃ اہل السنۃ داعی الی الحق، قامع البدعۃ، الصابر فی المحنۃ، ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المتوفی ۲۴۱ھ کی کتاب السنۃ اور کتاب الرد علی الجھمیۃ اکثر کتابوں کی ماخذ ومنبع ہیں اور آپ ہی کی زبانی وقلمی محنت وجہاد سے عقیدہ اہل الحق اجاگر ہوا

اور حق و باطل میں تمیز ہوئی

امام اہل الحدیث علی بن المدینی شیخ البخاری کا قول مشہور ہے۔

اِنَّ اللّٰہ عزّ و جلّ اَعَزَّ الدِّیْنَ بِرَجُلَیْنِ لَیْسَ لَہُمَا ثَالِثٌ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقِ یَوْمَ الرِّدَّۃِ وَاَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ یَوْمَ الْمِحْنَۃِ۔

اللہ عزّ و جل نے دو آدمیوں سے دین کو عزت بخشی، اس میں کوئی تیسرا شامل نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جنگ یمامہ کے دن جو اہل ردہ سے لڑی گئی اور امام احمد بن حنبلؒ سے ان کے امتحان و آزمائش کے موقع پر جو خلق قرآن کے سلسلہ میں ہوا۔

امام اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَوْلَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَبَذَلَ نَفْسَہٗ لِمَا بَذَلَہَا لَہٗ لَذَہَبَ الْاِسْلَامُ۔

اگر امام احمد بن حنبلؒ نہ ہوتے اور اپنے آپ کو میدان میں نہ لے آتے جس طرح کہ لے آئے تو اسلام رخصت ہو جاتا۔

مناقب احمد لابن جوزی صفحہ ۱۱۰ تا ۱۱۶

بلکہ امام موصوف کے ساتھ محبت و بغض ہی اہل السنۃ واہل البدعۃ میں پہچان کا اصل پیمانہ ہے۔

امام ابو حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِذَا رَأَیْتُمُ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ فَاعْلَمْ اَنَّہٗ صَاحِبُ سُنَّۃٍ

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ امام احمد بن حنبلؒ سے محبت رکھتا ہے تو جان لو کہ وہ سُنّت کا شیدائی ہے۔

ابو جعفر الفلاس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اِذَا رَأَیْتَ الرَّجُلَ یَقَعُ فِیْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ فَاِنَّہٗ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ

جب تو دیکھے کہ کوئی شخص امام احمد بن حنبلؒ پر تنقید کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔

(تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل صفحہ ۳۰۸)

آپ کے بعد متعدد علمائے دین نے کتابیں تالیف فرمائیں آپ کے صاحبزادہ ابو عبدالرحمٰن عبداللہ المتوفی ۲۹۰ھ نے کتاب السنۃ لکھی جس میں اپنے والد بزرگوار کے علاوہ متقدمین ومتاخرین ائمہ کے اقوال جمع کیے ہیں اور آیات، احادیث اور آثار سے توحید کے مسائل بیان کیے ہیں۔ مشرکین اور اہل بدعت کی خوب تردید فرمائی ہے۔

نیز آپ کی دوسری کتاب الرّد علی الجہمیہ بھی ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ نے کتاب القدر لکھی،

امام محمد بن نصر المروزی المتوفی ۲۹۴ھ نے کتاب السنۃ تصنیف فرمائی۔

امام ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی شیخ البخاری المتوفی ۲۱۹ھ نے رسالہ اصول السنۃ لکھا۔

امام عثمان بن سعید الدارمی المتوفی ۲۸۰ھ نے کتاب الرد علی الجہمیہ لکھی، مقدمہ میں صفاتِ الٰہیہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَهٰذَا الرَّبُّ نُؤْمِنُ بِهٖ وَإِيَّاهُ نَعْبُدُ وَلَهٗ نُصَلِّي وَنَسْجُدُ فَمَنْ قَصَدَ بِعِبَادَتِهٖ إِلٰى إِلٰهٍ بِخِلَافِ هٰذِهِ الصِّفَاتِ فَإِنَّمَا يَعْبُدُ غَيْرَ اللّٰهِ وَلَيْسَ مَعْبُوْدُهٗ بِإِلٰهٍ كُفْرَانَهٗ لَا غُفْرَانَهٗ۔اھ

پس یہی وہ پروردگار ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی کے لیے نماز پڑھتے اور اسی کے حضور سربسجود ہو جاتے ہیں، جو شخص اس کے علاوہ کسی ایسی ہستی کی عبادت کرے جو ان صفات سے محروم ہو تو وہ غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اس کا معبود، اللہ نہیں ہے۔ وہ شخص کافر ہوا اس کی بخشش نہیں ہوگی۔

ان کی دوسری کتاب "الرد علی بشر المریسی" ہے یہ دونوں کتابیں ابواب وعناوین مشتمل ہیں۔

امام ابوبکر بن ابی عاصم احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی الاصبہانی المتوفی

۲۸۷ھ نے کتاب السنۃ ابواب وتراجم کی ترتیب سے جمع کی۔

امام المفسرین ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ نے کتاب السنۃ والرد علی الاہواء تصنیف فرمائی۔

امام ابوبکر ابن الاثرم احمد بن محمد بن ہانی الطاقانی الاسکافی المتوفی سنہ ۲۶۰ھ نے کتاب السنۃ لکھی۔

امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہ محمد بن اسحاق السلمی النیسابوری المتوفی سنہ ۳۱۱ھ نے کتاب التوحید مشتمل بر ابواب جمع کی، اور ان میں آیات واحادیث کو جمع کیا اور اہلِ بدعت کی تفصیل سے تردید کی، ایک ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں:

باب ذکر الدلیل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما اراد بالکبائر[1] فی هذا الموضع ماهو دون الشرك من الذنوب - الخ

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

باب ذکر البیان ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشفع للشاهد للہ بالتوحید الموحد للہ بلسانہ اذا کان مخلصًا مصدقًا بذلك بقلبہ لا لمن یکون شهادتہ بذلك منفردۃ عن تصدیق القلب - الخ

باب اس تذکرہ کے سلسلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی شفاعت فرمائیں گے جو اخلاص کے ساتھ اور دِل کی تصدیق کے ساتھ اللہ کی توحید کی شہادت دیتا اور زبان سے اللہ کو ایک قرار دیتا ہے۔ لیکن اس شخص کی شفاعت نہیں کریں گے جس کی شہادت تصدیقِ قلب سے خالی ہو۔

---

[1] یعنی حدیث الشفاعۃ لاہل الکبائر۔

امام موصوف نے ایک اور چھوٹی سی کتاب تصنیف کی وہ بھی کتاب التوحید کے نام سے موسوم ہے۔ اس کتاب کے بارے میں مقدمہ میں لکھتے ہیں

لایدرك طالب السنة والجماعة هذا المذهب[1] الواحد حتی یتعلم هذا الکتاب و یحفظہ حفظاً۔ الخ

سنت و جماعت کا طلب گار اس وقت تک اس واحد و منفرد مذہب کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کتاب کا علم حاصل نہ کر لے اور اس کو ذہنی و فکری طور پر اچھی طرح حفظ نہ کرلے۔

اس کتاب میں خاص خاص عنوان یہ ہیں:

باب تفسیر التوحید

باب تفسیر الدین

باب تفسیر الایمان

باب تفسیر الاسلام

باب تفسیر السنة والجماعة

باب تفسیر البدعة

باب تفسیر القدر

باب تفسیر الارجاء

باب تفسیر الاعتزال وصفة المعتزلة

باب تفسیر الرفض وصفة الروافض

باب تفسیر الجهم

باب تفسیر الزندقة

---

[1] یعنی فرقہ ناجیہ کا مذہب جو تہتر فرقوں میں سے ایک ہے۔

باب تفسیر المعرفۃ

باب اصل التوکل

باب اصل الشک

باب تفسیر العمل وصفۃ العاملین

باب تفسیر الذِکر

باب اصل المعصیۃ

باب تفسیر الکفر

باب تفسیر النفاق

باب اصل الفِسق

باب تفسیر التقویٰ

باب تفسیر الریاء

باب تفسیر الھواء

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے کتاب السنۃ تصنیف کی۔

امام ابوبکر ابن ابی شیبہ عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم العبسی والواسطی الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ نے کتاب الایمان لکھی جس میں احادیث و آثار مع اسانید کے مروی ہیں۔

امام ابوعبید القاسم بن سلام البغدادی المتوفی ۲۲۴ھ نے کتاب الایمان ومعالمہ وسننہ واستکمالہ ودرجاتہ مرتب کی جس کو احادیث وآثار کے علاوہ اپنے فاضلانہ کلام وتحقیقِ انیق سے مزین کیا۔

امام ابوحاتم بن محمد بن ادریس الرازی الحنظلی المتوفی ۲۷۷ھ نے بھی اس پر کتاب لکھی

امام ابوالشیخ ابومحمد بن حیات عبد اللہ بن جعفر الاصبہانی المتوفی ۳۶۹ھ نے کتاب العظمۃ

وکتاب السنة وغیرہ لکھیں ۔

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل بن ابی بشر الاشعری المتوفی سنہ ۳۲۴ھ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ منجملہ ان کے کتاب الابانة فی اصول الدیانة اور اختلاف المضلین و مقالات الاسلامیین مشہور ہیں ۔

امام ابوبکر بن ابی داوٗد عبداللہ بن سلیمان السجستانی المتوفی سنہ ۳۱ھ کی کتاب البعث معروف ہے۔ عقیدہ کے بارے میں ان کا ایک قصیدہ بھی اہلِ علم کے ہاں متداول ہے ۔

امام ابن قتیبہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم الدینوری المتوفی سنہ ۲۷۶ھ کی کتاب تاویل مختلف الحدیث قابل دید ہے ان کی ایک اور کتاب الاختلاف فی اللفظ والرد علی الجھمیہ والمبتعة بھی ہے ۔

امام ابو جعفر محمد بن عثمان بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی المتوفی سنہ ۲۹۷ھ نے کتاب العرش لکھی،

امام ابوبکر الاسمٰعیلی احمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل الجرجانی المتوفی سنہ ۳۷ھ نے اعتقاد اہل السنة لکھی ۔

امام ابوالحسن علی بن مہدی الطبری المتکلم المتوفی سنہ ۳۵۵ھ نے مشکلات الآیات تصنیف کی

امام ابن مندہ ابوعبداللہ بن اسحاق ابن یحییٰ العبدی الاصبھانی المتوفی سنہ ۳۹۵ھ نے کتاب الایمان ابواب کے مطابق مرتب فرمائی۔ نیز ان کی تصنیفات کتاب التوحید اور کتاب الصفات مشہور و معروف ہیں ۔

امام ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب الخطابی البستی المتوفی سنہ ۳۸۸ھ نے کتاب الغنیہ عن الکلام واہلہ تصنیف فرمائی ۔

امام ابو احمد العسال محمد بن احمد بن ابراہیم بن سلیمان الاصبھانی المتوفی سنہ ۳۴۹ھ نے کتاب المعرفة فی السنة، کتاب الرؤیہ، کتاب الصفات وغیرہ تصنیف کیں ؛

امام الناقدین ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی المتوفی سنہ ۳۸۵ھ کی تصنیفات کتاب الرؤیہ اور کتاب الصفات معروف ہیں ۔

امام ابن شاہین ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان ابن احمد البغدادی المتوفی ۳۸۵ھ نے کتاب السنۃ تالیف کی۔

امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ البغدادی الاجری المتوفی ۳۶۰ھ نے کتاب الشریعۃ ابواب پر مرتب کی۔

امام ابوالحسین محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن الملطی المتوفی ۳۷۷ھ نے کتاب التنبیہ والرد علی اہل الھواء والبدع لکھی۔

پانچویں صدی ہجری

امام ابن فورک ابوبکر محمد بن الحسن المتوفی ۴۰۶ھ نے ایک سو کے قریب کتابیں تحریر کیں۔ جن میں کئی توحید اور عقائد پر مشتمل ہیں۔

امام ابن الباقلانی ابوبکر محمد بن طیب الطبری المتوفی ۴۰۳ھ نے الابانۃ کے نام سے کتاب لکھی۔

امام ابوالقاسم اللالکائی ہبۃ اللہ بن الحسن الطبری المتوفی ۴۱۸ھ نے شرح اعتقاد اہل السنۃ کے نام سے ایک ضخیم کتاب رقم کی۔ جس میں روایات واقوال اسانید کے ساتھ مروی ہیں۔

امام ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے کتاب الاعتقاد تالیف فرمائی۔

امام ابوزکریا یحییٰ بن عمار السجستانی الواعظ المتوفی ۴۲۲ھ نے بھی اس پر ایک رسالہ لکھا۔

امام ابوعمرو الطلمنکی احمد بن محمد بن عبداللہ الاندلسی المتوفی ۴۲۹ھ کی کتاب "الوصول الی معرفۃ الاصول" مشہور و معروف ہے۔

امام ابونصر السجزی عبیداللہ بن سعید الوائلی المتوفی ۴۴۴ھ نے کتاب الابانۃ لکھی۔

امام ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی المتوفی ۴۴۴ھ نے کتاب الارجونۃ فی عقود الدیانۃ تحریر کی۔

امام ابوعثمان الصابونی اسماعیل بن عبدالرحمان النیسابوری المتوفی ۴۴۹ھ کا رسالہ المعروف بہ عقیدۃ "السلف و اصحاب الحدیث" قابلِ قدر ہے۔ اس رسالے میں فرماتے ہیں:

اصحاب الحدیث حفظ اللہ احبارھم ورحم ابدا انھم یشھدون للہ تعالی بالوحدانیۃ و للرسول صلی اللہ علیہ وسلم بالرسالۃ والنبوۃ ویعرفون ربھم بصفاتہ التی نطق بھا وحیہ وتنزیلہ اوشھدلہ بھا رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ما وردت الاخبار الصحاح بہ ونقلتہ العدول الثقات عنہ و یثبتون لہ جل جلالہ ما اثبت لنفسہ فی کتابہ وعلی لسان رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ولایعتقدون تشبیھا لصفاتہ بصفات خلقہ۔

محدثین کرام اللہ ان کے علما کی حفاظت فرمائے اور ان پر رحم کرے وہ اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت و نبوت کی شہادت دیتے ہیں وہ اپنے رب کی ان صفات کا اقرار کرتے ہیں جو وحی و تنزیل کا منطوق ہیں یا جن کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے ان احادیثِ صحیحہ میں دی، آپ سے عدول اور ثقات راویوں کے ذریعے مروی ہیں۔ وہ اس جل جلالہ کے لیے ان ہی صفات کا اقرار کرتے ہیں جو اس نے خود اپنے لیے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں اور اپنے رسول ﷺ کی زبانِ مبارک سے بیان فرماتی ہیں، وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ اس کی صفات کو اس کی مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیں۔

امام ابوبکر البیہقی احمد بن الحسین بن علی الخسروجردی المتوفی ۴۵۸ھ کی (۱) کتاب الاسماء والصفات (۲) کتاب الاعتقاد علی مذہب السلف اہل السنۃ والجماعۃ (۳) کتاب المعتقد

ان کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔

امام ابن حزم ابو محمد علی بن احمد بن سعید الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ کی معرکۃ الآرا کتاب "کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل" اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔

امام ابو یعلیٰ محمد بن الحسین بن الفراء البغدادی المتوفی ۴۵۸ھ نے "کتاب ابطال التاویل" تالیف فرمائی۔

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الہروی المتوفی ۴۸۱ھ نے "کتاب ذم الکلام واہلہ" اور "کتاب الصفات" تحریر کیں۔

اس صدی میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ گزرے ہیں جنہوں نے عقائد کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں، وَمَا یعلم جنود ربک الا ھو۔

چھٹی صدی ہجری

امام ابو الحسن الکرجی المتوفی ۵۲۳ھ گزرے ہیں جنہوں نے عقائد کو ایک قصیدہ میں جمع کیا ہے جو دو سو بیت سے زیادہ ہے

امام سید ابو محمد عبدالقادر بن ابی صالح الجیلانی المتوفی ۵۶۱ھ کی کتاب "غنیۃ الطالبین" مشہور کتاب ہے، آپ نے جا بجا توحید و عقائد کے مسائل بیان کیے ہیں اور مشرکین و مبتدعین کے فاسد عقائد کا سختی سے رد کیا ہے۔

امام ابو الفرج جمال الدین ابن الجوزی عبدالرحمٰن ابن ابی الحسن علی بن محمد القرشی التیمی البکری البغدادی المتوفی ۵۹۷ھ نے کئی کتابیں تصنیف کیں مثلاً "تلبیس ابلیس" "دفع شبہۃ التشبیہ" وغیرہ۔

امام قوام السنہ ابو القاسم اسماعیل بن محمد ابن فضل القرشی التیمی الطلحی الاصبہانی المتوفی ۵۳۳ھ نے کتاب السنۃ، اور سیرت السلف تصنیف فرمائی۔

امام ابوحامد محمد بن محمد بن محمد الطوسی الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی کتاب الجام العوام عن علم الکلام شرح اسماء الحسنٰی الرد علی الباطنیۃ الاقتصاد فی الاعتقاد وغیرہ قابل مطالعہ ہیں۔

امام محدث شام ابن عساکر ابوالقاسم علی بن حسن ابن ہبۃ اللہ الدمشقی المتوفی ۵۷۱ھ نے کئی کتابیں لکھیں، مثلاً تبیین کذب المفتری فیما نصب الی الامام ابی الحسن الاشعری، بنیان الوہم والتخلیط فیما اخرجہ ابوداؤد من حدیث الاطیط، مجلس فی نفی التشبیہ، مجلس فی التنزیہ، ذم الرافضۃ الصفات وغیرہ،

قاضی ابوالحسن بن الفرا محمد بن ابی یعلیٰ محمد ابن الحسین البغدادی المتوفی ۵۲۶ھ نے ایضاح الدلالۃ فی الرد علی الفرق الضالۃ المضلۃ اور الرد علی زائغی الاعتقادات فی منعہم من سماع الآیات لکھیں۔

شیخ ابن الزاغوانی ابوالحسن علی بن عبید اللہ ابن سعد بن السری المتوفی ۵۲۷ھ نے کتاب الایضاح فی اصول الدین لکھی۔

شیخ ابوالحسین الکرجی محمد بن عبد الملک بن محمد ابن عمر الفقیہ المتوفی ۵۳۲ھ نے کتاب "الفصول فی اعتقاد الائمۃ الفحول" تصنیف کی۔

شرف الاسلام شیخ عبد الوہاب بن ابی الفرج عبد الواحد بن محمد الانصاری الشیرازی الدمشقی المتوفی ۵۳۶ھ نے کتاب البرہان فی اصول الدین لکھی۔

شیخ ابوالخیر رضی الدین احمد بن اسماعیل ابن یوسف الطالقانی المتوفی ۵۹۰ھ نے حلولیہ اور جہمیہ کے رد میں کتاب "التبیان فی مسائل القرآن" تصنیف فرمائی۔

علامہ شیخ ابوبکر محمد بن الولید بن محمد الطرطوسی المتوفی ۵۲۰ھ نے کتاب البدع والحوادث لکھی۔

ساتویں صدی ہجری

امام موفق الدین ابن قدامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد ابن محمد المقدسی الجماعیلی المتوفی ۶۲۰ھ

نے کئی کتب تصنیف کیں مثلاً :

البرہان فی مسئلۃ القرآن

الاعتقاد

مسئلۃ العلو

ذم التاویل

کتاب القدر

تحریم النظر فی کتب اہل الکلام، وغیرہ

امام الضیاء المقدسی ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد السعدی الصالحی المتوفی ۶۴۳ھ ہجری نے کتاب الالہیات لکھی۔

امام ابو شامہ المقدسی ابوالقاسم شہاب الدین عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن ابراہیم المتوفی ۶۶۵ھ کی کتب ضوء الساری الی معرفۃ رؤیۃ الباری اور الباعث علی انکار البدع والحوادث معروف ہیں۔

امام فخر الدین الرازی ابو عبداللہ محمد بن عمر بن حسین القرشی الطبرسانی المتوفی ۶۰۶ھ کی کتابیں اقسام الذات، الاربعین فی اصول الدین، کتاب الملل والنحل، کتاب المعالم فی اصول الدین قابل ذکر ہیں۔

شیخ کمال الدین ابوالحسن علی بن محمد بن محمد ابن وضاح البغدادی الفقیہ الزاہد المتوفی ۶۷۲ھ نے کتاب الدلیل الواضح اقتفاء نہج السلف الصالح اور کتاب الرد علی اہل الالحاد لکھی۔

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی الانصاری المفسر المتوفی ۶۷۱ھ نے شرح اسماء اللہ الحسنیٰ لکھی۔

شیخ نجم الدین ابو عبداللہ احمد بن حمدان بن شبیب بن حمد النمیری الحرانی الفقیہ المتوفی ۶۹۵ھ نے مقدمہ فی اصول الدین لکھی۔

شیخ شرف الدین ابو احمد داؤد بن عبد اللہ بن کوشبار البغدادی المتوفی ۶۹۹ھ نے تحریر الدلائل لکھی۔

آٹھویں صدی ہجری

ایک طرف جہاں اندھی تقلید کی وجہ سے علم کی کمی واقع ہوئی اور نصوصِ قرآن و حدیث سے لوگ دُور چلے گئے تھے تو دوسری طرف فلسفہ یونان نے اپنا تسلط جمار کھا تھا اور قرآن و حدیث کے بجائے منطق، رائے اور قیاس کا دور دورہ تھا۔ شہر بغداد جو علم کا مخزن اور گہوارہ تھا اور اس کا کوئی کوچہ محدث اور داعی الی اللہ سے خالی نہ تھا، اسی بنا پر مدینۃ السلام کے نام سے مشہور ہوا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یونس بن عبد الاعلیٰ سے کہا :

تو کبھی بغداد شہر میں داخل ہوا ہے ؟ اس نے کہا نہیں

آپ نے فرمایا تو :

ما رأیت الدنیا — تو نے ابھی تک دنیا نہیں دیکھی۔

(تاریخ بغداد ج اوّل صفحہ ۴)

وہاں حنفیہ و شافعیہ کے اختلافات اور جا بجا مناظروں نے تاتاریوں کے لیے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے دروازہ کھول دیا۔ اس پُر آشوب اور کٹھن دَور میں اللہ تعالےٰ نے مردِ مجاہد متقی صابر امام العلماء استاذ الاساتذہ مجدّد القرن شیخ الاسلام، مرجع الاعلام ابو العباس تقی الدین ابن تیمیہ احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام ابن عبد اللہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ کو پیدا کیا، آپ تمام صفاتِ حسنہ سے متصف تھے حتیٰ کہ شیخ تقی الدین سبکی جو ان کے سخت ترین مخالفین میں سے تھے یہ اعتراف کرتے ہیں :

جمع اللہ لہ من الورع والزھادۃ والدیانۃ ونصرۃ — اللہ نے ان میں ورع و تقوےٰ، زہد، دیانت، نصرتِ حق اور اس پر قیام، پوری طرح جمع کر دیا تھا، اس کے علاوہ

الحق والقیام فیہ لا لغرض	ان میں اور کوئی غرض نہ تھی، اللہ نے ان کو طریق سلف پر
سواہ وجراہ علی سنن السلف	گام فرسا کیا اور ان سے بہترین کام لیا، اس زمانے میں
واخذہ من ذلك بالماخذ الاوفی و	ان کو انفرادیت بخشی بلکہ کہنا چاہیئے کہ تمام زمانوں میں انہیں
غرابة مثلہ فی ھذا الزمان بل من ازمان	منفرد کیا۔

(القول الجلی لعماد الدین الواسطی ص۲)

اسی طرح جمیع علوم دینیہ میں امام موصوف اپنی نظیر آپ تھے جس فن میں دیکھیے معلوم ہوگا شاید آپ کو اس کے علاوہ کسی دوسرے فن میں مہارت نہیں ہے حافظ ابن سید الناس رحمہ اللہ آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الفقیہ من ادرك من العلوم	ایسے فقیہ جو دیگر علوم سے بھی بہرہ مند تھے اور جنہوں نے
حظا وکاد ان یستوعب	سنن و آثار کا احاطہ کر لیا تھا اور یہ سب علوم ان کو حفظ
السنن والآثار حفظا	تھے اگر آپ ان سے تفسیر کے موضوع پر بات کریں تو
ان تکلم فی التفسیر	وہ اس کا بھی پرچم اٹھاتے ہوتے دکھائی دیں گے
فھو حامل رایتہ او افتی	اگر فقہ سے متعلق فتوے دیں گے تو اس کے بارے میں
فی الفقه فھو مدرك غایتہ	معلومات کی آخری سرحد پر کھڑے نظر آئیں گے، اگر علم
	حدیث پر گفتگو ہوگی تو معلوم ہوگا کہ وہ اس پر بھی
او ذاکر فی الحدیث فھو	حاوی اور صاحب روایت ہیں۔ ملل و نحل کے بارے
صاحب علمہ و ذو روایتہ۔ او	میں بات کی جاتے تو اس سلسلے میں بھی آپ عقل و درایت
حاضر فی الملل والنحل لم تر اوسع	میں کسی کو ان سے بڑھا ہوا اور وسیع المعلومات نہیں پائینگے
من علتہ فی ذلك ولا ارفع من درایتہ	ہر فن اور ہر علم میں اپنے ابناء جنس سے ممتاز ہیں۔ کسی آنکھ
برز فی کل فن علی ابناء جنسہ ولم	نے ان کی مانند کسی دوسرے کو نہیں دیکھا اور نہ خود ان
ترعین من راہ مثلہ ولا رأت	کی آنکھ نے اپنے جیسا کسی اور کو دیکھا۔ تفسیر میں بات

عینہ مثل نفسہ، کان یتکلم فی التفسیر فیحضر مجلسہ الجم الغفیر ویردون من بحرہ العذب النمیر ویرتعون من ربیع فضلہ فی روضۃ غدیر (الی اخر ما قال)

کرتے تو ان کی مجلس میں لوگوں کا جم غفیر جمع ہو جاتا اور ان کے علم کے شیریں اور خالص دریا سے اپنی پیاس بجھاتے اور ان کے بہار آسا باغ کی شمیم آرائیوں سے استفادہ کرتے تھے۔

مندرجہ بالا صفات کا حامل انسان ہی مجدّد ہو سکتا ہے:

شیخ علامہ زملکانی جو سب سے زیادہ شیخ الاسلام کے ساتھ ضد اور تعصب رکھتے تھے وہ آپ کی تعریف میں رقم طراز ہیں:

لقد اعطی ابن تیمیۃ الید الطولی فی حسن التصنیف وجودۃ العبارۃ والترتیب والتقسیم والتبیین وقد الان اللہ لہ العلوم کما الان لداؤد الحدید وکان اذا سئل عن فن من العلم ظن الرائی و السامع انہ لایعرف غیر ذلک الفن و حکم ان احدا لایعرفہ مثلہ وکان الفقہاء من سائر الطوائف اذا جلسوا معہ استفادوا فی مذاہبہم منہ مالم یکونوا عرفوہ قبل

ابنِ تیمیہ کو اللہ کی طرف سے حُسنِ ترتیب، عبارت کی عمدگی و ترتیبِ موضوع کی تقسیم اور اپنے مدعا کی وضاحت میں یدِ طولےٰ سے نوازا گیا تھا اللہ نے اسی طرح ان کے لیے علوم کو مسخر کر دیا تھا جس طرح کہ حضرت داؤد کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا جب اُن سے علم کے کسی گوشے کے متعلق سوال کیا جاتا تو دیکھنے اور سننے والا یہی سمجھتا کہ اس فن کے سوا وہ اور کسی فن کے بارے میں معلومات نہیں رکھتے اور یہ فیصلہ کرتا کہ ان کی طرح اور کوئی شخص اس فن سے آگاہی نہیں رکھتا۔ ہر مکتبِ فکر کے فقہا جب ان کے پاس بیٹھتے تو اپنے مذاہبِ فقہیہ کے بارے میں ان سے استفادہ کرتے اور وہ کچھ حاصل کرتے جن سے وہ اس سے قبل آگاہ نہ تھے یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کبھی کسی سے مناظرہ کیا ہو اور پھر اس سے شکست کھا گئے ہوں، انہوں نے جب بھی کسی

ذلك ولا يعرف انه ناظر احدا فانقطع معه ولا تكلم فى علم من العلوم سواء كان من علوم الشرع او غيرها الا فاق فيه اهله والمنسوبين اليه - الخ

علم کے بارے میں وہ علم شرعی ہو یا غیر شرعی کسی عالم سے گفت گو کی، اس سے فوقیت لے گئے اور ان علوم کے ماہرین پر فتح حاصل کی۔

انہوں نے زبان، قلم اور تلوار سے جہاد فی سبیل اللہ کیا اور کئی جگہ سے شرکیہ نشانات مٹائے، غیر اللہ کی پرستش کے اڈے گرائے اور توحید وعقائد پر کئی کتابیں تحریر فرمائیں۔ مثلاً

۱۔ الواسطیہ

۲۔ التدمیریہ

۳۔ الحمویۃ

۴۔ الاسفہانیہ

۵۔ التوسل والوسیلہ

۶۔ کتابُ الایمان

۷۔ کتابُ النبوات

۸۔ الرد علی الاخنائی والبکری

۹۔ الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح

۱۰۔ منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ،

۱۱۔ الزیارۃ الشرعیۃ والبدعیۃ

جن سے اہلِ اسلام کو قوت ملی، اہلِ توحید اور سلفی عقائد کے لوگوں کی ہمتیں عود کرآئیں اہلِ بدعت کی ہمتیں پست ہوئیں، ان کی بنائی ہوئی عمارتیں بنیادوں سے اکھڑنے لگیں اور خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی اہل حق کے مرجع بنے۔ کئی مناظرے ہوئے، آپ کو کئی تکلیفیں دی گئیں اور بار بار جیل اور پابندی کی تکلیف برداشت کرنا پڑی، بالآخر جیل ہی سے آپ کی لاش مبارک

نکالی گئی، آپ ان سب تکلیفوں کو صبر و استقامت اور خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرتے رہے۔ اپنے دینی معمولات اور دعوتِ فکر و عمل میں فرق نہ آنے دیا۔ آپ کے حلقۂ علمی سے کئی ایسی شخصیتیں وجود میں آئیں جن میں سے ہر ایک بذاتِ خود علم کا بحرِ بے کراں عمل کا کامل مجسمہ اور جہاد فی سبیل اللہ کا مسلح سپاہی تھا۔ آپ کے خصوصی تلامذہ اور حلقہ نشینوں میں امام ابن قیم شمس الدین ابو عبد اللہ، محمد بن ابی بکر ابن ایوب الزرعی الدمشقی المتوفی ۷۵۱ھ ہیں۔ جن کے قلم سیال نے وقت کے بڑے بڑے اہلِ قلم کو حیران کر دیا، عقائد میں ان کی کئی کتابیں معروف ہیں مثلاً

۱۔ الکافیۃ الشافیہ فی انتصار الفرقۃ الناجیہ جو قصیدہ نونیہ کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ الصواعق المرسلہ علی الفرقۃ الجہمیۃ المعطلہ

۳۔ اجتماع الجیوش الاسلامیہ

۴۔ شرح الاسماء الحسنیٰ

۵۔ اغاثۃ اللہفان فی مصاید الشیطان

۶۔ ہدایۃ الحیارٰے فی اجوبۃ الیہود والنصارٰے

علم النقاد امام الجرح والتعدیل الذہبی ابو عبد اللہ شمس الدین بن محمد بن احمد ابن عثمان الترکمانی الدمشقی المتوفی ۷۴۸ھ۔ انہوں نے بھی کئی کتب تحریر فرمائیں مثلاً

۱۔ کتاب العلو للعلی الغفار

۲۔ کتاب العرش

۳۔ احادیث الصفات

۴۔ مسئلۃ الغیب

۵۔ رویۃ الباری

۶۔ طرق احادیث النزول وغیرہ

امام مجتہد رئیس الفقہاء ابن دقیق العید ابو الفتح محمد بن علی بن وہب بن مطیع القشیری

المنفلوطی المتوفی ۷۰۲ھ نے کتاب الاقتراح فی اصول الدین تحریر کی۔

امام فقیہہ اصولی شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عبدالہادی المقدسی المتوفی ۷۵۶ھ نے کتاب الصادم المنکی فی الرد علی السبکی تصنیف کی۔

امام المفسرین حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر بن ضوء القرشی البصری ثم الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ نے کتاب الفتن والملاحم المعروف بالنہایہ تصنیف فرمائی۔ نیز ان کی دوسری کتاب فضائل القرآن بھی معروف ہے۔

یہ عظیم ہستیاں اسی بحرِ عظیم کے سرچشمے ہیں ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھی مصنف گزرے ہیں۔

اسی صدی میں اور بھی بے شمار کتابیں تصنیف ہوئیں۔ جیسے

علامہ صفی الدین محمد بن عبدالرحیم بن محمد الہندی الفقیہ المتوفی ۷۱۵ھ نے کتاب العقائد لکھی

شیخ ابن الحاج محمد بن محمد بن محمد العبدری الفارسی المتوفی ۷۳۷ھ نے کتاب المدخل لکھ کر اہلِ بدعت کے رسوم کی پوری طرح مذمت کی خاص کر قیام مروج اور میلاد اور صلوٰۃ الرغائب وغیرہ پر بحث کی ہے۔

امام ابو جعفر الاندلسی احمد بن ابراہیم بن الزبیر ابن محمد النحوی المتوفی ۷۰۸ھ نے کتاب ردع الجاہل عن اعتصاف المجاہل لکھی۔

علامہ شہاب الدین احمد بن یحییٰ بن ابی بکر بن عبدالواحد ابن ابی حجلہ التلمسانی المتوفی ۷۷۶ھ نے قصیدہ ابن فارض کے رد میں قصائدِ نبویہ لکھی۔

علامہ جلال الدین احمد بن یوسف التیزینی المتوفی ۷۹۳ھ مسئلہ الایمان یزید وینقص پر ایک تصنیف معلوم ہوتی ہے۔

شیخ علاء الدین علی بن اسماعیل بن یوسف القونوی المتوفی ۷۲۹ھ نے اہلِ الحاد کے رد میں ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ ان کے علاوہ اسی صدی میں اور بھی کئی مصنف گزرے ہیں۔

نویں صدی ہجری

حافظ ابن حجر شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی تصانیف اس صدی کی یادگار ہیں۔ آپ نے ایک کتاب الشمس المنیرۃ لمعرفۃ الکبیرۃ لکھی نیز تبیین العجب فی ما ورد فی فضل الرجب میں امام موصوف نے ماہ رجب کی بدعتوں پر کاری ضرب لگائی ہے۔

شیخ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان بن نعیم البساطی المتوفی ۸۴۲ھ نے کتاب المقدمہ فی اصول الدین لکھی۔

شیخ منصور بن الحسین بن علی الکازرونی المتوفی ۹۰۰ھ نے کتاب حجۃ السفرۃ البررہ علی المبتدعۃ الفجرۃ الکفرۃ لکھی۔

شیخ ابن الہائم ابو العباس احمد بن محمد بن عماد بن علی القرافی المصری ثم الدمشقی المتوفی ۸۱۵ھ نے کتاب العقد النفیس فی تحقیق کلمۃ التوحید لکھی۔

امام تقی الدین احمد بن علی المقریزی المتوفی ۸۵۴ھ نے کتاب تجرید التوحید المفید تصنیف کی۔

شیخ سید ابن الوزیر محمد بن ابراہیم بن علی المرتضےٰ الیمانی المتوفی ۸۴۰ھ نے

۱۔ ایثار الحق علی الخلق

۲۔ ترجیح اسالیب القرآن علی اسالیب الیونان، اور

۳۔ البرہان القاطع فی معرفۃ الصانع

وغیرہ کتابیں لکھیں۔

شیخ سید الہادی بن ابراہیم بن علی الوزیر المتوفی ۸۲۲ھ نے کفایۃ القانع فی معرفۃ الصانع اور السیوف المرہفات علی من الحد فی الصفات، وغیرہ تصنیف کیں۔

دسویں صدی ہجری

حافظ شمس الدین السخاوی ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر القاہری المتوفی ۹۰۲ھ نے المقاصد المبارکہ فی ایضاح الفرق الہالکہ یادگار چھوڑی ہے۔

حافظ جلال السیوطی ابوالفضل عبدالرحمان ابن ابی بکر بن محمد بن سلیمان المصری المتوفی ۹۱۱ھ نے

۱۔ تنزیہ الاعتقاد عن الحلول والاتحاد

۲۔ تنزیہ الانبیاء عن تصفیہ الاغبیاء

۳۔ شرح الکوکب الوفاء فی الاعتقاد

وغیرہ رسائل لکھے،

شیخ جمال الدین عمر بن محمد بن المبارط بن عبداللہ الحمیری الحضرمی المتوفی ۹۳۰ھ نے کتاب عقد الدرر فی الایمان بالقضاء والقدر لکھی۔

شیخ زین الدین ابوحفص عمر بن احمد بن علی ابن محمود الشماع الحلبی المتوفی ۹۳۶ھ نے مورد الظمآن فی شعب الایمان اور تنبیہ الوسنان الی شعب الایمان لکھیں۔

شیخ شمس الدین محمد الشامی المتوفی ۹۴۲ھ نے کتاب اعظم المنۃ فیما یغفر اللہ بہ الذنوب ویوجب بہ الجنۃ تحریر کی۔

شیخ عبدالعزیز بن عبدالواحد بن محمد موسیٰ المغربی الکناسی المتوفی ۹۶۷ھ نے کتاب منہج الوصول ونہج السالک للاصول لکھی۔

شیخ ابراہیم بن محمد بن ابی بکر بن علی بن مسعود بن رضوان المقدسی القاہری المتوفی ۹۲۳ھ نے عقائد ابن دقیق العید پر شرح لکھی۔

شیخ بدرالدین محمد بن محمد بن محمد بن عبداللہ بدر الغزے المتوفی ۹۸۴ھ نے تفسیر آیۃ الکرسی لکھی۔

شیخ محمد بن ابی الوفا ابن المرقع کمال الدین المتوفی ۹۷۳ھ نے کتاب التلویح بمعانی اسماء اللہ الحسنیٰ الواردہ فی الجامع الصحیح، لکھی۔

گیارھویں صدی ہجری

الشیخ المحدث احمد بن عبدالرحمن بن محمد الوارثی المغربی المتوفی ۱۰۴۵ھ نے نظم میں عقائد کو بیان کیا۔

شیخ ابوالعباس المقری احمد بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن عبدالرحمن بن ابی العیش التلمسانی القاہری المتوفی ۱۰۴۱ھ نے کتاب اضاءۃ الدجنۃ فی عقائد اہل السنۃ لکھی۔

علامہ ابوالوجاہتہ عبدالرحمن بن یحییٰ بن مرشد العمری المرشدی المتوفی ۱۰۳۷ھ نے رسالہ الجواب المکین عن مسئلہ ان کان یعذب المشرکین لکھا۔ یہ رسالہ فتاویٰ قاضی خاں کے ایک مسئلہ کی تردید میں ہے، وہ یہ کہ:

لوقال ان کان اللہ یعذب المشرکین فامرتی طالق قالوا انہا لا تطلق	اگر وہ کہے کہ اللہ نے مشرکوں کو عذاب میں ڈالا تو میری بیوی کو طلاق، اس لفظ سے اسے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لائق مصنف نے اس کی پُرزور تردید فرمائی اور ثابت کیا ہے کہ ایسی حالت میں طلاق واقع ہوجائے گی کیونکہ شرک پر مرنے والے کے لئے عذاب حتمی اور یقینی ہے، یہ رسالہ اہل الشرک کے لئے قاصمۃ الظہر کی حیثیت رکھتا ہے۔

شیخ ابن عبدالہادی عبدالقادر بن بہاءالدین بن نبہانی العمری الدمشقی المتوفی ۱۱۰۰ھ نے شرح اضاءۃ الدجنۃ فی عقائد اہل السنۃ لکھی۔

شیخ ابوالحسن علی بن عبدالواحد بن محمد بن عبداللہ الانصاری السجلمانی الجزائری المتوفی ۱۰۵۷ھ نے جامعۃ الاسرار فی قواعد الاسلام الخمس اور الیواقیت الثمینۃ فی العقائد وغیرہ کتب لکھیں۔

شیخ مرعی بن یوسف بن ابی بکر بن احمد المقدسی المتوفی ۱۰۳۳ھ نے چند رسائل تحریر فرمائے جیسے :

۱۔ ارشاد من کان قصدہ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ ،

۲۔ اقاویل الثقات فی تاویل الاسماء والصفات والآیات المحکمات ،

۳۔ تنبیہ الماہر علےٰ غیر الماہر ،

۴۔ ماہو المتبادر من الاحادیث الواردۃ فی الصفات

۵۔ توضیح البرہان فی الفرق بین الاسلام والایمان

۶۔ شفاء الصدور فی زیارۃ المشاہد والقبور ،

بارھویں صدی ہجری

شیخ ابوالوقت برہان الدین اسماعیل بن حسن الکورانی الشہرزوری المتوفی ۱۱۰۱ھ نے

۱۔ قصد السبیل الی توحید الحق الوکیل

۲۔ العقیدۃ الصحیحہ

۳۔ بلغۃ المسیر الی توحید العلی الکبیر

۴۔ مسلک السداد الی مسئلۃ خلق افعال العباد

۵۔ اتحاف الخلف بتحقیق مذہب السلف

تحریر فرمائے

علامہ سید زید بن حسن بن الحسن شیخ مشائخ صنعاء الیمن المتوفی ۱۱۲۳ھ نے رسالہ تبیین الفرقۃ الناجیۃ لکھا جس میں اسی فرقہ کو ناجیہ بتلایا ہے جو صحابہ کے طریقہ پر ہے۔

شیخ حسن بن عبد اللہ الخشنی المتوفی ۱۱۹۰ھ نے تحریر المقال فی خلق الافعال اور تنقیح الالباب فی حل عقود الآداب وغیرہ لکھیں۔

شیخ جلیل ابوالفتوح الفیومی المتوفی سنہ ۱۱۱۶ھ نے فرقہ ضالہ اسمٰعیلیہ کے رد میں کتاب السطوۃ العدلیہ بالفرقۃ الاسماعیلیہ لکھی۔

شیخ امام محدث محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی الصنعانی المتوفی سنہ ۱۱۸۲ھ نے تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد لکھی۔

امام الہند شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم الدہلوی المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ نے البلاغ المبین لکھی، آپ کی دوسری کتاب تحفۃ الموحدین مشہور ہے۔

شیخ قاسم بن صلاح الدین الخانی الحلبی المتوفی سنہ ۱۱۰۹ھ نے کتاب الجزائریہ فی التوحید کی شرح لکھی؛

علامہ شیخ ابوالعون شمس الدین محمد بن احمد بن سالم السفارینی النابلسی المتوفی سنہ ۱۱۸۸ھ نے توحید کے موضوع پر کئی رسائل تحریر فرمائے، مثلاً

۱۔ نتائج الافکار فی شرح حدیث سید الاستغفار؛

۲۔ الدرۃ المضیئۃ فی عقائد الفرقۃ المرضیۃ

یہ رسالہ نظم میں ہے پھر اس منظوم رسالہ کی شرح لکھی جس کا نام

۳۔ سواطع الآثار الاثریۃ بشرح منظومتنا المسماۃ بالدر المضیئۃ رکھا۔

نیز علامہ موصوف نے تہتر فرقوں کے بیان میں ایک مفصل رسالہ بھی تصنیف فرمایا تھا۔

امام محدث شیخ محمد حیات السندی المتوفی سنہ ۱۱۶۳ھ نے المقدمۃ فی العقائد لکھا۔

علامہ شیخ حسین بن مہدی النعیمی المتوفی سنہ ۱۱۷۷ھ نے معارج الالباب فی مناہج الحق والصواب لکھی؛

تیرھویں صدی ہجری

قاضی احمد بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن حسین المجاہد الصنعانی المتوفی سنہ ۱۲۸۱ھ نے کتاب اصول الدین اور نیل المنیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ لکھیں۔

علامہ الشریف حسن بن خالد بن عز الدین الحازمی التہامی المتوفی سنہ ۱۲۳۴ھ نے قوۃ القلوب بمنفعۃ

توحید علام الغیوب لکھی، جس میں توحید کے دلائل بیان کیے اور مشرکین کی رسومات کا خوب رد فرمایا۔

مجتہد الوقت الامام المفسر المحدث الفقیہ الاصولی محمد بن علی بن محمد الشوکانی الخولانی الصنعانی المتوفی ۱۲۵۰ھ نے کئی کتابیں توحید و عقائد پر تصنیف فرمائیں مثلاً

۱۔ الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید

۲۔ التحف بمذاہب السلف

۳۔ شرح الصدور بتحریم رفع القبور

۴۔ البغیۃ فی مسئلۃ الرؤیۃ

ان کے رسائل اہلِ توحید کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا سرور ہیں۔ آپ نے ایسے براہینِ قاطعہ سے شرکیہ و بدعیہ امور کا رد فرمایا جنہوں نے اہلِ بدعت کے اندر زبردست زلزلہ پیدا کیا۔

نواب والاجاہ بھوپالی کے والد بزرگوار سید شریف ابو احمد حسن بن علی الحسینی البخاری القنوجی المتوفی ۱۲۵۳ھ نے کئی رسائل توحید کے اثبات و اہلِ شرک و اہلِ بدعت کی تردید میں تصنیف فرمائے جو اکثر اردو زبان میں ہیں بعض فارسی اور بعض عربی زبان میں بھی ہیں۔

شاہ والاجاہ محدثِ ہند امام ابن الامام سید عبد العزیز بن ولی اللہ الدہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ نے

۱۔ شرح میزان العقائد

۲۔ ہدایۃ المومنین

تصنیف فرمائیں

امام الحق، فرید العصر، وحید الدہر، المجاہد لاعلاء کلمۃ اللہ، والشہید فی سبیل اللہ السید اسماعیل بن عبد الغنی بن ولی اللہ العمری الدہلوی المتوفی ۱۲۴۶ھ کی کتاب تقویۃ الایمان، خواص و عوام کے ہاں معروف ہے جس کے عربی، سندھی اور دیگر زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں، اس کے علاوہ آپ نے

۱۔ ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح

۲۔ ردّ الاشراک والبدع

تصنیف فرمائیں، اور بقول صاحب نزہتہ الخواطر تقویۃ الایمان آخر الذکر کتاب کے باب اوّل کا ترجمہ ہے۔

قاضی بشیر الدین القنوجی العثمانی المتوفی ۱۲۹۶ھ نے چند رسائل تصنیف فرمائے مثلاً:

۱- غایۃ الکلام فی ابطال عمل المولد والقیام،

۲- احسن المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال،

۳- بصارۃ العینین فی منع تقبیل الابہامین،

مولانا خرم علی البلہواری المتوفی ۱۲۷۱ھ نے توحید وسنت کی نصرت میں رسالہ نصیحۃ المسلمین لکھا

مولانا شیخ عبداللہ الصدیقی الحمدی الالہ آبادی نے رسالہ اعتصام السنۃ وقامع البدعۃ لکھا ؎

بنا کردند خوش رسمی بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں پاسبانِ پاک ملّت را

اسی صدی میں مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام علم الاعلام الداعی الی اللہ والمجاہد فی سبیل اللہ محدّثِ دوران، مجدّدِ زمان الشیخ محمد بن عبدالوہاب النجدی الدرعی پیدا ہوئے، آپ اس وقت آئے۔ جب کہ ہر طرف شرک کا دور دورہ تھا، قبر پرستی، تعزیہ پرستی، درختوں، بتوں اور پتھروں کی پوجا، مزاروں اور درگاہوں پر میلے اور عرس، بزرگوں اور ولیوں کو مشکل میں پکارنا، ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا، وسیلہ اور نجات کا ذریعہ جاننا، ان کے چلّے نکالنا، ان کے نام کے دن منانا، ان کے ہاں تقرب حاصل کرنے کے لیے نذر ونیاز دینا، صدقات وخیرات کرنا، گویا کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ناامید نظر آتے تھے اور توحید سے بالکل دُور ہو چکے تھے اور اسی وجہ سے عمل میں بہت کوتاہی واقع ہوئی، لوگ بے عملی اور بُرے کاموں میں گرفتار ہونے لگے، خود نجد کا یہ حال تھا کہ پورا علاقہ عقائد فاسدہ، خرافات وبدعات اور بے دینی کا مرکز بن چکا تھا، جگہ جگہ مصنوعی قبریں اور درگاہیں تھیں؛

شیخ نے اپنی دعوت کو ہمت، صبر واستقلال سے چلایا اور مخالفین کی طرف سے مناظرے ہوئے اور طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں، بہتان والزام تراشے گئے، لیکن شیخ نے ان سب تکلیفوں کو فراخ

دل سے برداشت کرتے ہوئے اپنی دعوت کو جاری رکھا، حلقہ بڑھتے بڑھتے دعوت کا اثر حجاز تک پہنچا اور ہر طرف توحید چمکنے لگی اور لوگ پھر سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اسلام کو سمجھا، حق و باطل میں تمیز ہوئی۔

امام موصوف نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں اکثر توحید کی دعوت اور شرک کی تردید پر زور دیا ہے جن کا ذکر آپ کے حالاتِ زندگی میں آئے گا۔ ان شاءاللہ

ان سب میں آپ کی شہرہ آفاق وہ کتاب ہے جو سب سے پہلے آپ نے تصنیف فرمائی یعنی کتاب التوحید الذی ہو حق اللہ علی العبید، مصنف رحمہ اللہ نے اسے ابواب کی ترتیب پر لکھا اور توحید کے ہر مسئلہ کے لئے الگ باب قائم کیا جس میں آیات قرآنیہ، احادیثِ مرفوعہ اور پھر صحابہ کرام اور تابعین کے آثار جمع کئے۔ آخر میں ان دلائل سے جو مسائل مستنبط سمجھے، ذکر فرمائے۔ امام الدعوت رح نے توحید کی تینوں قسمیں بیان فرمائیں :

۱۔ توحیدِ ربُوبیّت

اس میں استغاثہ، استعاذہ، دعا، نذر، ذبح وغیرہ کا بیان ہے۔

۲۔ توحیدِ الوہیت

اِس میں توسل، شفاعت غیر شرعیہ کی تردید فرمائی۔

۳۔ توحید صفات

اِس میں جہمیہ، مشبہہ اور معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقوں کی تردید فرمائی، لیکن مختصر اور قدرے جامع نیز سحر، جادو، ٹونہ، تعویذ گنڈہ، بدفالی، حلف بغیر اللہ جیسے امور شرکیہ کا بھی رد فرمایا :

امام مَوصُوف نے شرع عنوان میں حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بطور مقدمہ پیش کیا ہے جس میں یہ بیان ہے۔

حق الله على العباد ان يعبدوه ولا يشركوا به شيئًا	اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

وحق العباد علی اللہ ان لایعذب من لایشرک بہ شیئاً

اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ کسی شی کو شریک نہ ٹھہرائے وہ اس کو (قبر و قیامت میں) عذاب میں نہ ڈالے۔

امام موصوف نے اسی حدیث سے کتاب کا نام اخذ کیا، گویا کتاب اسم بامسمیٰ ہے۔ اس حدیث اور جو آیات اس سے قبل ذکر کی ہیں، ان سے چوبیس مسائل اخذ کیے ہیں جن سے مصنف کی وسعتِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے ان میں سے بطور نمونہ کے دو مسئلے یہ ہیں:

۱۔ ان العبادۃ ہی التوحید

۲۔ ان عبادۃ اللہ لاتحصل الا بالکفر بالطاغوت

مقدمہ کے بعد چھیاسٹھ ابواب قائم کیے ہیں، ہر باب کئی مسائل کا حامل ہے گویا کہ یہ عقائد کی ایک جامع مگر مختصر اور عام فہم کتاب ہے۔

پہلے چار ابواب میں توحید کی فضیلت وضرورت بیان کی اور اس کی طرف دعوت کی ترغیب دی اور شرک سے ڈرایا گیا ہے اس کے بعد ایک باب توحید کی وضاحت اور تشریح کے لیے رکھا ہے۔ پھر شرک کے اقسام بیان کرنے کے لیے دس ابواب قائم کیے۔ پھر شفاعت اور اس کے لواحق کے لیے دو باب، اور غلو کی مذمت اور اس کے نتائج بد بیان کرنے کے لیے پانچ ابواب رکھے ہیں اس کے بعد سات ابواب میں کچھ رسوم شرکیہ بیان فرمائی ہیں۔ پھر ان امور کو بیان کیا ہے جن کا تعلق عقیدہ سے ہے مثلاً محبت، خوف، توکل، امید اور صبر، ان کو پانچ ابواب میں بیان فرمایا ہے۔

پھر دو باب اخلاص کی ترغیب اور ریا سے ترہیب کے لیے ذکر کیے، بعدہٗ دو باب تحاکم الی الطاغوت اور اطاعت غیر اللہ کی تردید میں لائے

پھر سترہ ابواب میں توحید کے صفات کو بیان کیا۔ پھر چار ابواب میں تقدیر کے احکام بیان کیے اور قدریوں کی تردید کی اور آخری سات ابواب میں اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اور اس کے اعلیٰ وارفع ہونے کو بیان فرمایا۔

اس حسن ترتیب نے سلف صالحین کی تصنیف وتبویب کی یاد تازہ کردی۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا وہ مقولہ جو انہوں نے اپنی کتاب "بلوغ المرام" کی شان میں فرمایا ہے وہ اس کتاب التوحید پر حرف بحرف صادق آتا ہے کہ

"یستعین بہ الطالب المبتدی ولایستغنی عنہ الراغب المنتہی"

اسی طرح امام شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الدرر البہیہ کے بارے میں فرمایا :

فنسبة هذا المختصر الى المطولات من الكتب الفقهية نسبة السبيكة الذهبية الى التربة المعدنية "

بعینہ یہ صفت اس کتاب کی بہ نسبت اِن مطولات کے نظر آتی ہے جو نویں صدی ہجری سے لے کر آج تک توحید پر لکھی گئی ہیں۔

اِس کتاب نے شرک کے مراکز اور اہلِ بدعت کے کارناموں پر ایٹم بم کا کام کیا۔ مشرکین رزہ براندام ہوئے، مخالفین نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اہلِ ہند نے شہیدِ ملت اسماعیل رحمہ اللہ کی کتاب تقویۃ الایمان کے ساتھ کیا۔ مگر بموجب فرمانِ الٰہی :

والبلد الطيب يخرج نباته باذن ربه - (الاعراف - ۵۸) جو زمین اچھی ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے خوب پھل پھول لاتی ہے

جن خوش نصیب افراد کے اندر ایمان کی تمنا موجود تھی ان کو صحیح راستہ معلوم ہوا۔ پھر ارض نجد توحید سے منور ہوئی جس کے آثار آج تک موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ انشاء اللہ جن لوگوں کے اندر عمل تغیر کافی حد تک آگیا تھا وہ توحید سے سرشار اور پیکرِ عمل نظر آنے لگے،

اس کتاب سے عرب وعجم کے کئی ملکوں کے افراد نے استفادہ کیا اور توحید کی راہ معلوم کرکے شرک وبدعت سے تائب ہوئے۔ خاص کر شیخ کے بھائی شیخ سلیمان بن عبد الوہاب المتوفی ۱۲۰۸ھ جو آپ کے سخت مخالف تھے بلکہ جنہوں نے ان کی تردید میں ایک رسالہ بنام

الصواعق الالٰہیۃ فی الرد علی الوہابیۃ

لکھا تھا، مگر چونکہ سلیم القلب تھے محض حسد وبغض اور عناد پر ان کی تردید مبنی تھی اس لیے بالآخر حق کو سمجھا اور اپنے غلط عقائد سے رجوع الی الحق ہوئے اور اپنے بھائی شیخ کے پاس تائب ہو کر آئے جیسا کہ علامہ حسین بن غنام احسائی المتوفی ۱۲۲۵ھ نے اپنی کتاب روضۃ الافکار کے صفحہ ۹۶ جلد اوّل طبع اوّل میں ۱۱۹۰ھ کے حوادث میں ذکر کیا ہے اور شیخ سلیمان بن سحمان نے اپنی کتاب الضیاء الشارق کے صفحہ ۶۰ میں ذکر کیا ہے۔

مثل مشہور ہے :

الاقارب کالعقارب قریبی رشتے دار بچھوؤں کی مانند ہوتے ہیں۔

بھائیوں کی رقابت بڑی خطرناک اور ناعاقبت اندیش ہوتی ہے۔ مگر یہ امام الدعوۃ رح کے حسن خلق، رواداری اور شیریں بیانی اور صحتِ استدلال و قوّت معارضہ جیسی ہمہ گیر اوصاف سے متصف ہونے کی بیّن دلیل ہے کہ ان کے بھائی نے باوجود شدّت مخالفت کے آخر حق کی طرف رجوع کیا اور اپنے بھائی کا ساتھ دیا، ایسی توفیق اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بخشے۔ آمین

کتاب التوحید کی اہلِ علم نے شرحیں بھی لکھیں جیسے علامہ احمد بن حسن نجدی نے الدر النضید لکھی، جو ۱۳۱۱ھ کو دہلی میں چھپی۔

دوسری شرح شیخ کے پوتے محدّثِ فقیہ شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے لکھی، آپ ۱۲۰۵ھ میں تولد ہوئے اور ۱۲۳۳ھ میں وفات پائی۔

بڑے بڑے اساتذہ کے علاوہ امام محمد بن علی الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ آپ نے کتاب التوحید کی شرح بنام تیسیر العزیز الحمید لکھی، لائق مصنف مقدمہ میں اس شرح کی ضرورت و اہمیّت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وصنف رحمه الله تعالى التصانيف فى توحيد الانبياء والمرسلين والرد على	مصنف رحمہ اللہ نے انبیاء و مرسلین کی بیان کردہ توحید کے موضوع سے متعلق اور مشرکین میں سے جنہوں نے اس توحید کی مخالفت کی ان کے بارے میں کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک

من خالفه من المشركين ومن جملها كتاب التوحيد وهو كتاب فرد فى معناه لم يسبقه اليه سابق ولا لحقه لاحق، وهو الذي قصدتُ الكلام عليه ان شاء الله تعالٰی وان كنت لستُ ممن يتصدى لهذا الشان لكن لما رأيت الكتاب لم يتعرض للكلام عليه احد يعتد به ورأيت تشوق الطلبة والاخوان الى شرح يعني ببعض ما فيه من المقاصد احببت ان اسعفهم بمرادهم حسب طاقتي۔ الخ (تيسير العزيز الحميد ص ٢٣)

تصنیف کتاب التوحید ہے۔ جو اپنے موضوع میں منفرد حیثیت کی حامل ہے نہ اس اسلوب کی کتاب اس سے پہلے لکھی گئی نہ بعد میں، میں انشاء اللہ اسی کتاب کے بارے میں معروضات پیش کروں گا۔ اگرچہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اس کے درپے ہوں۔ لیکن جب میں نے کتاب دیکھی اور یہ معلوم ہوا کہ اس پر کسی نے تعرض نہیں کیا ہے اور یہ بھی دیکھا کہ طلبا اور برادرانِ اہلِ علم اس کی شرح کے لیے ایک شوق اور تڑپ رکھتے ہیں اور یہ معلوم کرنے کے خواہاں ہیں کہ یہ کن امور پر مشتمل ہے تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی علمی بساط کے مطابق یہ خدمت سرانجام دوں۔

یہ شرح نہایت عمدہ اور علمی خزانے کا مجموعہ ہے اس میں خاص خوبی یہ ہے کہ شارح رحمہ اللہ نے تشریح متون، احادیث کے ساتھ احادیث پر محدثانہ کلام کیا ہے اور جو روایات اصل کتاب میں بغیر حوالہ منقول ہیں ان کی تخریج کی ہے کئی روایات کو بالاسانید ذکر کیا ہے اور جرح و تعدیل واختلاف روایات اور زیادات وغیرہ کو بھی بیان کیا ہے، جن محدثین کی کتابوں سے حدیثیں نقل کی گئی ہیں، ان کے تراجم وحالات مختصر بیان کیے ہیں اور شیخ رحمہ اللہ کی اصطلاحات کو بھی اچھی طرح واضح کیا ہے مثلاً جہاں صرف الصحیح کا حوالہ ہے، واضح کر دیا ہے اس سے صرف صحیح بخاری مراد ہے یا مسلم یا دونوں اور السنن والمسند کی بھی تعیین کی ہے کہ اس سے کون سی کتاب مراد ہے، ہمارے خیال میں کتاب التوحید کی احادیث سے استفادہ کرنے والوں کے لیے اس شرح کو سامنے رکھنا ضروری ہے کیونکہ شارح رحمہ اللہ نے صحیح وغیر صحیح کی نشاندہی بھی کی ہے اور جہاں متابعت وشواہد مل سکے ہیں ان کا بھی

ذکر فرماتے ہیں۔

الغرض کوئی اہلحدیث اور خالص توحید کی معرفت حاصل کرنے والا اس کتاب سے بے نیاز اور مستغنی نہیں ہو سکتا، مگر افسوس کہ شارح رحمۃ اللہ علیہ اس شرح کو پورا نہ کر سکے، باب ما جاء فی منکر القدر تک شرح کی، باقی آخری سات ابواب کی شرح علامہ ابوبکر زہیر شاویش نے فتح المجید سے مکمل کی، کما ذکرہ فی المقدمہ وفی حاشیۃ التیسیر ص ۶۹۱

یہ شرح دو مرتبہ شائع ہوئی ہے پہلی بار ۱۳۸۲ھ میں دوسری مرتبہ ۱۳۹۰ھ میں شیخ زہیر شاویش کی تحقیق سے شائع ہوئی۔

یہ سب سے پہلی شرح ہے اور باقی تمام شروح کا ماخذ ہے۔

اس کے بعد امام الدعوۃ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے پوتے امام الموحدین علامہ شیخ عبدالرحمن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فتح المجید کے نام سے کتاب التوحید کی شرح لکھی، جو دراصل تیسیر العزیز الحمید کا خلاصہ ہے۔ شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن ترتیب اور مناسب تہذیب کے ساتھ پیش کیا ہے چنانچہ مقدمہ میں فرماتے ہیں:

ولما قرأت شرحه اطنب في بعض مواضع وفي بعض تكرار يستغني البعض منه عن الكل ولم يكمله فاخذت في تهذيبه وتقريبه وتكميله وربما ادخلت فيه بعض النقول المستحسنة تتميما للفائدة	میں نے شرح پڑھی تو بعض مقامات پر بہت طوالت لیے ہوئے تھی اور بعض میں تکرار تھا، اگر کم الفاظ میں بھی بات بیان کر دی جاتی تو پوری بحث کو کفایت کر جاتی۔ مگر بایں ہمہ کتاب مکمل نہ تھی۔ چنانچہ میں نے اس کی تہذیب و تقریب اور تکمیل کا کام شروع کیا اور متعدد مقامات پر بعض ایسی چیزیں نقل کیں جو اس کو مفید بنانے کے لیے بہر طور ضروری تھیں

شارح رحمۃ اللہ علیہ نے واقعی پورا حق ادا کیا اور لفظی و لغوی تحقیق کے ساتھ احکام و مسائل کو بسط و تفصیل کے ساتھ دل کش عبارت میں بیان کیا۔ اسی وجہ سے یہ کتاب خواص و عوام کا مرجع رہی ہے

ہر عالم کے گھر میں یہ کتاب ضرور ہو گی۔ کئی علماء نے اس کو حفظ کر رکھا ہے اور تقریروں اور درسوں میں اس شرح کی پوری عبارتیں زبانی پڑھ کر سناتے ہیں، نجد و حجاز اور دوسرے عرب ممالک حتیٰ کہ ممالک عجم میں بھی جو توحید کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، اس شرح کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اللہ اللہ یہ مقبولیت صرف توحید کی برکت سے ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اس شرح میں توحید اور شرک کے سب مسائل کو بیان کیا گیا ہے، گویا مسائل توحید کے لیے یہ کتاب دائرۃ المعارف یا انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ شرح کئی بار شائع ہوئی ہے اور ہر بار ہاتھوں ہاتھ نکل کر ختم ہوتی رہتی ہے۔

شارح رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ کتاب التوحید پر مختصر حاشیہ بھی لکھا ہے جو قرۃ عیون الموحدین فی توحید الانبیاء والمرسلین کے نام سے اہل علم کے ہاں مشہور و معروف ہے اور دو مرتبہ الجامع الفرید کے نام سے چھپ چکی ہے۔

ان کے علاوہ اور علما نے بھی شرحیں لکھیں، جیسے

علامہ شیخ حمد بن علی بن عتیق نے ابطال التندید باختصار شرح التوحید لکھی،

علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی نے "القول السدید" کے نام سے ایک تعلیق لکھی، یہ دونوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

فتح المجید اس لائق ہے کہ اس کا تمام مروجہ زبانوں میں ترجمہ کیا جائے اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا جائے اس وقت توحید الٰہی کو اطراف الارض میں پھیلانے کا سب سے بہترین طریقہ یہی ہے اور اس طرح موجودہ اہلِ حق اپنے اسلاف کے نیک اور اچھے اخلاف بن سکتے ہیں اور اشاعت توحید اور تبلیغ و دعوت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔

اس سُنّت حسنہ کا آغاز ہمارے معاصر دوست مولانا عطاء اللہ ثاقب رئیس انصار السنۃ المحمدیۃ

پاکستان نے کیا ہے آپ نے فتح المجید کا اردو ترجمہ لکھا ہے موصوف نے مکۃ المکرمہ حرم شریف میں بیٹھ کر یہ کام کیا اور راقم الحروف کو بیت اللہ شریف کے سامنے بیٹھ کر حرفاً حرفاً سناتے رہے اور جابجا مشورے بھی لیے، فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔

یہ واقعہ ۱۳۹۳ھ کا ہے۔ مترجم موصوف نے بڑی محنت کی ہے علمائے کرام خصوصًا شیوخ الحرمین الشریفین سے مشورے لیے اور تراجم وتفاسیر کا مطالعہ کیا اور اللہ کریم کی مدد خاص سے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

ترجمہ نہایت سلیس، عام فہم اور بامحاورہ ہے، مضامین میں ربط کا خاص خیال رکھا ہے، دورحاضرہ کی مروجہ اردو استعمال کرکے ترجمہ کو آسان بنادیا ہے اور متن وشرح دونوں کے الگ الگ ترجمہ کرنے سے حسن ترتیب میں اضافہ ہوا ہے جسے اہل قلم تحسین کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ عام اردودان اس سے پورا فائدہ حاصل کریں گے، توحید باری تعالیٰ کو سمجھ کر اپنا عقیدہ درست کریں گے اور غلط عقائد (شرک وبدعت) سے توبہ کرکے راجع الی الحق ہونگے۔

لائق مترجم نے جس بوجھ کو اٹھایا تھا وہ جتنا بھاری تھا بحول اللہ وقوتہ اتنا ہی دشوار بھی مگر بموجب وعدۂ الٰہی

ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا (الطلاق - ۴) اور جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملہ میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے

آپ نے ہمت نہیں ہاری اللہ تعالیٰ پر توکل کرکے کام شروع کیا اور اسی کی توفیقِ خاص سے کامیاب ہوئے۔

مترجم موصوف نے یہ حق ادا کرکے دوسروں کے لیے ایک مثال قائم کی ہے اور اس حدیث مبارکہ کے مصداق بنے ہیں۔

من سن سنۃ حسنۃ یعمل بہا بعدہ کان لہ اجرہ ومثل جو ایسی سُنّتِ حسنہ قائم کرے جس کا اس کے بعد تتبع کیا جائے تو اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس کے مطابق عمل

اجورهم من غیر ان ینقص من اجورهم شیئ۔ — کریں گے، ان کا اجر بھی ملے گا مگر ان کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی

(ابن ماجہ)

اس کتاب کا پہلی بار ترجمہ کیا گیا ہے اور ایسے وقت میں کیا گیا ہے جبکہ اس کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ لائق مترجم نے اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے اور کم از کم امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اُن پر ضرور صادق آتا ہے، نعمت البدعۃ ہذہٖ

اُمید ہے دوسری زبانوں والے بھی اس طرح اپنی اپنی زبانوں میں اس شرح کے تراجم لکھ کر اپنا حق ادا کریں گے۔ واللہ الموفق

دعا ہے اللہ تعالٰی مترجم کو اس سُنّتِ حسنہ کے بدلے نیک جزا بخشے، توحید پر عمل کرنے والوں کے اجرِ عظیم میں ان کو شریک فرمائے اور اس ترجمے کو مقبولیتِ عامہ نصیب فرمائے۔ انہٗ تعالٰی سمیعٌ قریب۔

حیاتِ امام الدّعوۃ

شیخ الاسلام والمسلمین، علم العلماء المجاہدین، امام الدعوۃ السلفیۃ، ناصر السنۃ السنیۃ، قامع البدعۃ الشنیعۃ، الصابر فی المحنۃ، الثابر علی العبادۃ، احد مجددی العصر، محدّثِ زماں، فقیہِ دوراں محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد بن برید بن مشرف بن عمر بن معضاد بن ریس بن زاخر بن محمد بن علوی بن وہب التمیمی ہیں، یہ نسبت نجد کبریٰ کے ایک قبیلہ کی طرف ہے۔

ولادت

آپ شہر عیینہ میں جو مملکت سعودیہ کے دارالسلطنت ریاض کے شمال کی طرف واقع ہے ۱۱۱۵ھ میں علم و فضل کے گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد الشیخ عبدالوہاب بن سلیمان رحمہ اللہ علم و فضل اور

نیک خلق جیسی صفات حسنہ سے متصف تھے جو آپ کو آبائی ورثہ میں ملی تھیں آپ کے جدِ امجد شیخ سلیمان بن علی نجد کے رئیس العلماء تھے علوم دینیہ میں علماء وقت کے مرجع تھے۔ تصنیف وتدریس اور افتا میں ماہر تھے۔ آپ نے مناسکِ حج پر ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی۔

تعلیم

امام صاحب نے اپنے پیدائشی شہر میں والدِ مکرم سے تربیت حاصل کی اور ان سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتب پڑھیں، آپ کو بچپن ہی سے سلف کی کتابوں کے مطالعے کا بے حد شوق تھا۔ خاص طور پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا بڑے شوق سے اور خوب مطالعہ کیا۔

رحلات

پھر سفرِ حج کو نکلے، یہ فریضہ ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ سے تعلیم حاصل کی۔ جن میں خاص اور قابلِ ذکر ہستیاں یہ ہیں:

١۔ شیخ عبد اللہ بن یوسف نجدی۔

٢۔ شیخ عبد اللہ بن ابراہیم۔

٣۔ شیخ محمد حیات السندی

٤۔ شیخ آفندی داغستانی

٥۔ شیخ اسماعیل عجلونی

٦۔ شیخ عبد اللہ عفالقی احسائی

٧۔ شیخ محمد عفالقی احسائی

بصرہ میں ایک بڑی جماعت سے علم حاصل کیا جن میں شیخ محمد المجموعی کا اسم گرامی بھی شامل ہے اور شام میں شیخ عبداللہ بن عبداللطیف الشافعی سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد نجد میں آکر مطالعہ میں منہمک ہو گئے۔

مزاج و اخلاق

دوسری باتوں اور حکایتوں کے بجائے آپ کی تصانیف آپ کے صحت مزاجی اور نیک خلقی کی صحیح ترجمان ہیں۔ کتاب التوحید ہی کو لیجئے کہ ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کس طرح سنجیدگی اور متانت کے ساتھ مسائل بیان کیے ہیں۔ تعصب و عناد کی بو تک نہیں ملتی۔ حاشاہ اللہ من ذلک

حافظے کا یہ عالم تھا کہ دس سال کی عمر سے پہلے قرآن کریم حفظ کر لیا۔ ان کی ذکاوت و ذہانت سے آپ کے والد مکرم اور دوسرے شیوخ بہت متاثر تھے آپ کے اخلاق حسنہ نے کئی ایک مخالفوں کو آپ کے سامنے پیش ہونے پر مجبور کر دیا۔

دعوت

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل توحید پر اور جو اس وقت شرکیہ رسوم مروج تھیں، ان کے متعلق علمائے عصر سے مباحثے کیے اور کئی علماء آپ کے ہم خیال ہوئے۔ اسی طرح درس و تدریس اور خطبات و تقاریر سے عوام کو مائل الی الحق کیا۔ تصانیف سے علمائے کرام کو جمود اور کاہلی کے اندھیرے سے باہر نکالا، کئی امراء و شیوخ اور بعض اقارب کو خطوط لکھے جن میں دعوت الی اللہ کی وضاحت فرمائی اور شرک و بدعت کی برائیاں بیان کیں۔ محض زبانی گفتگو اور زورِ کلام سے نہیں بلکہ دلائل و براہین سے، اور دل نشیں جوابات اور ایسی عبارات سے جو علم و حکمت سے پُر ہوں، اور ادب و حلاوت کا نمونہ ہوں، آپ کی دعوت

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ اے نبی اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت

وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ	اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل ١٢٥)	طریقہ پر جو بہترین ہو۔

کی عملی تفسیر تھی، حاسدین اور معاندین کے علاوہ آپ کی دعوت سے کسی کو اختلاف نہ تھا

جہاد

عہدِ طفولیت سے ہی آپ پر امر بالمعروف و نہی المنکر کا جذبہ غالب تھا۔ اس مردِ مجاہد نے زبان و قلم اور پھر تلوار سے بھی جہاد کیا، جلا وطنی اور ہجرت جیسی تکلیفوں سے بھی نہ بچ سکے، شرک و بدعت کے بہت سے مراکز کو ختم کیا اور بعض ان درختوں کا استیصال بھی کیا جن کی پرستش ہوتی تھی۔

امام موصوف بہت عزم و ہمت کے مالک تھے چنانچہ زانیہ عورت کو رجم کی سزا دینے پر جب حاکم احساء و قطیف سلیمان بن محمد بن عبد العزیز الحمید نے شیخ الاسلام کے خاص معاون امیر عیینہ عثمان بن معمر کو دھمکی دی اور وظیفہ وغیرہ اور امداد بند کرنے سے ڈرایا تو شیخ نے انہیں بایں الفاظ تسلی دی:

ان هذا الذي اقمت به ودعوت	جس چیز کو تم لے کر اٹھے ہو اور جس کی طرف دعوت دی ہے
اليه كلمة لا اله الا الله واركان	وہ یقیناً کلمہ لا الٰہ الا اللہ ارکانِ اسلام، امر بالمعروف اور نہی
الاسلام والامر بالمعروف والنهى عن	عن المنکر ہے اگر تم نے اس سے تمسک کیا اور اس کی نصرت
المنكر فان انت تمسكت ونصرته	کا بیڑا اٹھایا تو اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے دشمنوں پر غالب کریگا
فان الله سبحانه يظهرك على اعدائك	اور سلیمان غم و تکلیف میں نہ ڈال سکے گا۔
فلا يزعجك سليمان ولا يفزعك	

ظاہر ہے یہ توکل اور پختگی اسی شخص کے اندر پائی جائے گی جس کے رگ و ریشے میں توحید سمائی ہوئی ہو۔ خوف کے ہر مقام میں صرف تقوائے الٰہی اس کے دل میں موجزن ہو، اور شرک و بدعت سے اس کا دم، لحم و شحم سب پاک ہو جس پر اللہ کا خوف غالب ہو اس کا یہی حال

ہوتا ہے۔ کسی دوسری شخصیت کی ہیبت اس پر طاری نہیں ہو سکتی خواہ وہ کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو، کیونکہ

مَاجَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ (احزاب ۔۴)	اللہ نے کسی شخص کے دھڑ میں دو دل نہیں رکھے؛

ایسے توکل کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا محب اور صادق پیروکار ہی پیش کر سکتا ہے، جیسے موسٰے علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا قصہ قرآنِ کریم میں مذکور ہے کہ جب فرعونی لشکر نے ان کا تعاقب کیا تو :

قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰی اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ	موسٰے کے ساتھی چیخ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ موسٰے نے
قَالَ کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ	کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری
سَیَھْدِیْنِ (الشعراء ۔۶۲ - ۶۱)	رہنمائی فرمائے گا۔

مقام غور ہے کہ سامنے دریا ہے اور پیچھے دشمن کی یلغار، پھر بھی یہ عزم رکھنا کہ دشمن ہرگز ہم تک نہیں پہنچ سکتا۔

عملی توکل کی ایسی ہی مثال امام الدعوۃ نے پیش کی کہ ؎

دیکھ کر تجھ کو پھری آنکھوں میں صورت سلف کی

اللہ تعالےٰ نے آپ کے لیے انصار و مددگار بھی پیدا کیے۔ امام شوکانی اپنی کتاب البدر الطالع جلد اول صہ ۲۶۲ میں امام سعود بن عبدالعزیز بن محمد بن سعود رحمہ اللہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :

وکان جدہ محمد شیخا لقریۃ التی ھو فیھا فوصل الیہ الشیخ العلامۃ محمد بن عبدالوھاب الداعی الی التوحید المنکر علی المعتقدین فی الاموات فاجابہ بنصرہ وما زال یجاھد	اس کے دادا محمد کے پاس جو اس نواح کا شیخ تھا، شیخ علامہ محمد بن عبدالوہاب گئے جو داعی توحید اور مُردوں کی اعانت کا عقیدہ رکھنے والوں کے مخالف تھے۔ اس نے شیخ کی اعانت و نصرت کا وعدہ کیا اور وہ ہمیشہ ان کے مخالفوں کے خلاف جہاد کرتا رہا یہ وہ شہر تھے اور یہ وہ علاقہ تھا، جہاں امورِ جاہلیہ

من يخالفه وكانت تلك البلاد قد غلبت عليها امور الجاهلية وصار الاسلام غريبًا۔ غالب آ گئے تھے اور اسلام اجنبی ہو کر رہ گیا تھا

امیرِ موصوف کے پورے خاندان نے شیخ کے ساتھ مل کر جہاد فی سبیل اللہ میں نمایاں حصہ لیا، اہلِ علم میں احمد بن سویلم اور اعیسٰی بن قاسم خصوصیت سے مشہور ہیں، اہلِ اثر و رسوخ میں سے محمد الخریمی، عبداللہ دغیشر، سلیمان بن ابوشقیری، احمد بن حسین پیش پیش تھے۔

سیرت و معمولات

امام الدعوۃ سنّت کے حامی، بدعت کے ماحی، تفسیر و حدیث اور فقہ کے بہت بڑے عالم، علوم اور قواعد میں مہارت تامہ رکھنے والے تھے، علل و رجال پر وسیع نظر تھی۔ اصولی و فروعی مسائل کے متعلق معلومات میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کی زندگی صلاح، نیک سیرت، اور طہارت باطنہ کی حامل تھی، ذکر و اذکار، عبادتِ الٰہی میں اکثر مشغول رہتے تھے۔ متواضع، رحم دل اور مہمان نواز تھے، دن میں کئی بار عقائد، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے درس اور مجالس منعقد ہوتی تھیں، صابر، حلیم، غصہ پر قابو پانے والے تھے مگر دین کے بارے میں سخت اور غیر متعند تھے۔

عقیدہ و مذہب

آپ عقیدۃً اور عملاً سلفی تھے۔ خود ان کی تصانیف ان کے مذہب و عقیدہ کا تعارف کراتی ہیں، اسی کتاب التوحید کو دیکھئے وہ عقائد بیان کیے ہیں جن پر سلف صالحین، صحابہ کرام و تابعین گزرے ہیں۔ صحیح بخاری کی کتاب التوحید اور کتاب التوحید لابن خزیمہ، اور کتاب الایمان لابن مندہ اور کتاب اعتقاد السلف للبیہقی وغیرہ کے ابواب کا خلاصہ اور امام عثمان دارمی اور امام عبداللہ بن الامام احمد وغیرہما کی کتابوں کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ آپ محقق تھے، جامد مقلد نہیں تھے۔ کتاب و سنّت کے مقابلے میں

کسی کا قول و فعل یا رائے اور قیاس کو حجت نہیں جانتے تھے بلکہ اس کے سخت خلاف تھے، کتاب کا ایک عنوان قائم کرتے ہیں کہ باب من اطاع العلماء والامراء فی تحریم ما احل اللہ او تحلیل ما حرم اللہ فقد اتخذہم اربابا من دون اللہ۔

اس کے بعد متصل دوسرا باب تحاکم الی الطاغوت کی مذمت میں ذکر کیا ہے۔ یہی شیخ کا مسلک تھا جسے ورثہ میں اپنی اولاد کے لیے چھوڑا۔ چنانچہ آپ کے خاندان کا ایک فرد شیخ محمد بن عبد اللطیف بن عبدالرحمٰن ابن حسن بن شیخ محمد بن عبدالوہاب اپنا اور اپنا آبائی مسلک یوں بیان کرتے ہیں:

ہمیں جب رسول اللہ ﷺ کی سنت صحیحہ مل جائے تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں، اسی کو مانتے اور اسی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس پر کسی کے قول کو مقدم نہیں ٹھہراتے اس لیے کہ ہمارے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی سنت انتہائی اہمیت و عظمت کی حامل ہے اس پر ہم کسی کے قول کو ترجیح نہیں دے سکتے یہی ہمارا عقیدہ اور یہی ہمارا دین ہے۔

واذا بانت لنا سنة صحيحة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم عملنا بها ولا نقدم عليها قول احد كائنا من كان بل نتلقها بالقبول والتسليم لان سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى صدورنا اجل واعظم من ان نقدم عليها قول احد فهذا الذي نعتقده وندين الله به۔ (الهدية السنية - ص۹۳)

مخالفت

ایسے مصلح و مجدد کی مخالفت کوئی نئی چیز نہیں،

یونہی ہوتا رہا ہے ان سے پہلی قوموں کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جسے انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ ساحر ہے یا مجنون،

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ

(الذریات - ۵۲)

خود انبیائے کرام علیہم السلام کی بڑی شدت سے مخالفت ہوئی، شیخ الاسلام کے مخالفین نے بہتان تراشی اور افتراپردازی کو اپنا حربہ بنایا جس کی چند مثالیں پیش ہیں :

کسی نے کم علمی و کم فہمی کا الزام دیا سید انور شاہ کشمیری نے یوں کہا ہے :

اما محمد بن عبد الوهاب النجدي فكانه كان رجلا بليدا قليل العلم فكان يتسارع الى الحكم بالكفر۔	ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن عبد الوہاب بلید الذہن کم علم شخص تھے اور دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگانے میں بہت تیز تھے ،

(فیض الباری جلد ا صـ۱۷۱)

تعصب کا برا ہو۔ کیا شاہ صاحب نے شیخ رحمہ اللہ کی تصنیف کا مطالعہ نہیں کیا ہوگا یہی کتاب التوحید جو کسی چھوٹے بڑے عالم سے مخفی نہیں اس کے مؤلف کو قلتِ علم وغیرہ کی طرف منسوب کرنا سراسر تعصب اور ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے ؟

کسی نے تکفیر و قتلِ علماء کا الزام لگایا۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتا ہے :

كما وقع في زماننا في اتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد و تغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا قتل اهل السنة وقتل علمائهم۔	"جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہوا۔ محمد بن عبد الوہاب کے متبعین کو دیکھیے کہ وہ نجد سے نکلے اور حرمین شریفین پر غالب آگئے۔ وہ خود کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمان صرف وہی ہیں ان کے خلاف عقیدہ رکھنے والے مشرک ہیں، انہوں نے اہلِ سنّت اور ان کے علماء کے قتل کو مباح قرار دیا ہے۔

(رد المختار حاشیہ الدر المختار جلد ۳ صـ۳۰۹ طبع عثمانیہ)

یہ الزام جتنا جھوٹ اور افترا ہے اتنا ہی بے معنیٰ، خود ان کی تصنیف اس کی تکذیب کرتی ہے۔

کتاب التوحید میں ان کاموں کو شرک بتایا ہے جن کا قرآن و حدیث اور آثار سلف سے شرک ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ شیخ اور ان کی جماعت کا کوئی نیا عقیدہ تھا جس کی مخالفت کرنے والے کو مشرک سمجھتے تھے چنانچہ ایک باب توحید کی تفسیر میں لا کر مسلم شریف کی یہ حدیث ذکر کرتے ہیں، کہ :

من قال لا اله الا الله وكفر بما يعبد من دون الله حرم ماله ودمه وحسابه على الله عز وجل

جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور جس چیز کی اللہ کے بغیر عبادت کی جاتی ہے اس سے کفر کیا اس کا مال اور خون حرام ہے اور اس کا حساب اللہ عز و جل کے سپرد،

اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

هذا من اعظم ما يبين معنى لا اله الا الله فانه لم يجعل التلفظ بها عاصما للدم والمال بل ولا معرفة معنها مع لفظها بل ولا الاقرار بذلك. بل ولا كونه لا يدعوا الا الله وحده لا شريك له. بل ولا يحرم ماله ودمه حتى يضيف الى ذلك الكفر بما يعبد من دون الله فان شك او توقف لم يحرم ماله ولا دمه. فيالها من مسئلة ما اعظمها واجلها ويا له من بيان ما اوضحه وحجة ما اقطعها

یہ ایک بہت بڑی چیز ہے جو لا الہ الا اللہ کے معنی و مفہوم کو واضح کرتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقط اس لفظ کا زبان سے ادا کر دینا خون اور مال کی حفاظت کا ضامن بن جاتا ہے بلکہ اس لفظ کے ساتھ ساتھ اس کے معنی کی معرفت اور اس کا اقرار بھی اس کا ضامن نہیں ہو سکتا، اور زبان سے یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کے سوا کسی کو نہیں پکارے گا۔ اس کے دم و مال کو نہیں بچا سکتا۔ اس کو اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز کو ماننے سے انکار کر دے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے اگر وہ اس میں شک یا توقف کرے گا تو پھر بھی اس کا مال اور خون حرام نہیں ہو گا اندازہ کرو کہ یہ کس درجہ عظیم الشان اور جلیل القدر مسئلہ ہے اور اس کی تبیین و وضاحت، مخالف کے لئے

للمنازع ۔ اھ   کس درجہ اپنے اندر حجتِ قاطع لئے ہوئے ہے ۔

اس باب سے چند امور واضح ہوئے :

جو شخص موحّد ہے اس کا خون اور مال دوسروں پر حرام ہے ۔

توحید سے وہی مراد ہے جو قرآن و حدیث نے بیان کیا ہے ۔

اور وہ صرف کلمہ پڑھ لینے یا ایک اللہ کو پکارنے پر کافی نہیں بلکہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ہر اس چیز کا انکار کرے کہ ماسوی اللہ جس کی پرستش کی جاتی ہے

اس صراحت کے بعد کون عقلمند ہوگا جو اس الزام کو باور کرے گا، جس کا ذکر ابن عابدین نے کیا ہے شیخ رحمہ اللہ نے تو وہی عقیدہ ذکر کیا ہے جو کتاب و سنّت میں مذکور ہے اور جو شخص بموجب کتاب و سنّت موحّد ہے، اس کے خون بہانے یا مال لینے کو حرام بتاتے ہیں، شیخ الاسلام نے جو توحید کی تفسیر بیان کی ہے وہی حدیث بالا میں مذکور ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ کتاب "کشف الشبہات" میں فرماتے ہیں :

الرجل اذا اظہر الاسلام وجب الکف عنہ ۔ اھ	انسان جب اپنے اسلام کا اظہار کر دے تو اس سے ہاتھ روک لینا ضروری ہے ۔

اسلام وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا، اور جس پر صحابہ عامل تھے، یہی اہل سنّت ہیں ۔

مجدّد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنے ایک رسالے میں اسلام کو یوں بیان کیا ہے ۔

فاذا قیل لک ایش دینک ؟ فقل دینی الاسلام ۔ واصلہ وقاعدتہ امران ۔ الاول الامر بعبادۃ اللہ وحدہٗ لاشریک لہ والتحریض	جب تم سے پوچھا جائے کہ تیرا دین کیا ہے، تو تم کہو میرا دین اسلام ہے اور اس کی بنیاد اور اساس دو چیزیں ہیں، اول اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کا حکم دینا اس کی ترغیب دینا، اس کی بنیاد پر دوستی اور تعلقات

علیٰ ذلک والموالات فیہ وتکفیر من ترکہ والانذار عن الشرک فی عبادۃ اللہ والتغلیظ فی ذلک والمعاداۃ فیہ والتکفیر من فعلہ وھو مبنی علی خمسۃ ارکان شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ

قائم کرنا جو اس کو چھوڑ دے اس کو کافر قرار دینا، اللہ کی بندگی میں شرک کے ارتکاب سے ڈرانا، اس میں سختی سے کام لینا اور دشمنی کا اظہار کرنا، جو شخص پانچ ارکان اسلام سے انکار کرتا ہے، اس کی تکفیر کی جائے گی اور وہ ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت

واقام الصلوٰۃ — اقامتِ نماز

وایتاء الزکاۃ، — ادائیگی زکوٰۃ

وصوم رمضان — رمضان کے روزے

وحج البیت مع الاستطاعۃ۔ — اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ

ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کون مسلمان ہے اور کون واجب القتل یا لائق عداوت ہے اس سے مخالفین کے تمام الزامات رفع ہو جاتے ہیں۔

شیخ سلیمان بن سحمان نجدی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الھدیۃ السنیۃ والتحفۃ الوہابیۃ ان ہی الزامات کی تردید میں لکھی ہے جس کا مطالعہ کر کے شبہات کو دور کیا جا سکتا ہے۔

اس میں رسالہ سوم شیخ کے فرزند ارجمند علامہ عبد اللہ بن محمد بن عبدالوہاب کا ہے۔ جس میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

ولا نکفر الا من بلغتہ دعوتنا الحق ووضحت لہ المحجۃ وقامت علیہ الحجۃ واصر مستکبرا معاندا کغالب من نقاتلھم الیوم یصرون علی ذلک الاشراک ویمتنعون من فعل الواجبات

ہم صرف اسی شخص کی تکفیر کرتے ہیں جس کو ہماری دعوت حق پہنچ گئی اس کے سامنے دلیل واضح اور حجت قائم ہو گئی ہے۔ لیکن وہ تکبر و عناد کی بنا پر کفر پر مصر ہے جیسا کہ ہم اس دور میں ان اکثر لوگوں سے قتال کرتے ہیں جو شرک پر اصرار کناں ہیں، واجبات و

ویظاھرون بافعال الکبائر المحرمات
(الھدیۃ السنیۃ ص۳۳ مطبوعہ ۱۳۸۹ھ)

فرائض پر عمل پیرا ہونے سے گریزاں ہیں اور محرمات کبائر کا برملا اظہار کرتے ہیں۔

اس صفائی کے بعد اب کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ والحمد للہ

کسی نے یہاں تک کہا :

الظاھر من حال محمد بن عبدالوھاب انہ یدعی النبوۃ الا انہ ما قدر علی اظھار التصریح بذلك۔

محمد بن عبدالوہاب کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نبوت کا دعوے دار تھا مگر وہ بصراحت اس کے اظہار پر قادر نہ تھا۔

(رسالہ محمد بن عبدالوہاب مصنفہ علامہ مسعود عالم ندوی بحوالہ مصباح الانام ورق ۲/۵ و کلکتہ گزٹ ۲۰ ستمبر ۱۸۶۵ء ضمیمہ ص ۴۳۷)

لیکن سچ ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد، جب شیخ نے ظاہر ہی نہیں کیا تو پھر آپ کو معلوم کیسے ہوا؟ "ھل شققت عن قلبہ" علیم بذات الصدور تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

خود شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں :

واومن بان نبینا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین والمرسلین
"الدرر السنیہ جلد اوّل ص ۲۹"

میں اس پر ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور خاتم المرسلین ہیں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں :

وحق الانبیاء الایمان بھم وبما جاؤا بہ . . . وان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم خاتمھم وافضلھم۔
(الدرر السنیہ جلد ۲ ص ۸۱)

انبیاء علیہم السلام کا ہم پر حق یہ ہے کہ ان پر اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لایا جائے ...... اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور سب سے افضل ہیں۔

شیخ محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن حسن بن محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ اپنا اور اپنے اسلاف کا یہی عقیدہ بیان کرتے ہیں۔

ونؤمن ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین والمرسلین

ہم اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور خاتم المرسلین ہیں۔

(الھدیۃ السنیۃ - ص۹۱)

ان تصریحات کے بعد اب اس الزام کی حقیقت کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہیگی، کسی نے انکارِ حدیث کا الزام دیا جیسے احمد بن عبد اللہ باعلوی مصنف مصباح الانام حالانکہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی سب کتابیں اور رسائل وخطوط احادیثِ نبویہ سے مشحون ہیں جگہ جگہ احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ باعلوی کے رد میں شیخ سلیمان بن سحمان نجدی نے مبسوط کتاب الاسنۃ الحداد فی رد شبہات علوی الحداد لکھ کر اس کے تمام الزامات وافتراءات کا کافی وشافی جواب دیا ہے۔

ایک اور عراقی شخص جمیل آفندی نے بھی کچھ الزامات اور بہتان جمع کیے اور شیخ سلیمان رح نے ان کا بھی مدلل جواب بنام الضیاء الشارق فی رد شبہات الماذق المارق لکھا اور سب الزامات کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔

فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

تصنیفات

امام الدعوۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی رسائل وکتب تصنیف کیے جو سب کے سب دلائلِ قرآنیہ وبراہینِ حدیثیہ سے مزین وآراستہ ہیں۔ سب سے پہلے آپ کی یہی کتاب التوحید معرکۃ الآراء ہے

۱۔ کتاب التوحید : الذی ھو حق اللہ علی العبید ہے۔ جس کا تعارف ہوچکا ہے۔

۲۔ کشف الشبہات : یہ کتاب التوحید کا تتمہ ہے۔ جس میں مخالفین کے شبہات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ کئی بار طبع ہوچکی ہے، ان دو کتابوں کے بعد بھی سلسلہ تصنیف وتالیف جاری رہا

۳- الاصول الثلاثۃ وادلتھا

اس رسالے میں تین اہم اصول بیان کیے ہیں۔

معرفۃ الربّ

معرفۃ الدین

معرفۃ النبی

یہ سوال وجواب کی نوعیت پر بیان کیے گئے ہیں گویا کہ دُعائے مسنون رضیت باللہ ربا، وبالاسلام دینا، وبمحمد نبیا،

کی تفسیر وتوضیح ہے اور قبر میں ہونے والے تین سوال، کہ

من ربّك ؟ تیرا ربّ کون ہے ؟

ومن نبیّك ؟ تیرا نبی کون ہے ؟

ومادینك ؟ اور تیرا دین کیا ہے ؟

کے صحیح جواب دینے والوں کا عقیدہ بیان کیا ہے یہ رسالہ بھی کئی بار چھپ چکا ہے۔

تفسیر کلمۃ التوحید

اس رسالہ میں لا الہ الا اللہ کی مختصر مگر جامع اور آسان تشریح کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہی کلمہ کفر اور اسلام میں حدِ فاصل ہے اور کلمۃ التقوٰی، العروۃ الوثقیٰ بھی یہی ہے اور یہی وہ کلمہ باقیہ ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی نسل کے لیے چھوڑا ہے۔

اربع قواعد من الدین تمیز بین المؤمن والمشرکین؛

اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملتِ ابراہیمیہ حنیفیہ شرک سے بالکل پاک ہے اس کی معرفت چار قواعد پر مبنی ہے۔

۱- اوّل یہ کہ جن کفار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو خالق رازق، محی، ممیت، نافع، ضار، اور مدبّر الامور مانتے تھے مگر صرف اسی عقیدہ کی بنا پر ان کو مسلمان

نہیں سمجھا گیا۔

۲۔ دوم یہ کہ وہ خود اقرار کرتے تھے کہ ہم نے جن کو اللہ کا شریک بنایا وہ صرف اس لیے کہ ان کی معرفت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے حق میں شفاعت کریں گے۔

۳۔ سوم یہ کہ اس وقت مشرکین کئی قسم کی اشیا کی پرستش کرتے تھے۔ جاندار، بے جان شجر و حجر، شمس و قمر انبیاء، صلحاء اور ملائکہ وغیرہ کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے یکساں قتال کیا اور کوئی فرق نہیں کیا۔

۴۔ ہمارے دور کے مشرک ان سے بڑھ کر ہیں وہ تکلیف اور غم میں دوسروں کو بھلا کر صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے اور آرام و خوشی کے وقت دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ اس کے برعکس اب کے لوگ ہر وقت شدت در خائیں غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔

ان چار قواعد کو سمجھنے کے بغیر اقامت ملتِ حنیفیہ ممکن نہیں ہے۔

تلقین اصول العقیدۃ للعامۃ

اس میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس پر دلائل ذکر کیے ہیں۔ اور ایمان و اسلام کے اصول اور نبوت پر ایمان اور بعث بعد الموت پر یقین رکھنا بیان کیا گیا ہے۔

ثلاث مسائل

اس میں تین اہم مسئلے بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ ہم بیکار پیدا نہیں ہوتے۔ شریعتِ اسلامیہ پر عمل سے جنت ملے گی اور شریعت کی مخالفت سے جہنم۔

۲۔ شریعتِ اسلامیہ میں سب سے بڑا اور مہتم بالشان کام توحید ہے۔

۳۔ موحد انسان کے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین اور مخالفین کے ساتھ دوستی نہ رکھے۔

معنی الطاغوت ورأوس انواعه

اس میں طاغوت کی یہ تعریف کرتے ہیں :

الطاغوت عام لکل ماعبد من دون الله ورضی بالعبادة من معبود اومطبوع او مطاع في غیر طاعة الله ورسوله فهو الطاغوت والطواغیت کثیرة -	طاغوت عام ہے اور اس کا اطلاق ہراس چیز پر ہوتا ہے جس کی اللہ کے سوا بندگی کی جائے اور کسی معبود کی عبادت پر رضامندی کا اظہار کیا جائے یا اللہ اور اُس کے رسول کے علاوہ کسی مطبوع یا مطاع کی عبادت کی جائے یہ سب طاغوت میں شامل ہے، اور طواغیت بہت سے ہیں -

اس کے بعد بڑے بڑے طواغیت کو شمار کیا ہے، جیسے شیطان، ظالم حاکم، شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والے، علمِ غیب کے مدعی، اپنی پرستش پر راضی رہنے والے افراد۔

الاصل الجامع لعبادة الله وحدهٗ

اس میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب ایسا جامع اصول ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت ہوسکتی ہے -

ستة مواضع من السیرة

اس میں سیرت و تاریخ کے وہ چھ ادوار ذکر کیے ہیں جن میں ایک داعی الی اللہ کے لیے رہنمائی ہے -

انذار، دینِ اہلِ شرک کی تردید، غیر اللہ کو وسیلہ بنانے کی مذمت، قریب ترین اور عزیز چچا ابوطالب کے حق میں استغفار سے روکنا، واقعہ ردہ جس میں سب لوگ آپ کے منکر نہ تھے، تاہم سب کے ساتھ اہلِ اسلام نے جنگ کی -

مسائل الجاهلية

اس میں ۱۱۹ اُن امور کا ذکر کیا گیا ہے جو قبل از اسلام دورِ جاہلیت میں مروّج تھے -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت اور تردید کی جس سے اہلِ حق اور باطل میں تمیز ہوئی۔

نواقض الاسلام

اس میں دہ بارہ امور ذکر کیے ہیں جو اسلام کے منافی ہیں یہ رسائل ایک مجموعہ کی صورت میں طبع ہو چکے ہیں، جس کا نام "الجامع الفرید" ہے۔

فضل الاسلام

اس میں اسلام کے شرائط اور بدعت و شرک کی برائیوں کو واضح کیا گیا ہے۔

کتاب الکبائر

اس میں کبیرہ گناہوں کو ابواب کی صورت میں بیان کیا ہے۔

نصیحۃ المسلمین

اس میں اسلامی شعبوں کو ابواب کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

اصول الایمان

اس میں مختلف ابوابِ احادیثِ ایمان کی تشریح کی ہے

مذکورہ چار رسائل مجموعۃ الحدیث النجدیہ میں درج ہیں، یہ مجموعہ متعدد بار طبع ہوا ہے۔ آخری طبع ۱۳۸۹ھ میں ہوئی۔

تفسیر بعض سور القرآن

سورۃ فاتحہ کی عالمانہ لیکن مختصر تفسیر ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ محبت، خوف، امید اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ نیز اس میں باطل فرقوں کا رد بھی ہے، توحید ربوبیت توحید الوہیت اور توحید صفات کا مختصر خاکہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

احکام الصلوٰۃ

اس میں نماز کے شروط، ارکان، واجبات، مبطلات، وضو کے فرائض، شروط اور نواقض بیان کیے ہیں۔

مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

یہ کتاب ۱۳۸۶ھ میں طبع ہوئی۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب، آخری زندگی تک کے واقعات، غزوات، اور سیرت کو بیان کیا ہے اور حسن رضی اللہ عنہ تک خلفاء کے حالات باختصار ذکر کیے ہیں۔

الھدی النبوی

علامہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب زاد المعاد کا اختصار ہے۔ یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

ان کے علاوہ شیخ رحمہ اللہ کے کئی خطوط اور متفرق مضامین ہیں جو الدرر السنیہ میں درج ہیں۔ سب میں توحید وسنّت کی طرف دعوت ہے۔ ان میں آیات واحادیث مذکور ہیں۔ گویا علمی دریا بہہ رہا ہے یہی آثار شیخ رحمہ اللہ کی یادگار ہیں۔ علما اور عوام سب نے استفادہ کیا اور اپنے سینوں کو ہدایت سے منور کیا۔

فائدہ

شیخ موصوف رحمہ اللہ راقم الحروف کے تین واسطوں سے استاذ ہیں۔ علامہ شیخ محدث ابو محمد عبد الحق بہاول پوری مہاجر مکی مدرس الحرم الشریف المتوفی ۱۳۹۲ھ نے جو اجازت روایت عطا فرمائی تھی، اس میں صحیح بخاری کی ایک سند یوں ذکر کرتے ہیں۔

اخبرنا احمد بن عبد اللہ بن سالم البغدادي عن عبد الرحمن بن حسن ابن محمد ابن عبد الوهاب عن جده شیخ الاسلام محمد بن عبد الوهاب النجدي الدرعي ۔ اھ

وفات

آپ آخر وقت تک تبلیغ، درس، دعوت وارشاد میں منہمک رہے اور ماہ ذیقعدہ ۱۲۰۶ھ

میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر عالمِ بقا کو روانہ ہو گئے۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ واسکنہ جنت الفردوس ورفع درجاتہ ورزقہ لذۃ النظر الی وجھہ الکریم

اولاد

وفات کے وقت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے

۱۔ حسین : المتوفی سنہ ۱۲۲۴ھ یہ سب سے بڑے اور والد کے جانشین سمجھے جاتے تھے، درعیہ کے قاضی اور جامع مسجد کے پیشِ امام تھے، ان کے بیٹے علی، احمد، حسن، عبدالرحمٰن، عبدالملک سب عالم باعمل تھے۔

۲۔ عبد اللہ المتوفی سنہ ۱۲۳۳ھ : یہ صاحبِ علم اور لائق مصنف تھے۔ حسین کے بعد آپ ہی ان کے جانشین ہوئے۔ بڑے مجاہد تھے۔ سنہ ۱۲۳۳ھ کے اواخر میں جیل میں شہادت پائی۔

آپ نے کتاب التوحید کی ایک شرح بھی لکھی تھی مگر نامکمل رہی۔ ان کی دوسری تصنیف "کتاب التوضیح عن توحید الخلاف" ہے جو سنہ ۱۳۱۹ھ میں طبع ہو چکی ہے، ان کے دو بیٹے سلیمان اور علی سقوطِ درعیہ کے وقت شہید ہوئے۔

۳۔ علی

یہ بھی علم، زہد اور تقویٰ میں ممتاز تھے، علومِ دینیہ پر کافی دسترس تھی، آپ کے لیے عہدۂ قضا پیش کیا گیا مگر تقویٰ نے اجازت نہ دی اور انکار فرما دیا، کم سنی میں فوت ہوئے آپ کے بیٹے محمد بن علی علم میں مشہور و معروف تھے۔ لوگوں کی علمی پیاس بجھایا کرتے تھے۔

۴۔ ابراہیم المتوفی سنہ ۱۲۲۴ھ

یہ بھی صاحبِ علم تھے۔ کتاب التوحید درساً پڑھاتے تھے۔ عہدہ قضاء سے الگ رہے۔ سنہ ۱۲۲۴ھ میں وفات پائی۔

شیخ کا ایک اور بیٹا حسن بھی تھا جو آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا۔
ان کے بڑے صاحبزادے شیخ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ مصنّف "فتح المجید" تھے، ان کا سوانحی خاکہ ملاحظہ فرمایئے :

امام الموحّدین العلّامۃ الشیخ عبدالرّحمان بن حسن رحمہ اللہ

العالم الفاضل الورع الکامل المحدّث الفقیہ العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب النجدی الدرعی ۔

ولادت و نشأت

۱۱۹۶ھ میں اپنے آبائی شہر درعیہ میں پیدا ہوئے۔ اسی خاندانی گھر میں آپ کی پرورش اور تربیت ہوئی، اپنے دادا امام الدعوۃ سے کتاب التوحید ابواب السحر تک پڑھی، کتاب آداب المشی الی الصلوۃ کا کچھ حصہ بھی پڑھا۔ آپ کی مجالس علمیہ میں بیٹھ کر استفادہ کیا۔ جن میں صحیح بخاری و دیگر کتب حدیث اور فقہ کے درس ہوتے تھے۔

شیوخ

آپ کے کئی اساتذہ ہیں، جن سے علم حاصل کیا جن میں سے چند قابلِ ذکر ہیں، اپنے جدِّ امجد کے علاوہ اپنے اعمام عبداللہ، علی اور حسن سے حدیث و فقہ کے دروس حاصل کیے، نجد کے دوسرے علماء سے بھی کسبِ علم کیا، مثلاً
شیخ احمد بن ناصر سے مختصر الشرح اور مقنع پڑھی۔
شیخ عبداللہ بن فاضل سے سیرۃ النبویّہ پڑھی۔
شیخ عبدالرحمٰن بن خمیس سے شرح الشنشوری فی الفرائض کی تعلیم حاصل کی۔

یشیخ احمد بن حسن بن رشید سے شرح الجزریہ پڑھی۔

یشیخ ابو بکر حسین بن غنام سے شرح الفاکہی المیمیہ فی النحو پڑھی، آپ نے نجد کے علاوہ دوسرے علمأ سے بھی تعلیم حاصل کی۔

یشیخ الحسن القوینی المصری سے شرح جمع الجوامع فی الاصول للمحلی اور مختصر السعدی فی المعانی والبیان پڑھی، اور انہوں نے آپ کو اپنی جمیع مرویات کی اجازت دی اور شیخ عبداللہ بن سالم البصری کا ثبت اوائل الکتب عطا کیا۔

یشیخ عبدالرحمان الجبرتی سے مسلسل بالاولیہ[1] مع جمیع مرویات کی اجازت حاصل کی۔

یشیخ عبداللہ بن سودان جو کہ مصر میں آپ کے سب سے بڑے استاد ہیں ان سے بھی تمام مرویات اور شیخ عبداللہ بن سالم کے ثبت کی اجازت حاصل کی۔

مفتی الجزائر محمد بن محمود الجزائری الاثری، جو ماہر علوم اور پختہ عقیدہ کے مالک تھے سے صحیحین کا کچھ حصہ من طریق ابن سعاد اور الاحکام الکبریٰ للامام عبدالحق الاشبیلی کا پڑھا اور ان سے بھی حدیث مسلسل باولیہ اور جمیع مرویات کی اجازت حاصل کی۔

یشیخ القرار بمصر ابراہیم العبیدی جن کے پاس قرأ سبعہ تک متصل سند تھی ان سے اول القرآن الکریم پڑھا۔

یشیخ احمد بن سلمون حسن خلق، تواضع، ماہر علم القراءۃ کے پاس بھی قرأ سبعہ تک اسانید متصلہ تھیں، شارح موصوف ان کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، ان سے قرآنِ کریم اور

---

[1] یعنی جس میں ہر راوی اپنے شیخ کے متعلق کہتا ہے کہ وہ اول حدیث سمعتہ منہ، اور یہ حدیث معروف ہے جس کا متن یہ ہے:

"الراحمون یرحمہم الرحمٰن تبارك وتعالی ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء"

اکثر علماء نے اس کو اپنے اثبات میں ذکر کیا ہے مثلاً عبداللہ بن سالم البصری، محمد عابد السندی الشوکانی النخلی اور السنبھلی وغیرہم۔

الشاطبیہ شرح الجزریہ پڑھی ۔
شیخ یوسف الصاوی سے شرح الخلاصہ لابن عقیل کا اکثر حصہ پڑھا۔
شیخ ابراہیم البیجوری سے شرح الخلاصہ للاشمونی باب الاضافہ تک پڑھا۔
شیخ محمد الدمنہوری سے جامعہ ازہر میں الاستعارات الکافی فی علمی العروض والقوافی پڑھیں ، رحمہم اللہ تعالیٰ ،

تلامذہ

آپ کے جدِ امجد کی طرح آپ سے بھی کئی لوگوں نے علم حاصل کیا، آپ کے فرزند شیخ عبداللطیف کے علاوہ آپ کے خاندان کے کئی افراد آپ کے تلامذہ ہیں ۔ تین چچازاد بھائی ۔

شیخ حسن بن حسین بن محمد بن عبدالوہاب
شیخ عبدالملک بن حسن بن شیخ محمد بن عبدالوہاب
شیخ عبدالرحمٰن بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب

چچازاد بھائیوں کے لڑکے

شیخ حسن بن حمد بن حسین بن محمد بن عبدالوہاب
شیخ عبدالعزیز بن محمد بن علی بن محمد بن عبدالوہاب
شیخ عبداللہ بن حسن بن حسین بن محمد بن عبدالوہاب

کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں ۔ اسی طرح

شیخ عبدالعزیز بن عثمان بن عبدالجبار بن شبانہ
شیخ عبدالرحمٰن بن احمد النمیری
شیخ عبداللہ بن جبر
شیخ حمد بن عتیق

شیخ محمد بن سُلطان

شیخ عبدالعزیز بن حسن بن یحییٰ

شیخ محمد بن ابراہیم بن عجلان

شیخ محمد بن عبدالعزیز

شیخ عبدالرحمن بن عدوان

شیخ محمد بن ابراہیم بن سیف

شیخ عبداللہ بن علی بن مرخان

شیخ علی بن عبداللہ بن عیسیٰ

شیخ عبدالرحمن بن محمد بن مانع

شیخ احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ

شیخ محمد بن عبداللہ بن سلیم

شیخ محمد بن محمد بن سلیم

آپ کے تلامذہ کا شمار مشکل ہے کیونکہ آپ تا وفات درس و تدریس اور تعلیم میں مصروف رہے ۔ تقبل اللہ منہ بقبول حسن ،

عادات و اطوار

آپ علم پڑھنے اور پڑھانے کی رغبت کے ساتھ ساتھ دائم العمل، کثرتِ عبادت، خوش خلقی احسان، نیکی، نرمی، رحم دلی، سخاوت، کم گوئی، وقار اور سنجیدگی جیسی صفات حسنہ کی منہ بولتی تصویر تھے، آپ کا تعلیمی طریقہ اتنا سہل اور مؤثر ہوتا تھا کہ طلبہ تھوڑے ہی عرصہ میں اچھے علمی مقام پر فائز ہو جاتے تھے ۔ علامہ ابن بشر مصنف عنوان المجد نے حوادث ۱۲۴۱ھ میں آپ کو ان القاب سے یاد کیا ہے :

الشیخ العالم، البحر الزاخر، الغزیر، مفید الطالبین، المحفوف بعنایۃ رب العالمین، جامع انواع العلوم الشرعیہ، محقق العلوم الدینیہ والاحادیث النبویہ، والاثار السلفیہ، وارث العلم کابراعن کابر بالذی صارت الاصاغر بافادتہ شیوخا، اکابر قاضی قضاۃ الاسلام والمسلمین، مفتی فرقۃ الانام الموحدین، ناصر سنۃ سید المرسلین، الموفق للصواب فی الجواب - آہ

علامہ ابراہیم بن صالح نجدی مولف "عقد الدرر" یوں ذکر کرتے ہیں :

الشیخ الامام، العالم الفاضل القدوۃ، رئیس الموحدین، قامع الملحدین کان اماما بارعا، محدثا فقیھا ورعا نقیا تقیا صالحا لہ الید الطولی فی جمیع العلوم الدینیہ - آہ

آپ کا ذکرِ خیر - ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون' لاسماعیل باشا البغدادی جلد ۲ ص ۱۷۲ اور الاعلام للزرکلی جلد ۴ ص ۷۶،۷۵ معجم المولفین لعمر رضا کحالہ جلد ۵ ص ۱۳۵ اور فہرس المولفین بالظاہریۃ وغیرہ کتابوں میں بھی ملتا ہے۔

تصنیفات

سب سے زیادہ مشہور و معروف اور آپ کے علمی تبحر کی خبر دینے والی کتاب فتح المجید شرح کتاب التوحید جس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے اور جس کا ترجمہ ناظرین کرام کے ہاتھ میں ہے۔ نیز کتاب التوحید پر آپ کے حاشیہ قرۃ عیون الموحدین کا بھی ذکر ہوا۔ ان کے علاوہ آپ نے یہ کتابیں لکھیں۔

۳ - کتاب الرد علی داؤد بن سلیمان بن جرجیس

۴ - کتاب الایمان

۵ - کتاب الرد علی اہل البدع

۶ - کتاب الرد علی عثمان بن منصور

۷ - مجموعہ رسائل

۸ - فتاویٰ

فائدہ

آپ راقم الحروف کے دو واسطوں سے استاذ ہیں، جیسا کہ امام الدعوۃ رحمہ اللہ کے حال میں گزر چکا ہے، فالحمد للہ تعالیٰ

وفات

آپ دینِ متین کی خدمت کرتے ہوئے مورخہ ۱۱ر ذی القعدہ ۱۲۸۵ھ ہفتہ کی شام کو الوداع کرکے دار البقا کو روانہ ہوئے۔

تغمدہ اللہ تعالیٰ برحمتہ الواسعہ

چودھویں صدی ہجری

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے مناسب سمجھا کہ قرنِ حاضر کو بھی نہ بھولنا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں بھی کئی ایسی شخصیتیں گزری ہیں جنہوں نے توحید کی قلمی خدمت کی ہے۔ جس سے اہلِ حق کی راہ ہموار ہوتی رہی ہے اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ صدی رواں بالکل خالی گئی ہے۔

نالہ اگر کرے تو سمجھ بوجھ کر کرے!
بلبل سے کوئی کہدے کہ ہم بھی چمن میں ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی غلط ثابت نہیں ہوسکتی۔ اس صدی میں بھی علمائے دین اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں جس میں بعض سے ملاقاتیں بھی ہوئیں اور بعض سے علمی استفادہ بھی کیا۔

صورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں
کیسی کیسی صحبتیں خوابِ پریشاں ہو گئیں

شیخ الکل، امام المتقین، سید المحدثین، تاج الفقہاء علم العلماء، جامع العلوم النقلیہ والعقلیہ ناصر السنۃ النبویۃ، عمدۃ العاملین، زبدۃ الکاملین، حجۃ اللہ علی الخلق، مجدد القرن، الامام المحدث الفقیہ الاصولی الشیخ شیخنا السید نذیر حسین بن جواد بن علی بن نعمۃ اللہ الحسینی الدہلوی الملقب بہ میاں صاحب المتوفی سنہ ۱۳۲۰ھ، نصف صدی سے اوپر خدمت کا یہ نتیجہ ہے کہ اس وقت سب اہلِ توحید کا سلسلہ تلمذ آپ سے جا ملتا ہے، کتاب

۱۔ ثبوت الحق الحقیق

۲۔ فلاح الولی باتباع النبی

۳۔ رسالہ فی ابطال عمل المولد

مندرجہ بالا تصانیف آپ نے یادگار چھوڑیں۔

ہمارے پردادا جناب الداعی الی اللہ، المجاہد فی سبیل اللہ حامی السنۃ ماحی البدعۃ، جامع العلوم، صاحبِ فیوض وکمالات مجسمہ سنت، پیکرِ اخلاق، السید رشید الدین شاہ بن السید محمد یاسین شاہ بن السید محمد راشد شاہ الراشدی الحسینی المتوفی سنہ ۱۳۱۷ھ نے اپنی پوری عمر دین کی خدمت اور دعوت الی الحق میں صرف کر دی۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جماعت تیار کی اور ان سے بیعت لی، آپ نے سندھی زبان میں رسالہ بنام توحید نامہ لکھا۔ جس میں آیات واحادیث کا دریا بہا دیا ہے جس سے سندھ کے گوشے گوشے میں توحید پھیلنے لگی، کئی پوجاریوں اور بدعتیوں نے توبہ کی اور آپ کے حلقۂ اہلِ توحید میں داخل ہوئے نیز آپ نے اسماء اللہ الحسنیٰ کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا۔

علامہ شیخ فتح محمد نظامانی نے تفسیر مفتاح رشد اللہ کے مقدمہ میں آپ کو مجدد القرآن الرابع عشر شمار کیا ہے۔

جدِ امجد، عالمِ ربانی، محدثِ حقانی، حامی الشریعۃ، قامع البدعۃ، مرجع العلماء، زین الکملاء السید ابو تراب رشد اللہ شاہ الراشدی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ، آپ کو علامہ مخدوم محمد عثمان نورنگ زادہ نے مقدمہ تفسیر تنویر الایمان میں ان القاب سے ذکر کیا ہے۔

فاضلِ اجل بے عدیل ،مفسّرِ آیاتِ قرآنی ، محدثِ لاثانی فقیہِ ربّانی ، مجمعِ اشتات علومِ نقلیہ منبعِ فہومِ عقلیہ ، وارثِ علومِ رسول اللّٰہ آیۃ من آیات اللّٰہ ، داعی الخلق الی اللّٰہ

آپ کی تصانیف کثیر تعداد میں ہیں ۔ توحید باری تعالیٰ میں آپ کی مندرجہ ذیل کتب قابلِ ذکر ہیں :

۱ ۔ الاعتنار بمسئلۃ الاستوار ۔

اس میں ثابت کیا ہے کہ سلف کا مسلک اسلم و اعلم اور احکم ہے اور ابن حجر ہیثمی نے جو کچھ مأولین کی تائید میں لکھا ہے اس کی تردید کی ہے ۔

۲ ۔ کشفِ الریب عن مسئلۃ علم الغیب ،

اس میں کتاب و سنّت اور اقوالِ فقہاء سے ثابت کیا ہے کہ علمِ غیب صرف اللّٰہ ہی کی صفت ہے جس میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں ؛

۳ ۔ المعونۃ الصمدیۃ فی ردِّ اوہام الہدیۃ الاسدیۃ

سید اسد اللّٰہ شاہ ٹکھڑائی نے ایک رسالہ انبیاء ۔ اور اولیاء ۔ کو غیب دان ثابت کرنے کے لیے لکھا تھا ۔ یہ کتاب اس کی تردید میں لکھی ہے ۔

۴ ۔ الفارقۃ بین اہل اللّٰہ والمارقۃ

اس کتاب میں مصنوعی پیروں کی تردید ہے ۔ آپ کا چچازاد بھائی سید نصر اللّٰہ شاہ بن ہدایت اللّٰہ شاہ بن سید محمد یٰسین شاہ بن سید محمد راشد شاہ الراشدی وجودی اور ہمہ اوستی مسلک رکھتا تھا ۔ جدِ امجد کا اس کے ساتھ چند سالوں تک تحریری مناظرہ ہوتا رہا اور سننے میں آیا ہے کہ سید موصوف بالآخر اس غلط عقیدہ سے توبہ کر کے صحیح عقیدہ سلفیہ کی طرف رجوع ہوئے ۔ جدِ امجد نے اس کے ردّ میں جو رسائل لکھے ، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں ۔

۱ ۔ ردود عبّاد الوجود

سیدِ موصوف کے رسالہ مجمل العلوم کے جواب میں ہے ۔

۲۔ المجاہدۃ فی رد المجاہدۃ

۳۔ فیض الودود اتم من فیض الوجود،

یہ دونوں رسالے مشاہدۃ الوجود اور فیض الوجود سید نصر اللہ شاہ نے لکھے تھے، آپ نے ان کا رد لکھا تھا۔

ہمارے والد ماجد الداعی الی السنۃ، الناہی عن البدعۃ المحدث النقاد، العارف بالعلل و الرجال، العابد الزاہد المتقی ابو محب اللہ احسان اللہ شاہ الراشدی المتوفی ۱۳۸۵ھ آپ کو شیخنا ابو محمد عبدالحق الہاشمی البہاولپوری المکی رحمہ اللہ فنِ اسماء الرجال میں امام الوقت مانتے تھے۔ آپ نے اپنی آبائی روایت کو زندہ رکھتے ہوئے توحید و سُنّت کو سندھ کے چپہ چپہ میں پھیلایا اور کئی بار مناظرے ہوئے کسی طعن و تشنیع کی پرواہ نہیں کی، ہر طمع و لالچ کو لات مار کر باوجود حریفانِ وقت کی طرف سے طرح طرح کی مشکلات کا گھیر رہتا تھا، مگر پھر بھی اشاعتِ سُنّت کی طرف قدم بڑھتا ہی رہا۔

مہر و وفا میں یار نے جب امتحاں لیا!

سب عاشقوں میں نمبرِ اوّل ہمیں رہے

سرزمینِ نجد و حجاز میں جب قبے اور غیر شرعی اونچے مزارات گرائے گئے تو اس وقت توحید کے مخالفین کا طیش میں آنا ناگزیر تھا۔ کاش جو حالت اس وقت سندھ کی تھی وہ قارئینِ کرام دیکھتے۔ اور تو اور فرضی نمازوں کے بعد ذکر و وظائف کے بجائے مبتدعین معاندین کا مشغلہ یہ تھا کہ امیرالمومنین امام المسلمین ملک المملکۃ العربیۃ السعودیۃ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن و دیگر علماء و حکام نجد کو گالیاں دیتے اور لعنت بھیجتے تھے، ان کو ذکرِ الٰہی بھولا ہوا تھا۔ یہی ان کا درد و وظیفہ تھا اور اس آیتِ کریمہ کا مصداق تھا

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۞ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ

(تم وہی لوگ تو ہو) کہ میرے کچھ بندے جب کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار، ہم ایمان لائے۔ ہمیں معاف کر دے، ہم پر رحم کر تُو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے تو تم نے ان کا مذاق بنا لیا، یہاں تک کہ ان کی ضد

وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ
نے تمہیں یہ بھی بھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں اور تم ان پر ہنستے رہے۔

(المومنون - ۱۹، ۱۱۰)

ایسے وقت میں والد ماجد نے سندھی زبان میں ایک مختصر رسالہ لکھا جس میں آیات و احادیث کو جمع کیا اور اقوالِ سلف کو بھی ذکر کیا کہ جو کچھ امام المسلمین نے کیا ہے، وہی عین شریعت الٰہی اور عقیدہ سلف صالحین اور اہلِ حق کے موافق ہے پھر سندھ کے مختلف حصوں میں اپنے نمائندوں کے ہاتھ رسالہ تقسیم فرمایا اور پڑھ کر لوگوں کو سنایا، اس کے بعد یہ آگ ٹھنڈی ہوئی اور کافی لوگوں کے دل سے جو انگریزوں نے وہابیت سے نفرت ڈالی تھی وہ کم ہوئی اور پھر سے وہ معدودے چند علماء جو توحید کے حامی تھے ان کے لیے توحید وسنت پر وعظ وارشاد کرنے کا موقعہ فراہم ہوا۔

رئیس المفسرین، شیخ المحدثین، امام المناظرین ابنِ تیمیہ زماں، شوکانی دوراں، سردار اہلِ حدیث فی الہند شیخنا الشیخ الامام المتقی التقی العالم العامل الورع الکامل محب السنۃ، محمود اہل البدعۃ، بقیۃ السلف عمدۃ الخلف مجدد القرن ابوالوفاء ثناء اللہ بن محمد خضر الکشمیری الاصل ثم الامرتسری المتوفی ۱۳۶۷ھ کی دینی خدمات کو اگر لکھنا شروع کردوں تو خود مجھے معلوم نہیں کہ قلم کہاں جاکر رکے گا۔

ع : اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم

آپ کی توحید پر بے شمار تصانیف ہیں۔ جن میں سے

۱۔ شمع توحید

۲۔ کلمہ طیبہ

۳۔ مسلک اہل الحدیث

معروف ہیں، جملہ باطل فرقوں آریہ، عیسائی، قادیانی اور چکڑالوی وغیرہ سے صرف مناظرے ہی نہیں کیے بلکہ ان کی تردید میں کئی کتابیں لکھیں۔ چالیس سال سے زیادہ عرصے تک بلاناغہ ہفتہ وار اخبار بنام اہلحدیث نکالتے رہے جس میں توحید وسنت کی طرف دعوت اور شرک و بدعت کی مذمت کے ساتھ ساتھ فرقہ مبتدعہ

باطلہ کی پر زور تردید ہوتی رہی۔

نواب معلّی القاب مرجع العلماء وعمدۃ الکملاء ومنبع الفیوض الرحمانیہ، ناشر السنۃ النبویۃ المحدث الفقیہ العلامہ السید صدیق بن حسن بن علی الحسینی البخاری القنوجی البوفالی المتوفی ۱۳۰۷ھ کی شہرہ آفاق ہستی نے ہر فن میں کتابیں لکھیں، عقائد اور توحید میں آپ کی کئی کتابیں معروف ہیں مثلاً عربی زبان میں "الدین الخالص" جو پہلے پہل ہند میں پھر عرب میں چھپی ہے اور اکثر کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔

۲۔ الانتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح

۳۔ قطف الثمر فی بیان عقیدۃ اہل الاثر

۴۔ قصد السبیل الی ذم الکلام والتاویل

۵۔ مسلک السعادۃ فی افراد اللہ بالعبادۃ

۶۔ اللواء المعقود لتوحید الرب المعبود

۷۔ المعتقد والمنتقد

۸۔ الجواز والصلات فی جمیع الاسامی والصفات

فارسی زبان میں

۱۔ المقالۃ النصیحۃ فی الوصیۃ والنصیحۃ

۲۔ ترجمہ شرعۃ الاسلام

اردو زبان میں

۱۔ الاحتواء علی مسئلۃ الاستواء

۲۔ النصح السدید لوجوب التوحید

۳۔ مراد المرید لاخلاص التوحید

۴۔ منہاج العبید الی معراج التوحید

۵۔ الانفکاک عن مراسم الاشراک

آپ کی تصانیف اہلِ علم کے ہاں بڑی قیمت رکھتی ہیں۔

شیخنا العلامہ البیہقی الوقت شیخ الحدیث الفقیہ النبیہ الادیب الاریب الشیخ ابو سعید شرف الدین بن امام الدین الدہلوی المتوفی ۱۳۸۱ھ نے شرکیہ دم جھاڑ کی تردید میں "کتاب الاکراہ" لکھی۔

نواب عالی جناب، عالم باعمل، فقیہ وقت المحب السنۃ وحید الزماں بن مسیح الزماں الدکنی المتوفی ۱۳۳۸ھ نے الانتہائی مسئلۃ الاستواء لکھی۔

علامہ وقت شیخ مولا بخش گزدر بن یاسین جوہیری المتوفی ۱۳۲۵ھ نے رسالہ التوحید لکھا۔

آپ کے فرزند علامہ ابو سعید عبدالغنی المتوفی ۱۳۴۱ھ نے بھی بدعت کے رد میں ایک کتاب لکھی۔

شیخنا العلامہ المحدث، استاذ العلماء افضل الفضلاء الصابر الصائم، الشیخ الحافظ عبداللہ بن روشن دین الروپڑی الامرتسری اللاہوری المتوفی ۱۳۸۴ھ نے توحید پر کافی کتابیں لکھیں جن میں:

۱۔ توحید الرحمن بجواب استمداد از عباد الرحمن

۲۔ زیارت قبر نبوی

۳۔ بکرا دیوی

۴۔ امامتِ مشرک

۵۔ کلمہ توحید

۶۔ وسیلۂ بزرگاں

۷۔ شرکیہ دم جھاڑ میں فیصلہ کن بحث

۸۔ سماعِ موتیٰ

۹۔ ٹھیٹھ اسلام

مشہور ہیں۔ نیز آپ کا ہفتہ وار جریدہ تنظیم اہلِ حدیث سالہا سال سے توحید و سنت کی خدمت کر رہا ہے اس وقت آپ کا بھتیجہ علامہ محترم حافظ عبدالقادر روپڑی اسے چلا رہے ہیں اللہ تعالیٰ دیر تک اس پرچہ کو آباد و شاد رکھے۔ آمین

علامہ حافظ عبدالجبار بن بدرالدین عمر پوری المتوفی ۱۳۳۴ھ نے صمصام التوحید فی رد التقلید لکھی۔

سیف اللہ الباہر، واسد اللہ القاہر، خطیب اہل الحدیث معین الحق، مدحض الباطل، زین اہل القلم الشیخ العلامہ محمد بن ابراہیم بن محمد جوناگڑھی المتوفی ۱۳۶۰ھ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ کی تصانیف پورے پاک و ہند میں زبانِ زدِ خاص و عام ہیں مسئلہ توحید پر آپ کی درج ذیل کتب قابلِ ذکر ہیں :

۱۔ توحیدِ محمدی

۲۔ عقائدِ محمدی

۳۔ عقیدہ محمدی

۴۔ میلادِ محمدی

۵۔ قبروں پر پھول

۶۔ کتاب الاکراہ

آپ کا اخبار محمدی ایک طویل عرصہ تک توحید و سُنّت کی اشاعت کرتا رہا جس سے اہل شرک و بدعت کے مکر و دجل کے گریبان چاک ہوتے رہے مجھے یاد ہے کہ بچپن کا زمانہ تھا کہ والد بزرگوار کی طرف یہ اخبار میرے ہی نام پر آتا تھا۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانیے کیا یاد آیا!

شیخ المشائخ، وحید الدہر، محدث العصر مجسم تقویٰ، العالم الفاضل، عامل کامل الشیخ العلام محمد بشیر بن بدرالدین السھوانی المتوفی ۱۳۰۶ھ نے کتاب :

صیانۃ الانسان عن وساوس الشیخ دحلان

لکھی جس نے اہلِ بدعت کے حلقوں میں تہلکہ مچادیا، نیز حدیث شدّ الرحال کے بارے میں آپ کے تین رسائل

مشہور ہیں :

١- القول المحکم

٢- القول المنصور

٣- السعی المشکور

علامہ شیخ حمید اللہ بن محمد خلیل سراہ والے المتوفی سنہ ١٣٣٠ھ نے کتاب خطبات توحید تحریر فرمائی۔

علامہ سید امیر احمد بن سید امیر حسن محدث فاضل المتوفی سنہ ١٣٠٦ھ نے تقویۃ الایمان کی حمایت میں کتاب نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل لکھی

علامۃ الزمان، محدث الاوان، بطل الابطال، عدیم النظیر والمثال الشیخ ابو القاسم سیف البنارسی المتوفی سنہ ١٣٦٩ھ نے

١- رمی الجمرتین علی شاک کلمۃ الشہادتین،

٢- لواء الاسلام

لکھیں۔

علامہ محمد شکر اللہ میر ٹھی الواعظی المتوفی سنہ ١٣١٥ھ نے تقویۃ الایمان کی تائید میں النجاۃ فی ازالۃ الآزالۃ لکھی۔

فخر المحدثین، حافظ الوقت، عالم بے بدل، عامل بے مثل، الشیخ الکبیر ابو العلی عبد الرحمان بن الحافظ عبد الرحیم المبارکفوری المتوفی سنہ ١٣٥٣ھ نے خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون تصنیف فرمائی۔

علامہ ابو المکارم محمد علی بن میاں حسام الدین المتوفی سنہ ١٣٥٣ھ نے مولود و قیام کی تردید میں کتاب فراسۃ المومنین لکھی؛

شیخ محمد سعید بن صبغۃ اللہ المدراسی المتوفی سنہ ١٣٠٤ھ نے عقائد میں کتاب التنبیہ علی التنزیہ لکھی۔

شیخ محمد المکی الہندی المتوفی سنہ ١٣٣٤ھ نے کتاب فی معنی لا الٰہ الا اللہ لکھی۔

مناظر لاجواب، مقرر با صواب علامۃ الوقت محدث الامۃ المتقی الزاہد الشیخ عبد العزیز بن احمد الرحیم آبادی

المتوفی سنہ ۱۳۳۰ھ نے صیانۃ المومنین عن شر المبتدعین تصنیف فرمائی آپ کی علمی قدر و منزلت کو اہل علم ہی جانتے ہیں۔

علامہ سید عبدالباری بن سراج الدین السہوانی المتوفی سنہ ۱۳۰۲ھ نے اعلام الاخیار والاعلام ان الدین عند اللہ الاسلام اور ہدایۃ المبتدعین ترجمہ القائد الی العقائد لکھیں نیز نصاریٰ کے رد میں ایک مبسوط کتاب لکھی۔

مبلغ توحید و سنت، قائم بالامر بالمعروف والنہی عن المنکر، الملازم للعبادۃ الشیخ العلامہ عبدالرحیم پچھمی المتوفی سنہ ۱۳۷۰ھ نے بھی توحید پر ایک کتاب لکھی۔

علامہ شیخ اہل اللہ، ناصر سنت رسول اللہ الحافظ المحدث سراج الدین بن اعظم الماد ھوپوری مہاجر کراچی المتوفی سنہ ۱۳۸۰ھ نے کتاب درس توحید لکھی نیز آپ کی دوسری کتاب عقیدہ اہل حدیث ہے۔

استاذ العلماء معتمد الفقہاء، علامہ شیخ عبدالجبار کھنڈیلوی ثم اوکاڑوی المتوفی سنہ ۱۳۸۲ھ نے التبیان فی زیادۃ الایمان والنقصان تالیف فرمائی۔

علامہ شیخ، ادیب سندھ، صاحب قلم سیال محدث وقت شیخ دین محمد وفائی المتوفی سنہ ۱۳۶۹ھ نے تقویۃ الایمان کا سندھی میں ترجمہ لکھا۔ نیز کئی سال تک ماہنامہ رسالہ التوحید نکالتے رہے جس میں توحید و سنت کے موضوع پر آپ کے اور دیگر علمائے عصر کے مضامین شائع ہوتے رہے جس سے سندھی عوام کو گھر بیٹھے توحید کا وعظ ہوتا رہتا تھا۔

شاعر سندھ، ادیب فاضل، مجاہد وقت، سیف اللہ علی اعدائہ، فاتح لواری، علامہ الشیخ احمد الملاح البدینوی المتوفی سنہ ۱۳۸۹ھ نے سندھی زبان میں کتاب معرفۃ الالہ لکھی، جس میں اپنے عالمانہ اور فاضلانہ انداز میں توحید کے ثبوت اور شرک کے بطلان میں آیات واحادیث اور اقوال سلف کو جمع کیا، آپ سندھ کے بڑے ممتاز شاعر تھے، آپ کے اشعار نے مشرکین کے حلقوں پر تلوار کی دھار سے زیادہ کام کیا، فتنہ لواری (مصنوعی حج) کو بند کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر تھا، آپ کے اشعار کے چند مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جن میں :

۱- گلشن ہدایت

۲- فتح نواری

۳- ہیکڑاتی حق

موحدین کے لیے خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

الشیخ الامام اعلم الاعلام سلیمان بن سحمان النجدی المتوفی ۱۳۴۹ھ نے :

۱- الہدیۃ السنیۃ والتحفۃ الوہابیۃ النجدیۃ۔

۲- تنبیہ ذوالالباب السلیمۃ عن الوقوع فی الالفاظ المبتدعۃ الوخیمۃ۔

۳- کتاب الاسنۃ الحداد فی رد شبہات علوی الحداد

۴- الضیاء الشارق فی رد شبہات الماذق المارق

۵- تبرئۃ الشیخین الامامین عن تذویر اہل الکذب والمین

تصنیف فرمائیں۔

الشیخ العالم الصلب فی السنۃ، ناصر العقیدۃ السلفیۃ العلامۃ محمد خلیل ہراس المتوفی ۱۳۹۳ھ

نے :

۱- دعوۃ التوحید

۲- شرح القصیدۃ النونیہ

۳- شرح الواسطیہ

۴- ہذہ ہی الصوفیہ

کتابیں تصنیف فرمائیں

شیخ النجد العلامۃ احمد بن ابراہیم بن عیسٰی الشرقی المتوفی ۱۳۲۹ھ نے حافظ ابن قیم کے قصیدہ نونیہ کی شرح توضیح المقاصد وتصحیح العقائد اور الرد علی شبہات المستغیثین بغیر اللہ لکھیں۔

عالم بے بدل۔ العلامۃ الفہامۃ محمد یوسف کلکتوی المتوفی ۱۳۹۰ھ نے کتاب دعوۃ حق لکھی

مفتی الدیار المصریۃ الاستاذ محمد عبدہٗ المتوفی ۱۳۲۳ھ نے رسالہ التوحید لکھا

نادرۃ الزمان علامہ الشیخ حسین الجسر ابوالاحوال الطرابلسی المتوفی ۱۳۲۷ھ نے

۱۔ الرسالۃ الحمیدیۃ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیۃ

۲۔ حقیقۃ الشرعیۃ المحمدیۃ لکھیں،

علامہ الشیخ المجاہد ابوبکر محمد بن عارف بن عبدالقادر بن محمد بن علی بن خرقیر المکی المتوفی ۱۳۲۹ھ نے

۱۔ فصل المقال وارشاد الضال فی توسل الجہال

۲۔ مالابد منہ فی امور الدین

۳۔ حسن الاتصال بفصل المقال فی الرد علی بابصیل وکمال،

۴۔ التحقیق فی الطریق

وغیرہ کتب تحریر فرمائیں۔

امام اہلِ مصر الشیخ الاستاذ رشید رضا المتوفی ــــــہ نے الایضاح لمسئلۃ المیتہ لکھا۔

علامۃ الوقت الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی المتوفی ۱۳۷۶ھ نے

۱۔ القول السدید فی مقاصد التوحید

۲۔ الریاض الناضرۃ والحدائق النیرۃ الزاہرۃ فی العقائد والفنون المتنوعۃ الفاخرۃ

لکھیں۔

العلامۃ السلفی الشہیر الشیخ آغا محمد منیر الدمشقی القاہری المتوفی ۱۳۶۹ھ نے الحاشیۃ علی الاصول الثلاثۃ وادلتہا لکھی۔

الشیخ العلامۃ المحقق محمد الطیب بن اسحاق الانصاری المدنی المتوفی ۱۳۶۳ھ نے

۱۔ تسہیل الاصول الثلاثۃ وادلتہا

۲۔ عقیدۃ السلف الصالح لکھا۔

رئیس المحققین مناظرِ اسلام العلامۃ الشیخ احمد الدین گکھڑوی نے کتاب برہان الحق لکھی۔

الشیخ العلامۃ الحافظ محمد اکرم الانصاری الھالائی السندی المتوفی ۱۳۷۷ھ نے کتاب کشف الغطا والحجاب عن منع الصلاۃ الی القبور والقباب لکھی۔

الشیخ علامۃ الشہیر ابو المعالی محمود شکری الالوسی المتوفی ۱۳۸۲ھ نے کتاب

۱۔ غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی

۲۔ فصل الخطاب فی شرح مسائل الجاہلیۃ للشیخ محمد عبدالوہاب ؒ لکھیں۔

علامۃ الوقت الشیخ ابو محمد عبدالستار بن الشیخ عبدالوہاب الدہلوی المتوفی ۱۳۸۲ھ نے

۱۔ حقیقۃ التوسل والوسیلۃ

۲۔ حکم رب الانام فی ابطال عمل المولد والقیام ۔

۳۔ حکم النبی بکفر من لا یصلی

تصنیف فرمائیں۔

الشیخ السید ابن الالوسی المفسر العلامۃ الواعظ الباحث الفقیہ نعمان خیر الدین بن محمود شہاب الدین المتوفی ۱۳۱۷ھ نے

۱۔ جلاء العینین فی المحاکمۃ بین الاحمدین

۲۔ الجواب الفصیح لما لفقہ عبدالمسیح

تحریر فرمائیں۔

ان کے علاوہ اور بھی توحید پر لکھنے والے کئی علماء گزرے ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین

تیری رحمت سے الٰہی پائیں رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کیلئے

موجودین اخوان معاصرین میں بھی کئی علماء وفضلا ہیں جو توحید وعقائد حقہ کو واضح اور عام کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور اس پر کئی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں اور کئی لکھ رہے ہیں حجاز، نجد، مصر، شام اور عراق کے علاوہ دیگر عرب ریاستوں میں خواہ پاک و ہند اور دیگر ممالک میں کئی ایسے حامیان توحید ہیں جو سلف کی

دعوت کو تازہ کر رہے ہیں ۔

ساری دنیا ہے تری سارا زمانہ تیرا

جس کو سنتا ہوں وہ کہتا ہے فسانہ تیرا

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس سلسلہ کو ہمیشہ قائم رکھے اور اس باغ کو سرسبز و بارونق اور شاداں رکھے اور موحدین کے دل کو شاد و آباد رکھے اور تا ابدالآباد توحید کی طرف دعوت کا چرچہ باقی رہے ۔

دل شاد بامراد رہیں مہربان میرے

آباد حشر تک رہیں سب قدردان میرے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
هِدايةُ المُستفيد
اُردُو ترجمہ
فتح المجِيد
شرح
كِتابُ التوحِيد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اِس کتاب کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے اِس لیے شروع کیا ہے تاکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ عالی مقام کی اتباع ہو جائے۔

كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ	ہر اہم کام جو
لَمْ يُبْدَأْ فِيْهِ بِبِسْمِ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	سے شروع نہ کیا جائے وہ ادھورا
فَهُوَ اَقْطَعُ	رہتا ہے۔

موارد الظمآن

ابنِ حبان نے اِس حدیث کو دو طرق سے بیان کیا ہے۔

ابن الصلاح نے اِس کو حسن کہا ہے۔

ابوداوُدؒ اور ابنِ ماجہؒ نے اس کو اس طرح روایت کیا ہے۔

كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ	ہر اہم کام جو
لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِالْحَمْدِ	الحمد للہ یا الحمد سے
لِلّٰهِ اَوْ بِالْحَمْدِ فَهُوَ اَقْطَعُ	شروع نہ کیا جائے وہ ادھورا رہتا ہے

مسند امام احمدؒ میں یہ الفاظ ہیں:

كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ	ہر وُہ اہم اور بڑا کام جس کا آغاز
لَا يُفْتَتَحُ بِذِكْرِ اللّٰهِ	اللہ کے ذکر کے ساتھ نہ کیا جائے

لہ راوی کو شک ہے کہ حدیث میں الحمد للہ کے لفظ ہیں یا صرف الحمد۔ (مترجم)

فَهُوَ اَبْتَرُ اَوْ[1] اَقْطَعُ وہ ابتر یا اقطع ہوگا۔

دار قطنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ الفاظ مروی ہیں۔

كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ ہر وہ اہم اور رفیع کام جو اللہ

لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِذِكْرِ کے ذکر سے شروع نہ کیا جائے

اللهِ فَهُوَ اَقْطَعُ وہ مقطوع ہوگا۔

کتاب التوحید کے بعض نسخوں کے مطابق مصنف رحمہ اللہ نے صرف "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کے الفاظ پر اکتفا کیا ہے کیونکہ جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ذکر بہت ہی زیادہ پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکتوبات میں ان ہی الفاظ پر اکتفا فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ آپ نے شاہِ روم۔ ہرقل کے نام مکتوب میں لکھا تھا۔[2]

شارح کتاب العلامہ الشیخ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میں نے خود شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے ہاتھ سے لکھا ہوا کتاب التوحید کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے، جس میں انھوں نے کتاب کا آغاز بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے کیا ہے، علاوہ ازیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَصَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بھی تحریر فرمایا ہے۔

اِس بنا پر بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے آغاز کرنا حقیقی ہے اور الحمد للہ سے نسبتی اضافی ہے، یعنی وہ نسبت جو الحمد کے بعد ہوتی ہے، جس سے کہ کتاب کا آغاز کیا گیا ہے۔

بسم اللہ کی ب متعلق ہے فعل محذوف کے، اکثر متاخرین کے نزدیک اس کے فعل خاص کا متاخر ہونا پسندیدہ ہے۔

---

[1] اس میں راوی کو شک ہے کہ حدیث میں لفظ اَبْتَرُ ہے یا اَقْطَعُ۔ مفہوم دونوں کا ایک ہے۔

[2] اس کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ طویل حدیث جس میں ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان طویل مکالمہ بیان ہوا ہے۔

یہ فعل اس لیے ہے کہ عمل میں اصل چیز افعال ہی ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"بسم اللہ کی ابتدا میں عامل کے حذف سے کئی فوائد مرتب ہوتے ہیں۔

○ ایک یہ کہ ابتدا ایسا مقام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا کسی چیز کو مقدم نہیں ہونا چاہیے۔

○ دوسرے یہ کہ جب فعل محذوف ہو تو ہر عمل، ہر قول اور ہر حرکت کی ابتدا بسم اللہ ہی کے الفاظ سے کرنا صحیح ہے۔ پس یہاں حذف عام ہوگا۔"

بسم اللہ کی "ب" کی حیثیت یہاں کیا ہے؟

○ بعض کے نزدیک مصاحبت کے لیے ہے

○ بعض کا خیال ہے کہ استعانت کے لیے ہے

استعانت کی صورت میں کلام یوں مقدر ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ أُؤَلِّفُ حَالَ	میں شروع کرتا ہوں اس کتاب کی
كَوْنِيْ مُسْتَعِيْنًا بِذِكْرِهٖ	تصنیف کا سلسلہ اللہ کے ذکر سے مدد
مُتَبَرِّكًا بِهٖ	چاہتے ہوئے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہوئے۔

اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ اور بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا میں فعل کا ظہور کیوں ہوا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقام اظہار فعل ہی کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

لفظ "اِسْم"، سُمُوٌّ سے مشتق ہے، جس کے معنی علو اور بلندی کے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اِسْم، وَسْمٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں۔

اس لیے کہ ہر وہ شے جو موسوم ہوگی وہ اپنے نام اور علامت سے پہچانی جائے گی۔

قولہٗ : اَللّٰہ :

لفظ "اللہ" کے بارے میں کسائی اور فراء کا کہنا ہے کہ اس کا اصل الالٰہ تھا۔ ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اور لام کو لام میں مدغم کر دیا گیا چنانچہ دونوں لام ایک مُشدّد و مُفخّم لام کی صورت میں پڑھے جانے لگے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"صحیح بات یہ ہے کہ یہ مشتق ہے اور اِس کا اصل "الالٰہ" ہے جیسا کہ سیبویہؒ اور اس کے جمہور اصحاب کا کہنا ہے۔ صرف چند آدمی اس سے اختلاف کرتے ہیں۔

لفظ "اللہ" تمام اسمائے حُسنیٰ کے معانی اور صفاتِ عُلیا کو جامع ہے۔

جو لوگ اس کے اشتقاق کے قائل ہیں، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ تمام صفاتِ عُلیا پر دلالت کرتا ہے، جن کو اُلوہیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے اسمائے حُسنیٰ جیسے عَلِیمٌ، قَدِیرٌ، سَمِیعٌ، بَصِیرٌ وغیرہ یہ تمام اسماء بلاشبہ اپنے مصادر سے مشتق ہیں اور قدیم ہیں۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ اپنے مصادر سے مشتق ہیں اور لفظاً و معنیً اپنے مصادر سے ان کا الحاق ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ اسماء اپنے مصادر سے متولد ہیں جس طرح فرع اپنے اصل سے متولد ہوتی ہے اور اہلِ نحو جو ان کو مصدر اور مشتق منہ سے تعبیر کرتے ہیں تو یہ اصل اور فرع کے اعتبار سے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے سے متولد ہے، یہ تو صرف اس اعتبار سے ہے کہ ان میں کا ایک دوسرے کو متضمن ہے۔"

ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

"لفظ "اللہ" کا اصل "الالٰہ" تھا۔ وہ ہمزہ جو اسم کی طرف واقع ہے گرا دیا گیا، پھر وہ لام جو عین اسم ہے اور وہ زائد لام جو ساکن ہے جمع

ہو گئے تو پہلے لام کو دوسرے میں مدغم کر دیا گیا۔ اِس طرح یہ دونوں لام ایک مشدّد لام ہی پڑھے جانے لگے۔"

رہا لفظ "اللہ" کا مطلب، تو یہ اُن معنوں میں مستعمل ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، وہ فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِيْ يَأْلَهُهُ كُلُّ شَيْئٍ وَيَعْبُدُهُ كُلُّ خَلْقٍ — اللہ تعالیٰ وہ ذات کبریا ہے جس کو ہر شے الٰہ مانتی ہے اور جس کی تمام مخلوق عبادت کرتی ہے۔

ضحاک، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا

أَللّٰهُ ذُو الْأُلُوْهِيَّةِ وَالْعُبُوْدِيَّةِ عَلٰى خَلْقِهٖ أَجْمَعِيْنَ — اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر الوہیت اور عبودیت کا مالک ہے۔

سوال — اگر کوئی ہم کو یہ کہے کہ اِس پر کیا شے دلالت کرتی ہے کہ درحقیقت الوہیت ہی عبادت ہے۔ اور "الٰہ" کا اطلاق معبود ہی پر ہوتا ہے اور یہ کہ یہ درحقیقت فعل لفعیل کے وزن پر ہے اور روبہ بن عجاج کا یہ شعر پڑھے۔

لله درّ الغانيات المده — سبّحن و استرجعن من تالهي

جواب : بلاشبہ تالہ تفعل کے وزن پر ہے اور یہ اَلَہَ یَاْلَہُ سے ہے۔ جب لفظ "الہ" بولا جاتا ہے تو اِس کے معنی ہوتے ہیں عَبَدَ اللّٰہَ یعنی اُس نے اللہ کی عبادت کی۔ اِس کا مصدر بھی آتا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہلِ عرب اِس کو صرف فعل یفعل تک بولتے ہیں اس سے زیادہ نہیں اس کی دلیل وُہ ہے جو حضرت سفیان بن وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کی ہے۔ اُنھوں نے اِس کو اِس طرح پڑھا۔ "وَيَذَرَكَ[1] وَالاهتك" وَ قَالَ

---

[1] یہ سُورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۲۷ ہے۔ اِس کے الفاظ یہ ہیں وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۔ ترجمہ:۔ فرعون سے اس کی قوم کے سرداروں نے کہا۔ "کیا تُو موسیٰ اور اُس کی قوم کو یونہی چھوڑ دیگا کہ ملک میں فساد پھیلائیں اور وُہ تیری اور تیرے معبُودوں کی بندگی چھوڑ بیٹھے؟"

عِبَادَتَكَ وَيَقُوْلُ اِنَّهٗ كَانَ يُعْبَدُ وَلَا يَعْبُدُ

ترجمہ: تاکہ یہ (موسیٰؑ) تم (فرعون) کو اور تمہارے الٰہ کو چھوڑ دے۔ بات یہ ہے کہ فرعون کی عبادت کی جاتی تھی، وہ خود کسی کی عبادت نہیں کرتا تھا۔

ایک اور سند سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے:۔

وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ قَالَ اِنَّ كَانَ فِرْعَوْنُ يُعْبَدُ وَلَا يَعْبُدُ	اُس (موسیٰؑ) نے تم کو اور تمہارے الٰہ کو چھوڑ دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ فرعون کی تو عبادت کی جاتی تھی، وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا تھا

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

پھر سفیان بن وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ اٰلہ کے معنی "عُبِدَ" ہیں اور "اِلَاهَةٌ" اسکا مصدر ہے۔ انہوں نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اِنَّ عِيْسٰى اَسْلَمَتْهُ اُمُّهٗ اِلَى الْكُتَّابِ لِيُعَلِّمَهٗ فَقَالَ لَهُ الْمُعَلِّمُ اُكْتُبْ بِسْمِ اللّٰهِ فَقَالَ عِيْسٰى اَتَدْرِىْ مَا اللّٰهُ؟ اَللّٰهُ اِلٰهُ الْاٰلِهَةِ	حضرت عیسیٰؑ کو انکی ماں نے حصولِ علم کی غرض سے ایک کاتب کے سپرد کیا۔ معلّم نے اُن سے کہا بسم اللہ لکھو۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا معلوم ہے اللہ کیا ہے؟ اللہ تمام معبودوں کا معبود ہے

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اسم الجلالۃ کے دس لفظی خصائص ذکر کرنے کے بعد اس کے معنوی خصائص کے بارے میں لکھتے ہیں کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لَا اُحْصِىْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ	اے اللہ! میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ تو اسی طرح ہے جس طرح تُونے خود اپنی ثنا بیان کی۔

ہم اُس اسم کے خصائص کا کس طرح احاطہ کرسکتے ہیں جس کا مسمّیٰ تمام تر

علی الاطلاق کمال ہی کمال ہے اور ہر مدح، ہر حمد، ہر ثنا، ہر مجد، ہر جلال، ہر کمال، ہر عزت، ہر جمال، ہر خیر، ہر احسان، ہر جود، ہر فضل اور نیکی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

- اللہ کے نام کا ذکر اگر تھوڑی چیز پر کیا جائے تو اس کو زیادہ کر دیتا ہے۔
- اگر یہ اسم خوف کے وقت پڑھا جائے تو اس کو دور کر دیتا ہے۔
- اگر تکلیف کے وقت پڑھا جائے تو اس کو رفع کر دیتا ہے۔
- اگر تنگی کے وقت پڑھا جائے تو تنگی سے نجات دلا کر وسعت پیدا کر دیتا ہے۔
- اگر غم کے وقت پڑھا جائے تو آسانی پیدا کر دیتا ہے۔
- اگر کمزور انسان اس کا وظیفہ کرے تو قوی بن جاتا ہے۔
- اگر رسوائی کے عالم میں پڑھا جائے تو معزز بنا دیتا ہے۔
- اگر فقیر اور مسکین شخص اس کو پڑھے تو مال دار ہو جاتا ہے۔
- اگر گھبرایا ہوا انسان پڑھے تو اس کی گھبراہٹ ختم ہو جاتی ہے۔
- اگر مغلوب اور شکست خوردہ پڑھے تو اُسے غلبہ اور فتح نصیب ہو جاتی ہے۔
- اگر مجبور و مضطر پڑھے تو اُس سے اضطراب و مجبوری دفع ہو جاتی ہے۔
- اگر بھاگا ہوا انسان اس کا ورد کرے تو اُسے پناہ مل جائے گی۔
- یہ وہ اسم ہے کہ جس کی وجہ سے کُربات و بلیات دُور ہو جاتی ہیں برکات نازل ہوتی ہیں، دعائیں قبول ہوتی ہیں، گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، برائیاں رفع کر دی جاتی ہیں اور نیکیاں حاصل کی جاتی ہیں۔
- یہی وہ اسم مبارک ہے جس کی برکت سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

○ اسی سے کتبِ سماوی نازل کی گئیں۔
○ اسی کی وجہ سے انبیاء و رُسل مبعوث فرمائے گئے۔
○ اسی کی بنا پر شرائع اور احکام قائم کیے گئے اور حدود کا تقرر عمل میں لایا گیا۔
○ اسی کی خاطر سلسلۂ جہاد فرض کیا گیا ہے۔
○ اسی اسمِ اعظم کی وجہ سے مخلوقات کی دو قسمیں ہوئیں ایک نیک دُوسری شقی
○ اسی کی وجہ سے حق ثابت ہُوا۔
○ اسی کی بدولت قیامت قائم ہوگی اور انصاف کا ترازو رکھا جائے گا۔
○ اسی کے نام سے پُل صراط سے گزرا جائے گا۔
○ اللہ تعالےٰ ہی لوگوں کو جنّت اور دوزخ میں داخل کرے گا۔
○ اسی کے نام کی برکت سے اس کی عبادت کی گئی اور اس کی حمد و ثناء کے سلسلے کا آغاز ہوا۔
○ اسی کے وسیلے سے انبیائے کرام کی بعثت ہُوئی اور اسی کی نسبت قبر اور میدانِ محشر میں سوال ہوگا۔
○ اسی کی مدد سے جھگڑا جاتا ہے۔
○ اسی کے سامنے فیصلے ہوں گے۔
○ اسی کے نام پر دوستی اور دشمنی کی حدیں مقرر کی جاتی ہیں۔
○ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرلی اور اس کا حق پُورا کیا وہ سعادت مند ہے۔
○ اور جس نے اُس کو بھُلا دیا اور اس کے احکام کی بجا آوری میں کوتاہی کی وہ شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہُوا۔

○ یہی خلق وامر کا راز دان ہے۔

○ اِسی کے نام سے خلق وامر قائم ہیں اور اسی کی طرف لَوٹ جائیں گے

○ خلق اسی کی مدد سے ہے، اسی کی طرف سے ہے اور اسی کی وجہ سے ہے۔

○ جو خلق، جو فیصلے، جو ثواب اور جو عذاب موجود ہے، اُس کا آغاز اسی کی طرف سے ہوا ہے، اس کی انتہا بھی وہی ہے اور یہ ہے اِسکا موجب اور مقتضا ہے کہ

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آل عمران - ۱۹۱)

اے پروردگار! یہ سب کچھ تُو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تُو پاک ہے اِس سے کہ عبث کام کرے، پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

قولهٗ : اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ :

ابنِ جریرؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے سدی بن یحییٰ نے بیان کیا، اُن سے عُثمان بن زفر نے بیان کیا کہ انھوں نے عزرمی سے سنا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت "الرحمٰن" کا تعلق تمام مخلوقِ خدا سے ہے وہ جن ہو یا انسان، مسلمان ہو یا کافر۔ کوئی بھی ہو، ہر قسم کی مخلوق پر اُس کی صفتِ رحمانیت کا وسیع تر شامیانہ ہر آن سایہ فگن ہے۔ رہی اس کی صفت "الرحیم" تو یہ مومنوں کے لیے خاص ہے۔

ابنِ جریرؒ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی سند سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث بیان کرتے ہیں جس میں آپؐ نے فرمایا:۔

اِنَّ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ قَالَ الرَّحْمٰنُ رَحْمٰنُ

حضرت عیسیٰؑ بن مریم کہتے ہیں: رحمان وہ ہے جو دُنیا اور آخرت میں انتہائی رحم

اَلْاٰخِرَۃِ وَالدُّنْیَا وَالرَّحِیْمُ کرنے والا ہو اور رحیم وہ ہے جو آخرت

رَحِیْمُ الْاٰخِرَۃِ میں مہربان ہوگا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب مدارج السالکین (جلد ۱، صفحہ ۱۸) میں رقمطراز ہیں۔

"ربِ کریم کا نام "اَللّٰہُ" اس کے معبود اور لائقِ پرستش ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ تمام مخلوق محبت و تعظیم اور خضوع کے جذبے سے اس کی عبادت کرتی ہے اور اپنی حوائج و ضروریات کے لیے اُسی سے التجا کناں ہے۔ یہ چیز اُس کے کمالِ ربوبیت اور اس کی رحمت کو مستلزم ہے جو کہ اسکے کمالِ ملک اور کمالِ حمد کو متضمن ہے اور اس کی الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، مِلک اور اُس کے تمام صفاتِ کمال کو مستلزم ہے جبکہ اس کا ثبوت اُس شخص کیلئے ناممکن اور محال ہے جو نہ تو حی ہے، نہ سمیع ہے، نہ بصیر ہے، نہ قادر ہے، نہ متکلم ہے، نہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے اور نہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔

پس جلال و جمال کی صفات "اللہ" کے نام کے ساتھ خاص ہیں، اور صفات فعل و قدرت اور نفع و نقصان، عطاء و منع، نفوذِ مشیت و کمالِ قوت اور مخلوق کے تدبیرِ امور میں تفرد کا تعلق خاص طور پر اسم "رب" سے ہے اور وہ اکیلا اِن سب امور پر اختیار رکھتا ہے۔

صفاتِ احسان، جود، نیکی، حنانیت، منت، رأفت اور لطف و کرم صرف اس کے اِسم "رحمٰن" کے ساتھ مخصوص ہیں۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ

"الرحمٰن" اللہ کی اِس صفت پر دال ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور "الرحیم" اس کے مرحوم (جس پر رحم کیا جائے) کے تعلق پر دلالت کرتی ہے، اگر تم اِس کو مزید سمجھنا چاہو تو اللہ تعالےٰ کے اِس فرمان پر غور کرو

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور درود و سلام رسول اللہ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر۔

وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ○ (الاحزاب - ۴۳)
وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔

اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ (التوبۃ - ۱۱۷)
بیشک اُس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے۔

یاد رہے ایسے مواقع پر کبھی "رحمٰن" کا لفظ نہیں آئے گا۔"

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں

"اللہ تعالیٰ کے نام، اسماء بھی ہیں اور نعوت بھی۔ یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال پر دلالت کرتے ہیں، اِن میں علمیت اور وصفیت میں کوئی منافات اور تناقض نہیں ہے۔ رحمٰن ہی کو لیجیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے اور اس کا وصف بھی ہے۔ پس یہ صفت کی حیثیت سے تو اللہ کے اِسم کے تابع ہو گا اور اِسم کی حیثیت سے تابع نہیں ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ)
وہ رحمان، تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہے۔

اِس مقام پر باعتبار عَلَم اور اسم کے قرآن میں وارد ہے۔

قولہٗ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ :

اِس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے جمیل اختیاری کی بنا پر، کلام کے ساتھ اِسکی

ثنا بیان کرنا اور اس ثنا کا مورد زبان اور دل ہیں۔

شکر کا اظہار زبان، جوارح اور ارکان کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ باعتبار تعلق کے حمد سے عام اور باعتبار سبب کے اس سے خاص ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا اطلاق نعمت کے مقابلے میں ہوتا ہے۔

رہی حمد، تو وہ عام ہوتی ہے سبب کے لحاظ سے اور خاص ہوتی ہے تعلق کے لحاظ سے اس لیے کہ وہ نعمت کے مقابلے میں ہوتی ہے اور دیگر امور کے مقابلے میں بھی۔ پس ان دونوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ یہ دونوں ایک مادہ میں مجتمع بھی ہیں اور ایک میں ایک دوسرے سے منفرد بھی۔

قولہٗ : صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ :

صَلٰوةُ اللّٰهِ عَلٰى عَبْدِهٖ کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر وہ ہے جو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو العالیہ رحمہ اللہ سے ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

صَلٰوةُ اللّٰهِ عَلٰى عَبْدِهٖ ثَنَاؤُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمَلَآئِكَةِ — اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ملائکہ میں انکی تعریف کرتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی نقطۂ نظر کو صحیح قرار دیا ہے اور وہ اپنی تصنیفات جلاء الافہام اور بدائع الفوائد میں اسی کی تائید کرتے ہیں۔

العلامۃ الشیخ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

"صلوٰۃ کا مطلب دعا ہے، جیسا کہ مسند امام احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمَلَآئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلٰى اَحَدِكُمْ مَا دَامَ — تم میں سے جب تک کوئی اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کیلئے

كِتَابُ التَّوحِيدِ

توحید کی کتاب

فِیْ مُصَلَّاہُ اَللّٰھُمَّ یہ دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! اسکی
اغْفِرْلَہٗ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ مغفرت فرما، اے اللہ! اسکی بخشش فرما۔

قولہ : وَعَلٰی اٰلِہٖ :

اِس سے دینِ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین مراد ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تصریح کی ہے اور ان کے شاگردوں کا بھی یہی موقف ہے اگر اس نقطۂ نظر کو صحیح مان لیا جائے تو پھر صحابہ کرام اور تمام اہلِ ایمان "آلہ" میں شامل ہوجاتے ہیں۔ [1]

قولہ : کِتَابُ التَّوْحِیْدِ :

لفظ کتاب مصدر ہے باب کَتَبَ یَکْتُبُ کِتَابًا وَکِتَابَۃً وَکَتْبًا کا اِس کا مادہ جمع کے مطابق بھی ہے۔ تَکَتَّبَ بَنُو فُلَانٍ اُس وقت بولا جاتا ہے جب بہت سے لوگ اکٹھے ہوجائیں۔ کُتَیْبَۃٌ گھوڑوں کے اکٹھ کو کہا جاتا ہے اور کِتَابَتٌ بِالْقَلَمِ کے لفظ کا اطلاق کلمات وحروف کے اجتماع پر بولا جاتا ہے کتاب کو کتاب اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جو چیز بیان کی گئی ہے وہ اِس میں جمع کردی جاتی ہے۔ توحید کی دو قسمیں ہیں :۔

۱ــــ توحید در معرفت و اثبات

یہ توحید ربوبیت و اسماء اور صفات ہے۔

---

[1] تفصیل کے لیے علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ کی مشہور تصنیف "جلاء الافہام فی الصلوۃ والسلام علی خیر الانام" ملاحظہ فرمائیے، اُنھوں نے اِس کتاب میں اِس موضوع سے متعلق تمام مذاہب کے افکار وخیالات کی وضاحت کی ہے، اور حق بات بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ "آل" سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وُہ اتباع مراد ہیں جو آپؐ پر ایمان لائے۔

۲ــــــ توحید در طلب و قصد۔

یہ توحید الوہیت و عبادت سے موسوم ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

"وہ توحید جس کی طرف انبیائے کرام علیہم السلام نے لوگوں کو دعوت دی اور اس کے بارے میں کتابیں نازل کی گئیں اس کی دو قسمیں ہیں

۱ــــ توحید فی المعرفۃ والاثبات۔

۲ــــ توحید فی الطلب و القصد۔

پہلی یہ ہے کہ

- اللہ تعالیٰ کی ذات۔
- اس کی صفات۔
- اس کے افعال اور اس کے اسماء کی حقیقت کا اثبات۔
- اپنی کتب کے ذریعہ اس کا تکلم۔
- اپنے بندوں میں سے جس سے چاہے اس کی تکلیم۔
- اس کی قضاء و قدر اور حکمت کا اثبات عمومی۔

قرآن کریم نے توحید کی اس نوع کو نہایت وضاحت سے بیان فرمایا ہے، مثلاً دیکھیے:۔

- سورۂ الحدید کے آغاز میں۔
- سورۂ طٰہٰ میں۔
- سورۂ الحشر کے آخر میں۔
- سورۂ تنزیل السجدہ کے شروع میں۔
- سورۂ آلِ عمران کی ابتدائی آیات میں۔

○ اور پُوری سورۂ اخلاص میں۔

اور اس کے علاوہ دیگر مقامات میں۔

توحید کی دوسری قسم یعنی توحیدِ الوہیت و توحید عبادت کا حکم قرآن مجید میں مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔ دیکھیے سورۂ الکافرون

نیز دیکھیے :-

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ	کہو "اے اہلِ کتاب! آؤ ایک
تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ	ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے
بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا	درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا
نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا	کسی کی بندگی نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو
نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا	شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ
يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا	کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے"۔
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا	موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ○ (آل عمران-٦٤)	تو مسلم ہیں۔

○ سورۂ زمر کی ابتدائی اور آخری آیات۔

○ سورۃ المؤمن کی ابتدائی، آخری اور درمیانی آیات۔

○ سورۂ اعراف کا شروع اور آخری حصہ۔

○ سورۂ انعام پوری۔

○ قرآنِ کریم کی اکثر سُورتیں بلکہ قرآنِ کریم کی ہر سورت توحید کی دونوں قسموں کو متضمن ہے اور ان کی شاہد اور ان کی داعی ہے۔

قرآنِ کریم یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

○ واقعات و اخبار۔

○ اس کی صفات۔

○ اس کے افعال و اقوال پر مشتمل ہے

تو اس کو توحیدِ علمی خبری کہتے ہیں۔

یا قرآنِ کریم اِس دعوت پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ اپنی عبادت کی طرف دیتا ہے اور اللہ کی عبادت کے سوا دوسروں کی عبادت سے روکتا ہے تو یہ توحید ارادی طلبی ہے۔

یا اِس کے مضامین امر و نہی، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے امر و نہی کے لزوم پر مشتمل ہیں تو یہ حقوق توحید اور اس کے مکملات ہیں۔

یا اِس کے مضامین اہلِ توحید کی عزت و تکریم کے واقعات اور دنیا میں ان کا جس قسم کا اِعزاز اور آخرت میں جو اِن کی عزت ہو گی اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں تو یہ ان کے عمل علی التوحید کی جزا ہے۔

یا اس میں مشرکین کے واقعات اور دُنیا میں ان کو جس قسم کے عذاب و سزا سے دوچار کیا گیا اس کی تفصیل و کیفیت اور آخرت میں ان کے ساتھ جو کچھ بیتے گی اس کے بارے میں معلومات ہیں۔ یہ اس گروہ یا اس شخص کا بدلہ ہے جو دائرہ توحید سے باہر نکلا۔

بہر حال قرآنِ مجید میں تمام تر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ

○ توحید، احکامِ توحید، اس کے حقوق اور اس کی جزا۔

○ کیفیتِ شرک، اہلِ شرک اور ان کا بدلہ۔"

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

"وہ توحید جو انبیائے کرام علیہم السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے، وہ

اللہ تعالےٰ کے اثباتِ الوہیت کو متضمن ہے اور وہ ہے "لاالٰہ اِلّااللہ" کی شہادت دینا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ

صرف اُسی کی عبادت کی جائے۔

اُسی پر توکل کیا جائے۔

اُسی کی رضا کے لیے دوستی کی جائے۔

اُسی کے لیے دشمنی کے پیمانے مقرر کیے جائیں۔

اُسی کی طرف رجوع کیا جائے۔

صرف اُسی کی وجہ سے عمل کی دیواریں استوار کی جائیں۔

یہ سب صرف اِس لیے ہے کہ اُسی سے ان اسمار وصفات کا اثبات ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے ثابت کیے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ (البقرہ - ١٦٣)	تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اس رحمان اور رحیم کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے۔
وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المؤمنون - ١١٧)	اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔
وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا	تم سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے تھے ان سب سے پوچھ دیکھو کیا ہم نے خدائے رحمان کے

مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ○ (الزخرف - ۴۵)

سوا کچھ دوسرے معبود بھی مقرر کیے تھے کہ ان کی بندگی کی جائے؟

اللہ نے انبیاء میں سے ہر پیغمبر کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے لوگوں کو اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (ممتحنہ - ۴)

تم لوگوں کے لیے ابراہیمؑ اور اُسکے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا "ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہو گئی اور اور بیر پڑ گیا جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔"

مشرکین کے بارے میں فرمایا کہ

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ○

یہ وہ لوگ تھے کہ جب اُن سے کہا جاتا کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں" تو یہ گھمنڈ میں آجاتے اور کہتے تھے۔ "کیا ہم ایک شاعر مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟"

(الصّٰفّٰت — ۳۵ - ۳۶)

توحید سے، مجرد توحید ربوبیت مراد نہیں ہے بلکہ یہ اس حقیقت کا اعتقاد ہے کہ صرف

اللہ تعالیٰ ہی نے تخلیق عالم کی ہے۔ توحید یہ نہیں ہے جیسا کہ اہل کلام اور اہل تصوف کا نظریہ ہے کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ جب انھوں نے یہ بات دلیل سے ثابت کر دی تو غایت توحید کا اثبات کر دیا۔ جب انھوں نے اس کی شہادت دی تو غایت توحید میں فنا ہو گئے۔ پس جب انسان ان صفات کا اقرار کر لیتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ مستحق ہے اور اس کی تنزیہ ثابت کرتا ہے اور اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے کہ وہی اکیلا ہر شے کا خالق ہے تو اس سے وہ موحد نہیں ہو جاتا جب تک کہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت نہ دے اور ساتھ ہی اس بات کا اقرار نہ کرے کہ وہی الٰہ ہے جو عبادت کا مستحق ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اس کی وحدانیت اور عدم شراکت غیر کا التزام نہ کرے۔

الالٰہ وہ معبود و مالوہ ہے جو مستحق عبادت ہے۔ الٰہ کا مطلب محض یہ نہیں ہے کہ وہ اختراع و تخلیق پر قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ جب متنفر "الالٰہ" کی یہ تفسیر بیان کرے گا کہ وہ قادر علی الاختراع ہے اور یہ اعتقاد رکھے گا کہ یہی وہ معنیٰ ہیں جو اس کے وصف الٰہ کے ساتھ خاص ہیں اور اسی کو غایت توحید قرار دے گا جیسا کہ صفاتیہ متکلمین کہتے ہیں، اور ابوالحسن اشعری اور ان کے اتباع سے نقل کرتے ہیں تو یاد رکھیے انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اس حقیقی توحید کو نہیں پہچانا جس کی تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ یہ تو مشرکین عرب بھی کہتے تھے اور اس بات کے مقر تھے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے مگر اس کے باوجود وہ مشرک تھے، جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے:—

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ	ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر
بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ	اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو
(یوسف - ۱۰۶)	شریک ٹھہراتے ہیں

سلف امت کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ

اَمْ تَسْأَلْهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ "اللّٰهُ" وَهُمْ مَعَ هٰذَا يَعْبُدُوْنَ غَيْرَهٗ ؎	اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو فوراً جواب دیں گے کہ صرف اللہ تعالیٰ نے۔ اور اس اقرار کے باوجود غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں اللہ کا فرمان ہے :۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○	ان سے کہو بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○	یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ کی۔ کہو پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟
قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○	ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○	یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ کہو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟
قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ	ان سے کہو بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے

؎ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس اثر کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، عکرمہ، شعبی، قتادہ، ضحاق اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے۔

وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○

وہ جو پناہ دیتا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کیلئے ہے۔ کہو پھر کہاں سے تم کو دھوکا لگتا ہے؟

(المؤمنون-۲۳/ ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹)

یہ ضروری نہیں کہ جو شخص یہ اقرار کرے کہ

○ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق اور پروردگار ہے۔

○ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتا ہو۔

○ اُس کے سوا کسی کی طرف دعوت نہ دیتا ہو۔

○ اُس کے سوا کسی سے ڈرتا نہ ہو اور نہ کسی دوسرے پر بھروسہ کرتا ہو۔

○ اُسی کے لیے دوستی اور دشمنی رکھتا ہو۔

○ اُس کے پیغمبروں کی اِتباع کرتا ہو۔

○ جس چیز کا اللہ حکم دے اس کی تبلیغ کرتا ہو۔

○ جس چیز سے اللہ نے روکا ہے اس سے دوسروں کو روکتا ہو۔

کیونکہ اکثر مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے مگر وہ اپنے شرکا کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی مانتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور نِد قرار دیتے ہیں ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْــًٔا وَّ لَا

کیا اُس خدا کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دُوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے؟ ان سے کہو کیا وہ شفاعت کریں گے خواہ اُن کے اِختیار میں کچھ نہ ہو اور وُہ سمجھے

يَعْقِلُوْنَ ۝	بھی نہ ہوں۔
قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا	کہو شفاعت ساری کی ساری اللہ کے
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ	اختیار میں ہے آسمانوں اور زمین کی
الْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ	بادشاہی کا وہی مالک ہے پھر اسی کی
تُرْجَعُوْنَ ۝ (الزمر - ۴۴،۴۳)	طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔
وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	یہ لوگ اللہ کے سوا اُن کی پرستش کر
مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا	رہے ہیں جو اُن کو نہ نقصان پہنچا سکتے
يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَاۤءِ	ہیں نہ نفع اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے
شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ	ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔
قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا	اے محمد! ان سے کہو "کیا تم اللہ
لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ	کو اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ
وَ لَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ	آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں پاک
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝	ہے وہ اور بالا و برتر ہے اُس شرک سے
(یونس - ۱۸)	جو یہ لوگ کرتے ہیں۔
وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا	(اور اللہ فرمائے گا) لو اب تم ویسے
خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ	ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے
مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۤءَ ظُهُوْرِكُمْ	جیسا ہم نے تمھیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا
وَ مَا نَرٰى مَعَكُمْ	تھا۔ جو کچھ ہم نے تمھیں دنیا میں دیا
شُفَعَاۤءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ	تھا وہ سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو اور اب ہم
اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۤؤُا ؕ	تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی
لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ	نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ

ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ تمہارے کام بنانے میں ان کا بھی کچھ حصہ ہے۔ تمہارے آپس کے سب رابطے ٹوٹ گئے اور وہ سب تم سے گم ہو گئے جن کا تم زعم رکھتے تھے۔

(الانعام - ۹۴)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِ مقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے۔

(البقرہ - ۱۶۵)

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان مشرکین میں سے ایسے افراد بھی تھے جو سورج، چاند اور ستاروں کو سجدہ کرتے تھے ان کو مصائب و مشکلات کے وقت پکارتے تھے۔ ان کے نام کے روزے رکھتے تھے اور انکے نام سے جانور ذبح کر کے تقرب حاصل کرتے تھے۔

ان مشرکانہ اعمال کے باوجود وہ کہتے تھے کہ یہ شرک نہیں ہے۔ یہ اس صورت میں شرک سمجھا جائے گا جب ہم ان کو مدبرِ امر خیال کریں۔ اگر ہم ان کو صرف ذریعہ اور وسیلہ سمجھیں گے تو یہ شرک نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کی رُو سے یہ شرک ہی ہے۔

وقول اللہ تعالیٰ: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذّٰریٰت : ۵۶)

میں نے جِنّ اور انسانوں کو اِس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

قولہٗ : وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى :

لفظ "قَوْلِ" کو مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں اور مرفوع بھی۔ جر کی صورت میں لفظ توحید پر عطف ہوگا اور رفع کی صورت میں مبتدا سمجھا جائے گا۔

قولہٗ : وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْإِنْسَ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو جو حکم دیا ہے اس کے مطابق اللہ کی اطاعت کرنے کو عبادت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عبادت کی وضاحت کے سلسلے میں یہ بھی کہتے ہیں۔

اَلْعِبَادَةُ اِسْمٌ جَامِعٌ لِكُلِّ مَا يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَيَرْضَاهُ مِنَ الْأَقْوَالِ وَ الْأَعْمَالِ الظَّاهِرَةِ وَ الْبَاطِنَةِ

عبادت ایک ایسا جامع اسم ہے جس سے وہ تمام ظاہری اور باطنی اقوال و اعمال مراد ہیں جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور جن پر وہ راضی ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"عبادت کا دارومدار پندرہ قاعدوں پر ہے۔ جس نے ان کو مکمل کرلیا اُس نے مراتب عبودیت کی تکمیل کرلی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبادت قلب، زبان اور جوارح پر منقسم ہے اور احکام عبودیت پانچ ہیں۔ (۱) واجب،

(۲) مستحب (۳) حرام (۴) مکروہ اور (۵) مباح - ان میں سے ہر ایک کا تعلق قلب، زبان اور جوارح سے ہے۔"

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ عبادت کے بارے میں لکھتے ہیں :-

"اَصْلُ الْعِبَادَةِ التَّذَلُّلُ وَالْخُضُوْعُ
اصل عبادت اللہ کے حضور اپنے آپ کو عاجز و درماندہ کر لینا ہے۔

انسان کو جن امور کو بجا لانے کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے ان کو عبادات سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ انسان ان کی ادائیگی میں انتہائی خشوع و خضوع اور حد درجہ عجز و انکساری کا اظہار کرتا ہے اور انھیں پورے اہتمام سے سرانجام دیتا ہے۔"

زیر نظر آیت کریمہ کا مطلب یہ ہو گا کہ :-

جن و انس کے پیدا کرنے میں حکمت الٰہی یہ ہے کہ یہ صرف اسی کی عبادت کریں۔

شارح کتاب الشیخ عبدالرحمن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی حکمت شرعیہ دینیہ ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"جن امور کے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے اُن پر عمل پیرا ہونا اور جن سے روکا گیا ہے اُن کو ترک کر دینے کا نام عبادت ہے۔ یہی دینِ اسلام کا جوہر ہے کیونکہ اسلام کے معنی ہی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے جس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ انسان انتہائی درجے کا تابع فرمان، عاجز اور مطیع ہے۔"

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ زیر بحث آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا ہی اس لیے کیا کہ وہ صرف اسی ایک خدا کی عبادت کرے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ جو اس کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے پورا پورا بدلہ اور اجر عظیم عطا فرمائے گا اور جو اس کی نافرمانی

کرے گا اس کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو مطلع کرتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ ساری مخلوق اپنے تمام معاملات میں اس کی ہی محتاج ہے۔ وہی ان سب کا خالق اور رازق ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس آیت کا مطلب بایں الفاظ بیان کرتے ہیں۔

اِلاَّ لِاٰمُرَهُمْ اَنْ يَعْبُدُوْنِيْ وَاَدْعُوْهُمْ اِلٰى عِبَادَتِيْ — (میں نے لوگوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا ہے کہ) ان کو حکم دوں کہ وہ میری ہی عبادت کریں اور میں اُن کو اپنی ہی عبادت کی طرف بلاتا ہوں۔

مجاہد رحمہ اللہ اس آیت کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ

اِلاَّ لِاٰمُرَهُمْ وَاَنْهَاهُمْ — (میں نے ان لوگوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ) ان کو کچھ چیزوں کا حکم دوں اور کچھ اعمال سے روکوں

الزجاج اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اسی مفہوم کو پسند فرمایا ہے۔

نیز شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی مفہوم کو درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ○ — کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اُسے شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا جائے گا۔

(القیمة - ٣٦)

امام شافعی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

لَا يُؤْمَرُ وَلَا يُنْهٰى — انسان کو نہ کسی بات کا حکم دیا جائے نہ کسی سے روکا جائے

امام شافعی رحمہ اللہ بطور دلیل قرآن مجید کے دو جملے پیش کرتے ہیں کہ

① اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ — اپنے رب کی بندگی کرو۔

۲ اِتَّقُوْا رَبَّكُمْ — اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کی طرف رہنمائی کی ہے جس عظیم مقصد کیلئے جنات اور بنی نوع انسان کی تخلیق ہوئی ہے اور جس کی تکمیل کے لیے انبیائے کرام کی بعثت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور اسی مقصدِ عظیم کی طرف اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیت میں انسانیت کی رہنمائی فرمائی ہے اور اسی معنی کو جمہور مسلمانوں نے سمجھا ہے اور اسی آیت سے وہ دلیل اخذ کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت اسی مفہوم کی تائید کرتی ہے :۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء۔ ۶۴) — ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے

یوں تو اللہ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کی جا رہی ہے اور اس سے انکار بھی ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ لوگ اس کی عبادت کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ ان کی پیدائش کا مقصد صرف عبادت ہے۔ اگر عبادت کریں گے تو سعادت مند ٹھہریں گے اور بارگاہِ خداوندی میں انعام و اکرام سے نوازے جائیں گے۔

اس مطلب کی بہت سی احادیث کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِاَهْوَنِ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ كَانَتْ لَكَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَمِثْلُهَا مَعَهَا — قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں میں سے ہلکے عذاب میں مبتلا شخص سے کہے گا کہ اگر تیرے قبضے میں دنیا و مافیہا اور اس کے مثل مال و دولت ہوتی تو کیا تو آج وہ سب کچھ اس

قال اللہ تعالیٰ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

ہم نے ہر اُمّت میں ایک رسُول بھیج دیا اور اُس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ "اللہ کی بندگی کرو"۔

اَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهَا ؟ فَيَقُوْلُ : نَعَمْ فَيَقُوْلُ : قَدْ اَرَدْتُ مِنْكَ اَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَ اَنْتَ فِيْ صُلْبِ اٰدَمَ : اَنْ لَّا تُشْرِكَ اَحْسِبُ قَالَ : وَ لَا اُدْخِلُكَ النَّارَ فَاَبَيْتَ اِلَّا الشِّرْكَ [1]

عذاب سے چھٹکارا پانے کے لیے فدیے میں دے دیتا؟ وہ کہے گا کہ "ہاں"۔ اللہ فرمائے گا (تو جھوٹا ہے) میں نے تو تجھ سے اس سے بھی آسان تر چیز مانگی تھی جب کہ تُو ابھی پُشتِ آدم میں تھا، وہ یہ کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا ورنہ تمہیں جہنم میں داخل کروں گا مگر تُو نہ مانا اور شرک ہی کیا۔

پس اِن مُشرکین نے، جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا، اُس کی مخالفت کی۔ اللہ تعالےٰ تو یہ چاہتا تھا کہ یہ توحید کی پابندی کریں اور شرک کے مرتکب نہ ہوں لیکن یہ لوگ بالالتزام اللہ کے احکام کی مخالفت کرتے اور شرک میں مبتلا ہے۔

یہاں ارادہ خداوندی سے مراد ارادۂ شرعیہ ہے نہ کہ ارادۂ تکوینیہ۔ ارادۂ شرعیہ دینیہ اور ارادہ کونیہ قدریہ میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ مخلص مطیع کے حق میں یہ مجتمع ہو جاتے ہیں اور عاصی و گنہگار کے حق میں ارادہ کونیہ قدریہ منفرد ہو جاتا ہے۔

یہاں متکلمین اور ان کے ہم نواؤں کے نتائج جہالت کو سمجھ لینا چاہیے۔

---

[1] مسند احمد۔ صحیح بخاری۔

وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل : ۳۶)

”اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔“

قولہٗ : اَلطَّاغُوْتُ

طُغیان سے مشتق ہے۔ اس کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

اَلطَّاغُوْتُ الشَّیْطَانُ [1]	طاغوت کا اطلاق شیطان پر ہوتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

اَلطَّوَاغِیْتُ کُهَّانٌ کَانَتْ	طاغوت کاہنوں کو کہتے ہیں ان کے پاس
تَنْزِلُ عَلَیْهِمُ الشَّیَاطِیْنُ	شیاطین مختلف خبریں لاتے تھے۔

یہ دونوں اقوال ابن ابی حاتم نے روایت کیے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اَلطَّاغُوْتُ کُلُّ مَا	طاغوت ہر اس شے کا نام ہے جس کی
عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللهِ	اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہو۔

---

[1] علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ، حسان بن قائد عبسی عن عمرؓ نقل کرتے ہیں کہ :

”جبت سے جادو اور طاغوت سے شیطان مراد ہے۔“

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ :

”طاغوت کے معنی شیطان زیادہ صحیح ہے کیونکہ دورِ جاہلیت میں جتنا بھی شر و فساد تھا اُس کا اصل مرکز و محور شیاطین ہی تو تھے کیونکہ

لوگ شیاطین سے مدد طلب کرتے تھے،

انہی کے ہاں سے فیصلہ کرواتے، اور

شیاطین ہی بتوں کی پوجا کا سبب بنے۔“

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی یہی مفہوم بیان فرمایا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ نے طاغوت کی ایک ایسی تعریف کی ہے جو بڑی جامع و مانع ہے۔ وُہ فرماتے ہیں کہ:۔

"اَلطَّاغُوْتُ كُلُّ مَا تَجَاوَزَ بِهِ الْعَبْدُ حَدَّهٗ	طاغوت ہر وُہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان حد سے تجاوز کر جائے۔
مِنْ مَعْبُوْدٍ	خواہ عبادت میں۔
اَوْ مَتْبُوْعٍ	یا تابعداری میں۔
اَوْ مُطَاعٍ	یا اطاعت میں۔
فَطَاغُوْتُ كُلِّ قَوْمٍ مَنْ يَتَحَاكَمُوْنَ اِلَيْهِ غَيْرَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	ہر قوم کا طاغوت وہی ہے جس کی طرف وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے فیصلہ کے لیے رجوع کرتے ہیں،
اَوْ يَعْبُدُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	یا اللہ کے سوا اس کی پرستش کرتے ہیں،
اَوْ يَتَّبِعُوْنَهٗ عَلٰى غَيْرِ بَصِيْرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ	یا بلا دلیل اس کی اتباع کرتے ہیں۔
اَوْ يُطِيْعُوْنَهٗ فِيْمَا لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ طَاعَةٌ لِلّٰهِ	یا اس کی اطاعت بغیر اس علم کے کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

پس اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جس کسی کے پاس بھی اپنا فیصلہ لے جایا جائے یا اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ترک کر کے کسی دوسری شخصیت کی اطاعت کی جائے اُسے اس قوم کا طاغوت سمجھا جائے گا۔"

اِس صورت میں آیتِ کریمہ کا معنیٰ یہ ہو گا کہ

اللہ تعالیٰ نے ہر قبیلے اور ہر گروہ کے پاس اپنے رسولؑ یہ دعوت دے کر بھیجے کہ وہ صرف

اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور اس کے سوا ہر قسم کے معبود کی عبادت ترک کردیں۔

ارشادِ خداوندی ہے :-

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ؕ (النحل - ٣٦)

صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ :-

فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ (البقرة - ٢٥٦)

اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لے آیا اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

حقیقت میں کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا مطلب یہی ہے۔ کیونکہ عروۃ الوثقیٰ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں :-

"تمام انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے رہے اور اس کے سوا تمام عبادتوں سے روکتے رہے۔

جب سے آدم علیہ السلام کی اولاد شرک میں مبتلا ہوئی اُسی وقت سے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع کردیا چنانچہ اہلِ زمین پر جو سب سے پہلے رسُول مبعوث کیے گئے وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے اور حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم کردیا گیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور پیغام مشرق و مغرب کے تمام انسانوں اور جنوں کے لیے عمومی حیثیت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں فرماتا ہے :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسُول

مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ بھیجا اُس کو یہی وحی کی کہ میرے سوا
اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ کوئی خدا نہیں ہے پس تم لوگ میری ہی
اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (الانبیاء - ۲۵) بندگی کرو۔

اور زیر بحث آیت میں فرمایا :-

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول
اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا بھیج دیا اور اُس کے ذریعے سب کو
اللّٰہَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور
(النحل - ۳۶) طاغوت کی بندگی سے بچو۔

اِن واضح اور بیّن دلائل کے ہوتے ہوئے مشرکین یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ

لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا عَبَدْنَا اگر اللہ چاہتا تو ہم اُس کے سوا کسی کی
مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ عبادت نہ کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت شرعیہ ان سے الگ ہو گئی ہے کیونکہ اللہ نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی زبان سے ان کو شرک سے باز رہنے کی حجت قائم کر دی۔ البتہ مشیت کونیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔

لیکن مشیت کونیہ بھی ان کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو کفار اور شیاطین کیلئے پیدا فرمایا اور وُہ اپنے بندوں کے لیے شرک اور کُفر کو پسند نہیں کرتا۔ اِس میں اللہ تعالیٰ کی حُجت بالغہ اور حکمت قاطعہ پوشیدہ ہے۔

زیرِ بحث آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت وارشاد کے بعد ان کو دُنیا میں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا بلکہ آخرت میں سزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَمِنْھُمْ مَّنْ ھَدَی اللّٰہُ اِس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ

قولہ تعالیٰ: وَقَضٰى رَبُّكَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا إِلَّآ إِيَّاهُ

تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ (النحل - ٣٦) نے ہدایت بخشی اور کسی پر ضلالت مسلط ہوگئی

شارح کتاب علامہ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللهُ تفسیر ہے پہلی آیت وَلَقَدْ بَعَثْنَا کی۔

زیر بحث آیت کریمہ اِس بات کی واضح دلیل اور برہان ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع کرنے میں حکمت الٰہی یہ پنہاں تھی کہ وُہ مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف دعوت دیں اور اس کے سوا تمام عبادتوں سے لوگوں کو روک دیں۔ یہی وہ مقصدِ عظیم تھا جو تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے باوجود اختلافِ شرائع کے پورا کیا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدۃ - ٤٨) ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل مقرر کی۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دِل سے یقین اور اعضائے عمل کرنا ایمان کے اجزاء میں سے ہے۔

قولہ: وَقَضٰى رَبُّكَ:

مجاہد رحمہ اللہ نے قضٰی کے معنی وصّٰی کیے ہیں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسی معنی کو پسند کرتے تھے۔

وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ

والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔
اگر تمھارے پاس اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں
تو انھیں اُف تک نہ کہو

البتہ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قضیٰ کے معنی اَمَرَ نقل کیے ہیں، یعنی وہ حکم دیتا ہے۔

قولہ : اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ :

یعنی تم صرف اُسی خدائے واحد کی عبادت کرو۔

یہی معنی لاالٰہ الّا اللہ کے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"محض نفی یا اثبات بلانفی توحید نہیں ہے، بلکہ حقیقی توحید یہ ہے کہ وہ نفی اور اثبات دونوں کو متضمن ہو۔"

قولہ : وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا :

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بلا شرکتِ غیرے تنہا اپنی عبادت کا فیصلہ کیا ہے، اسی طرح یہ فیصلہ بھی کر دیا ہے کہ تم اپنے والدین کے ساتھ احسان کیا کرو، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (ہم نے اس کو نصیحت کی ہے) کہ میرا شکر

وَ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝

نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ اُن سے احترام کے ساتھ بات کرو۔

اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ۝ (لقمان - ۱۴) کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔

قولہٗ : فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ :

یعنی اپنے ماں باپ سے کسی قسم کی ناشائستہ بات نہ کرو، یہاں تک کہ ان کو اُف بھی نہ کہو، جو باعتبار ناراضی کے سب سے نرم لفظ ہے۔

لفظ اُف کا مفہوم یہ ہے کہ جب کبھی ماں باپ کی طرف سے کوئی ایسا عمل ظہور پذیر ہو جائے جو اولاد کو ناپسند ہو تو اولاد میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ "آپ کو یہ کام نہیں کرنا چاہیے تھا"۔

قولہٗ : وَ لَا تَنْهَرْهُمَا :

عطا ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے سامنے ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

قولہٗ : وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا :

جب والدین کے ساتھ بُرے سلوک اور ناروا گفتگو سے روک دیا گیا تو فرمایا کہ ان کے ساتھ حُسن سلوک سے پیش آؤ اور انسانیت کے دائرہ میں رہ کر بات کیا کرو۔ ان کے ساتھ ادب و توقیر کا معاملہ کرو اور نہایت نرمی اور شائستگی سے ان سے بات کیا کرو۔

ماں باپ کی تواضع کرو اور وہ کبر سنی کو پہنچ جائیں جب بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی تم ان کے حق میں ہمیشہ یہ دعا کرتے رہو۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا

ماں باپ کے ساتھ نیکی اور حُسن سلوک کی بہت تلقین اور تاکید کا حکم بہت سی احادیث نبوی میں موجود ہے جن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کے طُرق سے بھی احادیث مروی ہیں۔

وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل، ۲۳-۲۴)

اور نرمی و رحم کے ساتھ اِن کے سامنے جُھک کر رہو اور دُعا کیا کرو کہ "پروردگار! اِن پر رحم فرما جس طرح اُنھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار خطبہ کے لیے منبر پر تشریف لائے اور تین بار کہا آمین، آمین، آمین۔

فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى مَا اٰمَنْتَ ؟

صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسُول اللہ! آپ نے کس بات پر آمین کہی؟

قَالَ : اَتَانِىْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ صلی اللہ علیہ وسلم رَغِمَ اَنْفُ امْرِئٍ ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ قُلْ اٰمِيْنَ . فَقُلْتُ : اٰمِيْنَ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انھوں نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کا منہ خاک آلُود ہو جس کے پاس آپؐ کا ذِکر کیا جائے اور وہ آپؐ پر درُود نہ پڑھے آپؐ آمین کہیے۔ میں نے کہا آمین (یعنی اے اللہ! میری یہ دعا قبول فرما)

ثُمَّ قَالَ : رَغِمَ اَنْفُ امْرِئٍ دَخَلَ عَلَيْهِ شَهْرُ

جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اُس شخص کا منہ خاک آلود ہو جس پر رمضان کا مُبارک

رَمَضَانُ ثُمَّ خَرَجَ وَ لَمْ يُغْفَرْ لَهُ. قُلْ: آمِيْن. فَقُلْتُ آمِيْن.

مہینہ آیا اور گزر گیا، مگر وہ بخشا نہ گیا۔ آپ آمین کہیے، میں نے کہا آمین (اے اللہ! میری اس دعا کو شرفِ قبولیت بخش)

ثُمَّ قَالَ: رَغِمَ اَنْفُ امْرِئٍ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ قُلْ: آمِيْن فَقُلْتُ: آمِيْن[1]

پھر کہا کہ اُس شخص کا منہ خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ کو یا اُن میں سے ایک کو زندہ پایا لیکن پھر بھی (اُن کی خدمت کرکے) جنت میں نہیں جا سکا۔ آپ کہیے آمین۔ پس میں نے کہا آمین۔

مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا کہ:

رَغِمَ اَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ اَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ اَحَدَ اَبَوَيْهِ اَوْ كِلَاهُمَا عِنْدَ الْكِبَرِ وَ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ

اس شخص کا منہ خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر جنت میں نہ داخل ہوا۔

(مسند امام احمد)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اِس سلسلۂ سند سے صحیح ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا کہ

اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ

کیا میں تم کو بڑے سے بڑے گناہ کی خبر

---

[1] یہ حدیث مسند ابن ابی شیبہ، مسند البزار، طبرانی فی الکبیر، بخاری، بیہقی فی شعب الایمان، دارقطنی، ترمذی، نسائی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، المختارۃ اور مسند امام احمد میں منقول ہے۔

اَلْكَبَائِرِ ؟ قُلْنَا : بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ : اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ اَلَا وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ یُكَرِّرُهَا حَتّٰی قُلْنَا : لَیْتَهٗ سَكَتَ (بخاری ومسلم)

نہ دوں؟ ہم نے عرض کی ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت آپ نے تکیے کا سہارا لے رکھا تھا اور بار بار تنبیہاً فرمانے لگے کہ جھوٹی بات اور اس کی گواہی دینا (بھی اسی میں داخل ہے) یہاں تک کہ ہم خواہش کرنے لگے کہ آپ خاموش ہو جائیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدَیْنِ وَسَخَطُهٗ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدَیْنِ

رواہ الترمذی وصححہ ابن حبان والحاکم

اللہ تعالیٰ کی رضا ماں باپ کی رضامندی میں مضمر ہے اور اس کی ناراضی ماں باپ کی ناراضی میں مضمر ہے۔

حضرت ابی اسید الساعدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ قبیلہ بنی سلمہ میں سے ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

هَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ اَبَرُّهُمَا بِهٖ بَعْدَ مَوْتِهِمَا ؟

میرے ماں باپ کے فوت ہو جانے کے بعد بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے کی کوئی صورت باقی ہے؟

فَقَالَ : نَعَمْ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہے!

۱۔ اَلصَّلٰوةُ عَلَیْهِمَا

اُن کے لیے دعا کرتے رہنا۔ اور

قولہ تعالیٰ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا ؏ (النساء : ٣٦)

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

۲۔ وَ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا	اُن کیلئے مغفرت کی التجا کرنا اور
۳۔ وَ اِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا	اُن کے وعدوں کو اُن کی وفات کے بعد پورا کرنا۔
۴۔ وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِيْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا	محض اُنکے تعلقات کی بنا پر صلہ رحمی کرنا
۵۔ وَ اِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا	اور اُن کے دوستوں کی عزت و تکریم کرنا

(ابو داود، ابنِ ماجہ)

والدین کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کثرت سے کتبِ حدیث[لہ] میں موجود ہیں جن میں ان کی عزت و توقیر اور فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی مخالفت اور ایذا رسانی پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

قولہ : وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ :

علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

لہ ماں باپ کی قدر و منزلت کی پوری تفصیل اور وضاحت کے لیے مترجم کی کتاب "عظمتِ والدین" کا مطالعہ فرمائیے۔

؏ یہ آیتِ کریمہ اسی عبادت کو واضح کرتی ہے جس کے لیے انسان کی تخلیق ہوئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کے حکم کو نہی عن الشرک کے ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ عبادت خواہ کسی بھی قسم کی ہو اس کی قبولیت کا دارومدار ترکِ شرک پر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ يَأْمُرُ اللّٰهُ تَعَالٰى عِبَادَهٗ بِعِبَادَتِهٖ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فَاِنَّهُ الْخَالِقُ الرَّازِقُ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ	اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ صرف اللہ کی خالص عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں کیونکہ وہی پیدا کرنے رزق دینے، اپنی مخلوق پر ہر حال میں انعام

لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الانعام - ۸۸)	لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔

یہ بھی ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ (زمر - ۶۵، ۶۶)	تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے لہٰذا (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گذار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

قرآن کے الفاظ " بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ " میں یہ بات یاد رکھیے کہ معمول کو مقدم لانا، حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی " بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْهُ وَحْدَهٗ " مطلب یہ کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ دوسرے کو شریک نہ بناؤ جیسا کہ سورۂ فاتحہ میں " اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ " ہے۔ اس کی تائید قرآن کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے، " قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ " (زمر - ۱۱)

" الدین " اس عبادت سے تعبیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کی جائے اور اس کے روکنے سے رکا جائے، جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی اصل و اساس توحید عبادت ہے۔ اس سے تغافل نہ کرو۔

والامر والنهی الذی هو دینه   وجزاؤه یوم المعاد الثانی

یعنی امر اور نہی ہی اللہ کا دین ہے اور اس کا بدلہ قیامت کے روز ملے گا۔

(قرۃ عیون الموحدین)

فرمانِ باری تعالیٰ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ۔

اے محمدؐ! ان سے کہو کہ آؤ میں تمھیں سناؤں تمھارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں۔

عَلٰی خَلْقِهٖ فِیْ جَمِیْعِ	اور بھلائیاں کرنے والا ہے اور وُہی اِس
الْحَالَاتِ وَ هُوَ الْمُسْتَحِقُّ	بات کا حقدار ہے کہ اس کے بندے اس کی
مِنْهُمْ اَنْ یُّوَحِّدُوْهُ وَ لَا	عبادت کریں اور مخلوق میں سے کسی کو
یُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا مِّنْ مَّخْلُوْقَاتِهٖ	اس کا شریک نہ بنائیں۔

یہ آیتِ کریمہ اُن آیات میں سے ایک ہے جن میں دس حقوق کا مختصر ذکر ہے۔

اِس کتاب کے بعض معتمد اور صحیح نسخوں میں ایک نسخہ یہ بھی ہے جس میں اِس آیت کو سورۂ انعام کی آیت سے پہلے تحریر کیا گیا ہے۔ ہم نے بھی اِس نسخہ کو صحیح سمجھ کر اس کو پہلے درج کر دیا ہے تاکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے جو آگے صفحہ پر آ رہا ہے، اس کی مناسبت پیدا ہو جائے۔

قولہ : قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ :

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

" قُلْ : یعنی ان مشرکین کو جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دُوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی اشیا کو حرام قرار دیتے ہیں، کہہ دو کہ

تَعَالَوْا : میرے پاس آ کر میری بات کو بڑے غور سے سُنو تاکہ

اَتْلُ : میں اُن چیزوں کو وضاحت سے بیان کروں۔

مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ : جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے

أَلَّا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْـًٔا۔

ا۔۔۔ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

دیا ہے، میں از خود حرام نہیں قرار دے رہا بلکہ یہ اللہ کی وحی کے مطابق ہے اور میں تم کو اللہ تعالیٰ ہی کا حکم سناتا ہوں۔"

قولہٗ : اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا[۱]

یہاں لفظ وصّاکم متقدر مانیں گے تو معنیٰ صحیح ہوگا۔ اس صورت میں عبارت یوں ہوگی۔

وَصّاكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا	اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ وصیت کی ہے کہ تم اُسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دَورِ جاہلیت کے لوگ جس شرکِ اکبر میں گرفتار تھے اسی شرک میں آج اُمت کی اکثریت گرفتار ہے۔ انہوں نے لات، عُزّیٰ، مناۃ اور ھبل وغیرہ اصنام کی پرستش کی تو اس اُمت نے قبور و مشاہد، شجر و حجر، طواغیت اور جنات کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا اور اس شرک کو دین سمجھ بیٹھے۔ اُن کو جب توحید کی دعوت دی جاتی تھی تو نفرت و حقارت سے سُننے کے روادار نہ ہوتے بلکہ اُلٹا اپنے معبودانِ باطلہ کی محبت میں آگر ان کا رویّہ اور سخت ہو جاتا تھا۔ ان کی اسی حالت کا قرآن کریم اس طرح نقشہ کھینچتا ہے کہ :

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○	جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کُڑھنے لگتے ہیں اور جب اُس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکایک وہ خوشی سے کھل اُٹھتے ہیں

(الزمر - ۴۵)

وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔

۲— اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

شارح کتاب الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے سلسلے میں سات اقوال درج ہیں۔ ان میں سے یہ ایک قول ہے جو ابن کثیر رحمہ اللہ نے درج کیا ہے اور یہ سب سے بہتر ہے۔

مشرکینِ مکہ سے جب پوچھا جاتا کہ "یہ نیا رسول ﷺ تم کو کیا کیا باتیں بتاتا ہے جو تم اس کی اتنی زبردست مخالفت کر رہے ہو؟ تو وہ یہ جواب دیتے کہ ہم کو کہتا ہے:

اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا	تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور
بِهٖ شَيْئًا وَاتْرُكُوا مَا	کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور اپنے
يَقُوْلُ اٰبَاؤُكُمْ	آباؤ اجداد کی رسموں کو چھوڑ دو۔

یہ وہی بات ہے جو ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں اس کے ایک سوال کے جواب میں کہی تھی اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنواؤں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کہ " قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا " سے یہی سمجھا تھا کہ جب تک ہم اپنے آباؤ اجداد کے رسم و رواج کو نہیں چھوڑیں گے اس وقت تک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار فائدہ مند ثابت نہ ہوگا۔

قولہٗ : وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

لفظ "اِحْسَانًا" مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور اس کو منصوب کرنے والا فعل اسی لفظ احسان سے ہے۔ عبارت یوں ہوگی " وَاَحْسِنُوْا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا "

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي	اور جب آپ قرآن میں اپنے ایک
الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي	ہی رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت
اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ○	سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

(بنی اسرائیل - ۴۶)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ

۳ — اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمھیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔

علامہ قُرطبی رحمۃ اللہ اپنی تفسیر میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا مطلب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

○ برّھما	اُن کے ساتھ حُسن سلوک کرنا۔
○ وحفظھما	اُن کی ہر طرح کی حفاظت اور خدمت کرنا
○ وصیانتھما	اُن کو ہر تکلیف سے بچانے کی کوشش کرنا۔
○ وامتثال امرھما	اُن کی بات پر عمل پیرا ہونا۔
○ وازالۃ الرّق عنھما	اُن سے غلامی دُور کرنا۔
○ وترک السّلطنۃ علیھما	اُن پر رعب نہ ڈالنا۔

قولہٗ : وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ

املاق کے معنی ہیں فقر و فاقہ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تنگیٔ رزق سے گھبرا کر اپنی بچیوں کو زندہ درگور نہ کرو کیونکہ ان کو اور تم سب کو رزق میں مہیا کرتا ہوں۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ؕ (الصّٰفّٰت ۳۵-۳۶)	یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا، "اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے" تو یہ گھمنڈ میں آجاتے تھے اور کہتے تھے "کیا ہم ایک شاعر مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟"

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

"قبل از اسلام بعض عرب اپنی اولاد کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، تاکہ فقر و فاقہ اور تنگیٔ رزق سے محفوظ رہیں بعض اوقات لڑکوں کو بھی زندہ دفن کر دیتے"

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَ هُوَ خَلَقَكَ

تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

قُلْتُ: ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ: اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ

میں نے عرض کی کہ اِس کے بعد کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا تو اپنے بچے کو فقر و فاقہ اور تنگیٔ رزق کے خوف سے قتل کرے۔

دورِ جاہلیت کے مُشرک یہ بات اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے کہ جس شرک میں ہم مُبتلا ہیں، کلمہ لا الٰہ الا اللہ اس کی نفی کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے توحید کا انکار کیا۔ دورِ جاہلیت کے مُشرکین اِس اُمت کے بعض اہلِ علم سے لا الٰہ الا اللہ کے مفہوم اور اس کے مقتضا کو زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے۔

آج کا اہلِ علم طبقہ توحیدِ عبادت سے بے خبر اور شرک میں گرفتار ہے، بلکہ اس کے برعکس شرک کو خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے۔ توحیدِ اسماء و صفات سے بھی نابلد، بلکہ منکر ہیں اور اسماء و صفات کی نفی میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ بعض نے تو کئی ایک کتب بھی لکھیں جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ اسماء و صفات کا عقیدہ باطل ہے۔

افسوس، کہ آج کل معروف کو مُنکر اور مُنکر کو معروف سمجھ لیا گیا ہے اور اسی پر پوری زندگی گھوم رہی ہے۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا:

بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَ سَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَأَ

اسلام اپنے ابتدائی دور میں اجنبی کی حیثیت میں تھا اور اس پر وہی "اجنبیت" کا دور پھر لوٹ آئے گا۔

قُلْتُ : ثُمَّ اَيٌّ ؟ قَالَ: اَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيْلَةِ جَارِكَ

میں نے عرض کی اس کے بعد کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ الفرقان ۶۸، ۷۰

جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں، یہ کام جو کوئی کریگا وُہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے روز اس کو مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وُہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا، اِلّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عملِ صالح کرنے لگا ہو۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دیگا وہ بڑا غفور رحیم ہے۔

ایک موقع پر ارشادِ نبوی ہے:

اِفْتَرَقَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى اِحْدٰى وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً

یہودی ۷۱ فرقوں میں بٹ گئے۔

وَافْتَرَقَتِ النَّصَارٰى عَلٰى اِثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً

اور نصاریٰ ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے۔

وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۔

۴ — اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی ہوئی۔

قولہ: وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ

علامہ ابنِ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"اِس آیت میں فواحش و معاصی کی تمام اقسام سے روکا گیا ہے اور اُن سب چیزوں سے منع فرمایا گیا ہے جن کو ہم گناہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ وہ گناہ ظاہر ہوں یا باطن۔ "ظاہر" اور "باطن" کے دو الفاظ میں ہر قسم کی معصیت شامل ہے۔ اِس کا اِرتکاب ظاہری طریق سے کیا جائے یا بطریقِ باطن۔"

وَسَتَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً	اور یہ اُمّت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔
كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً قَالُوْا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللهِ	سوائے ایک گروہ کے سب جہنم کا ایندھن بنیں گے صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ ایک گروہ کون سا ہے (جو جنتی ہے)؟
قَالَ مَنْ كَانَ عَلٰى مِثْلِ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو میرے اور میرے صحابہ کے نقشِ قدم پر چلے گا۔"

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے اِس حدیث کو کئی طُرق سے روایت کیا ہے اور سُنن وغیرہ میں بھی مروی ہے مزید برآں محمد بن نصر رحمہ اللہ نے بھی اپنی تصنیف "کتاب الاعتصام" میں اِس حدیث کا ذکر کیا ہے۔
قرونِ ثلاثہ کے بعد یہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حرف بحرف درست ثابت ہو رہا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○

۵ — اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو، مگر حق کے ساتھ۔ یہ باتیں ہیں جن کی ہدایت اُس نے تمھیں کی ہے، شاید کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔

قولہٗ: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ

۱ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ ۱ اَلثَّيِّبُ الزَّانِي	ہر اُس مسلمان کا جو کلمہ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کا اقرار کرتا ہے، خون حلال نہیں ہے۔ ہاں! تین امور کی پاداش میں اسکا خون حلال ہو سکتا ہے۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو۔

دین اسلام کا اصل یہی مسئلہ توحید تھا اور اسی کے بارے میں جہالت کا دَور دورہ ہے۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔ الحمد للہ، اللہ کی زمین اس سے خالی نہیں۔ اہل توحید دنیا میں موجود ہیں جو توحید کی طرف دعوت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجت اور اُس کے احکام و بیّنات جو کہ اُس نے اپنے رسولوں اور انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل فرمائے تھے، باقی رہیں۔

فلہ الحمد والشکر علیٰ ذٰلک۔

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ إِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ أَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ أَشُدَّهٗ ۚ

۶ —— اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سن رُشد کو پہنچ جائے۔

۲. وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ — بلا وجہ کسی مسلمان کو قتل کرنے کے بدلے میں

۳. وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ — یا دینِ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے اور جماعت المسلمین سے الگ ہو جائے

قولہٗ : ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

علامہ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" ذٰلِكُمْ میں اُن تمام محرمات کی طرف جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں، اشارہ ہے۔ اور وَصّٰكُمْ سے تاکید مراد ہے اور لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ میں "لعل" علت کے لیے ہے۔ یعنی ہم ان وصایا پر جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو کی ہیں، غور کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔ تفسیر طبری حنفی میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تَعْقِلُوْنَ فرمایا، اس کے بعد تَذَكَّرُوْنَ کہا اور آخر میں تَتَّقُوْنَ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے سوچتا ہے، سوچنے کے بعد نصیحت حاصل کرتا ہے اور جب نصیحت حاصل کر لیتا ہے تو تقویٰ اور خوف کی منزل میں گام فرسا ہوتا ہے۔"

قولہٗ : وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ إِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ أَحْسَنُ

وَ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ

۷ ـــــ اور ناپ تول میں پُورا انصاف کرو، ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اُتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اُس کے اِمکان میں ہو۔

علامہ ابنِ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اِس آیت میں یتیم بچے کے مال میں ہر قسم کے تصرف کی نفی کی گئی ہے۔ معمولی قسم کے ذرائع تصرف کو بھی مسدود کر دیا گیا ہے تاکہ یتیم کا مال بالکل محفوظ رہے۔ اِس کے بعد حرفِ اِلَّا کو بطورِ استثناء کے لایا گیا کہ اگر کوئی شخص یتیم کے مال کو بڑھانے اور اِس میں اِضافہ کی خاطر اِس میں تصرف کرے تو جائز ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

"یتیم کا مال خیر خواہانہ نیت سے تجارت میں لگایا جا سکتا ہے۔"

قولہٗ : حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، زید بن اسلم، امام شعبی اور ربیعہ رحمہم اللہ وغیرہ کا قول ہے کہ یتیم لڑکا عالمِ طفولیت اور بے عقلی کے دَور سے نکل کر حدِ بلوغت ورشد کو پہنچ جائے اور اپنے معاملات اور کاروبار پر نگرانی کرنے اور اِس کی حفاظت کرنے کا اہل ہو جائے۔

قولہٗ : وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ

علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے لین دین کے موقع پر عدل و انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھنے کا حکم دیا ہے۔"

وَ إِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۔

۸ ـــــ اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتے دار ہی کا کیوں نہ ہو۔

قولہٗ : لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا :

علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ آیت "لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ

"جو شخص لیتے اور دیتے وقت پوری ایمانداری اور محنت و کوشش سے کام لیتا ہے لیکن پھر بھی بتقاضائے بشریت اس سے کوئی کمی بیشی ہوتی ہے تو وہ عنداللہ ماخوذ نہ ہوگا[1]۔"

قولہٗ : وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى

مندرجہ بالا آیت میں اُن تمام معاملات میں، اُن کا تعلق قول سے ہو یا فعل و عمل سے، عدل

---

[1] قرآنِ کریم کی آیت کہ :

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا	تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے ،
عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا	جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو
كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝	پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر
(المطففین - ۱ - ۲ - ۳)	دیتے ہیں تو انھیں گھٹا دیتے ہیں۔

اُن لوگوں کے بارے میں ہے جو جان بوجھ کر ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکانداروں اور تاجروں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ :

اِنَّكُمْ وُلِّيْتُمْ اَمْرًا هَلَكَتْ	تمھارے ہاتھ میں ایسا کاروبار ہے جس میں کمی بیشی
فِيْهِ الْاُمَمُ السَّالِفَةُ قَبْلَكُمْ	کی بدولت تم سے پہلے کئی امتیں صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئیں

تم ایسی حرکت نہ کر بیٹھنا جس سے بعد میں کفِ افسوس ملنا پڑے۔ (مترجم)

وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۙ

۹ ——— اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمھیں کی ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔

اور انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ یہ معاملہ کسی قریبی رشتہ دار سے متعلق ہو یا کسی اجنبی سے۔ الحنفی[1] رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دوست اور دشمن کے متعلق بات حق و انصاف کی کہنی چاہیے، خوشی اور ناراضی میں بھی عدل کا ترازو ہاتھ میں رہنا چاہیے اگرچہ اِس۔ سے قریبی رشتہ دار کی بھی مخالفت کیوں نہ ہوتی ہو۔ ناجائز امور میں دوست اور رشتے دار کی طرف داری کرنا معصیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ - ۸)

کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

قولہٗ : وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اِس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں :-

"اللہ تعالیٰ نے جو تم کو وصیت کی ہے اُسے پُورا کرو اور اُسے پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو تمھیں حکم دیا جاتا ہے اُس پر عمل کرو اور جس بات سے تم کو روکا جا

---

[1] الحنفی : ان کا نام اور مختصر سلسلہ نسب یہ ہے۔ سراج بن عقبہ بن طلق بن علی الحنفی۔ یہ قبیلہ بنی حنیفہ کی طرف منسوب ہیں۔ اِن کا قیام "یمامہ" میں تھا۔ مسیلمہ کذاب کے قتل ہونے کے بعد یہ قبیلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مسلمان ہو گیا تھا۔

سراج تابعی ہیں، ان سے بعض احادیث مروی ہیں۔

"الانساب۔ للسمعانی، ج ۴ صفحہ ۲۸۸ رقم ۱۲۴۲" (مترجم)

وَ أَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُم بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(الانعام - ۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳)

۱۰ —— نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا تم اسی پر چلو اور دُوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وُہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمھیں پراگندہ کر دیں گے، یہ ہے وہ ہدایت جو تمھارے رب نے تمھیں کی ہے شاید کہ تم کج روی سے بچو۔

ہے، اُس سے رُک جاؤ۔ کتاب اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں زندگی بسر کرو۔ بس یہی ہے اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا مطلب۔"

قولہٗ : ذٰلِكُمْ وَصّٰكُم بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ کا مطلب ہے کہ تاکہ تم کو نصیحت حاصل ہو اور جن بُرے کاموں میں تم اُلجھے ہوئے ہو اُن سے باز آجاؤ، اور صراطِ مُستقیم کو اپنی منزلِ مقصود قرار دے لو۔

قولہٗ : وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا :
علامہ قُرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ

"اس آیت کا عطف سابقہ نو احکام پر ہے۔ اِن نو احکامات میں سے بعض کے نہ کرنے کا حکم ہے اور بعض پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے۔ ساتھ ہی اللہ کے راستے کو چھوڑنے کی وعید بھی سنائی ہے۔ جس راستے کی راہنمائی کیلئے بہت سی احادیثِ صحیحہ اور اقوال سلف صالحین موجود ہیں۔"

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ ایک نحوی بحث کرتے ہیں کہ حرف اَنَّ نصب کے مقام پر سمجھا جائے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ اَتْلُوا اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِی اور اگر حرفِ اَنَّ خفض کے مقام پر سمجھا جائے تو معنیٰ یہ ہوں گے وَصّٰکُم بِہٖ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِی

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ

"صراط سے دینِ اسلام کا سیدھا راستہ مقصود ہے جو مُستَقِیم ہے یعنی دینِ اسلام ایک ایسا راستہ ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سیدھے راستے کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جس کی حدود اُسکے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کر دی ہیں اور جس کی آخری منزل جنت ہے۔ اِس صراطِ مستقیم سے کئی راستے نکلتے ہیں، جو شخص جادۂ مستقیم کو اختیار کرے گا وہ جنت میں جائے گا، جو غلط رستوں پر قدم زن ہو گا وہ لامحالہ جہنم میں جا گرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهٖ — دوسرے راستوں کے تابع نہ ہو، تاکہ تم سے اصل راستہ نہ چھوٹ جائے۔

صراطِ مستقیم کو چھوڑنے کی کوشش کی تو دوسرے راستے تمھیں یقیناً سیدھے راستے سے ہٹا کر غلط راستہ پر ڈال دیں گے۔"

امام احمد، امام نسائی، دارمی، ابن ابی حاتم اور حاکم نے مندرجہ ذیل حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

خَطَّ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَطًّا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا سَبِيلُ اللّٰهِ مُسْتَقِيمًا — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور پھر فرمایا کہ یہ اللہ کی سیدھی راہ ہے۔

ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ — پھر اس کے دائیں بائیں کئی خطوط کھینچے

بِيَمِيْنِ ذٰلِكَ الْخَطِّ وَ
عَنْ شِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ — پھر فرمایا کہ
وَ هٰذِهِ السُّبُلُ لَيْسَ مِنْهَا سَبِيْلٌ اِلَّا وَ عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَدْعُوْ اِلَيْهِ — یہ بھی راستے ہیں، ان میں سے ہر ایک پر شیطان کھڑا ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے۔
ثُمَّ قَرَأَ — پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔
وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "میری یہ سیدھی راہ ہے، اسی پر چلو، دوسرے راستوں کے تابع نہ بنو۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ سے بدعت اور شہواتِ انسانی مراد ہیں کہ انسان نیک اعمال و افعال کو چھوڑ کر بدعات پر عمل کرنا شروع کر دے اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں زندگی برباد کر ڈالے۔

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہم صراطِ مستقیم کے بارے میں ایک مختصر بات کہتے ہیں، کیونکہ اس کی صفات و متعلقات کی حیثیت سے صراطِ مستقیم کے بارے میں علمائے کرام کی عبارتیں کثرت سے موجود ہیں۔"

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وَ هُوَ طَرِيْقُ اللّٰهِ الَّذِيْ نَصَبَهٗ لِعِبَادِهٖ مُوْصِلًا لَهُمْ اِلَيْهِ وَ لَا طَرِيْقَ اِلَيْهِ سِوَاهُ بَلِ الطُّرُقُ — صراطِ مستقیم وہی ہے جسے اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے جو اللہ تک پہنچاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اللہ تعالیٰ تک

كُلُّهَا مَسْدُودَةٌ عَلَى الْخَلْقِ اِلَّا طَرِيْقَهُ الَّذِيْ نَصَبَهُ عَلَى اَلْسُنِ رُسُلِهٖ وَ جَعَلَهُ مُوْصِلًا لِعِبَادِهٖ اِلَيْهِ

نہیں پہنچتا۔ اور وہ وُہی راستہ ہے جسکی انبیائے کرام علیہم السلام نے وضاحت فرمائی، یہی راستہ انسان کو اللہ تعالےٰ تک پہنچاتا ہے اور باقی سب راستے بند ہیں۔

وَ هُوَ اِفْرَادُهٗ بِالْعِبَادَةِ وَ اِفْرَادُ رُسُلِهٖ بِالطَّاعَةِ فَلَا يُشْرَكُ بِهٖ اَحَدًا فِيْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يُشْرَكُ بِرَسُوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم اَحَدًا فِيْ طَاعَتِهٖ فَيُجَرِّدُ التَّوْحِيْدَ وَ يُجَرِّدُ مُتَابَعَةَ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ هٰذَا كُلُّهٗ مَضْمُوْنُ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاَيُّ شَيْءٍ فُسِّرَ بِهِ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِيْ هٰذَيْنِ الْاَصْلَيْنِ

اللہ کا راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام عبادات میں واحد اور یکتا سمجھا جائے، اس کے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو اطاعت میں یکتا رکھا جائے۔ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کسی دوسری مخلوق کو شریک نہ کیا جائے اللہ کی توحید اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی دوسرے کو نہ ملایا جائے۔ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا یہی مفہوم ہے پس صراطِ مستقیم کی جو بھی تفسیر اور توضیح بیان کی جائے، اس میں یہ دونوں پہلو نمایاں ہیں۔

وَ نُكْتَةُ ذٰلِكَ اَنْ تُحِبَّهٗ بِقَلْبِكَ وَ تُرْضِيَهٗ بِجُهْدِكَ كُلِّهٖ فَلَا يَكُوْنُ فِيْ

صراطِ مستقیم کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دلی محبت کی جائے اور اپنی تمام کوششوں میں اُس کی رضا کو ملحوظ رکھا جائے

قَلْبِكَ مَوْضِعٌ إِلَّا مَعْمُوْرًا بِحُبِّهِ وَ لَا يَكُوْنُ لَكَ إِرَادَةٌ إِلَّا مُتَعَلِّقَةٌ بِمَرْضَاتِهِ فَالْأَوَّلُ: يَحْصُلُ بِتَحْقِيْقِ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَالثَّانِيْ يَحْصُلُ بِتَحْقِيْقِ شَهَادَةِ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَهٰذَا هُوَ الْهُدٰى وَ دِيْنُ الْحَقِّ وَ هُوَ مَعْرِفَةُ الْحَقِّ وَ الْعَمَلُ بِهٖ وَهُوَ مَعْرِفَةُ مَا بَعَثَ اللهُ بِهٖ رَسُوْلَهٗ وَ الْقِيَامُ بِهٖ

اور انسان کا دل اُسکی محبت سے بھرا ہوا ہو، اپنے تمام ارادوں میں اللہ کی رضا اور اُس کی مشیت کا جذبہ موجزن ہو۔ پہلی چیز یعنی انسان کے دل میں صرف اللہ کی محبت ہو، یہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے بغیر ممکن نہیں، دُوسری چیز یعنی اپنے تمام ارادوں میں اس کی رضا اور چاہت کا جذبہ موجزن ہو، یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہدایت اور دینِ حق اسی کو کہتے ہیں، ہدایت کے دوسرے لفظوں میں یُوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ حق کی معرفت اور اُس کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ حق کی معرفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جو ہدایات دیکر

وَ قُلْ مَا شِئْتَ مِنَ الْعِبَارَاتِ الَّتِيْ هٰذَا آخِيَّتُهَا وَ قُطْبُ رَحَاهَا

بھیجا ہے، ان کو سمجھ کر ان پر عمل کیا جائے صراطِ مستقیم کی صحیح تعریف کا محور یہی ہے اسکے معنی میں جس قسم کی عبارات بناتے جاؤ بناتے چلے جاؤ۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سہل بن عبداللہ نے مندرجہ بالا آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے:

عَلَيْكُمْ بِالْأَثَرِ وَالسُّنَّةِ فَإِنِّيْ أَخَافُ أَنَّهٗ سَيَأْتِيْ

سُنّتِ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو مضبوطی

قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّنظُرَ إِلٰى وَصِيَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم الَّتِيْ عَلَيْهَا خَاتَمُهٗ فَلْيَقْرَأْ قولهٗ تعالٰى

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص اُس وصیّت کو دیکھنا چاہتا ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مہر لگائی تھی تو اُس شخص کو اللہ تعالٰی کا یہ فرمان پڑھ لینا چاہیے کہ

عَنْ قَلِيْلٍ زَمَانٌ إِذَا ذَكَرَ إِنْسَانٌ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَالْاِقْتِدَاءَ بِهٖ فِيْ جَمِيْعِ أَحْوَالِهٖ ذَمُّوْهُ وَ نَفَرُوْا عَنْهُ وَتَبَرَّأُوْا مِنْهُ وَأَذَلُّوْهُ وَ أَهَانُوْهُ	سے تھام لو، مجھے خطرہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد ایسا دور آنے والا ہے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ اپنے تمام معاملات میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھو تو لوگ اُس کی مذمت کریں گے اور اس سے لوگوں کو نفرت دلائیں گے، اُس سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور اُسے ذلیل و رُسوا کر کے مصائب و مشکلات میں ڈال دیں گے۔

قولهٗ : قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ

ان کا پورا نام اور مختصر سلسلہ نسب یہ ہے: عبد اللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب الھذلی رضی اللہ عنہ جلیل القدر سابقین اوّلین اور کبار علمائے صحابہ میں سے تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر، جنگِ اُحد، جنگِ خندق

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا الی قولہ وَ أَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا۔

وَ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ سے وَ أَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا تک۔

اور بیعت الرضوان میں سعادتِ شرکت حاصل کی۔ ۳۲ھ میں وفات پائی۔

مذکورۃ الصدر اثر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کر کے اسے حسن کہا ہے۔ ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور طبرانی رحمہم اللہ نے بھی اس اثر کو نقل کیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس وصیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کروا کر اس پر اپنی مُہر ثبت فرمائی اور پھر اس وصیت میں اپنی وفات تک تبدیلی نہ فرمائی۔ جو شخص اس کو بچشم خود دیکھنا چاہے اُس کو یہ آیت قُلْ تَعَالَوْا کو آخر تک پڑھ لینا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کتاب اللہ کے بارے میں وصیت فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

وَاِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ	مَیں تم کو اللہ کی کتاب دے کر جا رہا ہوں۔ اگر تم نے اِس کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ:

اَیُّکُمْ یُبَایِعُنِیْ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ الْاٰیَاتِ الثَّلٰثِ؟ ثُمَّ تَلَا قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ حَتّٰی فَرَغَ مِنَ الثَّلٰثِ الْاٰیَاتِ ثُمَّ	مندرجہ ذیل تین آیات پر کون شخص میری بیعت کرے گا؟ اور پھر قل تعالوا اتل ما حرم ربکم سے آگے تین آیات تلاوت فرمائیں پھر فرمایا کہ

قَالَ:

وَ مَنْ وَفّٰی بِھِنَّ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ وَ مَنِ انْتَقَصَ مِنْھُنَّ شَیْئًا فَاَدْرَکَہُ اللّٰہُ بِہٖ فِی الدُّنْیَا کَانَتْ عُقُوْبَتُہٗ وَ مَنْ اَخَّرَہٗ اِلَی الْاٰخِرَۃِ کَانَ اَمْرُہٗ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَآءَ اَخَذَہٗ وَ اِنْ شَآءَ عَفَا عَنْہُ	جس نے ان کو پورا کیا اُس کا اجر اللہ پر ہے اور جس نے ان میں کمی کی اُس کو دُنیا میں سزا بھی مل گئی تو وہ آخرت سے بچ جائے گا۔ اور جس شخص کو دُنیا میں سزا نہ ملی اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے دے۔

اِس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے، حاکم نے بھی روایت کیا اور اس کو صحیح کہا ہے اور محمد بن نصر نے الاعتصام میں درج کیا ہے۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو وہی وصیت فرماتے جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض وصایا احادیث میں اور کچھ قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔ زیرِ بحث آیت بھی اللہ تعالیٰ کی اور آپ کی وصیتوں میں سے ایک ہے۔

وعن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى حِمَارٍ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آپ کے خچر پر سوار تھا

قولہٗ : عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ

مندرجہ بالا حدیث کئی طرق سے صحیحین میں مروی ہے جن میں سے ایک سند وہ ہے جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔

معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ ممتاز اور مشہور صحابہ میں سے تھے۔ علم، احکام اور قرآن کے بہت بڑے فاضل تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مشکل مسائل میں اُن کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اُن کی علمی قابلیت کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

مَعَاذٌ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِمَامَ الْعُلَمَاءِ بِرَتْوَةٍ	معاذ رضی اللہ عنہ میدانِ محشر میں علمائے ربانی کے پیشوا اور رہبر ہوں گے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بدری صحابہ میں سے ہیں۔ جنگِ بدر کے بعد جتنی لڑائیاں لڑی گئیں، معاذ رضی اللہ عنہ ان سب میں شریک تھے۔

فتح مکۃ المکرمہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اہلِ مکہ کی علمی تربیت کے لیے مامور فرمایا تھا۔ اس جلیل القدر صحابی نے ملکِ شام میں ۱۸ھ کو طاعونِ عمواس سے وفات پائی۔

قولہٗ : كُنْتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

ان الفاظ سے ثابت ہوا کہ انسان کسی سواری پر سوار ہو تو اپنے پیچھے دوسرے شخص کو بٹھا

فَقَالَ لِي، يَا مَعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ؟

آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے معاذ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا حق اللہ تعالےٰ پر کیا ہے؟

سکتا ہے اور اِس واقعہ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

قولہٗ : عَلٰی حِمَارٍ

ایک روایت میں اِس خچر کا نام عُفیر ہے۔ یہ وہی خچر ہے جو مقوقش شاہِ مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

اِس سے رحمتِ دو عالم ﷺ کی انکساری اور عاجزی کی وہ تصویر سامنے آتی ہے جس کے سامنے بڑے بڑے فلاسفر و ملوک کی گردنیں جُھک جاتی ہیں کہ پوری اِنسانیت کا رہبر اور مُعلّم ایک معمولی خچر پر سوار ہے اور ایک ساتھی کو بھی اپنے ساتھ سوار کیے ہوئے ہے۔ ایک متکبّر انسان ایسا نہیں کرتا۔

قولہٗ : اَتَدْرِیْ مَا حَقُّ اللهِ عَلَی الْعِبَادِ

آنحضرت ﷺ نے اِستفہامیہ جملہ کے ساتھ سوال کیا ہے۔ کیونکہ جب کسی اِنسان سے ایسا سوال کیا جائے جس کا اِسے پہلے سے علم نہ ہو اور سوال کے بعد اِس کا جواب دیا جائے تو ایسا جواب طالبعلم کے ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے جسے وہ آسانی سے بھول نہیں سکتا۔

قولہٗ : حَقُّ اللهِ عَلَی الْعِبَادِ

یعنی وہ افعال اور اعمال جن کے کرنے کا اِنسان کو مکلف قرار دیا گیا ہے۔

قولهٗ : حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لازماً اپنے وعدے پورے کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں سے جو اس کی توحید پر قائم رہیں گے پکّا وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو احسن جزادی جائیگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَعْدَ اللهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللهُ وَعْدَهٗ (الروم ۔ ٦)	یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :۔

"ایک مُطیع اور فرمانبردار کا مستحق اجر ہونا یہ ہے کہ اسے انعام و اکرام سے نوازا جائے۔ یہاں وہ استحقاق مقصود نہیں ہے جو ایک انسان دوسرے انسان پر کسی خاص معاملے میں کرتا ہے بلکہ اس سے اہلِ سُنّت کے نزدیک وہ استحقاق مراد ہے جس کا ذکر ایک حدیثِ قُدسی میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہے کہ :

هُوَ الَّذِىْ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ	اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو خاص کر لیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے از خود رحمت اور حق کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اِس میں بندے کے اعمال و کردار کو کوئی دخل نہیں ہے۔ کتاب و سُنّت سے اسی مفہوم کی تائید و حمایت ہوتی ہے۔ یہ رحمت اللہ تعالیٰ نے از خود خاص کی ہے، مخلوق نے نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (روم ۔ ۴۷)	اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔

مُعتزلہ اِس مسئلے میں اہلِ سُنّت سے اختلاف کرتے ہیں۔ انکا عقیدہ یہ ہے کہ :۔

انسان کی اطاعت و فرمانبرداری کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ لازم ہے کہ وہ

قُلْتُ، أَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ۔ قَالَ حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ ؛ أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَ لَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

مَیں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسُول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وُہ صِرف اُسی کی عبادت کریں اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔

انسان کی مدد و نُصرت کرے کیونکہ انسان اطاعت ہی کی بنا پر جزا کا مستحق ٹھہرتا ہے"

معتزلہ کا یہ مسلک غلط ہے۔ اِس میں جبریہ اور قدریہ کا وُہ گروہ جو جہم کا متبع ہے اور قدریہ نافیہ وغیرہ سب نے غلطی کھائی ہے۔

قولهٗ : قُلْتُ اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

اِس جُملے میں طالب علم کی شائستگی، حُسنِ ادب، متانت اور سنجیدگی کا پتہ چلتا ہے اور ہر سنجیدہ طالب کو علم کے باوجود اسی قسم کا جواب دینا چاہیئے تاکہ استاد کا احترام اور وقار باقی رہے۔ خواہ مخواہ جواب دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، یہ اوچھے طلبہ کا وتیرہ ہوتا ہے جو عموماً بے ادب اور گستاخ ہوتے ہیں۔

قولهٗ : اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت میں یکتا اور واحد سمجھا جائے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کی ایک جامع اور مانع اور بہت ہی احسن تعریف کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ :-

عبادة الرحمٰن غاية حبه مع ذل عابده هما قطبان

رحمٰن کی عبادت، اُس کی غایت محبت کا نام ہے مگر اس طرح کہ عابد اُس کے سامنے

اظہارِ تذلل بھی کرے۔ یہ دونوں، یعنی محبت اور تذلل، دو قطب ہیں۔

وعليهما فلك العبادة دائر ماداد، حتى قامت القطبان

انہی دونوں پر فلکِ عبادت کا دار و مدار ہے اور یہ قائم ہے گا جب تک کہ دونوں قطب قائم رہیں گے

ومداره بالامر۔ امر رسوله لا بالهوى والنفس والشيطان[1]

اِسکا مدار اِس امر پر ہے اور امر سے مراد، امرِ رسول ہے، خواہشاتِ نفس اور شیطان مراد نہیں ہے

قولهٗ : وَلَا يُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا

تمام عبادات میں اللہ کی توحید کا اقرار ضروری ہے کیونکہ جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے لیکن شرک سے کنارہ کش نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اُس نے صرف ایک ہی اللہ کی عبادت نہیں کی بلکہ اُس نے دُوسروں کو شریک بنا کر شرک کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا ایسا انسان مُشرک ہی ٹھہرے گا۔

عبادت کے معنی ہی توحید ہیں۔ مُشرکین سے اِسی مسئلہ میں اختلاف تھا حالانکہ وہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے تھے لیکن توحید کے قائل نہ تھے۔

---

[1] قرۃ عیون الموحدین میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کے یہ اشعار درج ہیں :-

حق الاله عبادة بالامر لا يهوى النفوس فذاك للشيطان

من غير اشراك به شيئاً هما سبب النجاة فحبذا السببان

لم ينج من غضب الاله وناره الا الذى قامت به الاصلان

والناس بعد: فمشرك بالهه او ذوابتداع ، اوله الوصفان

ترجمہ یہ ہے: اللہ کا حق، اس کی عبادت ہے، اخلاص کے ساتھ، نہ کہ ہوائے نفس کے ساتھ یہ تو شیطان کے لیے ہے۔

اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے بغیر عبادت کی جائے۔ یہی باعثِ نجات ہے اور یہ دونوں (اخلاص اور عبادت) کتنے اچھے سبب ہیں۔

اللہ کے غضب اور آگ سے وہی شخص نجات پائے گا جس میں یہ دو سبب موجود ہیں۔

اگر یہ نہیں ہے تو پھر لوگ یا تو مشرک ہیں یا بدعتی ہیں یا دونوں اوصاف کے حامل ہیں، شرک کے بھی اور بدعت کے بھی۔

وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا۔

بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ اگر وہ مُشرک نہ ہوں تو انکو عذابِ جہنم سے بچالے۔

جیسا کہ ایک حدیثِ قُدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنِّیْ وَ الْجِنُّ وَ الْاِنْسُ	مَیں اور جن و اِنس ایک عجیب مُعاملے
فِیْ نَبَاٍ عَظِیْمٍ	میں ہیں، پیدا مَیں کرتا ہوں لیکن عبادت
اَخْلُقُ وَ یُعْبَدُ غَیْرِیْ	کسی دُوسرے کی ہو رہی ہے۔ رزق میں
وَاَرْزُقُ وَ یُشْکَرُ سِوَایَ	دیتا ہُوں لیکن اظہارِ شُکر دوسرں کا ہوتا ہے
خَیْرِیْ اِلَی الْعِبَادِ نَازِلٌ	مَیں اپنے بندوں پر احسان ہی کرتا ہوں لیکن انکی
وَشَرُّهُمْ اِلَیَّ صَاعِدٌ	طرف سے بغاوت و نافرمانی کے سوا کچھ نہیں ہوپاتا
اَتَحَبَّبُ اِلَیْهِمْ بِالنِّعَمِ وَ	مَیں اپنے بندوں پر احسان کرکے محبت کا اظہار
یَتَبَغَّضُوْنَ اِلَیَّ بِالْمَعَاصِیْ	کرتا ہوں لیکن وہ میری نافرمانی کرکے مجھے
	غصہ دلاتے ہیں۔

قولہٗ : وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا یُعَذِّبَ مَنْ لَّا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

لہ اللہ تعالیٰ پر کسی بھی قسم کا کوئی حق واجب نہیں بلکہ ربِ کریم نے اپنے خاص فضل و احسان سے مخلص موحدین سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو توحید کی برکت سے عذابِ جہنم میں مبتلا نہیں کرے گا کیونکہ یہ لوگ اپنے ارادوں اپنی مشکلات، اپنی امیدوں، اپنی التجاؤں اور خوف کے وقت اللہ کریم کی بارگاہِ قدس کے علاوہ کہیں نہیں جھکتے اور اپنے قول و عمل سے اُسی کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ ! صلى الله عليه وسلم أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ ؟ قَالَ : لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا ۔ أَخْرَجَاهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ ۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! مَیں لوگوں کو اس کی خوشخبری سنا دوں ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ کرنا ۔ کیونکہ پھر وُہ اِسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہیں گے ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شرک کی نفی پر اکتفا فرمایا ، کیوں کہ عدمِ شرک توحید کو مستلزم ہے اور رسالت کے اثبات پر دلیلِ قطعی ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی وہ گویا کہ اللہ کی تکذیب کا مُرتکب ہُوا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی وُہ مُشرک ٹھہرا ۔

اِس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ

" جو شخص تمام شرائط کے ساتھ وضو کرے گا اُس کی نماز دُرست[1] ہو گی ۔ "

قولہٗ : اَفَلَا اُبَشِّرُ النَّاسَ ؟

جب کسی مسلمان کو ایسی بات کا علم ہو جس سے اسے خوشی اور مسرت حاصل ہو تو ایسی بات کو اپنے احباب کو بتانا مستحب ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی دستورِ عمل تھا ۔

قولہٗ : لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا

[1] مطلب یہ ہوا کہ جس کا وضو درست اُس کی نماز درست ، جس کا وضو غلط اُس کی نماز باطل ۔ اِسی طرح جو شرک سے بچا اُس کی عبادت درست اور صحیح اور جس نے شرک کیا اگر وہ ساری عمر بھی عبادت کرتا رہے تو اس کی عبادت مردود اور نامقبول ۔ (مترجم)

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ بات عام ہو گئی تو پھر مسلمان اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں سستی کریں گے اور اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ

فَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ	حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات
عِنْدَ مَوْتِهِ	کے موقعہ پر اس حدیث کو بیان کر دیا تھا
تَأَثُّمًا	مبادا کتمانِ حق کے گناہ میں مبتلا ہو جائیں

الوزیر ابو المظفرؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عام آدمی کو اس لیے نہ بتاتے کہ وہ اپنی کم علمی کی بنا پر نیک اعمال کو چھوڑ کر سوئے ادب کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔ لیکن وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو علم و عرفان کے مینار سمجھے جاتے تھے اگر ان کو علم ہو جاتا تو وہ اطاعت و فرمانبرداری میں اور زیادہ اور نمایاں کردار ادا کرتے، اس لیے کہ ان کو علم تھا کہ انعام و اکرام کی کثرت اطاعت و فرمانبرداری میں اضافہ کا باعث بنتی ہے چنانچہ وہ اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہنے کے بجائے مزید اطاعت پر مستعد نظر آتے لہٰذا انھیں صحابہ کرامؓ سے کسی بات کو پوشیدہ رکھنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔

اِس باب میں چند فوائد ایسے ہیں جن کا تذکرہ پہلے نہیں ہوا جیسے:

- اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اخلاص سے کرنا۔
- دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عبادتِ الٰہی شرک کے ہوتے ہوئے سُود مند نہیں بلکہ یہ عبادت کی نفی ہو گی اور اس کو شرک سے تعبیر کریں گے۔
- تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں والدین کے حقوق کی عظمت اور ان کی نافرمانی پر صرف تنبیہ ہی نہیں کی گئی بلکہ اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔
- چوتھا فائدہ یہ ہے کہ سورۃ الانعام کی محکم آیات کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔
- پانچواں فائدہ یہ کہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر کسی کو مسئلہ نہ بتایا جائے تو گناہ نہ ہو گا۔

قولہ : اَخْرَجَاہُ

اِس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اِمام مسلم رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا پُورا نام اور مختصر سِلسلۂ نسب یہ ہے۔

محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بَرْدِزْبَہ رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نام کو وہ عظمت اور بزرگی عطا فرمائی کہ دُنیا کا ہر معقول شخص اِس کا معترف ہے۔ جب کوئی شخص امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ زبان سے نکالتا ہے تو ذہن فوراً صاحب صحیح، صاحب التاریخ الکبیر، صاحب الادب المفرد کی طرف منعطف ہو جاتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت و جلالت کا اندازہ اِس سے ہوتا ہے کہ اُنھوں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، حمیدیؒ، ابن المدینیؒ اور ان کے ہم عصر ائمہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی اور فربری رحمہم اللہ وغیرہ جلیل القدر ائمہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

یہ عظیم محدث ١٩٤ھ میں پیدا ہوئے اور ٢٥٦ھ میں فوت ہوئے۔

مسلم: امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا نام یہ ہے: ابی الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری۔

صحیح مسلم، العلل، الوحدان، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصانیف ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں امام بخاری، امام احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، ابی خیثمہ، ابن ابی شیبہ رحمہم اللہ اور ان کے ہم عصر لائقِ تذکرہ ہیں۔ ان کے شاگردوں میں امام ترمذی، ابراہیم بن محمد بن سفیان وغیرہ حضرات نمایاں ہیں۔

یہ جلیل القدر محدث ٢٠٤ھ میں پیدا ہوئے اور اُنھوں نے ٢٦١ھ میں نیساپور میں وفات پائی۔

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ أَلْحِكْمَةُ فِي خَلْقِ الْجِنِّ وَ الْإِنْسِ۔

① جنّ وانس کی پیدائش میں حکمتِ الٰہی کا بیان۔

الثانیۃ أَنَّ الْعِبَادَةَ هِيَ التَّوْحِيدُ لِأَنَّ الْخُصُومَةَ فِيهِ۔

② عبادت ہی دراصل توحید ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[1] اور مشرکین میں مابہ النزاع مسئلہ یہی تھا۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان اختلاف صرف کلمہ لاالٰہ الا اللہ میں تھا۔ اس کلمہ میں دو ہی جملے ہیں۔ پہلے میں نفی اور دوسرے میں اثبات ہے۔

۱- لَا اِلٰہَ : تمام قسم کے معبودوں کی جنھیں لوگوں نے بزعم خود اپنے معبود بنا رکھا تھا، نفی کرتا ہے۔ اور

۲- اِلَّا اللہ : اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو ثابت کرتا ہے۔

پس انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام قسم کے معبودوں سے انکار کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت ہو۔

الثالثة: أَنَّ مَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِ لَمْ يَعْبُدِ اللهَ - فَفِيهِ مَعْنَى قولهُ (وَ لَآ أَنتُمْ عَابِدُونَ مَآ أَعْبُدُ)

(۳) جو شخص توحید کا اقرار نہیں کرتا گویا اُس نے اللہ کی عبادت ہی نہیں کی۔ آیت وَلَآ اَنتُمْ عَابِدُونَ مَآ اَعْبُدُ کا مطلب بھی یہی ہے

الرابعة: أَلْحِكْمَةُ فِي إِرسَالِ الرُّسُلِ.

(۴) انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت میں جو حکمتیں پنہاں ہیں ان کا ذکر۔

الخامسة: أَنَّ الرِّسَالَةَ عَمَّتْ كُلَّ أُمَّةٍ

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام اُمتوں کے لیے عام ہے۔

السادسة: أَنَّ دِيْنَ الأَنْبِيَآءِ وَاحِدٌ.

(٦) (حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک) تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا۔

السابعة: أَلْمَسْئَلَةُ الْكَبِيرَةُ أَنَّ عِبَادَةَ اللهِ لَا تَحْصُلُ إِلَّا بِالْكُفْرِ

بِالطَّاغُوتِ - ففيه معنى قوله تعالى

(فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقىٰ)

⑦ سب سے بڑا مسئلہ اِس میں یہ ہے کہ جب تک طاغوت کا انکار نہ کیا جائے تب تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تصور ممکن نہیں۔ آیت کا مفہوم بھی یہی ہے کہ "جس نے طاغوت کا اِنکار کیا اور اللہ تعالیٰ کو مانا اُس نے عروۃ الوثقیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لیا"

الثامنة: أَنَّ الطَّاغُوتَ عَامٌّ فِي كُلِّ مَا عُبِدَ مِنْ دُونِ اللهِ

⑧ طاغوت ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے۔

التاسعة: عِظَمُ شَأْنِ ثَلَاثِ الْأَيَاتِ الْمُحْكَمَاتِ فِي سُورَةِ الْأَنْعَامِ عِنْدَ السَّلَفِ وَ فِيهَا عَشَرُ[1]

---

[1] یہ دس مسائل وہی ہیں جو وصایائے عشر سے تعبیر ہیں۔ ان میں سے پہلی اور اہم وصیت یہ ہے کہ ان لا تشرکوا به شیئًا اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو۔

مَسَآئِل۔ أَوَّلُهَا النَّهْيُ عَنِ الشِّرْكِ۔

⑨ سلف صالحین کے نزدیک سورہ الانعام کی مذکورہ تین آیات بڑی محکم اور پُرعظمت ہیں۔ اِن میں دس مسائل کا تذکرہ ہے۔ ان دس مسائل میں پہلا مسئلہ نہی عَنِ الشِّرک ہے۔

العاشرة أَلْأَيَاتُ الْمُحْكَمَاتُ فِيْ سُوْرَةِ الْاسْرَآءِ وَفِيْهَا ثَمَانِيَةُ عَشَرَ مَسْأَلَةً بَدَأَهَا اللّٰهُ بِقَوْلِهٖ "لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○" وَخَتَمَهَا بِقَوْلِهٖ: "وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○"

وَنَبَّهَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلٰى عِظَمِ شَأْنِ هٰذِهِ الْمَسَآئِلِ

بِقَوْلِهٖ : ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ۔

⑩ سُورۃ الاسراء کی محکم آیات میں اٹھارہ مسائل بیان کیے گئے ہیں، جن میں سب سے پہلا مسئلہ یہ بیان ہوا کہ

" تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دُوسرا معبود نہ بنا ورنہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا۔"

اور سب سے آخری مسئلہ یہ ہے کہ:

" دیکھ اللہ کے ساتھ کوئی دُوسرا معبود نہ بنا بیٹھ ورنہ تو جہنم میں ڈال دیا جائے گا ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محروم ہو کر۔"

حقیقت میں یہی مسائل سب سے اہم ہیں جن کی خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت فرمائی۔

الحادية عشرة أٰيَةُ سُوْرَةِ النِّسَآءِ الَّتِىْ تُسَمّٰى أٰيَةَ الْحُقُوْقِ الْعَشَرَةِ بَدَأَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى بِقَوْلِهٖ : وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا۔

⑪ سورۃ نساء کی وہ آیت جس کا نام ہی اٰيَةُ الْحُقُوْقِ الْعَشَرَةِ

رکھا گیا ہے۔ اِس میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے یہی مسئلہ بیان فرمایا کہ:
دیکھو! صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اُسکا شریک نہ ٹھہراؤ۔

الثانیۃ عشرۃ أَلتَّنْبِيهُ عَلَىٰ وَصِيَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ عِنْدَ مَوْتِهِ۔

⑫ آنحضرت ﷺ نے وفات کے وقت جو وصیّت فرمائی تھی، اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

الثالثۃ عشرۃ مَعْرِفَةُ حَقِّ اللهِ عَلَيْنَا۔

⑬ حقوق اللہ کو پہچاننا اور ان پر کاربند ہونا۔

الرابعۃ عشرۃ مَعْرِفَةُ حَقِّ الْعِبَادِ عَلَيْهِ إِذَا أَدُّوا حَقَّهُ۔

⑭ جب لوگ حقوق اللہ کی ادائیگی پوری طرح کر لیں گے تو پھر انھیں اُن حقوق کا علم ہو گا جو اُن کے اللہ تعالیٰ پر عائد ہوتے ہیں۔

الخامسۃ عشرۃ أَنَّ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةَ لَا يَعْرِفُهَا أَكْثَرُ الصَّحَابَةِ

⑮ مذکورۃ الصدر مسئلہ کا اکثر صحابہ کو علم نہ تھا[1]

---

[1] اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ وہ اِس مسئلے کو عام نہ کریں، اس لیے کہ مبادا لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کر کے اعمالِ صالحہ کو چھوڑ بیٹھیں، چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ زندگی بھر کسی کو نہ بتایا۔ البتہ موت کے وقت کتمانِ علم کے ڈر سے لوگوں کو بتا دیا۔ (مترجم)

السادسة عشرة جَوَازُ كِتْمَانِ الْعِلْمِ لِلْمَصْلِحَةِ

(۱۶) کسی خاص مصلحت کی بنا پر اگر کوئی مسئلہ کسی وقت نہ بتایا جائے، تو یہ جائز ہے۔

السابعة عشرة إِسْتِحْبَابُ بِشَارَةِ الْمُسْلِمِ بِمَا يَسُرُّهُ۔

(۱۷) اگر کسی مسلمان کو کوئی اچھی اور خوش کُن خبر ملے تو اسکا اپنے ساتھیوں کو بتانا مُستحب ہے۔

الثامنة عشرة اَلْخَوْفُ مِنَ الْإِتِّكَالِ عَلٰى سِعَةِ رَحْمَةِ اللّٰهِ۔

(۱۸) بلا عمل، صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرنے سے اِنسان کو ڈرنا اور بچنا چاہیے۔

التاسعة عشرة قَوْلُ الْمَسْئُوْلِ عَمَّا لَا يَعْلَمُ: "اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ"۔

(۱۹) جس چیز کا علم نہ ہو اُس کے متعلق "اللہ و رسولہ اعلم" کہنا۔

العشرون جَوَازُ تَخْصِيْصِ بَعْضِ النَّاسِ بِالْعِلْمِ دُوْنَ بَعْضٍ۔

(۲۰) بعض لوگوں کو علم سکھا دینا اور بعض کو نہ سکھانا جائز ہے۔[۱]

---

[۱] یہاں کتمانِ علم سے وہ علم مراد ہے جو اقامتِ دین کی ضرورت سے زائد ہو، کیونکہ کتمانِ علم پر

اللہ تعالیٰ نے سخت وعید فرمائی ہے۔ جیسے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ

جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، دراں حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔ یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا (بقرہ - ۱۵۹، ۱۶۰)

البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرلیں اور جو کچھ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَکْتُمُوْنَہٗ (آل عمران - ۱۸۷)

ان اہلِ کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا، انہیں پوشیدہ نہیں رکھنا ہوگا۔

اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

لِیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ مِنْکُمُ الْغَائِبَ

موجود شخص غیر حاضر کو تمام مسائل پہنچا دے۔

الثاني والعشرون جَوَازُ الْإِرْدَافِ عَلَى الدَّآبَةِ۔

(۲۲) سواری پر دوسرے شخص کو پیچھے بٹھانے کا جواز۔

الثالث والعشرون فَضِيلَةُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ

(۲۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے شرف وفضیلت کی وسعتیں۔

الرابع والعشرون عِظَمُ شَأْنِ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ۔

(۲۴) مسئلہ توحید کی عظمتِ شان۔

باب

فضل التوحید وما یکفر من الذنوب

اِس باب میں توحیدؔ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ توحیدؔ تمام گُناہوں کو حرفِ غلط کی طرح مِٹا دیتی ہے ،

وقول اللہ تعالیٰ : وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام : ۸۳)

حقیقت میں تو امن اُنھی کے لیے ہے اور راہِ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔

قولہٗ : وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ

ابنِ جریر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ مجھے مثنیٰ نے ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا کہ وہ ایمان کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ

"ہر کام کو خاص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر انجام دینے کو ایمان کہتے ہیں۔"

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ زیرِ نظر آیتِ کریمہ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ

"جو لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے، یہی وہ لوگ ہیں جو میدانِ محشر کی ہولناکی سے محفوظ رہیں گے اور دُنیا و آخرت میں ہدایت ان کے لیے مقدر ہے۔"

زید بن اسلم اور ابن اسحاق رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ

"یہ آیتِ کریمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی قوم کے درمیان فیصلہ کُن حیثیت رکھتی ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!

فَاَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ — ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو؟

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بات یہ نہیں ہے، پھر فرمایا کہ

اَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰى قَوْلِ لُقْمٰنَ — کیا تم کو حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحت کا علم نہیں کہ

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ — "یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ جب مذکورۃ الصدر آیت کریمہ نازل ہوئی تو ہم سب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ!

اَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهٗ؟	ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے
قَالَ لَيْسَ كَمَا تَقُوْلُوْنَ	کبھی ظلم نہ کیا ہو؟ آپ نے فرمایا کہ
لَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ	اس کا مطلب جو تم نے سمجھا ہے
بِظُلْمٍ بِشِرْكٍ	وہ صحیح نہیں۔ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے
اَوَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰى قَوْلِ	حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے
لُقْمٰنَ لِابْنِهٖ	کو جو وصیت کی اس پہ ذرا غور کرو۔
يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ	وہ فرماتے ہیں کہ "اے بیٹا! شرک نہ کرنا
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○	کیونکہ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جس میں الفاظ کا معمولی رد و بدل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مذکورۃ الصدر آیت کریمہ نازل ہوئی تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت گھبرائے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کرنے لگے کہ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهٗ
قَالَ : اِنَّهٗ لَيْسَ الَّذِىْ
تَعْنُوْنَ
اَلَمْ تَسْمَعُوْا مَا قَالَ الْعَبْدُ
الصَّالِحُ
يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝
اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سے
کون شخص ایسا ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو؟
آپؐ نے فرمایا ظلم کا مطلب جو تم نے
سمجھا ہے وہ صحیح نہیں۔
کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے بندۂ صالح
(لقمانؑ) کا قول نہیں سنا کہ
اے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو
شریک نہ گردانا شرک بہت بڑا ظلم ہے
یعنی یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظلم کا مفہوم الذنب بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

اَلْاَمْنُ مِنْ كُلِّ عَذَابٍ
گناہ سے بچنے والے ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے

حضرت حسن بصری اور الکلبی رحمہم اللہ نے مندرجہ ذیل مفہوم بیان کیا ہے:

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ فِى
الْاٰخِرَةِ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ
فِى الدُّنْيَا

جو لوگ ظلم سے کنارہ کشی اختیار کریں گے
وہ میدانِ محشر کی سختیوں سے امن و حفاظت
میں رہیں گے اور دنیا میں ہدایت سے بہرہ مند ہوں گے

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ! مندرجہ بالا حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ
"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے چینی کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے اس آیتِ کریمہ میں جس ظلم کا ذکر ہے، اس سے یہ سمجھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کلیتہً ہر گناہ سے محفوظ رہے اور امن وہدایت کی ضمانت اس کے لیے ہے جو ہر طرح کے گناہ سے دامن بچائے رکھے حالانکہ گناہ اور لغزش سے کوئی بھی شخص محفوظ نہیں، نتیجتہً ہم خسارے میں رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس بے چینی اور خلش کو دور فرماتے ہوئے کہا کہ

"ظلم سے محفوظ رہنے کے معنٰی یہ ہیں کہ انسان شرک سے اپنے آپ کو بچائے قرآن کریم کی اصطلاح میں شرک کو ظلم کہا گیا ہے"۔

یہی وہ ظلم ہے کہ جو انسان کو امن و اہتداء کی راہوں سے دور لے جائے گا لیکن جس نے اپنے آپ کو شرک سے محفوظ رکھا وہ یقیناً ان لوگوں میں ہوگا جنہوں نے امن و اہتداء کی راہ کو پالیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ[1] وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ (فاطر - ۳۲)

پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو ان میں کچھ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اور کچھ میانہ روی اختیار کرتے ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جاتے ہیں اور یہی بڑا فضل ہے۔

---

[1] سورۂ فاطر کی اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کے تین گروہ بیان کیے گئے ہیں:۔

۱۔ ظالم لنفسہ ــــ یہ وہ گروہ ہے جنھوں نے اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ چند اعمال سیئہ کا بھی ارتکاب کیا۔ یہ گروہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو بالکل معاف فرمائے اور اگر چاہے تو گناہ کی مناسبت سے ان کو سزا دے کر جنت میں داخل کرے۔

۲۔ مقتصد ــــ یہ وہ گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن اعمال کا حکم ہوا تھا، ان کو بجا لائے اور جن برے اور حرام کاموں سے روکا گیا تھا ان سے دامن کش رہے۔

یہ ابرار اور صالحین کی پاکیزہ جماعت تھی۔

اس آیتِ کریمہ میں ظلم سے مراد چھوٹے موٹے گناہ مقصود ہیں۔ یہ آیت گناہوں پر مواخذہ کی نفی نہیں کرتی کیونکہ جب تک انسان توبہ نہیں کرے گا اس کو اُس کے گناہوں کی سزا ضرور ملے گی، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اُس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر بُرائی کی ہو گی وہ اسے بھی دیکھ لے گا۔

(الزلزال ۔ ۷-۸)

اس پر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں کون ایسا شخص ہے جس نے کبھی کوئی بُرا کام نہ کیا ہو؟

آپؐ نے فرمایا کہ

يَا اَبَا بَكْرٍ! اَلَسْتَ تَنْصَبُ اَلَسْتَ تَحْزَنُ اَلَيْسَ

اے ابوبکرؓ! کیا تمہیں کبھی تکان کا احساس نہیں ہوا؟ کیا تم کبھی غم سے دوچار نہیں ہوئے؟

۳۔ سابق بالخیرات ــــ یہ وہ گروہ ہے جن کو ایمانِ کامل نصیب ہوا چنانچہ انہوں نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزار دی۔ پس یہی وہ سعید گروہ ہے جن کو دُنیا اور آخرت میں امن تام اور ہدایت کامل نصیب ہو گی کیونکہ ایمان کامل کا یہ خاصہ ہے کہ جس خوش نصیب کو یہ دولت مل گئی وہ جرائم کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے، پس ایسا خوش نصیب شخص اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے اس حال میں حاضر ہو گا کہ اس کا کوئی گناہ نہ ہو گا جس کی سزا دی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (النساء ۔ ۱۴۷)

آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو اللہ بڑا قدردان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی مفہوم کو واضح کیا ہے اور کتاب و سنت سے بھی اسی کی وضاحت ہوتی ہے اور اہل سنت کا مسلک بھی یہی ہے۔ (ماخوذ از قرۃ العیون)

يُصِيبُكَ اللَّأْوَاءُ فَذَلِكَ مَا تُجْزَوْنَ بِهِ اور کیا کبھی مصیبت نے تمہیں نہیں گھیرا؟ یہ ان چھوٹے موٹے گناہوں کی سزا ہی تو ہے جو دی جا رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی کہ مومن مرنے کے بعد جنت میں ضرور داخل ہوگا، اس کے گناہوں کا کفارہ دنیا ہی میں اس کو مختلف مصائب و آلام میں مبتلا کر کے دے دیا جاتا ہے۔ البتہ جس شخص نے اپنے آپ کو تینوں قسم کے ظلم سے محفوظ رکھا یعنی شرک سے، مخلوقِ خدا پر ظلم سے اور اپنے آپ پر ظلم کرنے سے، اس کو امن و اہتداء کامل حاصل ہوگی۔ اور جس نے ان میں سے جس قدر کمی کی اس کے مطابق اس کو سزا دے کر بالآخر جنت میں داخل کر دیا جائے گا ان کے بارے میں اہتداء کے معنیٰ یہ ہیں کہ سزا سے دوچار ہونے کے بعد ان کی رہنمائی بھی جنت کی طرف ہو کے رہے گی۔

"إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو شرکِ اکبر سے بچا رہے گا اسے امنِ تام اور اہتداءِ کامل حاصل ہوگا کیونکہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ اہلِ کبائر کو اس راہ پر گامزن ہونے کے باوجود مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آخر میں وہ توحید پر قدم فرسا ہونے کے باعث دخولِ جنت کے حق دار لازماً ہوں گے، اگرچہ کچھ عرصہ بعد۔

"إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ" سے مراد اگر شرکِ اکبر ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص شرکِ اکبر کا مرتکب نہیں ہوا، وہ لازماً اس عذاب سے محفوظ رہے گا جس سے مشرکین کو دنیا اور آخرت میں ڈرایا گیا ہے۔

اور اگر جنسِ شرک مراد ہے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ جتنی کمی ہوگی اسی نسبت سے

سزا ملے گی۔

جیسے مال کی محبت میں بعض واجبات کا ادا نہ کرنا یا اللہ تعالیٰ کی ناپسند چیز سے محبت کر لینا یا اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی محبت پر ترجیح دینا وغیرہ۔ یہ سب امور شرکِ اصغر میں شمار ہوتے ہیں۔

جیسا کہ بعض سلف نے گناہوں کو بھی شرکِ اصغر سے تعبیر کیا ہے۔"[1]

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ زیرِ بحث آیتِ کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نزولِ آیت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ

وَاَیُّنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! لَمْ یَلْبِسْ اِیْمَانَهٗ بِظُلْمٍ؟ قَالَ: ذٰلِكَ الشِّرْكُ، اَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلَ الْعَبْدِ الصَّالِحِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○	یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کون ہے جس کے ایمان میں ظلم کی آمیزش نہ ہوئی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِس سے مراد شرک ہے۔ کیا تم نے اللہ کے بندۂ صالح (لقمانؑ) کا قول نہیں سنا کہ "یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ظلم کے معنی سمجھنے میں دشواری پیش آئی اور انھوں نے گناہوں کو بھی ظلم سمجھا اور خیال کرنے لگے کہ شاید معمولی گناہ کا مرتکب بھی امن اور اہتداء سے محروم رہے گا، اِس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تسکین کی خاطر فرمایا کہ امن اور ہدایت کے منافی وہ ظلم ہے جس کو قرآن کریم نے شرک سے تعبیر فرمایا ہے۔"[1]

---

[1] یہ مفہوم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "الایمان" سے نقل کیا گیا ہے۔

عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال قال

رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

وَ هٰذَا وَ اللهِ هُوَ الْجَوَابُ الَّذِيْ يَشْفِي الْعَلِيْلَ وَ يُرْوِي الْغَلِيْلَ	بخدا! یہی وہ جواب ہے جس سے کہ مریض کو شفا حاصل ہوتی ہے اور جو شک کی تشنگی کو دُور کرتا ہے۔

مطلق ظلم سے مراد شرک ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اُن اشخاص اور چیزوں کی عبادت کی جائے جو عبادت کے لائق نہیں اور مطلق امن اور ہدایت سے مراد یہ ہے کہ دُنیا اور آخرت کی نعمتوں سے بہرہ مند ہونا اور صراطِ مستقیم پر گام زن ہونا۔ یعنی مطلق ظلم، مطلق امن اور ہدایت کے منافی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ظلم مطلق کا اطلاق ہو گا وہاں ہدایت مطلقہ کی نفی ہو گی اور جہاں ظلم کا اطلاق جزوی ہو گا وہاں جزا کی صورت بھی جزوی ہو گی۔

قولہ : عن عبادۃ ابن الصامت رضی اللہ عنہ

حضرت عبادہ بن صامت بن قیس الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ مشہور بدری صحابی ہیں اُن کی کُنیت ابوالولید ہے۔ بیعت العقبہ میں شریک ہونے والے وفود میں سے ایک قبیلہ کے رئیس تھے۔ ۷۲ سال کی عمر پا کر ۳۴ ھ میں رملہ کے مقام پر فوت ہوئے۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے۔

مَنْ شَهِدَ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

جو شخص شہادت دے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی تشریح

قولہ : مَنْ شَهِدَ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

یعنی جو شخص اس کلمہ کے معنی کو سمجھتے ہوئے اور جانتے ہوئے زبان سے اقرار کرے اور اسکے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو عملی جامہ پہنائے۔

یاد رہے دونوں شہادتوں میں علم، یقین اور عمل کا ان کے مدلول کے ساتھ پایا جانا ضروری ہے اور ان کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد - ۱۹) — جان رکھ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر فرمایا کہ

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (زخرف - ۸۶) — ہاں! جو علم و یقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں۔

لیکن کلمہ طیبہ کا ایسا اقرار کہ جس سے نہ تو اس کے مفہوم و معانی کا علم ہو نہ یقین ہو، نہ اس کے تقاضوں کے مطابق عمل ہو نہ شرک سے بیزاری ہو، نہ قول و عمل میں اخلاص ہو، نہ دل اور زبان میں ہم آہنگی ہو اور نہ دل اور اعضاء کے کردار میں یگانگت ہو تو ایسی شہادت بالاجماع غیر نافع[1] اور غیر مفید ہے

---

[1] کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ نفی اور اثبات دونوں کو متضمن ہے۔ جملہ لَآ اِلٰہَ، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے الوہیت کی نفی کرتا ہے اور اِلَّا اللہ، اللہ تعالیٰ کے لیے الوہیت کو ثابت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ صحیح مسلم کے حاشیہ المفہم میں باب باندھتے ہیں کہ

لا یکفی مجرّد التلفظ بالشہادتین" - بل لا بد من استیقان القلب

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ کا یہ باب غلو پسند فرقہ مرجئہ کے عقائد کی تردید کے لیے کافی ہے. کیوں کہ غلو پسند مرجئہ کا یہ عقیدہ ہے کہ صرف زبان سے تو شہادتین کا اقرار کر لینا ایمان کیلئے کافی ہے علامہ موصوف نے اس باب میں جو احادیث جمع کی ہیں وہ اس عقیدہ کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جن اہل علم کو اس فرقہ کے عقائد کا علم ہے، اُن کو یقین ہے کہ ان کا عقیدہ از روئے شریعت فاسد و باطل ہے، اِس سے نفاق کی راہ ہموار ہوتی ہے اور منافق کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ صحیح ایمان پر قائم ہے بالکل غلط ہے۔

ربِ ذوالجلال فرماتا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آل عمران ۱۸)	اللہ تعالیٰ نے خود اِس بات کی شہادت دی ہے کہ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اِس پر گواہ ہیں کہ اُس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے

علامہ محمد حامد الفقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کفارِ مکہ چونکہ لغتِ قرآن کریم کو سمجھتے تھے، اِس لیے قرآن کریم نے جس توحید کو پیش کیا اس سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ لیکن موجودہ دور میں جبکہ شرک عام ہو چکا ہے۔ لوگ لغتِ عرب سے نابلد ہیں، ایسی ایسی غلط اصطلاحات کو جو باپ دادا سے چلی آ رہی ہیں دین سمجھ لیا ہے۔

عام پڑھے لکھے لوگوں کو تو چھوڑیے، امام رازی رحمہ جیسے شخص نے "الاله" کی تفسیر اور اس کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے تو دوسرے علماء کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے۔

قرآن کریم کی آیت قَالُوْا یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ

کلمہ طیبہ کی حقیقت سے بے خبری اور جہالت کی وجہ سے اکثر لوگ گمراہ ہوئے کیونکہ انہوں نے صفت اُلوہیت کو اُن افراد میں ثابت کرنے کی کوشش کی جن سے اِس صفت الوہیت کی نفی کی گئی ہے، جیسے

زیرِ بحث حدیث میں "مَنْ شَهِدَ" کے جملہ سے اِسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ علم، یقین، اخلاص اور صدق کے بغیر کلمۂ شہادت کا کوئی مطلب نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

"رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اُن عظیم احادیث میں سے ایک ہے جن کو جوامعُ الکلِم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث عقائد کے تمام مسائل کو محیط ہے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس میں اختصار کے ساتھ وہ تمام پہلو بیان فرما دیے ہیں جن سے ایک انسان کُفر کے مذاہب سے کٹ کر اسلام کے حصار میں آجاتا ہے۔"

اصحابُ القبور، طاغوت، شجر و حجر اور جنّات وغیرہ' اور اس شرک کو دین اور توحید کو بدعت سمجھ لیا۔ جو شخص توحید کی طرف دعوت دے اس کی مخالفت کی۔ افسوس! کہ ان لوگوں نے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مفہوم کو اتنا بھی نہ سمجھا جتنا کہ کفارِ مکہ نے سمجھا تھا۔

کفارِ مکہ اس کلمۂ شہادت کی حقیقت کو سمجھتے تھے لیکن اُس اخلاص سے انکار کرتے تھے جس پر کلمہ طیبہ دلالت کناں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ (الصفٰت - ۳۵ - ۳۶)

یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے" تو یہ گھمنڈ میں آجاتے اور کہتے تھے "کیا ہم ایک شاعر مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟"

مُشرکینِ مکہ اور آج کے مُشرک میں یہ صفت مشترک ہے کہ توحید کی دعوت دینے والوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا یہ لوگ جن جن فوت شدہ صلحاء اور اہلِ قبور اور طاغوت وغیرہ کی عبادت کرتے ہیں، اس سے جب انہیں روکا جاتا ہے تو دعوت الی التوحید دینے والوں کی سخت مخالفت پر اُتر آتے ہیں۔ مشرکینِ مکہ نے کلمہ طیبہ کے معنی کو سمجھا اور پھر انکار کیا لیکن آج کا مُشرک کلمہ طیبہ کے مفہوم کو بھی نہ سمجھا اور انکار بھی کیا، اسی لیے آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا وظیفہ بھی کر رہے ہیں اور غیر اللہ کو بھی پکار رہے ہیں۔

(ماخوذ از قرۃ العیون)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ قرآن کریم نے بہت سے مقامات پر اِس مفہوم کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

وَحْدَهٗ : بقاعیؒ کے قول کے مطابق تاکید اثبات کے مترادف ہے۔ اور

لَا شَرِيْكَ لَهٗ : منفی پہلو کی توضیح کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اِس مفہوم کو قرآن کریم میں مختلف اسالیب میں بیان کیا گیا ہے جیسے:

۱۔ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ (البقرہ - ۱۶۳)	لوگو! تمھارا معبود خدائے واحد ہے۔ اس بڑے مہربان اور رحم کرنے والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔
۲۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (الانبیاء - ۲۵)	جتنے بھی پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے اُن کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔
۳۔ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ (الاعراف - ۶۵)	قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہُودؑ کو بھیجا۔ اُنھوں نے کہا کہ اے میری قوم خدا ہی کی عبادت کرو۔ اسکے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں؟

اُن کی قوم نے اُلٹا جواب دیتے ہوئے کہا

اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ (الاعراف - ۷۰)	کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم اکیلے خدا ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پُوجتے چلے آئے ہیں ان کو چھوڑ دیں؟

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کُن بات کی اور فرمایا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝ (الحج - ٦٢)

خدا ہی برحق ہے اور جن کو یہ خدا کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل ہے اس لیے کہ خدا رفیع الشان اور بڑا ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں اللہ کی ذات کے سوا سب سے معبودیت کی نفی کر دی گئی ہے۔ یہی عبادت ہے اور یہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے ثابت ہے۔

قرآن کریم ابتدا سے انتہا تک اسی مطلب کو بار بار اور مختلف انداز میں بیان کرتا اور اُس کی طرف مخلوقِ خدا کی رہنمائی کرتا ہے۔

ہر قسم کی عبادت دل کی محبت، خشوع وخضوع، اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و انکساری اور ترغیب و ترہیب کے جذبات پیدا کرتی ہے اور ان سب چیزوں کا استحقاق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اور کسی کو نہیں ہے۔ پس جس شخص نے ان امور میں سے کسی امر کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے سمجھا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو شریک اور ند ٹھہرالیا۔ یہ ایسا فعل ہے جس کے ہوتے ہوئے نہ کوئی قول فائدہ مند ہوگا اور نہ کوئی عمل۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے معنیٰ پر علمائے سلف کے اقوال

الوزیر ابو المظفر اپنی کتاب "الافصاح" میں لکھتے ہیں کہ

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرنے والے کو لازم ہے کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مطلب کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا — خوب اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ

اللّٰہُ (محمد - ۲۰) کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

لفظ اللہ کا اِلاَّ کے بعد بحالتِ رفع ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ معبودیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اللہ کریم کے سوا کوئی بھی اس کا اہل نہیں۔

کلمہ طیبہ کے جملہ فوائد کی رُوح یہ بات ہے کہ انسان یہ چیز اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ یہ کلمہ تمام طاغوت سے انکار پر مشتمل ہے کیونکہ جب تم نے اُس کو معبودِ حقیقی مان لیا اور سب کی معبودیت کی نفی کردی تو گویا تم نے ہر طرح کے طاغوت کو ماننے سے انکار کردیا اور ایک اللہ کو مان لیا۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے اس کی الوہیت کی نفی کردی اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے وجود کا اقرار کر لیا تو تم نے اپنے آپ کو اُن لوگوں میں شامل کر لیا جنھوں نے طاغوت کے ساتھ کفر کیا۔ اور اللہ کے ساتھ ایمان لائے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب بدائع الفوائد[1] میں کلمہ لا الٰہ الّا اللہ کے سلسلے میں اُن لوگوں کی تردید کرتے ہوئے، جو یہ کہتے ہیں کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ سے خارج ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"نہ صرف وہ مستثنیٰ منہ سے خارج ہوتا ہے بلکہ مستثنیٰ منہ کے حکم سے بھی خارج ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کو مستثنیٰ میں داخل نہیں سمجھنا چاہیے، اس لیے اس سے مراد مستثنیٰ منہ کے تمام لوازم کا استثنا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وصفِ معبودیت اپنے تمام لوازم کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

کہ اگر یوں ہو یعنی مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ سے خارج ہو تو کوئی آدمی بھی لا الٰہ الّا اللہ کہنے سے مسلمان نہیں ہوگا۔ کیونکہ اُس نے وصفِ اُلوہیت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت نہیں کیا اور کلمہ لا الٰہ الّا اللہ غیر اللہ سے نفی اُلوہیت کے لیے اور بالخصوص وصفِ اُلوہیت کو اللہ کے لیے ثابت کرنے کے لیے موضوع ہے چنانچہ یہ کہنا کہ اللہ اس کا

---

[1] جلد ۳، صفحہ ۵۶

اللہ ہے، اِس سے اثباتِ الُوہیت جو ہے وہ شئ زائدہ ہے اور اِس میں کسی طرح کے شُبہے کی گنجائش نہیں ہے۔"

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

"لا الٰہ الّا اللہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبُود نہیں۔"

علامہ الزمخشری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

"الاِلٰہ اُن اسماء میں سے ایک ہے جن کو اسم جنس کہا جاتا ہے، جیسے رجل، فرس۔ الٰہ ہر معبود پر بولا جاتا ہے خواہ وہ حق ہو یا باطل۔ پھر اس کا اِطلاق صرف معبُودِ حق پر ہونے لگا۔"

اِبنِ رجب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

"الاِلٰہ اُس ذات کو کہا جاتا ہے جس کی اطاعت کی جائے اور جو عبادت کا تنہا اِستحقاق رکھتا ہو۔

- جس کی عظمت دِل میں قائم ہو۔
- جس کی محبت سینے میں پیوست ہو۔
- جس کے عذاب کا خوف دامن گیر ہو اور اِس کے ساتھ ساتھ
- جس کی بخشش کی اُمید بھی ہو۔
- جس کی رحمت اور مصالح پر بھروسہ اور یقین ہو۔
- جس سے اِلتجائیں کی جائیں اور
- جس کے ذِکر سے دِلوں میں اطمینان موجزن ہو اور
- دِل جس کی محبت پر مطمئن ہو۔

ان تمام اوصاف کی مالک صرف ایک اللہ کی ذات ہے، پس جس شخص نے ان خصائصِ خداوندی میں سے کسی ایک کو بھی غیر اللہ میں سمجھا تو اُس نے اپنے اخلاص

کو مجروح کرلیا۔ اور اپنے اعمال کو داغدار بنالیا۔"

بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"لاالٰہ الا اللہ اس بات کی بہت بڑی نفی ہے کہ خدائے عظیم کے سوا کوئی اور معبود ہو۔ لاالٰہ الا اللہ ایک ایسا کلمہ ہے جس کو ٹھیک ٹھیک جان لینے سے قیامت کی سختیوں سے نجات مل سکتی ہے۔ اس کلمہ کی معرفت اُسی وقت حاصل ہوگی جبکہ اس سے فائدہ پہنچے اور فائدہ اُس وقت پہنچے گا جب کہ انسان اذعان و عمل سے اس کے تقاضوں کو پُورا کرے ورنہ جہالت کے سوا کچھ حاصل نہیں۔"

الطیبی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ

"اِلٰہ فعال کے وزن پر اور مفعول کے معنوں میں ہے، جیسے کتاب، مکتوب کے معنوں میں ہے۔ اس کا ماضی کا صیغہ اَلَہَ اور مصدر اِلٰہَۃ ہے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ

عَبَدَ عِبَادَۃً — اُس نے عبادت کی۔

فعال بمعنی مفعول اہلِ علم میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ پس کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اللہ کریم کے سوا کوئی بھی ہو، سب کی معبودیت کی نفی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے الٰہیت کا اثبات کرتا ہے۔

یہ وہی توحید ہے جس کے سمجھانے کے لیے اللہ کریم نے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور قرآنِ کریم اوّل تا آخر اسی کی تشریح و توضیح کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ جِنات کی بات نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا — اے نبی! کہو میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے غور سے سُنا پھر (جاکر اپنی قوم کے لوگوں سے) کہا۔

اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ ہم نے ایک بڑا ہی عجیب قرآن سنا ہے،
یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔
بِهٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اس لیے ہم اُس پر ایمان لائے ہیں اور
اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ ہم اب ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں
کریں گے۔ (الجن - ۱، ۲)

پس حقیقت یہ ہے کہ جب تک لا الٰہ الّا اللہ کے مدلول اور تقاضوں کو خواہ وہ نفی پر دال ہوں یا اثبات پر، نہ سمجھا جائے اور اس پر اعتقاد نہ رکھا جائے اور ان کو قبول کر کے عملی جامہ نہ پہنایا جائے اُس وقت تک اِس کلمہ سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

جو شخص بغیر جانے اس پر عقیدہ رکھے اور عمل کیے بغیر اِس کا زبانی وظیفہ کرتا ہے تو یہ اُس کے خلاف بطور حُجت پیش ہو گا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ الٰہ کا مطلب ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ:

"الٰہ اُس معبود کو کہتے ہیں جس کی عبادت و اطاعت کی جائے، کیونکہ الٰہ وُہ ہے جس کی عبادت کی طرف دِل از خود مائل ہو جائے۔ حقیقت میں یہی ذات عبادت کے قابل ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایسی صفاتِ کاملہ موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ محبُوبِ خلائق ہو جاتا ہے اور مخضوع وُہ ہے جس کے سامنے اِنتہائی خضوع کے ساتھ جُھکا جائے۔

- وُہ ایسا محبُوب اور معبود الٰہ ہے جس کی طرف قلوب پُوری محبت سے کھنچ جاتے ہیں۔
- اُسی کے سامنے دِل جھکتے ہیں۔
- اُسی کے سامنے عجز و انکساری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔
- اُسی سے ڈرتے ہیں اور اُسی سے اُمیدیں وابستہ کرتے ہیں۔

وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ ۔

وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں ۔

- مصائب و آلام اور مُشکلات کے وقت اُسی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں ۔
- مشکل اوقات میں اُسی سے فریاد کرتے ہیں ۔
- اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے اُسی سے فریاد کرتے ہیں ۔
- اُسی کے ذکر سے دِل اطمینان حاصل کرتے ہیں ۔
- اسی کی محبت میں سکون پاتے ہیں

ان تمام صفات کی مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کلاموں میں سچا کلام لا اِلٰہ اِلّا اللہ ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والے حزبُ اللہ ہیں ۔ اِس کے منکر اور اِس سے سرکشی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے دشمن اور اُس کے غضب و قہر کا شکار ہیں ۔ جب یہ کلمہ صحیح ہو گیا تو اِس کے ساتھ ہی تمام مسائل از خود حل ہو جائیں گے اور جس شخص کا یہ کلمہ ہی صحیح نہ ہوا تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کے علم اور عمل میں فسادِ عظیم پیدا ہو جائے گا ۔"

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

اَلْاِلٰهُ هُوَ الَّذِیْ تَأْلَهُهُ	الٰہ وہ ہے جس کو سارے قلوب چاہتے
الْقُلُوْبُ مَحَبَّةً وَ اِجْلَالًا	ہیں، اُسی سے محبت کرتے، اُسی کی بڑائی
وَ اِنَابَةً وَ اِكْرَامًا وَ	اور تعظیم کرتے ہیں، اُسی کے آگے جُھکتے اور
تَعْظِيْمًا وَ ذُلًّا وَ خُضُوْعًا	ذلیل ہوتے اور خشوع و خضوع کرتے ہیں
وَ خَوْفًا وَ رَجَاءً وَ تَوَكُّلًا	اور اسی سے اُمید اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں

قولہٗ : وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ

یہ الفاظ درحقیقت لا اِلٰہ اِلّا اللہ کی تاکید اور اس کے معنیٰ مضمون کا بیان ہے ۔ اللہ تعالےٰ

نے قرآنِ کریم میں جہاں انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا ذکر فرمایا وہاں کلمۂ توحید کی بھی وضاحت کی ہے۔

عُبادُ القبور کی جہالت کس درجہ بڑھ گئی ہے اور وہ کس قدر شرکِ عظیم میں مُبتلا ہیں کہ جو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے بالکل منافی ہے۔ مُشرکینِ عرب اور ان کی طرح کے دُوسرے مشرک بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا لفظاً و معنیً اِنکار کرتے تھے لیکن موجودہ مُشرک لفظاً تو اِس کا اقرار کرتے ہیں مگر معنیً اِس کے مُنکر ہیں اگر تم ان کی حالت پر غور کرو گے تو دیکھو گے کہ وہ غیر اللہ کی مختلف قسم کی عبادتیں کر رہے ہیں۔ مثلاً محبت، تعظیم، خوف، اُمید، توکّل اور دعائیں وغیرہ عبادات میں وہ غیر اللہ کی طرف مائل ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کا شرک کئی اعتبار سے مشرکینِ عرب کے شرک سے کئی گنا زیادہ ہے۔

مشرکینِ عرب کی تو یہ حالت تھی کہ جب کسی قسم کی تکلیف اور مصیبت میں گرفتار ہو جاتے تو وُہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہی بہت جلد ان کی تکلیفیں دُور کرنے والا ہے۔ وُہ آسان اُمور میں ارتکابِ شرک کرتے تھے، شدائد میں صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کو پکارتے تھے، جیسے قرآنِ کریم میں ان کی حالت بیان کی گئی ہے کہ

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ
دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ
فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ
اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝
(العنکبوت - ۶۵)

جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اُس سے دعا مانگتے ہیں۔ پھر جب وُہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

اِس سے واضح ہوتا ہے کہ موجودہ دَور کے مُشرک اللہ تعالیٰ اور اُس کی توحید کو سمجھنے میں مُشرکینِ عرب اور اُن سے قبل کے لوگوں سے بھی زیادہ ناواقف اور جاہل[1] ہیں۔

---

۱ یہ متاخرین علمائے سوٗ "الٰہ" کے حقیقی معنی کو جو توحیدِ الوہیت پر دال تھے بدل کر صرف توحیدِ ربوبیت کی طرف لے گئے ہیں۔ پس جس شرک کو لاالٰہ الا اللہ ختم کرتا ہے، انھوں نے اس کو ثابت کیا اور جس اخلاص عبودیت کو ثابت کرتا ہے، انھوں نے اس کی نفی کر دی ہے۔

وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

اور شہادت دے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور رسُول ہیں۔

"محمد رسُول اللہ" کی وضاحت

قولہ: وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ

وَ حرفِ عاطفہ ہے جس کا عطف لفظ شَهِدَ پر ہے۔ اِس صُورت میں عبارت یوں ہوگی وَ شَهِدَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ یہ اپنے ماقبل پر تکرارِ عامل کی وجہ سے معطوف ہے جو محذوف معنوی ہے۔

اَلْعَبْدُ کے معنیٰ ہیں ایسا غلام جو عابد ہو۔ معنیٰ یہ ہونگے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے غلام ہیں جن کا خاصہ اور وصف عبودیت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا عظیم ترین وظیفہ عرصۂ دراز سے ختم ہو چکا ہے۔ البتہ کہیں کہیں مدھم سی کرن دکھائی دیتی ہے۔ یہ وہ مشن ہے جس کی بدولت قومیں ترقی کرتی ہیں اور جب گناہ اور بے ہودگیاں عام ہو جاتی ہیں تو پھر نیک اور بد سب کے سب اللہ کی گرفت میں آجاتے ہیں۔"

امام نووی رحمہ اللہ نے پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کی طرف اشارہ کیا ہے اور اب یعنی بارھویں صدی ہجری اور اس کے بعد آنے والے دَور کے متعلق اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور اب تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا عمل تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔

مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی سیر حاصل تشریح کی ہے ایسی تشریح کوئی بھی اہل قلم نہیں کر سکا۔ اس کا مطالعہ قارئینِ کرام کے لیے فوائد کثیرہ کا باعث ہوگا۔

(ان شاء اللہ)

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ   کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں؟

بارگاہِ الٰہی میں ایک انسان کا سب سے بلند مقام اور مرتبہ یہ ہے کہ وہ رسالت اور عبودیّت خاصّہ سے مُتصف ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ میں یہ دونوں صفتیں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔

رہی رُبوبیّت اور الُوہیّت تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ ہیں اور یہ اُسی کا حق ہے۔ جس میں کسی بھی صورت میں کوئی نبی و رسُول شریک ہے اور نہ کوئی مُقرّب فرشتہ۔

قولہٗ : عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

رسُول کریم ﷺ کی یہ دو صفتیں ایک ہی جگہ بیان کی گئی ہیں جو افراط و تفریط کو ختم کرتی ہیں۔

اکثر لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اُمتِ محمّدیہ میں داخل ہیں لیکن وُہ قول و عمل میں انتہائی افراط کا ثبوت دیتے ہیں اور آپؐ کی پیروی کو ترک کر کے تفریط سے کام لیتے ہیں اور آپؐ کے احکام و فرامین پر عمل کے بجائے آپؐ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپؐ کے احکام کی ایسی ایسی غلط تاویلیں کرتے ہیں جن کو حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

ان محمّداً رسول اللہ ﷺ کی شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان رسُول اللہ ﷺ پر

- ایمان لائے۔
- جو آپؐ بتائیں اُس کی تصدیق کی جائے۔
- جس کام کا آپؐ حکم دیں اُس کی تعمیل کی جائے۔
- جس کام سے روک دیں اُسے چھوڑ دیا جائے۔
- اور آپؐ کے امر و نہی کو ایسی اہمیت دی جائے کہ اِس کے مقابلے میں کسی بات کو ترجیح نہ دی[1]

---

[1] جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ   کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسُولؐ کسی

جائے۔

افسوس کہ ایسے قاضی اور مفتی جو کہ صاحبِ علم بھی ہیں وُہ بھی اِس کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ (واللہ المستعان)

دارمی نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ فرماتے ہیں کہ

اِنَا لَنَجِدُ صِفَةَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ حِرْزًا لِّلْاُمِّيِّيْنَ اَنْتَ عَبْدِیْ وَ رَسُوْلِیْ سَمَّيْتُهٗ	ہم یہُودی کتب میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل صفات دیکھا اور پڑھا کرتے تھے کہ ہم نے آپؐ کو شاہد، مبشر، نذیر اور ان پڑھ لوگوں کے لیے پناہ دہندہ بنا کر بھیجا۔ تُو میرا بندہ اور رسُول ہے۔ مَیں نے

اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط (الاحزاب - ۳۶)	معاملے کا فیصلہ کرے تو پھر اُسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے

سورۂ نور میں ارشاد فرمایا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ (النور - ۶۳)	رسُولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آجائے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ فتنہ کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ فتنہ سے مُراد شرک ہے اِس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کو رد کر دیتا ہے تو اُس کے دِل میں بُرائی بھر جاتی ہے جو اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔

افسوس! کہ اب بھی لوگ افراط و تفریط میں گرفتار ہیں بعض لوگ تو یہاں تک کرتے ہیں کہ خطا کار لوگوں کی بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ترجیح دیتے ہیں۔ عوام تو ہے ایک طرف، بعض علماء بھی اس معصیت کا شکار ہیں۔

وَ أَنَّ عِيسٰى عَبْدُ اللهِ وَ رَسُوْلُهٗ۔

اور شہادت دے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اُس کے رسُول ہیں۔

اَلْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَ	اُس کا نام متوکل رکھا جو نہ طبیعت کا
لَا غَلِيْظٍ وَ لَا صَخَّابٍ	سخت ہے اور نہ درشت مزاج ہے۔
بِالْاَسْوَاقِ وَ لَا يَجْزِىْ	نہ بازاروں میں شور مچانے والا ہے۔ وہ
بِالسَّيِّئَةِ مِثْلَهَا وَ لٰكِنْ	بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتا بلکہ
يَعْفُوْ وَ يَتَجَاوَزُ وَ لَنْ	مُعاف کر دیتا ہے اور درگزر کرتا ہے۔ میں
اَقْبِضَهٗ حَتّٰى يُقِيْمَ	اسے موت نہ دوں گا جب تک کہ ٹیڑھی
الْمِلَّةَ الْمُتَعَوِّجَةَ بِاَنْ	کی ہوئی ملت کو سیدھا نہ کر دے ۔ اور
يَّشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا	اس کی صُورت یہ ہوگی کہ وہ کلمۂ توحید
اللهُ يَفْتَحُ بِهٖ اَعْيُنًا	کی شہادت دے گا جس سے نہ دیکھنے والی
عُمْيًا وَ اٰذَانًا صُمًّا وَ	آنکھیں بینا ہو جائیں گی اور نہ سننے والے
قُلُوْبًا غُلْفًا ○	کان سننے لگیں گے اور مُقفل دلوں کے دریچے
(دارمی)	کُھلنے لگیں گے۔

عطا بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو واقد لیثی نے بتایا کہ انھوں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اِسی مضمون کے اوصاف سُنے تھے جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بیان کیے ہیں۔

"ان عیسیٰ عبداللہ و رسولہ" کا مفہوم

قولہ: وَاَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ

یہاں نصاریٰ کے عقیدہ کے خلاف اِس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ نہ تو عیسیٰ علیہ السلام خدا،

نہ خدا کے بیٹے ہیں اور نہ تیسرے اقنوم۔ جیسا کہ خود قرآن شہادت دیتا ہے کہ

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ	اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے
وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ (المؤمنون - ۹۱)	اور کوئی دُوسرا خدا اُس کے ساتھ نہیں ہے۔

اب ہر شخص کو اِس بات کی تصدیق کرنی چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے بندے تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو باپ کی منت پذیری کے بغیر ایک عورت کے بطن سے پیدا فرمایا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف اللہ تعالےٰ کے بندے اور رسُول تھے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

ملہ زیرِ نظر حدیث اور آیاتِ محکمات میں ایسا حقیقت پر مبنی بیان ہے جس پر اعتقاد رکھنا ہر شخص پر فرض ہے۔ ان احادیث میں کفار نصاریٰ کی تردید بھی موجود ہے۔ اس سلسلے میں نصاریٰ کے تین گروہ ہیں:

۱ـــ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ہی اللہ ہیں۔

۲ـــ دوسرے گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔

۳ـــ تیسرے گروہ کا قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تین میں سے تیسرے ہیں۔ یعنی اللہ، عیسےٰ اور اُمِ عیسیٰ۔

ربّ ذوالجلال نے ان تینوں عقیدوں کی تردید فرمائی۔ حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ	اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔
اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	مسیح عیسیٰ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا۔ اور ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک رُوح

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ○ (آل عمران - ۵۹)

اللہ کے نزدیک عیسیٰ ؑ کی مثال آدم ؑ کی سی ہے کہ اللہ نے اُسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ "ہو جا" اور وہ ہو گیا۔

اِس آیتِ کریمہ سے پتہ چلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا تھے اور نہ الٰہ تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ سبحانہٗ و تعالیٰ مشرکین کے شرک سے پاک اور منزہ ہے۔ ایک مقام پر فرمایا کہ:

وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ

تھی اللہ کی طرف سے۔ پس تم اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ "تین" ہیں۔ باز آجاؤ۔ یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔

إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ○ (النساء — ۱۷۱)

اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے، وہ بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اُس کا بیٹا ہو۔ زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں اُس کی مِلک ہیں اور ان کی کفالت و خبر گیری کے لیے بس وہی کافی ہے۔

لَّن يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَن يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ○ (النساء ۱۷۲)

مسیح ؑ نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو، اور نہ مقرب ترین فرشتے اس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ گھیر کر سب کو اپنے سامنے حاضر کریگا۔

سورۂ مائدہ میں متعدد جگہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوزیشن کو واضح فرمایا گیا، جیسے:

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا
كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ
فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ
اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ
الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝
وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ
مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ
وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝
وَّ بَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ ۫ وَ لَمْ
يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝
وَ السَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ

مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کردیا۔ کہا
لوگوں نے "ہم اس سے کیا بات کریں
جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟" بچہ
بول اٹھا "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے
مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔
اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں اور
نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا
جب تک میں زندہ رہوں۔
اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا،
اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔
سلام ہے مجھ پر جب کہ میں پیدا ہوا

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ
مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ
ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
(المائدہ ١٧)

یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا،
مسیح ابنِ مریم، ہی خدا ہے۔
اے محمدؐ! ان سے کہو کہ اگر خدا مسیح ابنِ مریم
کو اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو
ہلاک کر دینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ
اُس کو اس ارادے سے باز رکھ سکے؟
اللہ تو زمین آسمان کا اور ان سب چیزوں
کا مالک ہے جو زمین اور آسمانوں کے
درمیان پائی جاتی ہیں۔ جو کچھ چاہتا ہے
پیدا کرتا ہے اور اس کی قدرت ہر چیز پر
حاوی ہے۔

وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ○

اور جب کہ میں مروں اور جب کہ زندہ کرکے اٹھایا جاؤں۔"

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ج

یہ ہے عیسیٰ ابنِ مریم ؑ۔

قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ○

اور یہ ہے اس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ ط

اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ذات ہے۔

اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ط

وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا، اور بس وہ ہو جاتی ہے

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ

(اور عیسیٰ ؑ نے کہا تھا کہ) اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ پس تم اسی کی

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ بات بھی نقل کی ہے جو انھوں نے اپنے بچپنے میں گہوارے میں کی تھی :

اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ○ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ○ (مریم - ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲)

میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں۔ اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھے جبار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ زندہ کرکے اٹھایا جاؤں۔

ماخوذ از قرۃ عیون الموحدین

وَ كَلِمَتُهٗ -

اور یہ بھی شہادت دے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں۔

مُسْتَقِيْمٌ ○ (مریم - ۲۹ ؛ ۳۶)

بند گی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ○ (النساء - ۱۷۲)

مسیح نے کبھی اِس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا ایک بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتے اِس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت ایسا آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کریگا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دشمن بعض یہودیوں کا (اللہ اُن پر لعنت کرے) اُن پر یہ بھی ایک بہتان تھا کہ وہ صحیح النسب نہیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک

ایک بندۂ مومن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ یہودیوں کے اِس بُہتان کی تردید کرے۔ ان پر ایمان لائے اور یہودیوں کے ان تمام لغو اور باطل عقائد سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بریُ الذمہ قرار دے نیز اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان پر ایمان اور یقین رکھے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے بندے اور اُس کے رسول تھے۔

"وکلمتہ" پر مفصل نوٹ

قولہٗ: وَ كَلِمَتُهٗ

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نام کلمہ اِس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کو اللہ نے لفظِ کُن کہہ کر پیدا

أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ

جو کہ بھیجا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف

فرمایا جیساکہ سلف مفسرین کرام کا بیان ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرقہ جہمیہ کی تردید میں فرماتے ہیں:

اَلْكَلِمَةُ الَّتِيْ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ حِيْنَ قَالَ لَهٗ "كُنْ" فَكَانَ عِيْسٰى بِكُنْ وَ لَيْسَ عِيْسٰى هُوَ "كُنْ" وَ لٰكِنْ بِكُنْ كَانَ، فَكُنْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى قَوْلٌ وَ لَيْسَ "كُنْ" مَخْلُوْقًا، وَ كَذَبَ النَّصَارٰى وَ الْجَهْمِيَّةُ عَلَى اللّٰهِ فِيْ اَمْرِ عِيْسٰى

حضرت مریمؑ کی طرف جس کلمہ کا القا فرمایا وہ کلمہ کُن تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمہ کُن سے پیدا ہوئے۔ وہ خود کلمہ کُن نہ تھے۔ لہٰذا لفظ کُن اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اور اللہ کا کلمہ مخلوق نہیں ہو سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ اور فرقہ جہمیہ، دونوں نے اللہ پر جھوٹ اور افتریٰ باندھا۔

قولہٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے اس جملہ کی تشریح میں رقمطراز ہیں کہ

خَلَقَهٗ بِالْكَلِمَةِ الَّتِيْ اَرْسَلَ بِهَا جِبْرِيْلَ اِلٰى مَرْيَمَ فَنَفَخَ فِيْهَا مِنْ رُوْحِهٖ بِاَمْرِ رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ

اللہ نے عیسیٰ کو اس کلمہ سے پیدا کیا جسے جبریلؑ کو دے کر مریم کی طرف بھیجا تھا چنانچہ جبریلؑ نے اللہ کے حکم سے اس کے رُوح کو مریم میں پھونکا

وَ رُوْحٌ مِّنْهُ۔

اور وہ (عیسیٰؑ) اسی کی طرف سے رُوح ہے۔

فَكَانَ عِيْسٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَهُوَ نَاشِئٌ عَنِ الْكَلِمَةِ الَّتِيْ قَالَ لَهٗ "كُنْ" فَكَانَ۔ وَالرُّوْحُ الَّتِيْ اَرْسَلَ بِهَا هُوَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ	پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے جو اس کے حق میں کہا تھا کہ "کن" ہوجا اور وہ ہو گئے اور اس روح سے جو اس کی طرف بھیجا تھا یعنی حضرت جبریل علیہ السلام

رُوح کے بارے میں صحیح مؤقف

قولہ: وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؎

حضرت اُبَیّ ابن کعب رضی اللہ عنہ رُوح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اولادِ آدم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اسی طرح روح بھی مخلوق ہے۔

امام الموحدین العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ "قرۃ عیون الموحدین" میں لکھتے۔

"حدیث زیرِ بحث میں روح اُن ارواح میں سے ایک ہے جنہیں ربِّ ذُو الجلال نے صلبِ آدمؑ سے نکالا اور اپنی ربُوبیّت اور اُلوہیّت کا اقرار کرایا جیسے

واذ اخذ ربك من بنى ادم من — اور اے نبیؐ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم

"حضرت عیسٰی علیہ السلام اُن ارواح میں سے ایک ہیں جن کو اللہ کریم نے پیدا فرمایا اور جن سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہہ کر اپنی رُبوبیت کا اِقرار کرایا تھا، اسی رُوح کو اللہ تعالٰی نے حضرت مریمؑ کی طرف بذریعہ جبریل امین علیہ السلام بھیجا۔"

اِس اثر کو عبد بن حمید اور عبد اللہ بن احمد نے "زوائد المسند" میں نقل کیا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی اِس اثر کو نقل کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالٰی کے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی رُوح کو اپنی طرف منسوب کرنے

ظهورهم ذريتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى شهدنا. کی پشتوں سے اُن کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی روح بھی ان ارواح میں سے ایک ہے جن کو اللہ تعالٰی نے پیدا کیا ہے۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ

"جبریل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونکا تو یہ نفخہ رحمِ مریمؑ میں جا کر حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش کا ذریعہ بنا۔"

علامہ السدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ نفخہ حضرت مریمؑ کے سینے میں داخل ہوا جس سے وہ حاملہ ہوگئیں۔"

پس جبریل علیہ السلام نے پھونک ماری۔ اور اللہ تعالٰی نے لفظ "کُنْ" سے حضرت عیسٰیؑ کو پیدا کیا۔ جیسے اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔

کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ رُوح اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اور اُسی کی پیدا کردہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ (الجاثیہ - ۱۳)

"اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ سب کچھ اپنے پاس سے۔"

آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین و آسمان کی تسخیر اللہ تعالیٰ کے حکم اور قدرت کا نتیجہ ہے۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"جب کسی معنیٰ کی اضافت اور نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور وہ معنیٰ

فاذا سويته و نفخت فيه من روحي۔

جب اس کو درست کروں اور اس میں اپنی رُوح پھونک دوں۔

فسبحان من لا يخلق غيره، ولا يعبد سواه۔

زیرِ نظر حدیث میں اللہ تعالیٰ اور انبیائے کرام کے دشمن یہودیوں کی تردید کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زانیہ کے بیٹے تھے۔ نعوذ باللہ۔ اللہ تعالےٰ نے قرآنِ کریم میں یہودیوں کو کاذب اور اُن کی اس بات کو باطل قرار دیا ہے۔

نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو اور کفریہ کلمات کہے۔ اور اسی طرح یہودیوں نے بھی حضرت عیسیٰؑ کے حق میں انتہائی ظالمانہ انداز اختیار کیا۔ نتیجۃً دونوں گروہ سیدھے راستہ سے بہت دُور نکل گئے۔

دونوں گروہوں کے باطل ہونے کو اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں جا بجا ذکر فرمایا ہے۔ حق اور سچائی کو واضح کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت کو اجاگر کیا اور ان کو اُن پانچ اُولوا العزم رسولوں میں شمار کیا جن کا تذکرہ سورۂ احزاب اور سورۂ الشوریٰ میں کیا گیا ہے۔

خود قائم بالذات ہو اور نہ کسی دوسری ذات کے ساتھ وابستہ ہو تو وہ لامحالہ اللہ تعالیٰ کی صفت قرار پائے گا۔

اس صورت میں اس کی اضافت مخلوق و مربوب جیسی نہ ہوگی۔ جیسے علم، قدرت اور کلمہ وغیرہ۔

اگر کسی ایسی چیز کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جو بذاتِ خود قائم ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفت نہ ہوگی کیونکہ جو چیز بذاتِ خود قائم ہو وہ دوسرے کی صفت نہیں بن سکتی۔ جیسے عیسیٰؑ، جبریلؑ اور تمام ارواح وغیرہ۔

وہ اشیاء جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہیں، دو قسم پر ہیں:

۱ — پہلی قسم یہ ہے کہ وہ اشیاء اس حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں تو یہ قسم تمام مخلوقات کو شامل ہے۔ جیسے سَمَاءُ اللّٰہِ، اَرْضُ اللّٰہِ۔ پس اس صورت میں تمام مخلوق اللہ کریم کی مملوک ہوگی اور تمام مال اللہ تعالیٰ کا مال کہلائے گا۔

۲ — دوسری قسم یہ ہے کہ وہ اشیاء اس حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوں کہ ان کو اللہ نے خصوصیت عطا کی ہے، ان سے پیار و محبت کرتا ہے؛

مزید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ بھی ان اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر واستقامت کا مظاہرہ کریں۔

بلاشبہ یہ پانچوں رسول افضل الرسل ہیں لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں اور انبیاء سے افضل و اعلیٰ اور اشرف ہیں۔

صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ۔

اور اِس کی بھی شہادت دے کہ جنت اور دوزخ حق ہیں۔

ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیتا ہے اور ان سے خوش ہے، جیسے بیت اللہ کہ یہ مقام اللہ کی عبادت کے لیے خاص ہے اور یہ اضافت اسی خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے۔

یا مالِ خُمس اور مالِ فَیٔ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

"یہ میرا اور میرے رسُولؐ کا مال ہے۔" اِس اضافت کے معنی یہ ہیں کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کی جائے۔

عباد اللہ میں اضافت کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکام کو مانتے اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔ گویا یہ اضافت اللہ کی اُلوہیت پر دال ہے اور اُس کے دین اور شریعت کی اطاعت کو متضمن ہے۔"

قولہ: وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ

یعنی اِس بات کی گواہی دے اور اقرار کرے کہ جس جنّت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں خبر دی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے مُتقی بندوں کے لیے بنایا ہے وُہ برحق اور موجود ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

اِس بات کا بھی اقرار کرے کہ وُہ دوزخ جس کو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے تیار کیا ہے اور جِس کی خبر قرآنِ کریم میں دی گئی ہے وُہ بھی برحق اور موجُود ہے جِس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

جنّت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا — دوڑو اور ایک دُوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اپنے رب کی مغفرت

كَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ اُعِدَّتۡ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝

(الحدید - ۲۱)

اور اُس جنت کی طرف، جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے جو تیار کی گئی ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ اور اُسکے رسُولوں پر ایمان لائے ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ کریم بڑے فضل والا ہے۔

اور دوزخ کے بارے میں فرمایا:

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۝ (البقرہ - ۲۴)

ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر، جو تیار کی گئی ہے منکرینِ حق کے لیے۔

اِن دونوں آیات اور ان جیسی دُوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ دوزخ اور جنت مخلوق ہیں اور اِس وقت بھی موجود ہیں اور اِن آیات سے یہ بھی پتا چلا کہ قیامت پر ایمان لانا ازحد ضروری اور لابدی امر ہے۔ لیکن اہلِ بدعت اِس بات کے قائل نہیں، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اِسوقت جنت اور دوزخ کا کوئی وجود نہیں ہے۔[1]

---

[1] جس شخص کا جنت اور دوزخ پر ایمان نہیں ہے، گویا اُس نے قرآن کی اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیم کی نفی اور تردید کر کے کُفر کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور اُس میں انعام و اکرام کا بیان فرمایا ہے جو متقین کے لیے اُس نے تیار کر رکھے ہیں اور فرمایا کہ جنت متقین کا گھر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوزخ اور اس میں جو عذاب ہے اس کا ذکر فرماتے ہوئے کہا کہ یہ ان لوگوں کا ٹھکانا ہے جو کافر اور مُشرک ہیں۔

أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ - (اخرجاه)

ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بہرحال جنت میں داخل کرے گا اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔

قولہ : اَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ

یہ جملہ جوابِ شرط ہے۔ ایک دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں:

اَدْخَلَهُ اللهُ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ شَآءَ

ایسے شخص کو اللہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے گا داخل کریگا۔

قولہ : عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ کی وضاحت میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں

"خواہ اچھے کام کرے یا بُرے، اصلاح کی باتیں کرے یا فساد کی، مگر چونکہ وہ اہلِ توحید میں سے ہے لہٰذا اہلِ توحید کا جنت میں داخل ہونا حتمی اور ضروری ہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہلِ توحید اپنے اپنے اعمال کی مناسبت سے جنت کے درجات[1] حاصل کریں گے۔"

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زیرِ بحث حدیث اُن لوگوں کے لیے مخصوص ہے جو ایمان اور توحید کی بیک وقت شہادت دیتے ہیں۔ یہ شہادت

[1] یہ معنیٰ زیادہ انسب اور اقرب الی الفہم ہیں۔

ولهما في حديث عتبان : فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ : " لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ -

بخاری و مسلم میں حضرت عتبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لآ إِلٰہَ إِلَّا اللہ کا اقرار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر دوزخ کے عذاب کو حرام کر دیتا ہے۔

اُن کے اعمالِ سیئہ کو مغلوب کر دے گی جس کی بنا پر وہ مغفرت، رحمت اور دُخولِ جنت کے حقدار ہو جائیں گے۔"

حضرت عتبان بن مالک سے مروی حدیث کی تشریح۔

قولہ: وَ لَهُمَا

اِس سے صحیح بخاری اور صحیح مُسلم مراد ہیں یہ ایک طویل حدیث کا حصہ مصنفؒ نے نقل کیا ہے[۱]

[۱] مجدد والدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا صرف وہ حصہ نقل کیا ہے جس کا باب سے خاص تعلق تھا یعنی:

مَنْ قَالَ لَآ إِلٰہَ إِلَّا اللہُ یَبْتَغِی — جو شخص لآ إِلٰہَ إِلَّا اللہ کا اقرار کرے اور اس کا مقصد

بِذٰلِکَ وَجْہَ اللہِ — اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ کلمہ طیبہ دو ہی چیزوں پر دلالت کرتا ہے:

ایک اخلاص — دُوسرے شرک کی نفی

صدق اور اخلاص، یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ جو شخص مخلص نہیں وہ مشرک ہے اور جو سچا نہیں وہ منافق ہے۔

عِتبانؓ : ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے قبیلہ بنی سالم بن عوف سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے:

عِتبان رضی اللہ عنہ بن مالک بن عمرو بن عجلان الانصاری۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہی توحید اسلام کی اساس اور بنیاد ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے یہی چیز مانگی تھی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرۃ - ۱۲۸)

اے رب ہم دونوں کو اپنا مُسلم (مطیع فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو مطیع فرمان ہو۔

ایک موقع پر یوں دعا گو ہوئے کہ:

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الانعام - ۷۹)

میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

ملکہ سبا بلقیس نے کہا تھا کہ

رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (النمل - ۴۴)

اے میرے رب! (آج تک) میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کرتی رہی ہوں اور اب میں نے سلیمانؑ کے ساتھ اللہ رب العلمین کی اطاعت قبول کر لی۔

حنیف اسے کہا جاتا ہے جو شرک کو بالکل ترک کر کے اس سے بیزاری کا اعلان کرکے اور مشرکین سے الگ ہو کر اُن سے دشمنی رکھے اور اپنے ظاہری و باطنی تمام اعمال کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا مُعَاذُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ (ﷺ) وَ سَعْدَيْكَ قَالَ: يَا مُعَاذُ! قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ (ﷺ) وَ سَعْدَيْكَ قَالَ: يَا مُعَاذُ! قَالَ: لَبَّيْكَ يَا

اے معاذؓ! معاذ رضی اللہ عنہ بولے، یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں! آپؐ نے پھر فرمایا اے معاذؓ! معاذ رضی اللہ عنہ بولے یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں! آپؐ نے تیسری بار فرمایا اے معاذؓ! معاذ رضی اللہ عنہ بولے

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ

جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے اور عملاً صالح ہو، اُس نے فی الواقع ایک بھروسے کے قابل سہارا تھام لیا

(لقمٰن ۲۲)

اِسْلَامُ الْوَجْہِ یعنی چہرے کا اسلام یہ ہے کہ انسان اپنی عبادت میں اخلاص پیدا کرے جو شرک اور نفاق کے منافی ہے۔ انسان کے لیے یہی فائدہ مند ہے اور آیت کریمہ کا بھی یہی معنٰی ہے اور ایسے ہی شخص کے بارے میں فرمایا گیا:

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ

اُس نے فی الواقع ایک بھروسے کے قابل سہارا تھام لیا۔

رہا وہ شخص جو کلمہ طیبہ بھی پڑھتا ہے اور غیر اللہ کو بھی پکارتا ہے، فوت شدہ اور غائب افراد سے استغاثہ بھی کرتا ہے جو اسے نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسا کہ لوگوں کی اکثریت آپ کو نظر آئے گی۔ اگرچہ یہ لوگ کلمہ طیبہ کا اقرار کرتے ہیں لیکن انہوں نے کلمہ طیبہ اور شرکیہ اعمال کو آپس میں ملا دیا۔ کلمہ طیبہ اُس وقت تک سُود مند ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اُس کے مدلول کا نفیاً اور اثباتاً علم نہ ہو اور اُس پر عمل نہ کیا جائے۔

رہا وہ شخص جو کلمہ طیبہ کے معنی اور مفہوم سے بے خبر اور جاہل ہے تو وہ بھی اپنی جہالت کی وجہ سے اگر شرک کی نفی نہیں کرتا تو اسے بھی اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اِسی طرح اُس شخص کو بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا جسے کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم کا تو علم ہے لیکن یقین کی دولت

رَسُوْلَ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَ سَعْدَيْكَ ثَلَاثًا قَالَ: مَا مِنْ اَحَدٍ يَّشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّارِ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا کہ جو شخص صدقِ دل سے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اقرار کرلے، اُس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔

سے بے بہرہ ہے کیونکہ یقین نہ ہونے سے قلب پر شکوک و شبہات کے گھٹاٹوپ اندھیرے چھا جاتے ہیں۔

ایک حدیث میں کلمہ طیبہ کے اقرار کو غَیْرَ شَاکٍّ سے مقید کر دیا گیا ہے جس سے واضح ہوا کہ جب تک علم اور یقین سے اقرار نہ کیا جائے، اس وقت تک اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اقرار کو

○ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ (صدقِ دل) اور ○ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ (اخلاص قلب) سے مقید فرمایا ہے:

اسی طرح جو شخص صدقِ دل سے اقرار نہیں کرتا اُسے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اس کا زبانی اقرار دل کے مخالف ہے، جیسے منافقین کہ وہ زبان سے تو کلمہ طیبہ کا اقرار کرتے ہیں لیکن دل سے نہیں مانتے۔

مشرکین کا بھی یہی حال ہے کہ ان کا شرک کرنا اخلاص کے منافی ہے، اس لیے کہ شرک کی موجودگی میں اخلاص کے ثمرات کا مرتب ہونا ناممکن ہے لہٰذا مشرک کا اقرار کرنا بھی اُسے کوئی فائدہ نہ دے گا اور نہ ہی اسکے اقرار کو شرفِ قبولیت حاصل ہوگا۔

کلمہ طیبہ صدقِ دل، اخلاصِ قلب کے مطابق ہے۔ اسی طرح نفی شرک، شرک سے بیزاری اور اللہ کے لیے اخلاص کے بھی مطابق ہے۔ لہٰذا جو شخص ان اوصاف سے خالی ہوگا اُسے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کوئی فائدہ نہ دے گا، جیسے غیر اللہ کے پجاری کہ وہ کلمہ طیبہ کا اقرار بھی کرتے ہیں اور اس کے مدلول اور مقصود یعنی

قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا؟ قَالَ: اِذًا يَتَّكِلُوْا فَاَخْبَرَبِهَا مُعَاذٌ رضی اللہ عنہ عِنْدَ مَوْتِهِ تَاَثُّمًا	معاذ رضی اللہ عنہ بولے، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں یہ خوشخبری لوگوں کو سُنا نہ دوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ اِسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت یہ ارشادِ نبوی لوگوں کو بتایا تاکہ کتمانِ علم کے گناہ کے مرتکب نہ ہو جائیں

اخلاص کے منکر بھی ہیں، اِنکار پر بس نہیں بلکہ مخلصین کی جماعت سے دشمنی رکھتے ہیں اور شرک اور مشرکین کی حمایت میں اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے ایک موقع پر خوب فرمایا تھا:

اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (الزخرف ۔ ۲۶، ۲۷، ۲۸)	تم جن کی بندگی کرتے ہو، میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق صرف اُس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا وہی میری رہنمائی کرےگا اور ابراہیم علیہ السلام یہی کلمہ اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں

اِس آیت میں كلمة باقية سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مراد ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا مفہوم ادا فرمایا ہے جس پر کلمہ طیبہ صاف اور واضح دلالت کرتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ شرک سے برأت کا اظہار کیا جائے اور تمام قسم کی عبادات خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دی جائیں۔ جو شخص کلمہ طیبہ کا اقرار تو کرتا ہے لیکن اس کے حقیقی مدلول یعنی اخلاص کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا، حقیقت میں وہ کلمہ طیبہ کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ کلمہ طیبہ شرک کی نفی کرتا ہے اور اُس نے اس کو ثابت کیا نیز اخلاص کو ثابت کرتا ہے اور اُس نے اس کی نفی کر دی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ: اَلَا اُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: لَا اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَتَّكِلُوْا

جو شخص شرک کیے بغیر اللہ کی بارگاہ قدس میں پیش ہوگا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ معاذ رضی اللہ عنہ بولے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں یہ خوشخبری لوگوں کو سنا دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، مجھے خدشہ ہے کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔

مذکورۃ الصدر روایات سے ثابت ہوا کہ جو شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا صمیم قلب یقین اور پورے اخلاص سے اقرار کرے اور شہادت دے اُسے شرک سے دُور رہنا چاہیے کیونکہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مفہوم یہی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کی دوسری روایات واحادیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے قرونِ ثلاثہ کے بعد سے اب تک لوگوں کی اکثریت کا حال یہی ہے۔

اس کے دو اسباب ہیں:

۱ــــ کلمہ طیبہ کے معنی ومفہوم سے عدم واقفیت اور

۲ــــ اپنی خواہشات کی پیروی۔

یہ دو اسباب ایسے ہیں جو حق بات کتاب وسنت اور توحید کو ماننے سے روکتے اور آڑے آتے ہیں۔

(ماخوذ از قرۃ عیون الموحدین)

”مذکورہ احادیث اس شخص کے بارے میں ہیں جو صمیمِ قلب، یقین اور بغیر کسی شک اور تردُّد کے کلمہ کا اقرار کرے اور اِسی پر اُس کا خاتمہ ہو۔ کیونکہ توحید کی حقیقت اور اصل یہ ہے کہ کلمہ کے بعد اِنسان کی رُوح بتمامہٖ اللہ کریم کی طرف متوجہ ہو جائے اور کھنچ جائے۔ پس جس شخص نے صمیمِ قلب سے لآ اِلٰہ اِلاّ اللہ کی شہادت دے دی وہ جنّت میں داخل ہوگا کیونکہ اخلاص کا مطلب ہی یہ ہے کہ اِنسان کا دِل ربِّ کریم کی بارگاہ میں جھک جائے اور تمام گناہوں سے سچی توبہ کرلے جب اِنسان اِس حالت میں فوت ہوگا تو انشاء اللہ یہ رُتبہ بلند اُس کو ضرور ملے گا۔

اِس مضمون کی بہت سی احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيْرَةً وَ مَا يَزِنُ خَرْدَلَةً وَ مَا يَزِنُ ذَرَّةً

جو شخص کلمہ لآ اِلٰہ اِلاّ اللہ کا اقرار کرے اور اس کے دِل میں جَو کے دانہ کے برابر یا رائی کے دانہ کے برابر یا ذرّہ بھر نیکی ہوگی اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

اور اس مضمون کی احادیث بھی حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں کہ بہت سے لوگ باوجود لآ اِلٰہ اِلاّ اللہ کی شہادت اور اقرار کے دوزخ میں جاگریں گے اور پھر سزا کے بعد ان کو نکال لیا جائے گا۔

اور اس مضمون کی احادیث بھی حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ

بِاَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ اَنْ تَاْكُلَ اَثَرَ السُّجُوْدِ

اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ پر حرام قرار دے دیا ہے کہ وہ ابنِ آدم کے آثارِ سجدہ

کو نکلے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے — مِنِ ابْنِ اٰدَمَ ۔ فَھٰؤُلَآءِ

تھے اور اللہ کے لیے سربسجود ہوتے تھے — کَانُوْا یُصَلُّوْنَ وَیَسْجُدُوْنَ لِلّٰہِ

اس معنی کی احادیث بھی تواتر کے درجہ تک ہیں کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرے اس پر جہنم حرام ہے۔

لیکن یہ بات ہرگز نہ بھولنی چاہیے کہ کلمہ شہادت کا صرف اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اس کلمہ کو انتہائی مشکل اور ثقیل قیود سے مقید کر دیا گیا ہے جن کی پابندی کرنا اور اُن پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

- اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اخلاص کے مفہوم سے بالکل نابلد ہیں۔
- ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو رسم و رواج کے مطابق یا تقلیداً اور عادۃً کلمہ توحید کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں توحید کی شیرینی اور بشاشت اثر انداز نہیں ہو پاتی۔

اسی قسم کے افراد کو موت کے وقت اور قبر میں تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنے پڑے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب قبر میں سوال ہو گا کہ اسلام کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ

میرا عقیدہ تو سنی سنائی باتوں پر تھا۔ جو — سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ
کچھ لوگوں نے کہا میں نے وہی کچھ دہرا دیا — شَیْئًا فَقُلْتُہٗ

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال تقلیداً اور محض اپنے آبا و اجداد کی اقتدا کے نتیجے میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے — اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی
پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم کی — اُمَّۃٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِھِمْ

مُقۡتَدُوۡنَ ○ (الزخرف - ۲۳) پیروی کر رہے ہیں۔

ان احادیث میں کسی قسم کا کوئی تعارض اور منافات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جب انسان اخلاص قلب اور یقینِ کامل سے کلمۂ توحید کا اقرار کرلے تو وہ گناہوں پر کبھی اصرار نہ کرے گا اور کمالِ اخلاص اور یقین کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت دوسری تمام اشیاء اور تمام مخلوق سے بڑھ جاتی ہے۔

پس ایسی صورت میں انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کی طرف کوئی توجہ نہ ہوگی اور نہ وہ حلال شدہ اشیاء کو مکروہ اور ناپسند قرار دے سکتا ہے۔ یہ ایسی صفت اور ایسا اعلیٰ کردار ہے جس کی وجہ سے اُس پر دوزخ کی آگ حرام ہوجاتی ہے اگرچہ اِس اقرار سے پہلے وہ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو کیونکہ

- ○ ایمان کی یہ کیفیت،
- ○ اخلاص کا یہ عالم،
- ○ محبتِ الٰہی کا یہ حال اور
- ○ یقین کی یہ استواری

ایسی چیزیں ہیں جو گناہوں کو اِس طرح مٹا کر رکھ دیتی ہیں جس طرح دن، رات کی تاریکی کو۔

ایسا باکمال اقرار جس میں نہ شرک کی آمیزش ہو نہ شرکِ اصغر کی ملاوٹ، گناہوں پر اصرار باقی نہیں رہنے دیگا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے شخص کی مغفرت کردی جائے گی اور اُس پر دوزخ حرام ٹھہرادی جائے گی۔ اگرچہ یہ اقرار اور اخلاص صرف شرکِ اکبر پر ہی موقوف ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اقرار کے بعد کوئی ایسا کام نہ

کرے جو کلمہ کے تقاضوں سے متناقض ہو۔ یہ ایک ایسی نیکی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی برائی نہیں ٹھہر سکتی اور یہ اعمالِ صالحہ کے پلڑے کو بھاری کر دے گی جیساکہ حدیث البطاقہ میں وضاحت کی گئی ہے۔ یاد رہے گناہوں کی وجہ سے جنت میں انسان کے درجات میں کمی کا واقع ہو جانا ایک لازمی امر ہے۔

وہ شخص جس کا اعمالِ صالحہ کا پلڑا ہلکا اور اعمالِ سیئہ کا بھاری ہو گیا اور وہ گناہوں پر اصرار کی حالت میں مر گیا تو یہ اصرار علی الاثم اِسے جہنم میں پھنکوا دے گا اگرچہ اُس نے اخلاص قلب سے ہی لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار کیا ہو اور شرکِ اکبر سے دُور رہا ہو کیونکہ وہ گناہوں پر مُصر رہا جس کی وجہ سے اس کی توحید اور اعمالِ صالحہ میں کمی اور نقص واقع ہو گیا اور اس کی توحید میں کمی اور کمزوری پیدا ہو گئی اور گناہوں کی آگ تیز ہوتی گئی اور پھر اسی میں جل گیا۔ بخلاف ایسے مخلص متقین کے کہ جس کی حسنات اس کی سیئات پر بھاری ہوتی ہیں اور وہ سیئات پر مصرار بھی نہیں کرتا۔ اگر وہ اِسی حالت میں مر گیا تو جنت میں داخل ہو گا، مگر ایسے مخلص اِنسان سے ہمیشہ یہ خطرہ رہتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی غلطی اور گناہ نہ ہو جائے جو اِس کے ایمان کو کمزور کر دے اور پھر اس کا اخلاص اور یقین گناہوں سے نہ بچا سکے گا اور اِس سے شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر کا ہر وقت دھڑکا لگا رہے گا۔ اگر یہ شخص شرکِ اکبر سے بھی بچ گیا تو شرکِ اصغر میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ ایسا بُرا فعل ہے جو گناہوں کو شرکِ اکبر سے جا ملاتا ہے۔ اِس سے سیئات کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے، پھر سیئات ایمان اور یقین کو متزلزل اور کمزور کر دیتے ہیں۔ اگر ایمان اور یقین میں کمزوری واقع ہو گئی تو لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں اخلاص قلب باقی نہ رہے گا۔ پس اِس قسم کا اقرار کرنے والے کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو سو رہا ہو یا ایسے قاری کی مانند ہو گی جو قرآنِ کریم کو حُسنِ قرأت سے ادا کر رہا ہو لیکن دل اُس کے ذوق د

حلاوت سے محروم ہو۔

یہ وہ لوگ ہیں جو صدقِ دل اور یقینِ کامل سے تہی دامن ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ اس کے بعد ایسے ایسے مکروہ اعمال کے مُرتکب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اعمالِ صالحہ کی تھوڑی بہت پُونجی بھی ختم ہو جاتی ہے، پھر اسی حالت میں اُن کا خاتمہ ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُن کے اعمالِ سَیِّیَہ اِتنے زیادہ ہو جاتے ہیں جو اُن کو جنّت میں داخل ہونے سے روک دیتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ جب انسان کے گناہ زیادہ ہوں گے تو لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا زبان سے اقرار دُشوار ہو گا، دِل سخت ہو جائے گا اور عملِ صالحہ سے کراہت پیدا ہو جائے گی، سماعِ قرآن بوجھ معلوم ہو گا۔ ایسا شخص ذکرِ غیر اللہ میں خوش رہے گا، باطل اور بُرے کاموں میں مُطمئن رہے گا، بیہودگی کو پسند کرے گا، اہلِ غفلت کی مجالس میں بیٹھنا شروع کرے گا اور اہلِ حق کی مجلس سے دُور بھاگے گا۔

پس ایسے شخص کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو زبان سے ایسی بات کہتا ہے جو دِل میں نہیں ہوتی اور زبان سے ایسی بات کی تردید کرتا ہے جس کو اُس کا عمل صحیح ثابت کرتا ہے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ:

"ایمان یہ نہیں ہے کہ زبان سے کسی چیز کو حلال قرار دے لے اور چند اشیاء کی تمنا دِل میں لیے پھرے بلکہ ایمان یہ ہے کہ وہ دِل میں راسخ ہو جائے اور عملی طور پر اُس کی تصدیق کی جائے۔ جو شخص اچھی بات کہے گا اور اُس کے مطابق اچھے عمل بھی کرے گا اُس کے اعمال کو شرفِ قبولیّت حاصل ہو گا۔ لیکن وہ شخص جو کہتا تو صحیح بات ہے لیکن کردار اور عملی لحاظ سے غلط ہے تو اُس کا کوئی عمل قبول نہ ہو گا۔"

بکر بن عبداللہ المزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس درجہ بلند مقام اس لیے نہیں ہوا کہ وہ دُوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ روزے رکھتے تھے یا دوسروں سے زیادہ نمازیں پڑھتے تھے بلکہ ان کی عظمتِ شان کی ایک وجہ تھی اور وُہ یہ کہ اُن کے قلب میں جو ایمان اور یقین تھا وہ دُوسروں میں نہ تھا۔“

پس جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار تو کرتا ہے لیکن اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا بلکہ گناہوں پر گناہ کیے چلا جاتا ہے اگرچہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے اقرار میں سچا ہے تاہم اُس کے گناہوں کی گٹھڑی اتنی بھاری ہے کہ جس نے اس کے صِدق اور یقین کو عملی طور پر شرکِ اصغر سے مِلا دیا ہے اور اعمال صالحہ پر گناہ غالب آگئے ہیں اور گناہوں پر اصرار ہی کی حالت میں فوت ہوا تو ایسے شخص کا یہ اقرار اس کے گناہوں کو نہیں مٹا سکتا بلکہ اُس کے اعمالِ صالحہ پر اُس کے اعمالِ سیئہ غالب آگئے۔

البتہ وہ شخص جس نے صدقِ دِل اور یقینِ کامل سے کلمہ کا اقرار کیا اور پھر وہ گناہوں پر اڑا نہیں رہا تو اُس کی یہ توحید اُس کے صِدق اور یقین کو اور مضبوط کردے گی اور اعمالِ صالحہ کا وزن بھاری ہو جائے گا۔“

اِسی مفہوم کو اکثر اہلِ علم، جیسے علامہ ابن قیم اور ابنِ رجب رحمہم اللہ وغیرہ نے بیان فرمایا ہے شارح کتاب العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے جو مطلب و مفہوم بیان فرمایا ہے اس سے تمام احادیث میں تطبیق کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ زیرِ نظر حدیث اِس بات کی شاہد ہے کہ ایمان کے لیے صرف زبان سے شہادت کافی نہیں ہے جب تک کہ اِس پر اعتقاد نہ ہو اور نہ ہی بِلا اعتقاد شہادت کام آئے گی۔

دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ کامل توحید والے شخص پر جہنم حرام ہے اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ عمل اُسی وقت تک کارآمد ہوگا جب تک کہ وہ خالص لوجہ اللہ اور سنّت کے مطابق ادا

عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم

قَالَ قَالَ مُوْسٰى يَا رَبِّ!

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے پروردگار!

کیا گیا ہو۔

تنبیہ:۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنے تذکرہ میں ایمان کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

" اعمال ایمان سے وہ اعمال مراد ہیں جن کا تعلق اعضاء و جوارح سے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ گویا اعمال صالحہ ایمان کا جزو لاینفک ہیں۔

ایمان سے وہی معنی مراد ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہ تھا کہ صرف توحید کا اقرار، شرک کی نفی اور دل سے کلمہ شہادت کافی ہے بلکہ اعمال صالحہ بنیادی شرط ہیں۔

اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ يَقْبِضُ سُبْحَانَهٗ قَبْضَةً فَيُخْرِجُ قَوْمًا لَّمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ۔	اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھرے گا اور دوزخ سے ایسے افراد کو باہر نکالے گا جنھوں نے کبھی کوئی بھلائی کا کام نہیں کیا ہو گا۔

یہ وہ افراد ہوں گے جو صرف توحید کے قائل تھے اور اعمال صالحہ انجام نہ دے سکے"

قولہٗ: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ

ان کا نام اور مختصر نسب یہ ہے:

عَلِّمْنِی شَیْئًا أَذْکُرُکَ وَ أَدْعُوکَ بِهٖ قَالَ قُلْ یَا مُوسٰی: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

مجھے ایسی چیز بتا جس سے تیری یاد کروں اور تجھ سے دُعا کیا کروں۔ فرمایا اے موسیٰؑ! لا الٰہ الا اللہ پڑھا کر۔

سعید بن مالک بن سنان بن عبید الانصاری الخزرجی

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد ماجد جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ جنگ اُحد کے موقع پر اُن کی عمر کی کمی کے باعث ان کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہ مل سکی۔ البتہ جنگِ اُحد کے بعد تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ یہ جلیل القدر صحابی مدینہ طیبہ میں ۶۳ھ یا ۶۴ھ یا ۶۵ھ میں فوت ہوئے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ انھوں نے ۷۴ھ میں وفات پائی۔

قولہٗ : اَذْکُرُکَ :۔ میں تجھے یاد کیا کروں۔

قولہٗ : اَدْعُوکَ :۔ میں تجھے پکارا کروں۔

قولہٗ : قُلْ یَا مُوسٰی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ :۔ اِس جملے سے واضح ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ کا

"لا الٰہ الا اللہ" میں "لا" نفی جنس کا ہے۔ لا الٰہ کی خبر محذوف ہے۔ تقدیرِ عبارت یہ ہے، لا الٰہ حقٌّ الا اللہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ذٰلك بان الله هو الحق وان ما	یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے۔ اور جس
یدعون من دونه هو الباطل	چیز کو (کافر) اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل
وان الله هو العلی الکبیر ○	ہے۔ اور اس لیے کہ اللہ رفیع الشان اور بڑا ہے

اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت حق اور صحیح ہے اس کے علاوہ تمام قسم کے الٰہوں کی الوہیت باطل ہے۔

یہی کلمہ عروۃ الوثقیٰ، کلمۃ التقویٰ اور کلمۃ الاخلاص کہلاتا ہے۔

قَالَ يَا رَبِّ ! كُلُّ عِبَادِكَ يَقُوْلُوْنَ
هٰذَا قَالَ يَا مُوْسٰى ! لَوْ أَنَّ السَّمٰوٰتِ
السَّبْعَ وَ عَامِرَهُنَّ غَيْرِيْ
وَ الْأَرَضِيْنَ السَّبْعَ ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے پروردگار! اِسے تو تیرے سب بندے پڑھتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور اُن کے باشندے اور ساتوں زمینیں، بجز میرے

پورا وِرد کرنا چاہیے۔ صرف لفظ "اللہ" یا صرف لفظ "ھُو" پر اکتفا کرنا غلط ہے، جیسا غُلات و جُہال صوفیا کرتے ہیں۔ اُن کا یہ عمل بِدعت اور گمراہی پر مبنی ہے۔

قولہٗ: كُلُّ عِبَادِكَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا

اِن الفاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ مجھے خصوصی طور پر ایسا وظیفہ بتایا

اسی کلمہ کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔
اسی کلمہ کی تکمیل کے لیے سُنن و فرائض کو مشروع کیا گیا۔
اسی کلمہ کو بلند و بالا رکھنے کے لیے جہاد فرض ہوا
اسی کلمہ سے فرمانبردار اور نافرمان میں تفریق پیدا ہوتی ہے۔

پس جو شخص صدقِ دل، اخلاصِ نیت، اس سے محبت کرتے ہوئے اور اس کے تقاضوں کے مطابق اپنے کردار کو ڈھالتے ہوئے اس کا اقرار کرلے اسے ربِ کریم جنت میں ضرور داخل کرے گا۔ خواہ اس کے اعمال نامے میں چھوٹے چھوٹے کتنے ہی جرائم کیوں نہ ہوں۔

(ماخوذ از قرۃ عیون الموحدین)

جائے جس کا عام لوگوں کو علم نہ ہو۔ جیسا کہ مُسند امام احمد کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہ سے صراحت کے ساتھ منقول ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے موسیٰ!

قُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ — لا الٰہ الا اللہ پڑھا کر۔ حضرت موسیٰ نے
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَنْتَ يَا — عرض کی کہ اے اللہ! تیرے سوا تو کوئی
رَبِّ اِنَّمَا اُرِيْدُ شَيْئًا — الٰہ ہے ہی نہیں، لیکن میرا مقصد تو یہ تھا
تَخُصُّنِيْ بِهٖ [1] — کہ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتایئے جو صرف
میرے ہی لیے خاص ہو۔

چونکہ پورے عالم کو کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی اشد ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ کسی بھی وظیفہ کی اتنی حاجت اور ضرورت نہ تھی اسی بنا پر اس ذکر کو کثرت سے بیان کیا گیا۔ اس کو یاد کرنا بھی آسان بنا دیا گیا اور اس کا معنی بھی جامع ہے۔ لیکن افسوس کہ جاہل عوام اور صوفیوں نے اس عظیم اور بابرکت ذکر کو چھوڑ کر ایسے نئے نئے وظیفے اور وِرد ایجاد کر لیے ہیں جن کا کتاب وسُنّت میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔

قولُهٗ : عَامِرُهُنَّ [2]
أَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔

---

[1] یہ الفاظ سنن نسائی اور حاکم اور شرح السُنّہ میں منقول ہیں۔ (مترجم)

[2] امام الموحدین العلامۃ الشیخ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ عَامِرَهُنَّ: زمین وآسمان میں جتنی بھی مخلوق ہے سب کی سب۔ اور غیری فرما کر جو آسمان میں ہے اس سے اپنی ذات کو مستثنیٰ کر لیا۔ کیوں کہ وہ العلی الاعلی کی صفت سے متصف ہے اسی کی ذات مقدس ہے۔ جیسے وہ فرماتا ہے

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ — بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔ (البقرۃ۔ ٢٥٥)

علوّ قدرت — علوّ قہر — علوّ ذات

یہ تینوں صفتیں اللہ تعالےٰ کے کمال پر دلالت کناں ہیں جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

فِيْ كَفَّةٍ وَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِيْ كَفَّةٍ مَالَتْ بِهِنَّ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ -

ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں اور دُوسرے پلڑے میں صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ رکھ کر وزن کیا جائے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ والا پلڑا بھاری ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور جو کچھ اُن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور ساتوں زمینیں اور اُن میں جو کچھ موجود ہے سب کے سب ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں اور صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ کر وزن کیا جائے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ والا پلڑا بھاری ہوگا۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ (طٰهٰ ۵)

رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

پھر اُس نے عرش پر قرار پکڑا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (یونس ۳)

حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الرعد ۲)

وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں پھر وہ اپنے عرش پر جلوہ فرما ہوا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

إِنَّ نُوحًا قَالَ لِابْنِهِ عِنْدَ مَوْتِهِ آمُرُكَ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْأَرَضِينَ السَّبْعَ لَوْ وُضِعَتْ فِي كِفَّةٍ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِي كِفَّةٍ رَجَحَتْ بِهِنَّ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَوْ أَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْأَرَضِينَ السَّبْعَ كُنَّ حَلْقَةً مُبْهَمَةً لَقَصَمَتْهُنَّ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ	حضرت نوح علیہ السلام نے بوقتِ وفات اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ میں تجھے لاالٰہ الا اللہ کی پابندی کا حکم دیتا ہوں اسلیے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں اور دُوسرے پلڑے میں صرف لاالٰہ الا اللہ رکھ کر وزن کیا جائے تو لاالٰہ الا اللہ والا پلڑا بھاری رہے گا۔ نیز اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک گول حلقہ کی مانند ہوں تو لاالٰہ الا اللہ ان کو توڑ کر الگ الگ کر دے۔

وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (السجدة : ۴)	زمین کو اور اُن ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پیدا، اور اس کے بعد عرش پر جلوہ فرما ہوا۔
إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (فاطر : ۱۰)	اس کے ہاں جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے۔ اور عمل صالح اس کو اوپر چڑھاتا ہے۔
يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (النحل : ۵۰)	اپنے رب سے جو ان کے اُوپر ہے ڈرتے ہیں۔

قولہٗ: فِی كِفَّةٍ
ترازو کے ایک پلڑے کو کہتے ہیں۔
قولہٗ: مَالَتْ بِهِنَّ :- ان کو جھکا دے۔
کلمۂ شہادت میں چونکہ
○ شرک کی نفی کی گئی ہے
○ اور توحید کا اثبات کیا گیا ہے جو تمام اعمال سے افضل ہے۔
○ جو دین اور ملت کی اساس اور بنیاد ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ○ (المعارج: ۴)
ملائکہ اور روح اس کے حضور چڑھ کر جاتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (آل عمران: ۵۵)
میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفتِ علوّ کی نفی کرتا ہے وہ کتاب وسنت کی صریح مخالفت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد کا مرتکب ہوتا ہے۔
کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا ہر چیز سے الوہیت کی نفی کر دی جائے
کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کے فیوض وبرکات انسان کو اسی وقت حاصل ہوں گے جب کہ اس کے تقاضوں اور جن قیود سے اس کو مقید کر دیا گیا ہے ان کے مطابق اس پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ بعض افراد نے اس کا اقرار تو کیا لیکن اس کے تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھا جس کے نتیجے میں ان لوگوں کو اس کلمۂ توحید کے اقرار کا کوئی فائدہ نہ ہوا جیسا کہ سورۂ براءۃ وغیرہ میں مذکور ہے۔ مثلاً اہلِ کتاب، اور منافقین۔
ان لوگوں نے کلمہ کے تقاضوں کی پرواہ نہ کی اور اپنے نفاق پر مصر رہے نتیجہ ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہ نکلا۔
بعض لوگ کلمۂ توحید کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن اس کے مدلول اور قیود سے ناواقف اور جاہل ہوتے

پس جو شخص اخلاصِ نیت اور یقینِ کامل سے اس کی شہادت دے گا۔ اس کے حقوق، لوازم اور اِس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرے گا اور پھر اِس پر قائم رہے گا اُس کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایسا عملِ صالح ہے جس کا مقابلہ کوئی دوسرا عمل نہیں کر سکتا اور نہ کوئی دوسرا عمل اس کا ہم وزن ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اِسی کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاحقاف ۱۳)	جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہی ہے، پھر وہ اِس پر قائم رہے۔ تو اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔

ہیں جیسے۔

- شرک کی نفی۔
- مشرک سے براءت کا اظہار۔
- صدق وسچائی کا اپنانا۔
- اخلاص نیت۔
- جو شرک و بدعت کی طرف دعوت دے اُسے قبول نہ کرنا بلکہ اس کا مقابلہ کرنا۔
- کلمہ توحید کی قیود کی پرواہ نہ کرنے والے شخص کی اطاعت نہ کرنا۔

بعض لوگ کلمہ توحید کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن متکبرانہ ذہنیت یا خواہشاتِ نفس کی وجہ سے اس کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے۔ ایسے افراد کثرت سے ملیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ	اے نبیؐ! کہدو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے

زیرِ بحث حدیث اس بات پر دال ہے کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" افضل الذکر ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَ خَيْرُ مَا قُلْتُ اَنَا وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا	تمام دعاؤں سے افضل ترین عرفہ کی دُعا ہے اور تمام ادعیہ سے بہتر وہ دُعا ہے جو مَیں نے اور مجھ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے کی کہ اللہ کے سوا کوئی

وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (التوبہ : ۲۴)	اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

البتہ اہل ایمان جن کے دلوں میں خلوص کی دولت موجود ہے وہ اس کلمہ کی تمام قیود اور اس کے تمام تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔

○ علم و یقین کی دولت سے وہ مالا مال ہوتے ہیں۔

○ صدق و اخلاص کا جوہر ان کے سینوں میں موجزن ہوتا ہے۔

○ اطاعت و فرمانبرداری اور کلمۂ توحید سے محبت ان کے رگ و ریشے میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے۔

○ ان کی محبت و عداوت کا معیار یہی کلمۂ توحید قرار پاتا ہے۔

ایسے افراد کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن کریم سورۂ برأۃ وغیرہ میں کیا ہے۔ ان کی تعریف فرمائی ہے۔ ان کی معافی کا اعلان فرمایا۔ جنت میں داخل کرنے کا وعدہ کیا اور جہنم سے آزادی کا پروانہ بھی عطا فرمایا۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ (مسند امام احمد، ترمذی)

معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں وہی بادشاہ ہے۔ سب قسم کی حمدیں اسی کو لائق ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ (التوبة: ۱۰۰)

وہ مہاجر و انصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

آیت بالا میں مذکور افراد اور جو ان کے نقشِ قدم چلے آئے اور چلتے رہیں گے ایسے ہی افراد کلمۂ توحید کے صحیح قائم کرنے والے اور موحد ہیں۔ جن کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔

اب جو شخص قرآن کریم میں غور و فکر کرے۔

اللہ تعالیٰ، توحیدِ اللہ کی اطاعت، ترکِ گناہ، اللہ کی محبوب اشیاء کو ترجیح دینے، اللہ کے ہاں مکروہ اشیاء کو ترک کرنے میں جو تفاوت اور فرق لوگوں میں پایا جاتا ہے اسے اچھی طرح پہچان لے تو اس کے سامنے ان مغرورین اہلِ شرک و بدعت کا گمراہ ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت۔

دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کر لیا اور موت کے بعد پیش آنے والے حالات کیلئے عمل کیا۔

والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله الأماني۔

اور عاجز وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے لگایا اور اللہ تعالیٰ سے خواہ مخواہ آرزوئیں کرتا رہا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک اور مرفوع روایت منقول ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

يُصَاحُ بِرَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُنْشَرُ لَهٗ تِسْعَةٌ وَّ تِسْعُوْنَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِنْهَا مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يُقَالُ: اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا؟

قیامت کے دن پوری کائنات کے سامنے ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اُسکے سامنے اُسکے ۹۹ دفتر برائیوں کے رکھ دیے جائیں گے ہر دفتر اتنا لمبا چوڑا ہو گا کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے وہ پھیلا ہوا دکھائی دے گا اس شخص سے سوال ہو گا کہ ان برائیوں میں سے کسی ایک کی تردید کر سکتا ہے؟

اَظَلَمَكَ كَتَبَتِيَ الْحَافِظُوْنَ؟ فَيَقُوْلُ! لَا يَا رَبِّ فَيُقَالُ! اَفَلَكَ عُذْرٌ اَوْ حَسَنَةٌ؟ فَيَهَابُ الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ: لَا فَيُقَالُ: بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَ اِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَيُخْرَجُ

آیا میرے محافظوں نے کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ گناہ گار جواب دیگا مجھے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اِس سے پھر سوال ہو گا کوئی عُذر ہو تو پیش کرو؟ یا کوئی عملِ صالح ہو تو پیش کرو۔ بندہ ڈرتے ڈرتے جواب دے گا کہ مجھے کوئی عذر نہیں اور نہ میرے پاس کوئی عملِ صالح ہے چنانچہ اللہ تعالٰی کی طرف سے جواب ملے گا کہ تمھاری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے

لَهٗ بِطَاقَةٌ فِيْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

تم پر آج ظلم نہیں کیا جائیگا۔ اُسکا ایک کاغذ کا پُرزہ نکالا جائیگا جس پر لکھا ہو گا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اُسکے سچے رسُول اور اُسکے بندے ہیں۔

فَيَقُوْلُ : يَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ؟

بندۂ گناہگار عرض کرے گا کہ یا اللہ! اتنے بڑے بڑے دفتروں کے مقابلے میں ایک کاغذ کے پُرزے کی کیا حیثیت ہے؟

فَيُقَالُ : إِنَّكَ لَا تُظْلَمُ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِيْ كِفَّةٍ وَ الْبِطَاقَةُ فِيْ كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَ ثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ

جواب ملے گا کہ آج تجھ پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا چنانچہ بڑے بڑے دفتر ترازو کے ایک پلڑے میں اور کاغذ کا ایک پُرزہ دُوسرے پلڑے میں رکھ کر جب وزن کیا جائے گا تو لا الٰہ الا اللہ کے کاغذ والا پلڑہ بھاری ہوجائیگا

(رواہ الترمذی وحسنہ، والنسائی، وابن حبان، والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم وقال الذہبی فی تلخیصہ صحیح.)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

" اعمالِ صالحہ اپنی شکل و صورت اور تعداد کی بنا پر چھوٹے بڑے نہیں ہوتے بلکہ اُن کا تعلق براہِ راست انسان کے دِل سے ہے۔ بعض اوقات دو اشخاص ایک جیسا عمل کرتے ہیں لیکن اُن کے اعمال کے درمیان درجہ و فضیلت کے اعتبار سے ایسا بُعد نظر آتا ہے جیسا کہ زمین و آسمان کے درمیان ہے۔"

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ مذکورۃ الصدر لطاقہ والی حدیث پر غور کرنا چاہیے کہ ایک معمولی کاغذ کا پُرزہ ترازو کے ایک پلڑے میں ہو اور دوسرے پلڑے میں ننانوے دفتر ہوں اور ہر دفتر حدِ نظر تک بڑا ہو۔ وزن کرتے وقت یہ تمام بڑے بڑے دفتر ہلکے ثابت ہونگے اور کاغذ کا معمولی پُرزہ جس پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لکھا ہو گا، بھاری ثابت ہو گا اور وہ شخص عذاب سے بچ جائے گا۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ لطاقہ ہر مُوحِد انسان کے پاس ہے، بایں ہمہ بہت سے لوگ اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنّم میں دھکیل دیے جائیں گے۔

رواہ ابن حبان و الحاکم

و صحّحه و للترمذي و حسّنه۔

اِس حدیث کو ابن حبّان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اِس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

قولہٗ : رواہ ابن حبّان و الحاکم

ابنِ حبّان کا پورا نام مع مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے :

محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ۔ ابو حاتم التمیمی البستی الحافظ۔

ابنِ حبان صاحبِ تصنیفاتِ کثیرہ ہیں جیسے صحیح ابن حبان، تاریخ ابن حبان، کتاب الثقات، کتاب الضعفاء۔

ابنِ حبان کے بارے میں محمد بن عبداللہ الحاکم لکھتے ہیں :

"ابنِ حبان علمِ فقہ، علمِ لغت، علم الحدیث کے سمندر تھے، نہایت مؤثر وعظ کہتے تھے اور اپنے دَور کے رئیس العقلاء تھے۔"

یہ اپنے آبائی شہر بُست میں ۳۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

الحاکم کا پورا نام یہ ہے :

مُحمد بن عبداللہ بن مُحمد النیسابوری۔ کنیت ابو عبداللہ تھی۔ ابن البیع کے نام سے بھی مشہور تھے۔ حافظ الحدیث تھے، مستدرک الحاکم اور تاریخ نیسابور اُن کی مشہور تالیفات ہیں۔

۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔

قولہٗ : و للترمذی : امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام یہ ہے :

ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سَورۃ بن موسیٰ بن الضحاک السلمی۔

عن انس رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ :

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا ابْنَ آدَمَ !

لَوْ أَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے :

کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ابنِ آدم ! اگر تو میرے پاس گناہوں سے پوری زمین بھر کرلے آئے

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حافظ الحدیث تھے۔ قدرت نے آنکھوں کی نعمت سے محروم کیا لیکن بایں ہمہ فنِ حدیث میں جامع ترمذی اُن کی شہرۂ آفاق تصنیف تمام دنیا میں پڑھی جاتی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے قُتَیبَہ، ہناد اور امام بخاری رحمہم اللہ سے روایت کی ہے۔

یہ عظیم محدث ۲۷۹ھ میں فوت ہوئے۔

قولهٗ : عن انس رضی اللہ عنہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا پورا نام یہ ہے :

انس بن مالک بن نضر الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خُدام میں سے تھے۔ اُنھوں نے

آنحضرت ﷺ کی متواتر دس سال خدمت کی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے خصوصیت سے یہ دُعا فرمائی :

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ	اے اللہ! اُس کے مال و اولاد میں برکت عطا فرما اور اسے جنت میں داخل کر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سو سال سے زیادہ عمر پا کر سنہ ۹۲ھ یا سنہ ۹۳ھ میں فوت ہوئے۔

قولهٗ : يَا بْنَ اٰدَمَ

مُصنّف رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا صِرف آخری جُملہ نقل کیا ہے۔ جامع ترمذی میں پُوری حدیث درج ہے جسے ہم قارئین کے اِستفادہ کے لیے درج کر رہے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ :

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ! يَا بْنَ اٰدَمَ ! اِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَرَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰى مَا كَانَ مِنْكَ وَلَا اُبَالِيْ	اللہ تعالیٰ بندے کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے ابنِ آدم! اگر تُو مجھ سے اُمید رکھ کر مجھے بُلائے اور مَیں تجھے معاف کر دُوں تو مجھے کوئی پروا نہیں ہو گی۔
يَا بْنَ اٰدَمَ ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَآءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَا اُبَالِيْ	اے ابنِ آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کے کناروں تک پہنچ جائیں، پھر بھی تُو مجھ سے معافی طلب کرے تو مَیں تجھے معاف کر دوں گا اور مجھے کوئی پروا نہ ہو گی۔
يَا بْنَ اٰدَمَ ! اِنَّكَ لَوْ اَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا	اے ابنِ آدم! اگر تو میرے پاس اتنے گناہ لے کر آئے جس سے زمین بھری ہوئی ہو، بشرطیکہ ان میں شرک نہ ہو تو اسی

ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً۔

لیکن اس میں شرک نہ ہو تو میں اسی مقدار میں بخشش کی بارش کر دوں گا۔

لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً قدر مغفرت اور بخشش سے نوازوں گا۔

(ترمذی)

مذکورۃ الصدر حدیث کے مفہوم کی ایک حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں

وَمَنْ عَمِلَ قُرَابَ الْأَرْضِ خَطِيئَةً ثُمَّ لَقِيَنِي لَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا جَعَلْتُ لَهُ مِثْلَهَا مَغْفِرَةً

جس شخص کی اتنی برائیاں ہوں کہ ساری زمین بھری ہوئی ہو لیکن اس میں شرک نہ ہو تو اسی قدر بخشش اور مغفرت سے نواز دوں گا۔

(اس روایت کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔)

لہ زیر نظر حدیث میں وہی مفہوم ادا کیا گیا ہے جو "لا الٰہ الا اللہ" میں بیان ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ شرک خواہ قلیل ہو یا کثیر اُسے چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ کمالِ توحید یہی ہے۔
شرک سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس نے توحید، اور اس کے تقاضوں کو علم و یقین، صدق و اخلاص اور اطاعت کے جذبے سے انتہائی محبت و اُلفت سے اپنے اندر سمو لیا ہو۔ کیونکہ ربّ ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝

(الشعراء: ۸۹)

جب کہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا۔ نہ اولاد۔ بجز اس کے کہ کوئی شخص قلبِ سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔

قولهٗ : "لَوْ اَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ" : لفظ "قراب" کے قاف پر ضمہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں لیکن زیادہ مشہور ضمہ ہی ہے۔ قُراب کے معنی بھرا ہوا یا بھرنے کے قریب۔

قولهٗ : ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا

مغفرت کے لیے بڑی زبردست اور بھاری شرط لگائی گئی ہے کہ شرک قلیل ہو یا کثیر، شرکِ اکبر ہو یا اصغر۔ بہرحال شرک سے صحیح سلامت رہنا مغفرت کے لیے شرطِ اوّل ہے اور اس سے وہی انسان محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قلبِ سلیم سے نوازا ہو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○ (الشعراء ۸۸-۸۹)	جب کہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد بجز اس کے کہ کوئی شخص قلبِ سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔

زیرِ بحث حدیث کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جس شخص کے گناہوں کا یہ عالم ہو کہ ان سے زمین کا چپہ چپہ بھرا پڑا ہو، لیکن وہ اپنے نامۂ اعمال میں توحید کی دولت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے سب گناہ معاف فرما دے گا۔ اگر انسان توحید میں کامل ہے، اس میں صرف اللہ کی رضا کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے اور توحید کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ دل، زبان اور جوارح سے اس کے شروط کا پابند ہے یا موت کے وقت صرف دل اور زبان سے اس کو ماننے کا اقرار کرتا ہے تو اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیگا اور اس کی لازماً مغفرت فرما دے گا، اُس کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ پس جس شخص نے کلمۂ توحید کو دل سے تسلیم کر لیا تو اُس کے قلب سے غیر اللہ کی محبت، تعظیم، اس کی بڑائی اور اُس کا ڈر، خوف اور توکل یکسر نکل جائے گا اور یہ کلمہ اُس کے تمام خطایا و معاصی کو جلا کر رکھ دے گا اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔"

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: سِعَةُ فَضلِ اللّٰہِ۔

① اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وُسعت۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ زیرِ نظر حدیث کی تشریح کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ :

"جس شخص کے سینے میں توحیدِ خالص ہو اور وُہ بندۂ خدا شرک میں ملوث بھی نہ ہو تو اللہ اسے مُعاف فرمادے گا لیکن جس نے توحید کے ساتھ ساتھ شِرک کا اِرتکاب بھی کیا تو اس کو معاف نہیں کرے گا۔ جو مُوحد اِس حالت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کہ اُس کے گناہوں سے تمام دُنیا اَٹی پڑی ہو مگر وہ مرتکبِ شرک نہ ہُوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اور اُس کا کوئی گُناہ باقی نہیں رہے گا۔

جس شخص کی توحید ناقص ہو گی اُس کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہو گا کیونکہ توحیدِ خالِص کی موجودگی میں، جِس میں شرک کی آمیزش نہ ہو، گناہ کا باقی رہنا ممکن ہی نہیں، اِس لیے کہ توحیدِ خالص میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی عظمت و جلالت اور اس کا خوف پنہاں ہے جو گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے اگرچہ گناہوں کی شدت سے زمین بھری پڑی ہو۔ گناہوں کی نجاست عارضی ہے اور گناہوں کو ختم کرنے والی توحید قوی اور مضبوط تر ہے۔"

الثانية: كَثْرَةُ ثَوَابِ التَّوْحِيْدِ عِنْدَ اللّٰهِ۔

② ربِ کریم کے ہاں توحید کے اجر وثواب کی کثرت۔

الثالثة: تَكْفِيْرُهُ مَعَ ذٰلِكَ لِلذُّنُوْبِ

③ اجر وثواب کے علاوہ توحید گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔

الرابعة: تَفْسِيْرُ الْآيَةِ (۸۲) اَلَّتِيْ فِيْ سُوْرَةِ الْأَنْعَامِ۔

④ سورۂ انعام کی (آیت نمبر ۸۲ میں جو ظلم کا لفظ ہے) اُس کی تفسیر۔

زیرِ بحث حدیث میں توحید کے اجر وثواب کی کثرت کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے جُود وسخا کی وُسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور اِس میں خوارج کی بھی تردید ہوتی ہے، جو مُرتکبِ معصیت مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور مُعتزلہ کا بھی ردّ ہوتا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کا مُرتکب ہمیشہ جہنّم میں رہے گا لیکن دنیا میں نہ تو ہم اسے مومن کہیں گے اور نہ کافر قرار دیں گے بلکہ اُس کو فاسق کہیں گے۔

اِس سلسلے میں صحیح مسلک اہلِ سُنّت کا ہے، وہ یہ کہ گناہ کی وجہ سے ایمان ضائع نہیں ہوتا اور نہ صرف زبان کے اقرار سے اِنسان مومن ہو جاتا ہے گو ایسے شخص کو مومن عاصی کہا جائے گا۔ البتہ کبیرہ گناہ سے فاسق بن جاتا ہے۔ کتاب وسُنّت یہی بتاتے ہیں اور اجماعِ اُمّت اِسی مسلک کی تائید میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

الخامسة: تَأَمَّلِ الْخَمْسَ اللَّوَاتِي فِي حَدِيْثِ عُبَادَةَ

⑤ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو پانچ باتیں ہیں اُن پر غور کرو۔

السادسة: أَنَّكَ إِذَا جَمَعْتَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ حَدِيْثِ عِتْبَانَ وَ مَا بَعْدَهُ تَبَيَّنَ لَكَ مَعْنَى قَوْلُ "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" وَ تَبَيَّنَ لَكَ خَطَأُ الْمَغْرُوْرِيْنَ۔

⑥ جب تم حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرۃ عتبان رضی اللہ عنہ کی احادیث کو جمع کرو گے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی سمجھ میں آجائیں گے اور جو لوگ[1] دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ان کی غلطی واضح ہو جائے گی۔

لَمَّا أُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ	معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم أُنْتُهِيَ بِهٖ إِلَى	کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا اور وہاں
سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى فَأُعْطِيَ	آپ کو تین تحفے عنایت ہوئے۔
ثَلَاثًا أُعْطِيَ الصَّلَوَاتِ	۱۔ پانچ وقت کی نمازیں۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ" صحیح طور پر سمجھنے میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ صرف کلمہ توحید کے زبانی اقرار سے دوزخ سے

السابعۃ أَلتَّنْبِيْهُ لِلشَّرْطِ الَّذِيْ فِيْ حَدِيْثِ عِتْبَانَ رضی اللہ عنہ

⑦ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو شرط ہے اس پر خوب غور کرنا چاہیے

الثامنۃ كَوْنُ الْأَنْبِيَآءِ يَحْتَاجُوْنَ لِلتَّنْبِيْهِ عَلٰى فَضْلِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

⑧ انبیائے کرام علیہم السلام بھی لا الٰہ الا اللہ کی فضیلت جاننے کے محتاج تھے۔

اُلْخَمْسَ وَخَوَاتِيْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَغُفِرَ لِمَنْ لَّا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ مِنْ اُمَّتِهٖ شَيْئًا الْمُقْحِمَاتِ (صحیح مسلم)	۲۔ سورۃ البقرۃ کی آخری چند آیات اور ۳۔ یہ کہ جو شخص شرک سے بچا رہا اُسکے تمام بڑے بڑے گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی۔

نجات اور جنت میں داخلے کا پروانہ مل جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ایسا سمجھنے والا اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے کیونکہ نہ تو اس نے کلمہ توحید کو سمجھا اور نہ ہی اس پر غور و فکر کیا۔

کیونکہ کلمۂ توحید کا حقیقتاً معنی یہ ہے کہ تمام قسم کے معبودوں سے بے زاری کا اظہار کیا جائے اور ہر قسم کی عبادات کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا کے مطابق اس پر عمل کیا جائے۔ اب جو شخص عبادات میں اس کلمہ کے حقوق کی نگہداشت نہیں کرتا، یا چند عبادات کی ادائیگی تو کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی پرستش بھی کرتا ہے جیسے فوت شدہ اولیاء اللہ کو پکارنا، اُن کے نام کی نذر ماننا، تو ایسا شخص حقیقتاً کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد کو گراتا ہے ایسے شخص کا دعویٰ اس کے لیے کوئی فائدہ مند

التاسعۃ أَلتَّنْبِيْهُ لِرُجْحَانِهَا بِجَمِيْعِ الْمَخْلُوْقَاتِ مَعَ أَنَّ كَثِيْرًا مِّمَّنْ يَّقُوْلُهَا يَخِفُّ مِيْزَانُهٗ.

⑨ اس بات پر بطورِ خاص غور کرنا ضروری ہے کہ لآاِلٰہ اِلّا اللہ تمام چیزوں سے بھاری ہے مگر بہت سے بدقسمت لآاِلٰہ اِلّا اللہ کہنے والوں کی ترازو ہلکی ہوں گی۔

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد، ترمذی، ابنِ ماجہ اور نسائی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم هٰذِهِ الْاٰيَةَ " هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ "	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ "هو اهل التقوی واهل المغفرة"
وَ قَالَ قَالَ رَبُّكُمْ اَنَا اَهْلٌ اَنْ اُتَّقٰى	اور فرمایا کہ تمہارے ربِ کریم نے فرمایا ہے کہ میں اسکا اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے

نہ ہوگا اور نہ ہی اسے عذاب الٰہی سے بچا سکے گا۔ اگر صرف زبانی اقرار کافی ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے عداوت نہ رکھتے اور نہ ہی ان سے جنگ کی نوبت آتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فاعلم انه لا اله الا الله — جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا۔

الّا من شهد بالحق وهم يعلمون ○ — مگر جس نے حق کی شہادت دی اور وہ جانتے تھے۔

الغاشرۃ اَلنَّصُّ عَلٰی أَنَّ الأَرَضِینَ سَبعٌ کَالسَّمٰوٰتِ۔

(۱۰) اس بات کی صاف تصریح موجود ہے کہ آسمانوں کی طرح زمین کے بھی سات طبقے ہیں۔

الحادیۃ عشرۃ أَنَّ لَهُنَّ عُمَّارًا

(۱۱) زمینوں اور آسمانوں میں آبادیاں ہیں۔

فَلَا يُجْعَلُ مَعِيَ إِلٰهٌ — اور میرے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنایا جائے

فَمَنِ اتَّقٰى اَنْ يَجْعَلَ مَعِيَ اِلٰهًا كَانَ اَهْلًا اَنْ اَغْفِرَ لَهٗ — پس جو شخص مجھ سے ڈرا اور اس نے میرے ساتھ دوسرا معبود نہیں بنایا وہ اس کا مستحق ہوگا کہ میں اسے بخش دوں۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کو ان پانچ اعمال پر غور کرنا چاہیے جن کا ذکر حضرت

بس جو شخص کلمۂ توحید کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اُسے کلمہ توحید کا صرف زبانی اقرار فائدہ نہ دے گا۔

اب جو شخص عبادات میں سے کوئی عبادت غیر اللہ کے لیے ادا کرتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں

○ یا تو وہ کلمۂ توحید کے مفہوم سے جاہل ہے

○ یا اپنے دعوائے ایمان میں جھوٹا ہے۔

یہی لوگ دھوکے میں ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ○ (الکھف-۱۰۴)

یہ وہ لوگ ہیں جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی۔ اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

الثانیۃ عشرۃ إِثْبَاتُ الصِّفَاتِ خِلَافًا لِلْأَشْعَرِيَّةِ۔

⑫ اللہ کریم کی صفات کا ثبوت، بخلاف اشعریہ کے (وہ صفاتِ الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں۔)

الثالثۃ عشرۃ أَنَّكَ إِذَا عرفت حديث انس عرفت ان قوله فِي حَدِيثِ عِتْبَانَ:

فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ۔ أَنَّهُ تَرْكُ الشِّرْكِ لَيْسَ قَوْلُهَا بِاللِّسَانِ۔

⑬ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جب آپ کی سمجھ میں آجائے گی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ فرمانا کہ "فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ" سے مقصود شرک چھوڑنا ہے نہ یہ کہ بس زبان سے کلمہ کی شہادت۔

الرابع عشرة **تَأَمَّلِ الْجَمْعَ بَيْنَ كَوْنِ عِيْسٰى وَ مُحَمَّدٍ عَبْدَيِ اللهِ وَ رَسُوْلَيْهِ -**

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو اللہ کا بندہ اور رسول کہنے میں غور و فکر کرو۔

الخامسة عشرة **مَعْرِفَةُ إِخْتِصَاصِ عِيْسٰى بِكَوْنِهٖ كَلِمَةَ اللهِ -**

(۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بطور خاص کلمۃ اللہ کہنے کی معرفت۔

السادسة عشرة **مَعْرِفَةُ كَوْنِهٖ رُوْحًا مِّنْهُ -**

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے رُوح اللہ ہونے کی معرفت

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں کیا گیا ہے کیونکہ جب ان پانچ امور کو حضرۃ عتبان رضی اللہ عنہ کی روایت سے ملاکر غور کیا جائے گا تو کلمۂ شہادت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی پوری طرح وضاحت ہو جائے گی۔ گویا ان دونوں روایات سے کلمۂ شہادت ہی کی صراحت مقصود ہے اور ان مغرور اور فریب خوردہ گروہ کی اس غلطی کا بھی پتا چل جائے گا جن کا عقیدہ یہ ہے کہ دُخولِ جنت کے لیے صرف زبان سے کلمۂ شہادت کافی ہے۔

زیرِ نظر حدیث میں یہ بات بھی موجود ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی اسی طرح لا الٰہ الا اللہ کی فضیلت معلوم کرنے کے محتاج ہیں جس طرح کہ دُوسری تمام مخلوقِ خدا اس کو سمجھنے کی محتاج ہے۔ اِسکی

السابعة عشرة: مَعْرِفَةُ فَضْلِ الْإِيمَانِ بِالْجَنَّةِ وَ النَّارِ۔

(۱۷) جنت اور دوزخ پر ایمان لانے کی فضیلت۔

الثامنة عشرة: مَعْرِفَةُ قَوْلِهِ: "عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ"۔

(۱۸) اِس بات کی معرفت کہ (صاحبِ توحید کا لازمی جنت میں جانا) اگرچہ وُہ کیسے ہی عمل کرتا ہو۔

التاسعة عشرة: مَعْرِفَةُ أَنَّ الْمِيزَانَ لَهُ كِفَّتَانِ۔

(۱۹) اس بات کی معرفت کہ ترازو کے دو پلڑے ہیں۔

العشرون: مَعْرِفَةُ ذِكْرِ الْوَجْهِ۔

(۲۰) اللہ کے لیے لفظ "وجہ" کا استعمال ہونے کو سمجھنا۔

وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی شہادت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کے باوجود اُن کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا رہے گا۔

اِس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات ہوتا ہے جو فرقہ معطلہ کے عقیدے کے خلاف ہے۔

اِس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر ہم حضرت انس اور حضرت عتبان رضی اللہ عنہم کی روایات کو یک جا کر کے غور کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ترکِ شرک کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ فقط زبان سے اقرار اور شہادت کافی ہے۔

بَابُ

مَنْ حَقَّقَ التَّوْحِيدَ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ

اِس بابؒ میں یہ بتایا گیاؒ ہے کہ جو شخص توحیدِ خالِص پر عمل پیرا ہُوا، وُہ بِلا حسابؒ جنّت میں داخِل ہو گیا۔

باب

مَنْ حَقَّقَ التَّوْحِيْدَ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ

باب من تحقق التوحید: تحقق کے معنی یہ ہیں کہ انسان توحید کو اپنے عمل میں سمو لے اور اس کو شرک، بدعت اور معاصی کے شائبوں سے پاک کرے۔[1]

---

[1] توحید کو اپنے اعمال و کردار میں سمو لینا اُمتِ محمدیہ کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ اُن اہلِ ایمان کی خاص علامت ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے چُن لیتا ہے۔ جیسے حضرت یُوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (یوسف - ۲۲)	یہ اس لیے ہوا کہ ہم اس سے بدی اور بےحیائی کو دُور کر دیں۔ درحقیقت وُہ ہمارے چُنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

مخلصین کی تعداد ابتدائے اسلام میں بکثرت تھی لیکن آخر میں بہت کم رہ جائے گی اور وہ بھی مساکین پر مشتمل ہوگی، البتہ ان کی قدر و منزلت اللہ کریم کے ہاں بہت بلند ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے خلیل علیہ السلام کی بات نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○	اے برادرانِ قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں، جنھیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔
اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (انعام - ۷۸-۷۹)	میں نے تو یکسُو ہو کر اپنا رُخ اُس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

یعنی مَیں نے اپنے دین اور عبادت کو اُس ذاتِ کبریا کے لیے خاص کر لیا ہے جس نے زمین و آسمان کو بے مثل پیدا فرمایا ہے اور مَیں حنیف ہوں یعنی شرک کو چھوڑ کر توحید کی طرف مائل ہوں۔ اسی کو تاکیداً فرمایا کہ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، کہ مَیں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

بِغَيْرِ حِسَابٍ کا مطلب یہ ہے کہ اِسے عذاب نہ ہوگا۔

اِس آیت کریمہ کی مزید توضیح کے لیے قرآن کریم میں بیشمار آیات رقم ہیں ایک مقام پر ارشاد ہے کہ

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ	اس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی ہو سکتا ہے
وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ	جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنا
مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ	رویہ نیک رکھا اور یکسو ہو کر ابراہیم کے
اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝	طریقے کی پیروی کی، اس ابراہیم کے طریقے کی
(النساء - ۱۲۵)	جسے اللہ نے اپنا دوست بنا لیا تھا۔
وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ	جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرے اور
وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ	عملاً وہ نیک ہو اُس نے فی الواقع ایک بھروسے
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ (لقمان - ۲۲)	کے قابل سہارا تھام لیا۔

اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"جس شخص نے اپنے آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیا ہے یعنی اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کر لیا اور اس کے احکام سے سرمو انحراف نہ کرنے کا عہد کر لیا اور اسکی نازل کردہ شریعت کی پیروی کے لیے کمربستہ ہو گیا۔ اِسی لیے تو اس کی دوسری صفت یہ بیان کی کہ "وَهُوَ مُحْسِنٌ" یعنی اپنے عمل و کردار اور اس کے احکام کی پیروی اور اُسکے منع کردہ اُمور سے اجتناب کرنے پر کمربستہ ہو گیا۔

پس یہ آیت کریمہ اس بات کی شاہد ہے کہ کمالِ اخلاص اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ انسان شرک کو بالکل ترک نہ کرے اور شرک اور مشرکین سے بیزاری اور قطع تعلق نہ کرے۔"

قول اللہ تعالیٰ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ط

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک پوری اُمّت تھے، اللہ کے مطیع فرمان اور یک سُو۔

قولہٗ : إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً

زیرِ نظر آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ صفات بیان فرمائی ہیں جو توحید کی اصل غرض و غایت ہیں۔

۱۔ پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ كَانَ أُمَّةً : یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، بہترین نمونہ تھے، معلّمِ خیر اور امام تھے۔ اُن کی زندگی مخلوقِ خدا کے لیے مشعلِ راہ تھی۔ یہ بلند مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُس وقت حاصل ہُوا جب اُنھوں نے صبر اور یقینِ کامل کی تمام منزلوں کو طے کر لیا حقیقت میں یہی وُہ دو وصف ہیں جن کی وجہ سے ایک انسان دین میں اِمامت کے بلند و بالا مقام پر فائز ہو جانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۲۔ قَانِتًا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زندگی کو اطاعتِ خداوندی میں تسلسُل و دوام کے ساتھ گذار دینے کا نام قنُوت ہے، اِسی طرح نمازی کے طویل رکوع و سجود اور قیام کو قنُوت کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ط (الزمر ــ ۹)	کیا اُس شخص کی روش بہتر ہے جو مطیعِ فرمان ہے، رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا اور سجدے کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت سے امید لگاتا ہے؟

اِس آیت میں لفظ قانت اس شخص پر بولا گیا ہے جو آخرت سے ڈرتا ہوا دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا رہتا ہے۔

۳ — اِنَّهٗ كَانَ حَنِيفًا:

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

جو شخص اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو اور ماسوی اللہ سے منہ موڑ لے، اُسے اَلْحَنِيفُ کہتے ہیں۔

۴ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ : حضرت ابراہیم علیہ السلام اخلاص اور توکل جیسے عظیم عمل میں یکتا و فرد تھے اور سچائی کی اعلیٰ منزل پر فائز تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شرک کی آلائشوں سے پاک اور اس کی حدود سے دور تھے[لہ]۔ مندرجہ ذیل آیات اِس آیۂ کریمہ کی مزید وضاحت کرتی ہیں:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ — ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے صحابہ میں تمہارے لیے اُسوہ اور اچھا نمونہ ہے۔

لہ علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ "مفتاح دار السعادۃ" میں فضیلتِ علم کے تحت رقمطراز ہیں:

"ربِ کریم نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بایں الفاظ تعریف کی کہ "اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً" - اِس آیت میں چار قسم کے تعریفی کلمات استعمال فرمائے۔ ابتداءً آپ کو اُمَّۃ کے لفظ سے یاد فرمایا۔ اُمَّۃ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دوسروں کے لیے نمونہ ہو اور اس کی پیروی کی جائے۔"

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اُمَّۃٌ، فُعْلَۃٌ کے وزن پر ہے جیسے قُدْوَۃٌ۔ یعنی معلّمِ خیر جس کی پیروی کی جائے۔"

اِمام اور اُمَّۃ میں دو طرح کا فرق ہے۔

ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَالَّذِيْنَ مَعَه سے وہ رسول مراد ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے پیرو اور خیر خواہ تھے۔

اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ (الممتحنہ - ۴)

جب اُنھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: "ہم تم سے اور تمھارے ان معبودوں سے جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ" مگر ابراہیمؑ کا اپنے باپ سے یہ کہنا (اس سے مستثنیٰ ہے) کہ "میں آپ کیلئے مغفرت کی درخواست ضرور کرونگا اور اللہ سے آپ کیلئے کچھ حاصل کر لینا میرے بس میں نہیں ہے"

○ پہلا یہ کہ امام اُسے کہا جاتا ہے جس کی پیروی کی جائے۔ اس میں امام کی خواہش ہو یا نہ ہو، دونوں صورتیں برابر ہیں، اسی مناسبت سے راستے کو بھی امام سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الحجر - ۷۸-۷۹)

اور ایکہ والے ظالم تھے تو دیکھ لو کہ ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان دونوں قوموں کے اُجڑے ہوئے علاقے کھلے راستے پر واقع ہیں۔

یہاں پر امام مبین سے ایسا راستہ مراد ہے جو بالکل واضح ہو اور مسافر کسی اُلجھاؤ کے بغیر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔ راستہ کو اُمّۃ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ مشہور قول بھی نقل کیا جو انہوں نے اپنے باپ آذر سے کہا تھا:

وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۝ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ (مریم - ۴۸، ۴۹)	میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور اُن ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا۔ پس جب وہ اُن لوگوں سے اور اُن کے معبودانِ غیر اللہ سے جُدا ہو گیا تو ہم نے اسکو اسحاق اور یعقوبؑ جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا۔

○ دوسرا فرق یہ ہے کہ لفظ اُمَّة میں معانی کی زیادتی پائی جاتی ہے۔ لفظ اُمَّة اُس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں تمام صفاتِ کمال جمع ہو گئی ہوں اور وہ شخصیت علم و عمل میں منفرد حیثیت کی حامل ہو۔ ایسی شخصیت دوسروں سے بایں معنیٰ ممتاز ہو کہ یہ صفاتِ کمال دوسروں میں یا تو متفرق اور الگ الگ پائی جائیں یا بالکل ہی معدوم اور مفقود ہوں۔

لہٰذا لفظ اُمَّة سے یہی معنیٰ سمجھے جائیں گے کیونکہ اس میں میم اپنے مخرج اور ذکرِ لفظی کے لحاظ سے ضمہ پر دلالت کرتی ہے اور اسی مناسبت سے اُمَّة کے پہلے حرف یعنی الف کو ضمہ کا اعراب دیا گیا ہے کیونکہ ضمہ اور واؤ میں مخرج کے لحاظ سے مشارکت ہے۔ آخر میں حرف ۃ لایا گیا جس سے واحد کے معنیٰ ظاہر ہوتے ہیں، جیسے غُرْفَةٌ (ایک کمرہ)، لُقْمَةٌ (ایک لقمہ)۔ اسی مفہوم کو یہ حدیثِ پاک ظاہر کرتی ہے:

اَنَّ زَیْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَیْلٍ یُبْعَثُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ	حضرت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کو قیامت کے دن ایک اُمت کی حیثیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک اور مشرکین سے بیزاری کا اظہار، اُن سے عداوت اور اُن کے کافرانہ عقائد سے انکار کر کے اور اُن سے دشمنی کر کے تحقیقِ توحید کی وہ تصویر کھینچی ہے جس کی مثال پیش کرنا ممکن نہیں۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ زیر بحث آیت اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہلِ توحید کو اپنی قلتِ تعداد پر گھبرانا نہ چاہیے۔

اُمَّةً وَّاحِدَةً میں اٹھایا جائے۔

پس ثابت ہوا کہ ضمۃ اور جمع کے معنی لفظ اُمَّۃ کے لیے لازم ہیں۔ اسی وجہ سے اُمتوں کے افراد کو اُمَّۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ افراد یا تو دینِ واحد پر جمع ہوتے ہیں اور یا ایک ہی دور میں ان کا وجود ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری صفت یہ بیان کی وہ قانت تھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مطیع اور فرمانبردار کو قانت کہتے ہیں۔ قُنُوت ان تمام اشیاء کو شامل ہے جو دوامِ اطاعت کو مستلزم ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ حنیف تھے۔ حنیف اُسے کہتے ہیں جو ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اسی معنی کو مدنظر رکھیں تو لازم آئے گا کہ حنیف شخص اللہ کے سوا ہر ذات سے اعراض رکھے۔ پس ثابت ہوا کہ غیر اللہ سے اعراض حنیف کے لوازم میں سے ہے۔ یاد رہے کہ لُغوی طور پر حنیف اس معنی کے لیے وضع نہیں کیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چوتھی صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ شَاكِرًا تھے۔ شُکرِ انعامات تین ارکان پر مبنی ہے:

۱۔ نعمت کا اقرار کرنا اور اس کو مُنعم کی طرف منسوب کرنا۔

۲۔ انعامات کو مُنعم کی منشا کے مطابق خرچ کرنا۔

۳۔ انعامات کے تقاضوں کے مطابق عمل پیرا ہونا۔

مذکورۃ الصدر تین ارکان کے بغیر انسان شاکر کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا۔

قولہ : قَانِتًا لِلّٰہِ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو بادشاہوں کے سامنے جھکتے تھے اور نہ فضول خرچ تاجروں کے حضور گردن کو خم کرتے تھے۔

ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ رب کریم نے اپنے خلیل ؑ کی تعریف میں چار صفتوں کا ذکر فرمایا جو سب کی سب علم، علم کے تقاضوں کے مطابق عمل اور اس کی نشر و اشاعت کی طرف راجع ہیں۔ پس کمالِ علم یہ ہے کہ انسان اس کے مطابق عمل کرے اور مخلوقِ خدا کو اس کی طرف دعوت دے۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے، اپنے رسول اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یوں تعریف فرمائی کہ وہ امام الحنفاء تھے۔ جہاں اُنہوں نے مُشرکین سے بیزاری کا اظہار کیا وہاں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت سے بھی براءت کا اظہار فرمایا۔ اُمّۃ اُس امام کو کہا جاتا ہے جس کی اقتداء اور پیروی کی جائے۔

قانت، مطیع اور فرمانبردار کو کہا جاتا ہے۔

حنیف، اُس شخص کو کہتے ہیں جو قصداً شرک سے کنارہ کش ہو کر توحید کی طرف مائل ہو۔ اسی بنا پر ان کے بارے میں فرمایا: لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔"

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"کان ابراھیم امۃ، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے ہی مومن تھے، اُس وقت باقی سب لوگ کافر تھے۔"

محقق شہیر علامہ محمد حامد الفقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مذکورۃ الصدر دونوں قول ٹھیک ہیں کیونکہ حضرت خلیل اللہ ؑ میں یہ دونوں صفتیں موجود تھیں۔ البتہ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ دعوت الی اللہ کے ابتدائی مراحل میں اکیلے ہی تھے اور اسی دور میں شرک سے براءت پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح اور تعریف فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قولہ : حَنِیۡفًا

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام فریب خوردہ علماء کی طرح اِدھر اُدھر جھک جانے کے قائل نہ تھے۔

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ○ اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡكَ شَيۡـًٔا ○ (مریم - ۴۱-۴۲)

اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا قصہ بیان کرو بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا (انہیں ذرا اس موقع کی یاد دلاؤ) جب کہ اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ "ابا جان! آپ کیوں اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟

وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ ○ اِذۡ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ ○ (الصّٰفّٰت)

اور نوحؑ ہی کے طریقے پر چلنے والا ابراہیمؑ تھا جب وہ اپنے رب کے حضور قلبِ سلیم لے کر آیا۔

یہ حالات ابتدائے دعوت میں تھے جبکہ ان کے علاوہ خطۂ ارض پر اُن کے علاوہ ایک بھی مسلمان نہ تھا۔" واللہ اعلم

قولہ : وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کا ہر طرح سے بائیکاٹ کیا۔ دل، زبان اور اپنے تمام ارکان سے مشرکین کا مقاطعہ کیا۔ مشرکین جن غیر اللہ کی عبادت میں غرق تھے ان کو سختی سے روکا اور ان کے بتوں کو توڑنے سے بھی گریز نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جو مشکلات پیش آئیں اُن پر صبر کیا۔ اسی کردار کو تحقیق توحید اور دین کی اساس کہتے ہیں، جیسا کہ فرمایا:

اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ○ (بقرۃ - ۱۳۱)

جب اُس کے رب نے کہا "مُسلم ہو جا" تو اس نے فوراً کہا کہ "میں ربِّ کائنات کا مُسلم ہو گیا۔"

آج کل اکثر کلمہ گو اور لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے، اسلام کا دعویٰ کرنے والے اللہ کی عبادت میں شرک کر رہے ہیں، بایں معنی کہ یہ ایسے افراد کو پکارتے ہیں جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، طرفہ یہ ہے کہ وہ بھی مُردوں کو

وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(النحل : ۱۲۰)

وہ کبھی مُشرک نہ تھے۔

قولہٗ : وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اِس وضاحت سے اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو محض کثرتِ تعداد کی بنیاد پر اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔

قولہٗ : اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً

آیت کے اِن الفاظ کے بارے میں ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اُس زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا اور کوئی مسلمان نہ تھا۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے سابقہ قول کہ اَنَّهٗ كَانَ اِمَامًا يُقْتَدٰى بِهٖ فِي الْخَيْرِ میں کوئی تعارض اور منافات نہیں ہے کیونکہ اِس کا تعلق اُس دور سے ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کو قبولِ عام حاصل ہوا۔

یا جو اِن سے کوسوں دُور ہیں، یا طاغوت اور جنات وغیرہ کو۔ اِن سے محبت اور دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہیں، اِن سے خوف کھاتے ہیں، اِن سے اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں۔

جو موحد شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دے اور غیر اللہ کی عبادت سے روکے اور یہ کہے کہ یہ سراسر بدعت اور گمراہی ہے، اُس کی مخالفت پر یہ لوگ کمربستہ ہو جاتے ہیں۔

بعض مشرک تو توحید کو علم سمجھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے اور اپنی جہالت، عدمِ محبت کی وجہ سے توحید پر غور و فکر کرنے کے بھی روادار نہیں۔

واللہ المستعان

وقال : وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ
لَا يُشْرِكُوْنَ ۙ (المؤمنون : ۵۹)

اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔

قولہٗ: وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ

یہ اُن مومنین کی صفت ہے جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اُن کی وُہ خوبی بیان فرمائی ہے جو سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے، یعنی یہ کہ اُن کا دامن شرک سے آلودہ نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان کو بسا اوقات ایسے ایسے واقعات اور اعمال سے واسطہ پڑتا ہے جو اسکے اِسلام اور ایمان کو داغدار کر دیتے ہیں جیسے شرک جلی اور شرک خفی۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ایک پکے اور سچے مومن کی یہ تعریف بیان کی کہ لَا يُشْرِكُوْنَ، جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ کسی صُورت میں بھی شرک کا اِرتکاب نہیں کرتے۔ یہی معنیٰ ہے توحید کو اپنے اعمال میں سمونے کا۔ اِس سے اعمال سنورتے اور نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ اعمال میں یہ جِلا اُس وقت پیدا ہوگی جب انسان شرک اصغر سے دامن بچائے رکھے۔ رہا شرک اکبر، تو اِس سے انسان سرے سے مسلمان ہی نہیں رہتا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ زیر بحث آیت وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے بلکہ اس کی توحید کا اقرار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ

اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَحَدٌ — اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک اور
صَمَدٌ وَ لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّ — بے نیاز ہے، نہ اسکی بیوی ہے
لَا وَلَدًا وَاَنَّهٗ لَا نَظِيْرَ لَهٗ — نہ اولاد اور نہ اسکی کوئی نظیر ہی ہے۔

عن حصين بن عبد الرحمن قال : كُنْتُ عِنْدَ سَعِيدِ بنِ جُبَيْرٍ فقَالَ : أَيُّكُمْ رَأَى الْكَوْكَبَ الَّذِي إِنْقَضَّ الْبَارِحَةَ ؟ فَقُلْتُ أَنَا ثُمَّ قُلْتُ : أَمَا إِنِّي لَمْ أَكُنْ فِي صَلوةٍ وَلٰكِنِّي لُدِغْتُ . قَالَ فَمَا صَنَعْتَ ؟

حصینؒ بن عبدالرحمنؒ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت سعید بن جبیر کے پاس تھا کہ سعید کہنے لگے
آج رات ستارے کو ٹوٹتے ہوئے تم میں سے کس نے دیکھا ہے؟
حصینؒ نے کہا کہ ہاں میں نے دیکھا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ میں نماز میں مشغول نہ تھا بلکہ مجھے کسی چیز نے کاٹ کھایا تھا جس کی مجھے سخت تکلیف تھی۔
انہوں نے کہا پھر تم نے کیا کیا؟

قولہٗ : عن حصين بن عبد الرحمٰن
یہ سلمی تھے، ان کی کنیت ابوالھذیل ہے۔ کوفہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ثقہ راویوں میں سے تھے۔ تبع تابعی تھے۔ ۹۳ سال کی عمر پاکر ۱۳۶ھ میں فوت ہوئے۔

قولہٗ : سعيد بن جبير
یہ بہت بڑے امام اور فقیہ تھے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر شاگردوں میں سے

قُلْتُ إِرْتَقَيْتُ : قَالَ فَمَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ ؟

قُلْتُ : حَدِيْثٌ حَدَّثَنَاهُ الشَّعْبِيُّ قَالَ مَا حَدَّثَكُمْ ؟

انہوں نے کہا میں نے جھاڑ پھونک سے کام لیا۔ انہوں نے کہا یہ کیوں ؟ میں نے کہا شعبیؒ سے مروی ایک حدیث کی بنا پر۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا حدیث ہے جو انھوں نے بیان کی ؟

تھے۔ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت نقل کرتے ہیں کوفی تھے، قبیلہ بنو اسد کے غلام تھے۔ ابھی پچاس سال کی عمر کو بھی نہ پہنچے تھے کہ ۹۵ھ میں حجاج کے سامنے شہید کر دیے گئے۔

اِنْقَضَّ کے معنی ٹوٹ کر گرنا۔

اَلْبَارِحَةَ : گزری ہوئی قریب تررات کو کہتے ہیں یعنی سابقہ رات۔ رَأَیْتُ اللَّیْلَةَ اور رَأَیْتُ الْبَارِحَةَ میں فرق بیان کرتے ہوئے حضرت ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

" رَأَیْتُ اللَّیْلَةَ زوالِ شمس سے پہلے کہا جاتا ہے، رَأَیْتُ الْبَارِحَةَ کا اطلاق زوالِ شمس کے بعد ہوتا ہے۔"

اَلْبَارِحَةَ کا لفظ بَرِحَ سے مشتق ہے جس کے معنی زوال کے ہیں۔

قولہ : اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَکُنْ فِیْ صَلٰوۃٍ

یہ قول حضرت حصینؒ کا ہے، حضرت حصینؒ نے اِس بات کی تصریح اِس بنا پر ضروری سمجھی کہ

قُلتُ : حَدَّثَنَا عَنْ بُرَيْدَةَ بْنِ الْحُصَيّبِ أَنَّهُ قَالَ : لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ - قَالَ : وَقَدْ أَحْسَنَ مَنِ انْتَهٰى إِلٰى مَا سَمِعَ -

---

مَیں نے کہا کہ ہم سے بریدہ بن الحُصَیب نے حدیث بیان کی کہ نظرِ بد اور کسی زہریلی چیز کے کاٹ کھانے کے سوا اور کہیں جھاڑ پھونک یا دم مفید نہیں جس شخص نے جو سُنا اِسی پر اکتفا کیا اور اسی پر عمل پیرا رہا تو اُس نے بہت اچھا کیا۔

حاضرین اِس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ میں نے نماز کی حالت میں یہ منظر دیکھا۔ اسلاف میں کسرِ نفسی اور اخلاص کی یہ اعلیٰ ترین مثال ہے کہ انسان اپنے آپ کو ریاء اور خود ستائشی سے بچائے رکھے۔

قولہٗ : وَلٰكِنِّي لُدِغْتُ

اہلِ لغت کا کہنا ہے کہ لُدِغْتُ اُس وقت کہا جاتا ہے جب کسی کو زہریلی چیز جیسے سانپ یا بچھو وغیرہ کاٹ لے اور زہر جسم میں سرایت کر جائے۔

قولہٗ : ارْتَقَيْتُ -

یعنی مَیں نے ایسے آدمی کو بلایا جو مجھے دم کرے۔

صحیح مسلم میں اِسْتَرْقَيْتُ کا لفظ ہے۔ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

قولہٗ : فَمَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ

اِس سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی ضرورت کی چیز دُوسرے سے مانگ سکتا ہے۔

وَ لٰکِنْ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهٗ قَالَ۔

البتہ ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا کہ آپؐ نے فرمایا کہ

شعبی کا نام یہ ہے:

عامر[1] بن شراحیل الھمدانی۔ رحمۃ اللہ علیہ

یہ تابعی ہیں اور ثقہ ہیں۔ اپنے زمانے کے بہت بڑے فقیہہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے اور ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔

قولہٗ: عن بریدۃ رضی اللہ عنہ بضم الباء وبفتح الراء بردہ کی تصغیر۔

ان کا پورا نام یہ ہے:

بُریدۃ بن الحصیب بن الحارث الاسلمی رضی اللہ عنہ

جلیل القدر اور مشہور صحابی ہیں۔ ابن سعد کے قول کے مطابق ۶۳ھ میں فوت ہوئے۔

قولہٗ: لَا رُقْيَةَ اِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْ حُمَةٍ

امام احمد اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اِس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ امام احمد، ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے عمران بن حصین سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ الہیثمی کے بیان کے مطابق رواۃ احمد کے رجال ثقہ ہیں۔

---

[1] امام شعبی رحمہ اللہ نے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی مگر ان سے سماع نہیں کیا۔ انھوں نے حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، ابن جریر رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور خلق کثیر سے بھی روایات نقل کی ہیں۔ شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں جو مسودہ بھی میں نے بیضہ میں منتقل کیا وہ مجھے اچھی طرح حفظ تھا۔

اَلْعَیْنُ : نظرِ بد کو کہتے ہیں۔

اَلْحُمَةُ : سانپ اور بچھو وغیرہ کے زہر کو کہا جاتا ہے۔

الخطابی رحمۃ اللہ نے حدیثِ بالا کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ

لَا رُقْیَةَ اَشْفٰی وَاَوْلٰی مِنْ رُقْیَةِ الْعَیْنِ وَالْحُمَةِ وَقَدْ رَقَی النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَرُقِیَ	سب سے اچھا جھاڑ پھونک یا دم کرنا نظرِ بد اور بخار کیلئے ہے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کیا اور آپ کو دم کیا گیا۔[1]

قولہ : قَدْ اَحْسَنَ مَنِ انْتَھٰی اِلٰی مَا سَمِعَ

یعنی علم کی جو چیز ملی اس پر عمل پیرا ہو گیا تو اس نے بہت اچھا کیا، بخلاف اس کے کہ جو جہالت کی بنا پر کسی چیز پر عمل کرتا ہے یا جس چیز کو جانتا ہے اس کو بنیادِ عمل قرار نہیں دیتا وہ گناہ گار ہے اور غلط آدمی ہے۔ ان الفاظ میں سلف صالحین کی فضیلت اور ان کے حسنِ ادب کا پتہ چلا۔

قولہ : حدثنا ابن عباس رضی اللہ عنہ

یہ ہیں عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا کی تھی کہ

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِیْلَ[2]	اے اللہ! ان کو دین کی سمجھ بوجھ اور تفسیر کا علم عنایت فرما۔

اِس دعا کی برکت سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فقاہت اور تفسیر کے امام و مقتدیٰ مانے جاتے تھے۔ انھوں نے سنہ ۶۸ھ کو طائف میں وفات پائی۔

---

[1] اس چیز کا کہیں حدیث میں ثبوت نہیں ملتا۔ آپ کو بھی کسی دوست نے دم کیا ہو۔ (مترجم)

[2] یہ روایت امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی صحیح میں متعدد جگہوں پر نقل کی ہے۔

عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّهْطُ وَ النَّبِيَّ وَ مَعَهُ الرَّجُلُ وَ الرَّجُلَانِ وَ النَّبِيَّ وَ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ۔

مجھے بہت سی اُمتیں دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ تو بہت بڑی جماعت ہے اور کسی نبی کے ساتھ صرف ایک یا دو ہی آدمی ہیں اور ایسے نبی کو بھی دیکھا جس کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔

قولہ: عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ [1]

ترمذی اور نسائی میں بروایت عبثر بن قاسم عن حصین بن عبدالرحمٰن یہ الفاظ ہیں۔ اِنَّ ذٰلِكَ كَانَ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ لفظ اسی طرح ثابت و محفوظ ہیں تو اس سے ان لوگوں کے خیال کو قوت حاصل ہوتی ہے جو تعدد اسراء کے قائل ہیں۔ پھر یہ واقعہ مدینہ منورہ میں بھی پیش آیا۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِنَّ ذٰلِكَ كَانَ فِيْ لَيْلَةِ الْإِسْرَاءِ کی صحت مشتبہ ہے۔

قولہ: فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّهْطُ

صحیح مسلم میں اَلرَّهْطُ کی جگہ لفظ اَلرُّهَيْطُ ہے۔ یہ تصغیر ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دس افراد سے کم جماعت ہو تو اُسے اَلرَّهْطُ کہتے ہیں۔

---

[1] یہ واقعہ کب پیش آیا؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

قولهٗ : وَالنَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالنَّبِيَّ وَلَيْسَ مَعَهُ اَحَدٌ

حدیث مبارک کے ان الفاظ سے اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو کثرتِ تعداد کو صحتِ مذہب کی دلیل قرار دیتے ہیں۔[1]

---

[1] بعض ایسے انبیا بھی مبعوث ہوئے جن کی اطاعت ایک شخص نے بھی نہ کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (الحجر - ۱۰-۱۱)

اے محمدؐ! ہم تم سے پہلے بہت سی گذری ہوئی قوموں میں رسول بھیج چکے ہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُن کے پاس کوئی رسول آیا ہو اور انھوں نے اس کا مذاق نہ اڑایا ہو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ نجات پانے والے افراد کی تعداد قلیل ہی ہوتی ہے اور اکثریت نے من مانیاں کر کے انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت کی اور اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام - ۱۱۶)

اور اے محمدؐ: اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَاِنْ وَّجَدْنَا اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ○ (الاعراف - ۱۰۲)

ہم نے ان میں سے اکثر میں کوئی پاس عہد نہ پایا بلکہ اکثر کو فاسق ہی پایا۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ (الروم - ۴۲)

اے نبیؐ! ان سے کہو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو پہلے گذرے ہوئے لوگوں کا کیسا انجام ہو چکا ہے۔ ان میں اکثر مشرک ہی تھے۔

نجات پانے والے اگرچہ قلیل تعداد میں ہی ہوتے ہیں حقیقت میں یہی سوادِ اعظم ہیں۔ کیونکہ اُن کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے۔ لہٰذا لوگوں کی کثرت تعداد پر دھوکہ نہ کھانا چاہیے کیونکہ سابقہ لوگ اسی کثرت کے گھمنڈ میں آ کر ہلاک ہو گئے، حتیٰ کہ بعض اہل علم بھی جاہلوں اور گمراہ افراد کے عقائد میں گرفتار ہو گئے اور کتاب و سُنّت کو پس پُشت ڈال دیا۔

إِذْ رُفِعَ لِيَ سَوَادٌ عَظِيمٌ فَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ أُمَّتِي فَقِيلَ لِي هَـٰذَا مُوسَىٰ وَقَوْمُهُ۔

اچانک میرے سامنے ایک انبوہِ کثیر آیا، میں نے خیال کیا کہ یہ میری اُمت ہو گی لیکن مجھ سے کہا گیا کہ یہ حضرت موسیٰؑ اور اُن کی قوم ہے۔

قولہ: إِذْ رُفِعَ لِي سَوَادٌ عَظِيمٌ

رفع سے وہ شخص یا گروہ مراد ہے جو بہت دُور سے نظر آ رہا ہو۔

قولہ: فَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ أُمَّتِي

یہ شبہ اِس لیے پیدا ہوا کہ جو افراد دُور سے دکھائی دیں اُن کو پہچاننا دشوار ہوتا ہے۔ دُور سے تو صرف انسانی صورت ہی نظر آتی ہے۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ۔ مصنف رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو ذکر نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جس نسخے سے مصنفؒ نے حدیث نقل کی ہے اُس میں یہ الفاظ نہیں ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

قولہ: فَقِيلَ لِي هَـٰذَا مُوسَىٰ وَقَوْمُهُ

اِس سے حضرت موسیٰ بن عمران مراد ہیں جن کو کلیم الرحمان بھی کہا گیا ہے اور قوم سے ان کے متبعین مراد ہیں جنھوں نے قوم بنی اسرائیل سے ان کی اتباع کی۔[1]

[1] حدیث کے ان الفاظ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کی فضیلت کا پتا چلتا ہے جنھوں نے سابق نبیوں اور مُنزّل من اللہ کتابوں جیسے تورات، انجیل، زبور اور قرآن کریم کو تسلیم کیا اور ایمان لائے۔ بنی اسرائیل اختلاف سے پہلے کثیر تعداد میں تھے، ان میں انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوئے۔ البتہ

فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيمٌ فَقِيلَ لِي هٰذِهِ أُمَّتُكَ وَ مَعَهُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَ لَا عَذَابٍ

اِسکے بعد میں نے ایک بہت ہی بڑے انبوہ کو دیکھا، مجھے بتایا گیا کہ یہ آپؐ کی اُمت ہے اور آپؐ کی اُمت میں ستر ہزار افراد وہ ہیں جو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

قولہٗ : فَنَظَرْتُ

اُمتِ محمدیہ کی اِس درجہ عظمت و توقیر اور ستر ہزار افراد کے بلاحساب جنت میں داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے توحید کو فکر و عمل میں سمونے کی کوشش کی۔

ابنِ فضیل کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ :

يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ مِنْ هٰؤُلَاءِ مِنْ أُمَّتِكَ سَبْعُونَ أَلْفًا

(اے رسولِ عربی!) آپ کی اِس اُمت میں سے ستر ہزار افراد بلاحساب جنت میں داخل ہونگے

بعثتِ انبیاءؑ کے بعد مختلف دھڑوں میں بٹ گئے۔

حدیث کے ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار بہت زیادہ تھے۔ ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الجاثیہ-۱۶)

دنیا بھر کے لوگوں پر انھیں فضیلت عطا کی۔

ثُمَّ نَهَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهٗ فَخَاضَ النَّاسُ فِيْٓ أُولٰئِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ فَلَعَلَّهُمُ الَّذِيْنَ صَحِبُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ فَلَعَلَّهُمُ الَّذِيْنَ وُلِدُوْا فِي الْإِسْلَامِ فَلَمْ يُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ ذَكَرُوْا أَشْيَاءَ ۔

یہ واقعات سُنا کر آں حضرت ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے ۔ پس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں ان ستر ہزار افراد کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگے ۔ بعض کا کہنا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے ۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اسلام میں پیدا ہوئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ۔ اس کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور توجیہات بھی کیں ۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت درج ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ :

أَنَّهُمْ تُضِيْءُ وُجُوْهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ — ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوئے نظر آئیں گے ۔

فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
فَأَخْبَرُوْهُ فَقَالَ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ
وَ لَا يَكْتَوُوْنَ وَ لَا يَتَطَيَّرُوْنَ
وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ

آں حضرت ﷺ جب تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مختلف آراء کا اظہار کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ یہ وہ افراد ہوں گے جو دم نہیں کرواتے۔ اور نہ وہ اپنے جسموں کو داغنے کے قائل ہیں۔

اور نہ وہ فال لیتے ہیں اور وہ اپنے اللہ پر توکل کرتے ہیں۔

مسند احمد اور بیہقی میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ

فَاسْتَزَدْتُ رَبِّيْ فَزَادَنِيْ مَعَ میں نے اپنے رب سے تعداد میں اضافے کی

یہ فضیلت اس لیے عطا کی گئی کہ ان کے دور میں اور ان سے پہلے اتنی کثرت سے کافر تھے جن کا شمار ممکن نہیں جیسے جالوت اور بخت نصر وغیرہ کا گروہ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو توحید کی سمجھ عطا کی اور ایمان کی دولت سے نوازا جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے دور کے افضل ترین اشخاص متصور ہوئے۔ بعض لوگوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی نافرمانی کی اور دین میں اختلاف پیدا کر دیا جس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں کی گئی ہے۔ ان ہی لوگوں کو یہودیوں کے خلاف بطور حجت ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور آپ کی نبوت کو تسلیم نہیں کیا۔

التجا کی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار کا اضافہ کر دیا۔ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعِينَ أَلْفًا [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اِس حدیث کی سند جید ہے۔

اِس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نصوصِ شرعیہ کے بارے میں حصولِ معلومات یا اظہارِ حق کی غرض سے بحث و مناظرہ کرنا جائز ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ سلف صالحین میں جو دینی امور میں گہرائی پائی جاتی ہے اِس کی وجہ اُن کا یہ احساس تھا کہ انھوں نے جو ترقی کی ہے وہ عمل کی وجہ سے ہے۔ [2]

مزید برآں اِس سے اِس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں نیکی اور خیر کی محبت کس درجہ نمایاں تھی۔

---

[1] اِس حدیث میں امتِ محمدیہ کی دوسری اُمتوں پر فضیلت واضح ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ اُمتِ محمدیہ دوسری تمام اُمتوں سے زیادہ ہوگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں اور ان کے متصل بعد یہ تعداد بکثرت تھی۔ شہروں کے شہر اور بستیوں کی بستیاں اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گئیں۔ علم و عرفان کی بارش ہوئی اور مسلمانوں نے مختلف علوم و فنون میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔ یہ تینوں دور، جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون ہونے کی بشارت دی تھی، کتاب و سُنت پر عامل رہے، البتہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ عمل بالسُنۃ کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا۔

[2] اِس واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اِس فضیلت کا پتا چلتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی بات پر ساری ساری رات مذاکرہ اور بحث و تمحیص کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اِس قسم کا مذاکرہ صرف شوقِ عمل کا نتیجہ ہوا کرتا تھا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی مسئلہ میں شرعی دلیل نہ ہو تو اس میں اجتہاد سے کام لیا جا سکتا ہے کیونکہ زیرِ بحث واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات بھر آپس میں مختلف آراء کی روشنی میں سوچتے رہے اور آپ نے کسی کو بھی بُرا خیال نہیں فرمایا ـــ ہاں! یہ بات بطورِ خاص یاد رکھنے کی ہے کہ مجتہد کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے کو بلا دلیل شرعی دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے اور نہ ہی اِس کو آخری اور فیصلہ کن قرار دے بلکہ اپنی رائے کو امکانی حد تک صحیح سمجھے۔

قولہٗ : هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ

صحیحین میں لَا يَسْتَرْقُوْنَ ہی ثابت ہے۔ مسند احمد میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اسی طرح ہے، لیکن مسلم شریف کی ایک روایت میں لَا يَرْقُوْنَ کا لفظ ضبط کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لَا يَرْقُوْنَ کا اضافہ راوی کا وہم ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لَا يَرْقُوْنَ کا لفظ ثابت نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رُقْيَة کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ [1] — جو شخص اپنے کسی بھائی کو کوئی نفع پہنچا سکتا ہو تو اسے ضرور نفع پہنچائے۔

بلکہ ایک روایت میں تو یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ

لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا [2] — دم کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ اُس میں شرک نہ ہو۔

شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دم کیا۔ [3]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ راقی اور مسترقی میں فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"مسترقی تو وہ سائل ہوتا ہے جو بصدقِ قلب غیر اللہ کی طرف مائل اور ملتفت ہو بخلاف راقی یا دم کرنے والے کے کہ یہ بصدقِ قلب احسان کا اظہار

---

[1] مسلم، ابن ماجہ، مسند امام احمد [2] مسلم، ابوداؤد۔

[3] حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دم کیا تھا جب آپ کو جادو کردیا گیا تھا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں صراحت کے ساتھ منقول ہے۔

کرتا ہے ـــــ پھر فرماتے ہیں کہ ستر ہزار افراد کی یہ صفت توکل علی اللہ کی وجہ سے ہے کہ وہ کسی دم کرنے والے کے دم کی خواہش کا اظہار بھی نہیں کرتے۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی مفہوم کی تائید کی ہے۔

قولہ: لَا یَکْتَوُوْنَ

مطلب یہ ہے کہ شفایابی کی غرض سے وہ کسی سے اس بات کا مطالبہ بھی نہیں کرتے کہ انہیں داغا جائے جیساکہ وہ کسی سے دم کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کرتے' اس لیے کہ ان کو قضائے الٰہی کے ساتھ اور مصیبت برداشت کرنے میں جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ شفایابی کی ان تدبیروں میں حاصل نہیں ہوتی۔

امام الموحدین العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"داغ دینا خواہ مریض اس کی خواہش کرے یا نہ کرے، دونوں صورتوں میں اس کا حکم برابر ہے۔"

داغ دینا فی نفسہٖ جائز اور مباح ہے جیساکہ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

---

[1] وہ ستر ہزار افراد جو بلاحساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے ان کی نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ شرک کی کسی بھی قسم میں مبتلا نہ ہوں گے اور اپنی حقیر سے حقیر ضرورت کو بھی انھوں نے غیر اللہ کے سامنے نہ رکھا، حتیٰ کہ دم کرانے اور سنگھی لگوانے تک کی پروا نہ کی۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اُن کا اللہ پر توکل اور بھروسہ تھا۔ اپنی مشکلات صرف خدا کے سامنے پیش کرتے تھے اور اللہ کی قضا وقدر کے علاوہ کسی کی طرف بھی ان کی توجہ نہ تھی۔ وہ صرف اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، اُس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ اللہ کی تقدیر اور اُس کی مرضی کے مطابق آتی ہیں لہٰذا وہ مصائب و مشکلات میں صرف اللہ تعالےٰ ہی کو پکارتے تھے، جیساکہ قرآن کریم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا رجوع الی اللہ منقول ہے کہ:

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (یوسف-۸۶) انھوں نے کہا کہ "میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔"

سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے لیے ایک طبیب کو بغرض علاج بھیجا۔

فَقَطَعَ لَهُ عِرْقاً وَكَوَاهُ — تو اس نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک رگ کاٹ کر اسے داغ دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرا واقعہ مکتوب ہے کہ

اَنَّهُ كُوِىَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ وَالنَّبِىُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَیٌّ — حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ذات الجنب کی وجہ سے خود کو داغ دلوایا

ایک روایت جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

اَنَّ النَّبِىَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَوٰى اَسْعَدَبْنَ زُرَارَةَ مِنَ الشَّوْكَةِ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسعد بن زرارہ کو شوکہ (ایک قسم کی پھنسیوں کی بیماری) کی وجہ سے داغ دیا تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ

اَلشِّفَاءُ فِىْ ثَلَاثٍ : شُرْبَةُ عَسَلٍ وَشَرْطَةُ مِحْجَمٍ وَكَيَّةُ نَارٍ وَاَنَا اَنْهٰى اُمَّتِىْ عَنِ الْكَيِّ وَ فِىْ لَفْظٍ وَمَا اُحِبُّ اَنْ اَكْتَوِىَ — تین چیزوں میں شفا ہے۔ شہد کھانے میں، سنگھی لگوانے میں اور داغ دینے میں۔ لیکن میں اپنی اُمت کو داغ سے روکتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میں داغ دینے کو پسند بھی نہیں کرتا۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"کَی" کی روایات چار قسم کی ہیں :

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس پر عمل کیا۔
- ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

○ اِس کے ترک کو اولیٰ قرار دیا۔

○ اِس عمل سے روکا۔

اِن روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ

۱۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اس کے جواز کا پتا چلتا ہے۔

۲۔۔ ناپسندیدگی دلیلِ حُرمت نہیں۔

۳۔۔ ترک اِس بنا پر افضل ہے کہ اِس میں توکل کا پہلو پایا جاتا ہے۔

۴۔۔ اور اس سے روکنے کے معنیٰ یہ نہیں کہ اِس عمل کو آپؐ نے اچھا نہیں سمجھا۔"

قولہٗ: وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ

یعنی وہ جو جانور اور پرندوں وغیرہ سے شگون نہیں لیتے۔ اس کی مزید تفصیل اور وضاحت "بیان الطیرۃ" میں آگے آرہی ہے۔

قولہٗ: وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصل اور جامع بنیاد کی طرف اشارہ کیا ہے جس پر تمام افعال اور خصائل کی تعمیر ہوتی ہے اور وہ ہے توکل علی اللہ یعنی سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع ہونا، اس کی ذات پر کامل اعتماد و یقین رکھنا۔ توحید کا یہی وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں سے محبت، خوف و رجاء اور اللہ تعالیٰ کو رب اور الٰہ تسلیم کرنے کے سوتے پھوٹتے ہیں اور جہاں قضائے الٰہی کے فیصلوں پر اظہارِ خوشی کا ثمرہ ملتا ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اِس حدیث سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لوگ بالکل ظاہری اسباب کا سہارا اختیار نہیں کرتے تھے کیونکہ ظاہری اسباب کو استعمال میں لانا تو ایک فطری امر ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ظاہری اسباب کو بروئے کار لانا عین توکل ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ (الطلاق - ۳)
جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالےٰ اِس کے لیے کافی ہے۔

بلکہ توکل کا صحیح مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ مکروہ افعال و اعمال کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے بھی ان کو بروئے کار نہیں لاتے اور صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اکتواء اور استرقاء کو ناپسند کر کے چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ مریض کی تو یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان اشیاء کو بروئے کار لایا جائے بلکہ وہ تو کمزور ترین سہاروں کو اختیار کر لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں محسوس کرتا البتہ مرض سے شفایابی کے لیے ان اسباب و وسائل کو بروئے کار لانا جن میں کوئی کراہت نہ ہو تو یہ توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ عین توکل ہے۔ ایسے اسباب کو چھوڑ دینا کوئی دین کی بات نہیں، کیونکہ صحیحین میں حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ دَاءٍ اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَاءً عَلِمَهٗ مَنْ عَلِمَهٗ وَجَهِلَهٗ مَنْ جَهِلَهٗ
اللہ تعالےٰ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے اُس کی شفا بھی نازل فرمائی ہے۔ بعض کو معلوم ہو سکا اور بعض کو نہیں معلوم ہو سکا۔

مسند احمد میں حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا کہ چند اعرابی حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم!

اَنَتَدَاوٰى ؟
کیا ہم علاج کیا کریں؟

قَالَ : نَعَمْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ ! تَدَاوَوْا ؛ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ
آپؐ نے فرمایا کہ ہاں! اے اللہ کے بندو! علاج کرایا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے کوئی نہ کوئی دوا ضرور نازل فرمائی ہے سوائے ایک مرض کے

قَالُوْا : وَمَا هُوَ ؟ انہوں نے عرض کی کہ وہ کونسا مرض ہے

قَالَ : اَلْهَرَمُ جسکا کوئی علاج نہیں؟ آپؐ نے فرمایا بڑھاپا

اِس مقام پر علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ اسباب کو بروئے کار لانا اور علاج کے لیے کوشاں ہونا ضروری ہے اور یہ کوشش توکل کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ بھوک اور پیاس کو ختم کرنے کے لیے کھانا پینا اور گرمی، سردی سے بچاؤ کے لیے موسم کے مطابق کپڑے وغیرہ پہننا توکل کے خلاف نہیں بلکہ اسباب کو اِستعمال میں لانا عین توکل ہے۔ جو لوگ اسباب کو ترک کر کے بیٹھ جاتے ہیں بسا اوقات اُن کے توکل میں خلل اور نقص پیدا ہو جاتا ہے اور ترکِ اسباب توکل کے سراسر منافی ہے۔ درحقیقت توکل انسان کے اعتماد علی اللہ کے لیے لازمی ہے جس سے دین و دنیا کے فوائد حاصل کرنے میں انسان کو مدد ملتی ہے اور وہ دین و دُنیا میں فساد سے محفوظ رہتا ہے اور اس اعتماد کے لیے اسباب کو بروئے کار لانا انتہائی ضروری ہے۔ جو شخص اسباب کو چھوڑ جاتا ہے گویا اس نے حکمت و دانائی اور شریعت کو چھوڑ دینے کے جُرم کا ارتکاب کیا ہے۔

پس انسان کو چاہیے کہ وہ ترکِ اسباب کو توکل نہ سمجھ بیٹھے اور نہ توکل کو ترکِ اسباب کا بہانہ بنائے۔"

علاج کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا علاج

۱ــــ مُباح ہے؟ یا

۲ــــ ترکِ علاج افضل ہے؟ یا

۳ــــ یہ مستحب ہے؟ یا

۴ــــ واجب ہے؟

فَقَامَ عُكَّاشَةُ ابْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ
أُدْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ
قَالَ أَنْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ أٰخَرُ
فَقَالَ أُدْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي
مِنْهُمْ فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

عکاشہ بن محصن ؓ نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے لیے دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اِن میں سے کردے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تُو ان میں سے ہی ہے۔ اِس کے بعد ایک دوسرے صحابی نے عرض کیا کہ میرے لیے بھی دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم سے عُکاشہ ؓ بازی لے گیا۔

○ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ علاج کرانا مباح ہے، ان کی دلیل مندرجہ بالا احادیث ہیں۔

○ شافعیہ کے نزدیک ترکِ علاج افضل ہے۔ اِس کی تفصیل امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں لکھی ہے اور کہا ہے کہ مشہور سلف کا مسلک یہی ہے اور اسی مسلک کو الوزیر ابوالمظفر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔

○ امام ابُوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علاج کی تاکید کرتے ہیں بلکہ وہ وجوبِ علاج کے قائل ہیں۔

○ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علاج کرانا یا نہ کرانا دونوں برابر ہیں۔ ان کا اِس بارے میں قول یہ ہے کہ:

لَا بَأْسَ بِالتَّدَاوِيْ وَلَا بَأْسَ بِتَرْكِهٖ — علاج میں کوئی مضائقہ نہیں اور ترکِ علاج میں بھی حرج نہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"جمہور ائمہ کے نزدیک علاج کرانا واجب نہیں ہے، البتہ اصحابِ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اصحابِ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے علاج کو واجب قرار دیا ہے۔"

قولہٗ : فقام عکاشۃ بن محصن :

عُکاشہ بن مِحْصَن بن حُرثان الاسدی رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی قبیلہ بنی اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا نام سابقین الاولین میں شمار ہوتا ہے۔ یہ بہت خوبصورت جوان تھے۔ انھوں نے جنگِ بدر میں اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے تھے اور ان کو ہجرت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔

۱۲ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب مرتدین سے جنگ کی تو یہ اُس جنگ میں طلیحۃ الاسدی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ طلیحۃ الاسدی کی خوش قسمتی دیکھیے کہ یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں قادسیہ کی جو مشہور جنگ لڑی گئی اُس میں واقعہ جسر کے موقع پر شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہم

قولہٗ : اُدْعُ اللّٰهَ

صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ [1] — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! عکاشہ کو ان میں سے کر دے۔

---

[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دعائیہ کلمات سے ثابت ہوا کہ زندہ شخص کا کسی کی شفاعت کرنا یہ ہے کہ وہ اس کے لیے دعا کرے۔ البتہ وفات کے بعد وہ شخص مجبورِ محض ہو جاتا ہے پس جو شخص کسی فوت شدہ یا غیر حاضر شخص سے سوال

اِس روایت میں اپنے سے فضل انسان سے دعا کرانے کی ترغیب ہے۔

قولہ : ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ اٰخر

متن حدیث میں مُبہم لفظ استعمال ہوا ہے۔ کسی خاص شخص کا نام نہیں لیا گیا۔ ہمیں اس شخص کا نام تلاش کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

قولہ : فقَالَ : سَبقَكَ بِهَا عُكَاشَةُ

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اِس دُوسرے شخص کے احوال و اعمال حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ جیسے نہ تھے، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب نہیں دیا۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکی درخواست بھی منظور فرما لیتے تو حاضرینِ مجلس میں سے ہر شخص یہی درخواست پیش کرتا اور اِس طرح یہ سلسلہ طوالت اختیار کر لیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں پر بات ختم کر دی۔

مصنف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُوسرے شخص کے جواب میں ذُومعنی کلام سے کام لیا ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق عظیم پر دال ہے۔"

کرتا ہے تو اُس نے ایسے شخص سے مانگا ہے جس کے دینے کی اِسے قدرت وطاقت نہیں ہے۔ جو شخص کسی ایسے شخص سے مدد طلب کرتا ہے جس کی اُسے طاقت نہیں ہے۔ تو گویا سائل نے اُس کو اللہ کا شریک بنا دیا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرکین عرب کیا کرتے تھے۔ اللہ کریم ان ہی کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ - ۲۲)	پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدِ مقابل نہ ٹھہراؤ۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا اور تم سے پہلے لوگوں کا خالق و رازق ہے۔ اسی نے اپنے ظاہری و باطنی انعامات سے تمہیں نوازا ہے لہٰذا اس کے علاوہ کسی کی طرف مت جھکو اور ہر قسم کی عبادت خواہ قلیل ہو یا کثیر وہ بس اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔

فيه

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: مَعْرِفَةُ مَرَاتِبِ النَّاسِ فِي التَّوْحِيدِ۔

(۱) توحید کے بارے میں لوگوں کے درجات کی معرفت۔

الثانیہ: مَا مَعْنٰى تَحْقِيقِهٖ۔

(۲) توحید کی تحقیق یا اِس کو زندگی میں سمونے کے کیا معنی ہیں ؟

الثالثہ: ثَنَاءُهٗ سُبْحَانَهٗ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ بِكَوْنِهٖ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اِس بات پر تعریف کرنا کہ اُن کا دامن شرک سے آلودہ نہ تھا۔

الرابعہ: ثَنَاءُهٗ عَلٰى سَادَاتِ الْأَوْلِيَاءِ بِسَلَامَتِهِمْ مِنَ الشِّرْكِ۔

(۴) اونچے درجے کے اولیائے کرام کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی کہ اُن کا دامن شرک سے پاک ہے۔

الخامسة: كَوْنُ تَرْكِ الرُّقْيَةِ وَالْكَيِّ مِنْ تَحْقِيقِ التَّوْحِيدِ۔

⑤ دم کرانے اور داغ دِلوانے کو چھوڑ دینا، یہی توحید کے تقاضوں کو پُورا کرنا ہے۔

السادسة: كَوْنُ الْجَامِعِ لِتِلْكَ الْخِصَالِ هُوَ التَّوَكُّلُ۔

⑥ اِن اوصاف کا حامل ہونا ہی توکل ہے۔

السابعة: عُمْقُ عِلْمِ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم لِمَعْرِفَتِهِمْ إِنَّهُمْ لَمْ يَنَالُوا ذٰلِكَ إِلَّا بِعَمَلٍ۔

⑦ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم و معرفت کی گہرائی اِس بنا پر تھی کہ وہ اِسے عمل کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

الثامنة: حِرْصُهُمْ عَلَى الْخَيْرِ۔

⑧ اِس سے اعمالِ صالحہ کے لیے اُن کی حرص و محبت کا پتا چلتا ہے۔

التاسعة: فَضِيلَةُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بِالْكَمِّيَّةِ وَالْكَيْفِيَّةِ۔

⑨ اُمتِ محمدیہ کی اس فضیلت کا علم ہوتا ہے کہ وہ رفعتِ درجات اور کثرتِ تعداد کے لحاظ سے تمام اُمتوں سے افضل ہے۔

العاشرة فَضِيلَةُ أَصْحَابِ مُوسٰى -

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کی فضیلت اور شرف

الحادیۃ عشرۃ عَرْضُ الْأُمَمِ عَلَيْهِ : علیہ السلام

(۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس معجزہ کا بھی علم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے تمام انبیائے کرام کی اُمتوں کو پیش کیا گیا۔

الثانیۃ عشرۃ أَنَّ كُلَّ أُمَّةٍ تُحْشَرُ وَحْدَهَا مَعَ نَبِيِّهَا

(۱۲) یہ کہ میدانِ حشر میں تمام اُمتیں اپنے اپنے انبیاء کے ساتھ ہوں گی۔

الثالثۃ عشرۃ قِلَّةُ مَنِ اسْتَجَابَ لِلْأَنْبِيَاءِ۔

(۱۳) انبیاء کی دعوت کو عام طور پر کم ہی لوگوں نے قبول کیا۔

الرابعۃ عشرۃ أَنَّ مَنْ لَّمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ يَأْتِي وَحْدَهُ

(۱۴) جس نبی کو کسی شخص نے بھی تسلیم نہیں کیا وہ اکیلا ہی دربارِ الٰہی میں پیش ہوگا۔

الخامسۃ عشرۃ ثَمَرَةُ هٰذَا الْعِلْمِ وَ هُوَ عَدَمُ الْإِغْتِرَارِ بِالْكَثْرَةِ وَ عَدَمُ الزُّهْدِ فِي الْقِلَّةِ ۔

⑮ علمِ صحیح کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان کثرتِ تعداد پر غرہ نہ کرے اور قلتِ تعداد سے پست ہمت نہ ہو۔

السادسۃ عشرۃ أَلرُّخْصَةُ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَالْحُمَةِ۔

⑯ بچھو اور سانپ وغیرہ موذی چیزوں کے زہر اور نظرِ بد سے دَم کرانے کی رخصت۔

السابعۃ عشرۃ عُمْقُ عِلْمِ السَّلَفِ لِقَوْلِهِ (قَدْ أَحْسَنَ مَنِ انْتَهَى إِلَى مَا سَمِعَ وَلَكِن كذا وكذا) فعلم ان الحديث الاوّل لا يخالف الثاني۔

⑰ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے اِس قول سے کہ "قَدْ أَحْسَنَ مَنِ انْتَهَى إِلَى مَا سَمِعَ" سلفِ اُمّت کے تبحرِ علمی کی نشان دہی ہوتی ہے۔

الثامنۃ عشرۃ بُعْدُ السَّلَفِ عَنْ مَدْحِ الْإِنْسَانِ بِمَا لَيْسَ فِيهِ۔

⑱ سلف صالحین کا بلا استحقاق کسی کی مدح و ستائش سے دُور رہنا۔

التاسعة عشرة قوله: "أَنْتَ مِنْهُمْ": عَلَمٌ مِّنْ أَعْلَامِ النُّبُوَّةِ۔

⑲ رسولِ اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ "اَنْتَ مِنْهُمْ" آپ کی علاماتِ نبوت میں سے تھا۔

العشرون فَضِيلَةُ عُكَّاشَةَ۔

⑳ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا علم۔

الحادیۃ والعشرون إِسْتِعْمَالُ الْمَعَارِيضِ۔

㉑ رسول اللہ ﷺ ذومعنی کلام سے بھی کام لیا کرتے تھے۔

الثانیۃ والعشرون حُسْنُ خُلُقِهِ ﷺ۔

㉒ رسولِ اکرم ﷺ کا حُسنِ خلق۔

باب
الخوف
من الشرک
اِس باب میں اِس بات کی وضاحت
کی گئی ہے کہ شِرک سے ڈرنا ضروری ہے

قولہ تعالیٰ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء : ۴۸)

اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دُوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے، معاف کر دیتا ہے۔

قولہ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"جو شخص حالتِ شرک میں مر گیا، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت نہیں کرے گا۔

قولہ: وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

یعنی شرک کے علاوہ اُس نے جن گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر اللہ چاہے گا تو انکی مغفرت فرمائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک شرک اعظم الذُّنوب ہے۔ کیونکہ اُسکا یہ فرمان ہے کہ جو شخص شرک کی حالت میں توبہ کیے بغیر مر گیا اُس کی مغفرت نہیں ہوگی البتہ شرک کے علاوہ تمام گناہ اللہ کی مشیئت پہ موقوف ہیں۔ اس کے مرتکب کو چاہے تو معاف فرما دے اور اگر چاہے تو اس کی وجہ سے اُسے عذاب دے

زیرِ نظر آیتِ کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو شرک سے بہرحال انتہائی طور پہ ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ کے نزدیک تمام قبیح افعال سے زیادہ قبیح اور تمام ظلموں میں سب سے بڑا ظلم ہے اور یہ ایسا مکروہ عمل ہے جو رب العالمین کی ذاتِ اقدس میں نقص اور عیب نکالتا ہے اور وہ تمام کام جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے خاص تھے شرک کی وجہ سے اُن کی نسبت دُوسروں کی طرف

ہوگئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ○ (الانعام - ۱)

پھر بھی وہ لوگ جنھوں نے دعوت حق کو ماننے سے انکار کر دیا ہے، دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہرا رہے ہیں

اس وجہ سے بھی یہ بدترین فعل ہے کہ یہ خلق وامر کے بنیادی مقاصد کے سراسر منافی ہے اور ہر اعتبار سے خلاف ہے۔ شرک کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغض وعناد اور کینہ رکھا جائے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری سے کبر وبغاوت کا اظہار کیا جائے۔ اس کے سامنے اپنے آپ کو گرانے اور مطیع ہونے سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، جب کہ اس کا حق صرف اللہ کو ہی حاصل ہے۔ پوری انسانیت کی بہتری اور بھلائی اس میں ہے کہ اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ جب زمین اللہ کی اطاعت سے خالی ہو جائے گی تو اس میں فساد برپا ہو جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِى الْاَرْضِ "اَللّٰهُ اَللّٰهُ" (صحیح مسلم)

قیامت اس وقت قائم ہوگی جب کہ زمین میں "اللہ اللہ" کہنے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

شرک اس لیے بھی بدترین فعل ہے کہ اس سے خالق اور مخلوق کے درمیان تشبیہ پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام خصوصیاتِ الوہیت میں یکتا ہے۔

کسی کو تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کرے تو اللہ،

کسی کو نفع اور فائدہ پہنچائے تو اللہ،

کسی کو کچھ دے تو اللہ،

کسی سے کوئی چیز چھین لے تو اللہ۔

یہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں۔ اب اگر کوئی شخص دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، دوسروں سے ڈرتا ہے اور دوسروں پر بھروسہ رکھتا ہے تو وہ گویا مخلوق کو خالق کے ساتھ ملا

دینے کی کوشش کرتا ہے اور تشبیہ کا مرتکب ہوتا ہے۔
یعنی ایسے شخص کو خدا قرار دے لیتا ہے جو

- نہ تو اپنی جان کو نفع پہنچا سکتا ہے،
- نہ اپنی جان کو نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے،
- نہ اُسے موت پر اختیار ہے
- اور نہ زندگی پر دسترس۔
- اور نہ اُسے اِس پر قدرت ہے کہ خود بخود مرنے کے بعد جی اُٹھے۔

ایسی کمزور اور بے بس مخلوق کو اس اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دینا جو

- تمام طرح کی ستائش کا سزاوار ہے۔
- جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے۔
- جس کی زمین و آسمان میں بادشاہت ہے۔
- اور جس کے ہاں ہر شے کو بالآخر لوٹنا ہے۔
- اُسی کے قبضہ و قدرت میں ہر طرح کی بھلائی اور خیر ہے۔
- اور وہی تمام مشکلات پر قابو رکھتا ہے۔
- وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہو سکتا۔
- وہ جسے دینا چاہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔
- اور جس سے کسی نعمت کو روک لے اُسے کوئی دے نہیں سکتا۔
- جب وہ لوگوں پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے تو اُسے بند کرنے والا کوئی نہیں ہے۔
- اور جس کے لیے بند کر دے تو اُس کے لیے کھولنے والا کوئی نہیں۔
- وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔

پس جو فی نفسہ عاجز، مسکین اور فقیر ہو، اس کو اُس ذات سے تشبیہ دینا جو بذاتِ خود قادر اور غنی ہو، یہ انتہا درجے کی بُری تشبیہ ہے۔

اللہ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام وجوہ سے کامل ترین ذات ہو جس میں کوئی نقص نہ ہو۔ یہی وُہ اعلیٰ صفت ہے جس کی بنا پر وہ تمام عبادات کا تنہا مستحق ٹھہرتا ہے۔ تعظیم و توقیر، خشیت و دعا، رجا و انابت، توکل و توبہ، استعانت اور انتہائی محبت و شفقت، کمال تضرع و تذلل کے ساتھ، عقل، فطرت اور شرع کا یہ تقاضا ہے کہ یہ تمام چیزیں بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کسی کو زیب نہیں دیتیں۔

جس کم عقل نے یہ صفات کسی مخلوق میں سمجھیں اُس نے غیر اللہ کو ایسی ذات سے تشبیہ دی جس کے کوئی مشابہ اور ہم پلہ نہیں اور جس کا کوئی شریک ہے نہ نظیر ہے۔

ان ہی امور کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ وہ شرک جیسے بدترین عمل کو ہرگز نہ بخشے گا۔ باوجود اس کے کہ وہ اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دے چکا ہے۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ کے کلام کا بھی یہی مفہوم ہے۔

"زیر بحث آیتِ کریمہ میں خوارج کے عقیدہ کی تردید ہوتی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وُہ کافر ہے۔ معتزلہ کا بھی رد ہوتا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کو نہ مومن کہو نہ کافر۔

آیت وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ کو توبہ کرنے والے شخص پر محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شرک سے توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بخشا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ	کہدیجئے اے میرے بندو! جنھوں نے
أَسْرَفُوا عَلٰى أَنفُسِهِمْ لَا	اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ
تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ	کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔

وقال الخليل عليه السلام: وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ○
(ابراھیم: ۳۵)

اور مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی سے بچا۔

إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ط (الزمر - ۵۳) یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔[1]

اِس آیتِ کریمہ میں عام اور مطلق گناہ مراد ہیں کیونکہ یہاں توبہ کرنے والا شخص مراد ہے۔ اور اوپر والی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ میں خاص گناہ مراد ہے۔ اس سے وہ شخص مراد ہے جس نے توبہ نہیں کی۔

قولہ قَالَ الْخَلِيلُ علیہ السلام وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ:

آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں دعاگو ہیں کہ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو اصنام کی عبادت سے بچائے رکھنا اور ہمیں اصنام کی عبادت سے دُور رکھنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور ان کی اولاد کو اصنام کی عبادت سے صرف دُور ہی نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔

اِس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اصنام کے بارے میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ان اصنام نے بہت سی مخلوق کو گمراہی میں مبتلا کر دیا ہے۔

لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا چاہیے مبادا ان کی وجہ سے اس دَور میں بھی یہ گمراہی نہ پھیل جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں اصنام ہی کی وجہ سے لوگ راہِ راست سے بھٹکتے رہے۔

---

[1] یہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عبارت کا خلاصہ ہے۔

جب انسان کو اس صورتِ حال کا یقین ہو جائے کہ اصنام کی وجہ سے ہی لوگ شرکِ اکبر کی بیماری کا شکار ہوتے تھے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس میں گرفتار ہونے سے اپنے آپ کو بچائے رکھے اور ہمیشہ اس گناہ سے ڈرتا ہے جس کو اللہ نے معاف نہ کرنے کا اعلان فرمایا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم التیمی کا یہ قول روایت کیا ہے کہ:

"جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مصائب و آلام سے نہ بچ سکے تو اور کون ہے جو اس ابتلا سے دو چار نہ ہو؟"

حقیقت یہ ہے کہ شرک کی آفت سے وہی شخص بے خوف ہو سکتا ہے جو اس کی سنگینی سے بے خبر ہو اور وہی شخص شرک اور اس کی آفتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا علم ہو اور توحید کے اسرار و رموز اس کے سامنے ہوں اور اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلمِ عظیم کے نام سے پکارا ہے۔

صَنَمٌ : پتھر وغیرہ سے بنائی ہوئی تصویر کو صنم کہتے ہیں۔

وَثَنٌ : جو صرف تصویر ہو اسے وثن کہتے ہیں۔

صنم کو وثن سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ:

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا	اللہ تعالیٰ کے سوا تم بتوں کی پوجا کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا گھڑتے ہو۔

وثن عام ہے۔ ہر صنم کو وثن کہا جا سکتا ہے۔ قبر بھی وثن میں داخل ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے طویل حدیث کا ایک حصہ نقل فرمایا ہے۔ یہ روایت مسند احمد کی ہے۔

پوری حدیث مسند احمد، طبرانی اور بیہقی میں موجود ہے۔ پوری حدیث مع سند کے یہ ہے۔

"حدثنا یونس حدثنا لیث عن یزید یعنی ابن الهاد عن عمرو عن محمود بن لبید ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال:

إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ قَالُوا وَ مَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ؟	مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ اور ڈر شرک اصغر کا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!
يَا رَسُولَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ: الرِّيَاءُ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ریاء اور دکھلاوے کو شرک اصغر کہتے ہیں۔ قیامت کے دن جب اللہ کریم
إِذَا جَازَ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ: اِذْهَبُوا إِلَى الَّذِينَ كُنْتُمْ تُرَاءُونَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً	اپنے بندوں کو جزا و سزا کا حکم سنائے گا تو کہے گا کہ اے ریاکارو! جن کو خوش کرنے کیلئے تم عمل کرتے تھے ان سے جا کر جزاء حاصل کرو اور وہاں جا کر دیکھو کیا تمھیں اجر ملتا ہے؟

اِس روایت کی سند میں محمود بن لبید رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں امام منذری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ضرور ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نقل کرنا ثابت نہیں ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ثابت ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو ابن عبد البر اور ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ نے ترجیح دی ہے۔

طبرانی نے جید اسناد سے محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے احادیث نقل کی ہیں۔

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ ۹۹ برس کی عمر پا کر ۹۶ھ یا ۹۷ھ میں فوت ہوئے۔

وفي الحديث : إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الأَصْغَرُ ـ

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھے سب سے زیادہ خطرہ شرکِ اصغر کا ہے۔

قولہ ان اخوف ما اخاف علیکم الشرك الاصغر ـ

زیرِ بحث حدیث میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت، محبت اور مخلوق خدا سے رحمت اور بالخصوص اپنی اُمتِ مرحومہ پر شفقت کا پتا چلتا ہے کہ آپ کو اُمت کے ساتھ کس قدر پیار تھا۔ بھلائی اور خیر کے ہر کام کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور اُمت کی رہنمائی فرمائی۔ شر کے ہر کام کی وضاحت فرمائی اور اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ

اللہ تعالیٰ نے جس رسول کو بھی مبعوث فرمایا اسکی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی امت کو جس بھلائی کا بھی اسے علم ہو، اپنی امت کو اس سے آگاہ کرے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بلند مقام اور اُن کے کمالِ علم اور قوتِ ایمانی کے باوجود جب ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرکِ اصغر کا خطرہ تھا تو ان نفوسِ قدسیہ کے بعد آنے والے مسلمانوں کا کیا حال ہو گا جن کی علمی حیثیت بھی کمزور ہے اور قوتِ ایمانی بدرجہا ناقص ہے اور خصوصاً دورِ حاضر میں جبکہ علماء تک کا یہ حال ہے کہ وہ توحید کو بس اتنا ہی سمجھتے ہیں جتنا کہ مشرکین عرب نے سمجھا تھا۔ یہ لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ کلمۂ اخلاص (یعنی لا الٰہ الا اللہ) نے ہر طرح کے شرک کی جڑ کاٹ دی ہے۔

ابویعلیٰ اور ابن المنذر نے عن حذیفہ بن الیمان عن ابی بکر الصدیق ایک روایت نقل کی ہے
آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

اَلشِّرْكُ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ) وَ هَلِ الشِّرْكُ اِلَّا مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْ مَا دُعِیَ مَعَ اللّٰهِ؟	شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! رب کریم کے علاوہ کسی کی عبادت یا اس کے علاوہ کسی کو پکارنے کے بغیر بھی کوئی شرک ہے؟ آنحضرت ﷺ
قَالَ: ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ۔ اَلشِّرْكُ فِیْكُمْ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ	نے فرمایا تجھے تیری ماں گم پائے، شرک چیونٹی کی چال سے زیادہ مخفی ہے۔

آگے چل کر اسی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ:

اَنْ تَقُوْلَ: اَعْطَانِیَ اللّٰهُ وَ فُلَانٌ وَالنِّدُّ اَنْ یَقُوْلَ الْاِنْسَانُ: لَوْ لَا فُلَانٌ قَتَلَنِیْ فُلَانٌ (من الدر)	یہ بھی شرک ہے کہ انسان یہ کہے کہ مجھے یہ چیز اللہ اور فلاں نے دی ہے۔"ند" بنانا یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو فلاں شخص مجھے قتل کر دیتا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "النِّد" شبیہ اور ہمسر کو کہتے ہیں جیسے فُلَانٌ نِدُّ فُلَانٍ وَ نَدِیْدُهٗ یعنی فلاں شخص فلاں کا مثیل اور ہمسر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ - ۲۲)	کسی کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ، اور تم تو جانتے ہو۔

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَدْعُوا مِنْ

دُوْنِ اللهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ۔

(رواہ البخاری)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غیر اللہ کو پکارتے پکارتے مر گیا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

قولہ: مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَدْعُوا

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عبادت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں شریک بنانا جیسے کسی کو پکارنا، سوال کرنا اور غیر اللہ کی دہائی دینا اور اس سے مدد طلب کرنا وغیرہ۔ ایسا شخص جہنم میں داخل ہوگا جو اس طرح کے شرک کا مرتکب ہوگا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بہت ہی خوب فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

وَالشِّرْكُ فَاحْذَرْهُ فَشِرْكٌ ظَاهِرٌ ذَا الْقِسْمِ لَيْسَ بِقَابِلِ الْغُفْرَانِ

وَهُوَ اتِّخَاذُ النِّدِّ لِلرَّحْمٰنِ اَيًّا كَانَ مِنْ حَجَرٍ وَمِنْ اِنْسَانٍ

يَدْعُوهُ اَوْ يَرْجُوهُ ثُمَّ يَخَافُهُ وَيُحِبُّهُ كَمَحَبَّةِ الدَّيَّانِ

یعنی شرک سے بچ کر رہو شرک تو بالکل ظاہر ہے اللہ کی قسم وہ قابلِ مغفرت نہیں ہے شرک یہ ہے کہ کسی کو، خواہ وہ پتھر ہو یا انسان، رحمٰن کے لیے "نِد" قرار دینا اُس کو پکارے، اس سے امیدیں وابستہ کرے، پھر اس سے ڈرے اور اسطرح محبت کرے جیسے اللہ سے کی جاتی ہے

غیر اللہ کو ند قرار دینے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱ — غیر اللہ کو تمام عبادات میں یا کسی خاص عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا

اِس کو شرکِ اکبر کہتے ہیں۔

۲۔ دوسری قسم شرکِ اصغر[1] ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ

مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ اَوْ — وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور تم چاہوگے یا

لَوْ لَا اللّٰهُ وَاَنْتَ — اگر اللہ تعالیٰ اور آپ نہ ہوتے تو......

یا ریا، اور دکھلاوا وغیرہ۔

کیونکہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کو کہا تھا کہ:

مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ — جو اللہ تعالیٰ اور آپؐ چاہیں۔ آپؐ نے

قَالَ: اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰهِ نِدًّا — فرمایا کہ تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ہے

بَلْ، مَا شَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ — بلکہ وہی ہوگا جو صرف اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے گا

(مسند امام احمد، ابن ابی شیبہ، الادب المفرد للبخاری، نسائی، ابن ماجہ)

زیرِ بحث حدیث میں اِس بات کا واضح بیان ہے کہ غیر اللہ کو ایسے معاملات اور اعمالُ افعال میں پکارنا جو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہوں، شرکِ جلی ہے۔ جیسا کہ فوت شدہ افراد سے شفاعت طلب کرنا کیونکہ شفاعت صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت اور اختیار میں ہے۔ اِس میں کسی غیر اللہ کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ میدانِ محشر میں صرف اُسی شخص کو شفاعت کرنے کی اجازت دے گا جو توحید کے نکھرے ہوئے عقیدہ پر فوت ہُوا ہو۔

اِس کی مزید تفصیل "بابُ الشفاعة" میں بیان ہوگی۔

اِن شاء اللہ۔

---

[1] بہ نسبت پہلی قسم کے۔

ولمسلم عن جابر رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ مَنْ لَقِيَ اللهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اس حالت میں موت آئی کہ اس نے شرک نہیں کیا، تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔

قولہٗ : عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ

جابر بن عبداللہ بن حرام الانصاری ثم السلمی رضی اللہ عنہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بے شمار مناقب اور فضائل ان کی سیرت لکھنے والوں نے بیان کیے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بصارت آخر عمر میں ختم ہو گئی تھی۔ ۹۴ برس کی عمر پا کر ۷۸ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

قولہٗ : مَنْ لَقِيَ اللهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا

اس حدیث کی شرح میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :

"جس نے توحیدِ الوہیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا نہ پیدائش میں کسی کو شریک بنایا اور نہ عبادت میں کسی کی شرکت کو تسلیم کیا۔

شریعتِ اسلامیہ میں اہلِ سُنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص شرک سے تائب

وَ مَنْ لَقِيَهٗ يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ ۔ (رواہ البخاری)

اور جو شرک کرتے کرتے مرگیا وہ جہنمی ہے۔

ہو کر فوت ہوا وہ لازماً جنت میں داخل ہوگا اگرچہ دخولِ جنت سے پہلے اُسے مختلف قسم کے عذاب و محن سے گزرنا پڑے۔

جو شخص شرک کی حالت میں مرا وہ قطعاً جنت میں نہ جا سکے گا، نہ اس پر رحمتِ خداوندی کا نزول ہوگا اور ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار رہے گا۔ نہ عذاب ختم ہوگا اور نہ موت آئے گی۔"

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ

"مُشرک خواہ یہودی ہو یا نصرانی، اہلِ کتاب میں سے ہو یا وثنی۔ کسی قسم کا بھی مُشرک ہو وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اہلِ حق کے نزدیک کسی کا کفر عنادی ہو یا غیر عنادی اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ملتِ اسلامیہ کی جو شخص مخالفت کرے یا مخالفت کے بعد اس پر کفر کا اطلاق ہوتا ہو، ان میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ جو شخص شرک کے بغیر جہنم میں جائے گا، اُسے بہرحال نجات مل جائے گی۔

جو موحد شخص کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوئے فوت ہوا وہ بلا عذاب کے جنت میں داخل ہوگا اور جو کبیرہ گناہ پر مُصر مرا تو وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اگر اُسے معاف کر دیا گیا تو پہلے ہی جنت میں داخل ہوگا ورنہ سزا بھگت کر جنت میں پہنچ جائے گا۔

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: أَلْخَوْفُ مِنَ الشِّرْكِ۔

① شرک سے ڈرنا۔

الثانیہ: أَنَّ الرِّيَاءَ مِنَ الشِّرْكِ۔

② ریا، شرک میں سے ہے۔

الثالثہ: أَنَّهُ مِنَ الشِّرْكِ الأَصْغَرِ۔

③ ریا، شرکِ اصغر ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شرک کی نفی پر اکتفا کیا ہے کیونکہ عدمِ شرک توحید اور رسالت کے اثبات کو متلزم ہے۔

جیسا کہ جو شخص رسول کو جھٹلاتا ہے گویا وہ اللہ کی تکذیب کرتا ہے اور جس نے اللہ تعالے کی تکذیب کی وہ مشرک ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص وضو کر کے نماز پڑھے تو نماز درست ہوگی اور جس نے وضو ہی نہیں کیا اس کی نماز خاک ہوگی۔

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص ایمان اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہوا فوت ہوا تو وہ جنتی ہے۔"

الرابعة: أَنَّهُ أَخْوَفُ مَا يَخَافُ مِنْهُ عَلَى الصَّالِحِينَ۔

④ نیک لوگوں پر بہ نسبت اور چیزوں کے ریا کا زیادہ خوف کیا جاتا ہے۔

الخامسة: قُرْبُ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ۔

⑤ جنّت اور دوزخ کا قریب ہونا۔

السادسة: أَلْجَمْعُ بَيْنَ قُرْبِهِمَا فِيْ حَدِيثٍ وَاحِدٍ۔

⑥ جنّت اور دوزخ کے قریب ہونے کو ایک ہی حدیث میں جمع کرنا۔

السابعة: أَنَّهُ مَنْ لَقِيَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ وَ مَنْ لَقِيَهُ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَ لَوْ كَانَ مِنْ أَعْبُدِ النَّاسِ۔

⑦ جو بلا شرک کیے اللہ تعالیٰ سے ملے گا وہ جنّت میں جائے گا اور جو شرک کرتے کرتے اللہ سے ملے گا وہ جہنّم میں جائے گا اگرچہ وہ بڑا عابد و زاہد کیوں نہ ہو۔

الثامنۃ: أَلْمَسْئَلَةُ الْعَظِيمَةُ سُؤَالُ الْخَلِيلِ لَهُ وَ لِبَنِيهِ وِقَايَةَ عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ۔

⑧ سب سے اہم مسئلہ یہ بیان ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے اور اپنی اولاد کے لیے دعا کرنا کہ اُن کو اللہ اصنام کی عبادت سے محفوظ رکھے۔

التاسعۃ: إِعْتِبَارُه بِحَالِ الْأَكْثَرِ لِقَوْلِهِ: "رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ"۔

⑨ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا اکثر لوگوں کی حالت سے عبرت حاصل کرنا، جیسا کہ کہا اے اللہ! ان بُتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔

العاشرۃ: فِيهِ تَفْسِيرُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَمَا ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ۔

⑩ اس میں کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تفسیر و توضیح ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

الحادیۃ عشرۃ: فَضِيلَةُ مَنْ سَلِمَ مِنَ الشِّرْكِ۔

⑪ جو شخص شرک سے بچ رہا، اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت۔

باب

الدعاء الی الشہادۃ

أنْ لَآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ

اس باب میں

لا الٰہ الا اللہ کی شہادت و گواہی کے بارے میں

وضاحت مذکور ہے۔

اس سے پہلے مصنف رحمہ اللہ نے توحید اور اُس کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور پھر شرک اور اس کے لوازم کی وضاحت کی اور یہ بتایا کہ مخالفت کی صورت میں خوف کا کیا کیا خطرہ ہے۔

اِس باب میں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو شخص مندرجہ بالا احکام کو سمجھ لے اور ان کو یاد کر کے ان پر عمل پیرا ہو جائے تو اسی پر اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ اُسے چاہیے کہ وہ مخلوقِ خدا کو حکمت اور موعظہ حسنہ سے اللہ کی طرف دعوت دے جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اُن کے متبعین کا طرزِ عمل رہا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے جب یہ آیت پڑھی کہ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ تو بے ساختہ پکار اُٹھے کہ دیکھو:

یہ ہیں اللہ کے حبیب،

یہ ہیں اللہ کے ولی،

یہ ہیں اللہ کے منتخب بندے اور

یہ ہیں جو اہلِ ارض میں سب سے زیادہ اللہ کو پیارے ہیں،

یہ ہیں جن کی دُعا کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا،

یہ ہیں جو اپنی قبول شدہ دعا کی طرف مخلوقِ خدا کو بلاتے ہیں ،
یہ ہیں جنھوں نے قبولیتِ دُعا کے بعد بھی عملِ صالح کا سلسلہ جاری رکھا ،
یہ ہیں جنھوں نے اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کہا ،
اور یہ ہیں زمین میں اللہ کے خلیفے اور نائب ۔

اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابنِ جریر طبری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ
"اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہُوئے فرمایا کہ اے محمدؐ ! لوگوں کو بتا دو کہ جس دعوت کو مَیں تمھارے سامنے پیش کر رہا ہوں اور وُہ طریق اور راستہ جس پر مَیں چل رہا ہوں ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دینا ، صرف اللہ کی اخلاص کیساتھ عبادت بجالانا اور تمام باطل معبُودوں اور اوثان کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالےٰ ہی کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اور اس کی نافرمانی سے دامن بچاکے رہنا ۔ یہی میرا راستہ اور میری دعوت کا لُبِّ لباب ہے ، میں اِسی کی طرف تم کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ اس کے ساتھ شریک نہ کرو ۔ یہ دعوت مَیں پُوری بصیرت یقینِ کامل اور علم کی روشنی میں دے رہا ہوں ۔ مَیں اور میرے پیروکار اور مجھ پر ایمان لانے والے سب اِسی دعوت کی تبلیغ کا حق ادا کر رہے ہیں ۔

سُبحان اللہ : یعنی اللہ تعالیٰ پاک و بے نیاز اور عظمت والا ہے اُس کی بادشاہت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور اُس کی سلطنت میں کوئی دُوسرا معبُود نہیں ۔

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ : یعنی مَیں اہلِ شرک اور اُن کے شرکیہ عقائد اور اعمال سے بری الذمہ ہُوں نہ میں اُن کا ساتھی ہوں اور نہ وہ میرے ساتھی ہیں ۔"

قولہٗ : قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ ۣقف عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ (یوسف: ۱۰۸)

تم اِن سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، مَیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ مَیں خود بھی پُوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔ اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

صاحبِ شرح المنازل رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

اِس سے یہ مقصود ہے کہ تم اِستدلال سے علم و یقین کے اِس درجہ پر فائز ہو جاؤ جسے بصیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بصیرت میں حقیقتِ معلومہ اِسی طرح قطعی ہوتی ہے جس طرح دیکھی بھالی شے یا مرئیات اور یہ وہ خصوصیت ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بہرہ مند تھے اور یہ علماء کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔"

قولہٗ : قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ :

وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ میں عطف کی دو صورتیں ہیں۔ اگر واؤ کا عطف اَدْعُوْ سے متعلق ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ

"مَیں اور میرے صحابہؓ، سب بصیرت کے ساتھ دعوت اِلی اللہ میں مصروف ہیں۔"

عطف کی دونوں صُورتوں میں آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ

"رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح معنوں میں تابعدار وہی ہیں جو بصیرت رکھتے ہیں

إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ شَهَادَةُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

وَفِي رِوَايَةٍ: إِلٰى أَنْ يُّوَحِّدُوا اللهَ۔

"تمہارا سامنا اہلِ کتاب سے بھی ہوگا، تمھیں چاہیے کہ سب سے پہلے اُنکو کلمہ لآ الٰہ الا اللہ کی دعوت دو۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔"یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرلیں۔"

ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں واپس مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ اس کے بعد شام تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور مناقب کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ:

إِنَّهُ أَتَى إِلَى الْيَمَنِ مُبَلِّغًا عَنْهُ صلی اللہ علیہ وسلم وَ مُفَقِّهًا وَ مُعَلِّمًا وَحَاكِمًا

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہلِ یمن کی طرف مبلّغ، فقیہ، معلّم اور حاکم مقرر ہوکر گئے تھے۔

قولہ: إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

"اہلِ کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ کیونکہ ان کی تعداد بنسبت مشرکینِ عرب کے یمن میں زیادہ (یا بہت زیادہ) تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے قبل از وقت خبردار کیا تاکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اُن سے مناظرہ کیلئے تیار رہیں۔"

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گویا اِس منصب کی تیاری کے مترادف تھا۔ غرض یہ تھی کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پہلے سے قلب و ذہن کو اِس ذمہ داری کے لیے پوری طرح آمادہ اور تیار کر لیں۔"

قولہ : اِلٰی اَنْ یُّوَحِّدُوا اللّٰہَ

یہ روایت صحیح بخاری کتاب التوحید میں موجود ہے۔

مصنّف رحمہ اللہ نے یہاں یہ روایت نقل کر کے واضح کیا ہے کہ اِس روایت کے مفہوم اور کلمۂ شہادت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنٰی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا مطلب یہ ہے کہ تمام قسم کی عبادات کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کیا جائے اور اِس کے علاوہ سب کی عبادت سے اِنکار کر دیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جو وصیت فرمائی تھی ایک روایت کے مطابق اُس کے الفاظ یہ ہیں:

فَلْیَکُنْ اَوَّلَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ	سب سے پہلے جس چیز کی تم دعوت دو، وہ
عِبَادَۃُ اللّٰہِ	اللہ تعالیٰ کی عبادت ہونی چاہیے۔

دعوت الی اللہ کے معنٰی طاغوت کا اِنکار اور ایمان باللہ کا اِقرار ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ	اب جو کوئی طاغوت کا اِنکار کر کے

يُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ - ۲۵۶)

اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

یہ مضبوط کڑی یا عُروۃ الوُثقیٰ توحید ہی کا اقرار و اعتراف ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ

اُدْعُهُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللهِ

سب سے پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اُس کا رسُول ہوں۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کے اقرار اور شہادت کے لیے سات شرائط کا پایا جانا لازمی ہے کلمۂ شہادت کا اقرار کرنے والوں میں جب تک یہ شرائط نہ ہوں گی اُس وقت تک اِس کے فوائد و برکات کا حصول ممکن نہیں ہے۔

ا۔ کلمۂ شہادت کا اقرار کرنے والا ایسے علم سے بہرہ مند ہو جو جہالت کی ضد ہے۔

۲۔ ایسے یقین سے آراستہ ہو جو شک سے پاک ہے۔

۳۔ ایسی پذیرائی سے مالا مال ہو جس میں تردید کا کوئی شائبہ نہ ہو۔

۴۔ ایسی اطاعت اُس کو نصیب ہو جس میں شرک کا امکان نہ ہو۔

۵۔ ایسے اخلاص پر فائز ہو جس میں شرک کا کوئی پہلو نہ پایا جائے۔

۶۔ صدقِ مقال کا وہ مقام حاصل ہو کہ جس میں کذب نہ ہو۔

۷۔ توحید سے ایسی محبت رکھے جس میں شرک کی مخالفت پائی جائے۔

مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ توحید یہ ہے کہ وہ عبادت میں اخلاص پیدا کرے اور اِس میں شرک کی ملاوٹ نہ ہونے دے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر نوع کی عبادت کو ٹھکرا دے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس قسم کی عبادت وہ پہلا فریضہ ہے جو مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ اسی لیے تمام

انبیائے کرام علیہم السلام نے سب سے پہلی بات جو اپنی اپنی قوم کے سامنے پیش کی وہ یہی تھی کہ:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ — صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی الٰہ اور معبود نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ — تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

ان دونوں آیات کا مطلب وہی ہے جو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"شریعتِ اسلامی کے مطالعہ سے بالبداہت یہ ثابت ہے، نیز ائمۂ اسلام کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ اسلام کی روح یا سب سے پہلے انسان جس چیز کا مکلف اور مامور ہے وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار ہے۔ یہی کلمہ وہ حدِ فاصل ہے جس کے اقرار کے بعد ایک کافر مسلمان کہلاتا ہے اور دشمن دوست بن جاتا ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کے اقرار سے پہلے انسان کی جان اور اُس کا مال مسلمانوں کے لیے جائز اور مباح تھے، اور اس کے اقرار کے بعد اُس کی جان اور مال مسلمانوں پر حرام قرار پائے۔

کوئی شخص اگر کلمۂ شہادت کا صدقِ دل سے اقرار کرے گا تو ایمان اسکے قلب میں داخل ہو جائے گا اور اُسے مومن کہا جائے گا اور اگر کسی شخص نے صرف زبان سے اقرار کیا اور دل میں اس پر یقین نہ کیا تو ایسے شخص کو بظاہر مسلمان ہی کہا جائے گا لیکن حقیقت میں وہ مومن نہ ہوگا۔

البتہ جو شخص قدرت اور طاقت کے ہوتے ہوئے اس کلمۂ شہادت کا اقرار نہ کرے، ایسا شخص بالاتفاق کافر ہے۔ اِس پر سلف صالحین، ائمۂ کرام اور جمہور محدثین کا اتفاق ہے۔"

فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ -

---

اگر وہ توحید کا اقرار کرلیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دِن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر اِس کا بھی اقرار کرلیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ نے ان کے مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو مالدار لوگوں سے وصُول کر کے فقرار اور مساکین میں تقسیم کر دی جائے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اِس باب سے جو مسائل اخذ کیے ہیں، ان میں وہ لکھتے ہیں کہ

"بعض اوقات انسان کو علم تو ہوتا ہے لیکن "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کے صحیح مفہوم کی معرفت سے نابلد ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اِسکے تقاضوں پر عمل نہیں کر سکتا۔"

ایسے علمار کی اب کثرت ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی تعداد نہ بڑھائے۔ آمین۔

قولہ: فَإِنْ هُمْ اَطَاعُوا لِذٰلِكَ

یعنی اِس کا اقرار کرلیں اور مان جائیں۔

قولہ : فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوٰتٍ

اِس فرمانِ نبوی ؐ سے پتا چلا کہ کلمہ شہادت کے اقرار اور آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت مان لینے کے بعد سب سے بڑا کام جو ایک مسلمان کو کرنا چاہیے، وہ نماز کا ادا کرنا ہے۔ گویا شہادتین کے اقرار کے بعد نماز سب سے بڑا فریضہ ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ :

"کفار سے دنیا میں فرائض کا مطالبہ تو اسلام لانے کے بعد ہی کیا جائے گا البتہ وہ شریعتِ اسلامیہ کی بجاآوری میں مسلمانوں کے ساتھ خطاب میں برابر کے شریک ہیں کیونکہ ان کے انکار پر ان کے عذاب میں اضافہ ہوگا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کفار فروعِ شریعت کے ادا کرنے کے بھی مکلف ہیں۔ اکثر اہلِ علم کا یہی مسلک ہے۔"

قولہ : فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ

اِس ارشادِ نبوی ؐ سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد زکوٰۃ کا درجہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ، اُمراء سے لے کر فقراء میں تقسیم کر دینی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے فقراء کا خصوصی طور پر ذکر اِس لیے فرمایا ہے کہ آٹھ مصارفِ زکوٰۃ میں ان کا حق مقدم اور مؤکد ہے بنسبت دُوسرے مصارف کے۔

ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ امامِ وقت ہی زکوٰۃ کی وصولی اور اس کے خرچ کرنے کا ذمہ دار ہے، یا تو وہ خود وصول کرے یا اپنے کسی نائب کے ذریعے سے وصول کرے۔ جو شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اُس سے زبردستی اور سختی سے وصول کی جاسکتی ہے۔

مختلف اشیاء کو جمع کر کے ان کی زکوٰۃ اگر ایک ہی چیز سے نکال دی جائے تو ادا ہو جائیگی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔

غنی اور غیر مؤلفۃ القلوب کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ مجنون اور بچے کے مال سے زکوٰۃ

فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَ كَرَآئِمَ أَمْوَالِهِمْ وَ اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ ۔ اخرجاہ

اگر وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں تو ان کے عُمدہ مال وصُول کرنے سے احتراز کرنا اور مظلوم کی آہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ مظلوم کی آہ و پکار اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔

ادا کرنا واجب ہے، جیسا کہ عموم حدیث کی رُو سے جمہور کا قول ہے۔

شارح کتاب علامہ الشیخ عبدالرحمن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کی رُو سے جب صرف فقیر کا لفظ بولا جائے تو اس میں مسکین بھی شامل ہوتا ہے اور اسی طرح جب صرف مسکین کا لفظ استعمال ہوگا تو اس پر بھی فقیر کا اطلاق ہوتا ہے۔"

کرائم، جمع کریمہ کی ہے۔ یہ لفظ اُس جانور پر بولا جاتا ہے جس میں کوئی نقص اور خرابی نہ ہو مثلاً شکل وصورت میں حسین ہو، جسمانی لحاظ سے موٹا تازہ ہو، لحیم اور صاحب صوف بھی ہو۔ یہ نووی ؒ نے ذکر کیا ہے۔ ایسا جانور عمدہ، نفیس اور زیادہ قیمتی ہوگا۔

حدیث نبوی ؐ کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ میں عامل کے لیے عمدہ اور نفیس جانور وصُول کرنا حرام ہے اور زکوٰۃ دینے والے کو گھٹیا اور ردی جانور دینا حرام ہے بلکہ درمیانے درجے کا مال ادا کرنا چاہیے۔ ہاں، زکوٰۃ دینے والا اگر اپنی خوشی سے عمدہ جانور پیش کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

قولهٗ : وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ

اِس کا مطلب یہ ہے کہ مظلوم کی دعا کو روک دینے کے لیے ترکِ ظلم اور ادائے عدل کو سپر بناؤ۔ کیونکہ عدل و انصاف اور ترکِ ظلم، یہ دو اعمال ایسے ہیں جن کے ذریعہ سے انسان دنیا اور آخرت کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کو ظلم کی ہر نوع سے بچتے رہنا چاہیے۔

قولهٗ : فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ

فَاِنَّهٗ کی ضمیر، ضمیرِ شان ہے۔ یعنی بات یہ ہے کہ مظلوم کی بددعا، اور اللہ کے درمیان کوئی ایسا پردہ یا حجاب نہیں ہے جو قبولیت دعا کو رد کرے۔

اِس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عادل خواہ ایک ہی ہو، اس کی بات قابلِ عمل اور حُجت ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امامِ وقت اپنے نائب کو زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیج سکتا ہے۔ امام کو چاہیے کہ وہ اپنے عمال اور نائبین کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی وصیت کرے اور ان کو ضروری تعلیمات سے بہرہ ور کرے، ظلم سے بچتے رہنے کی تاکید کرے، ظلم کے بُرے انجام سے ڈرائے۔ اپنے نائب کو یہ سمجھانا بھی ضروری ہے کہ تمام احکام بیک وقت نافذ نہ کیے جائیں بلکہ بتدریج اور آہستہ آہستہ نافذ کیے جائیں اور یہ کہ اہم معاملات اور بنیادی مسائل کو اوّلیت دے۔

زیرِ بحث حدیث میں روزے اور حج کا ذکر نہیں کیا گیا جس سے اہلِ علم کو کئی طرح کے اشکال پیدا ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"بعض علمائے نے یہ جواب دیا ہے کہ:

"بعض راویوں نے حدیث کو مختصر بیان کیا ہے۔"

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ راوی کی دیانت و امانت پر حملہ ہے، اس لیے کہ اس قسم کا اختصار وہاں واقع ہوتا ہے جہاں حدیث ایک

ہی ہو۔ جیسا کہ عبدالقیس کے وفد کے بارے میں حدیث ہے جس میں بعض نے روزے کا ذکر کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا۔ وہ دو روایات جو مختلف سندوں سے مروی ہوں ان میں اِس قِسم کا اِختصار نہیں ہوتا۔

زیرِ بحث حدیث میں جو اختصار ہے اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔

۱ — ایک جواب تو یہ ہے کہ جیسے جیسے احکام و فرائض نازل ہوتے گئے اسی طرح سے آنحضرت ﷺ بیان فرماتے رہے۔ جیسا کہ سب سے پہلے شہادتین کا اقرار فرض ہوا، اس کے بعد نماز کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ نماز کی فرضیت کا حکم تو آنحضرت ﷺ کو ابتدائے وحی میں ہی ہو گیا تھا۔ چونکہ حج کی فرضیت تقریباً تمام احکام کے بعد ہوئی اِس لیے حدیث میں حج کا ذکر نہیں ہوا۔

۲ — دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ موقع و محل کے مطابق مسائل بیان فرمایا کرتے تھے۔

بعض مواقع پر صِرف وہ احکام بیان فرمائے جن کے تارک سے جنگ کی جا سکتی ہے جیسے نماز، زکوٰۃ۔

بعض مواقع پر صرف نماز اور روزہ کا بیان ہوا کیونکہ سامعین میں سے کِسی پر زکوٰۃ فرض نہ تھی تو زکوٰۃ کا حکم بھی نہ دیا۔

بعض اوقات نماز، روزہ اور زکوٰۃ تینوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ان تینوں مقامات میں حج کا ذِکر نہیں کیا۔ اِس کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ جب یہ احکام بیان کیے گئے اُس وقت حج فرض ہی نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مخاطب اور سامع پر حج فرض ہی نہیں تو بیان کرنا بے کار تھا۔

البتہ نماز اور زکوٰۃ کا معاملہ دیگر فرائض کی نسبت بالکل جداگانہ ہے کیوں کہ

ان کے تارک پر تو اللہ تعالیٰ نے قتال کرنا ضروری ٹھہرایا ہے کیونکہ ان دونوں عبادتوں کا تعلق ظاہر سے ہے لہٰذا ان کو وضاحت سے بیان کیا گیا بخلاف روزے کے، روزے کا تعلق صرف باطن سے ہے، جیسے وضو اور غسل جنابت وغیرہ۔ یہ ایسے اعمال ہیں جن پر صرف اعتماد کیا جا سکتا ہے، کسی دوسرے کو ظاہری طور پر ان کا علم محال ہے۔ ممکن ہے کہ انسان روزہ کی نیت نہ کرے اور خفیہ طور پر کھاتا پیتا پھرے، جیسا کہ یہ ممکن ہے کہ انسان اپنی جنابت اور حدث دوسرے سے چھپا لے۔ آنحضرت ﷺ کا طریق یہ تھا کہ آپؐ ان ظاہری اعمال کو بیان فرماتے جن کے تارک سے جنگ کی جا سکتی ہے اور ان کا اقرار کر لے تو مسلمانوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز اور زکوٰۃ پر اسلام کو موقوف رکھا اگرچہ روزہ بھی فرض تھا، جیسا کہ سورۃ براۃ کی دو آیات ہیں[1]، اگرچہ یہ آیت فرضیتِ روزہ کے بعد نازل ہوئی لیکن اس میں روزے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی اس روایت میں روزے کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ وہ نماز اور زکوٰۃ کی ذیل میں آجاتا ہے اور اس لیے بھی نہیں ذکر کیا گیا کہ اس کا تعلق باطن سے ہے، اور حج کا اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس کا وجوب خاص ہے، عام نہیں، کیونکہ عمر بھر میں صرف ایک ہی دفعہ فرض ہے۔"

قولہٗ : اَخرَجَاہُ اس سے مُراد صحیح بخاری و صحیح مسلم ہیں۔

یہ حدیث مسند امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی موجود ہے۔

---

[1] وہ آیات یہ ہیں :- فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ (سورۃ براۃ - ۵)

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ (سورۃ توبہ - ۱۱)

و لهما عن سهل ابن سعد رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يُحِبُّهُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۔

صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگِ خیبر کے دِن رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مَیں کل ایسے شخص کو پرچم دُوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول ؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسُول ؐ اس سے محبت کرتے ہیں۔

قولہ: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ : ان کا مختصر طور پر نام و نسب یہ ہے:۔

ابوالعباس سہل بن سعد بن مالک بن خالد الانصاری الخزرجی الساعدی رضی اللہ عنہ

حضرت سہل رضی اللہ عنہ اور اُن کے والدِ محترم حضرت سعد رضی اللہ عنہ مشہور صحابی تھے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ ۸۸ھ میں فوت ہوئے۔ وفات کے وقت اُن کی عمر سو سال سے زائد تھی۔

صحیحین میں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

كَانَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ قَدْ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ خَيْبَرَ وَكَانَ اَرْمَدَ فَقَالَ: اَنَا اَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ فَخَرَجَ عَلِيٌّ

غزوۂ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کی آنکھ میں تکلیف تھی۔ پھر بولے کیا میں رسُول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جاؤں؟ (ایسا نہیں ہو سکتا)۔ چنانچہ گھر سے نکلے اور

رضی اللہ عنہ فَلَحِقَ بِالنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِيْ فَتَحَهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ صَبَاحِهَا قَالَ: لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ أَوْ لَيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلٌ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَوْ قَالَ: يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ رضی اللہ عنہ وَمَا نَرْجُوْهُ فَقَالُوْا: هٰذَا عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ فَأَعْطَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الرَّايَةَ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ جس رات کی صبح کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، اسی رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: "میں صبح ایسے شخص کو پرچم دونگا جس کے ساتھ اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں" یا یہ فرمایا کہ "وہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہے" اس کے ہاتھ پر اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو فتح و کامرانی عطا فرمائے گا۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہماری توقع کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم ان کو دیدیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا تھمانا

قولہ: لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ:

إِنِّيْ دَافِعٌ اللِّوَاءَ إِلٰى رَجُلٍ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

میں ایسے شخص کو پرچم دوں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں۔

اہلِ لغت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم کے بارے میں متعدد باتیں بیان کی ہیں۔ لیکن امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آپ کے پرچم کی مندرجہ ذیل شکل نقل کی ہے:

كَانَتْ رَايَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَسْوَدَاءَ وَلِوَاءُهُ اَبْيَضُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم سیاہ رنگ کا تھا البتہ چھوٹے چھوٹے جھنڈے سفید رنگ کے تھے۔

طبرانی میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ ابن عدی نے مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے کہ

مَكْتُوبٌ فِيهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم	اس پرچم پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔

قولہ : يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشادِ گرامی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

"یہ وصف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر متقی مومن سے محبت رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہر متقی مومن اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ ہاں، حدیث اُن ناصبیوں کے خلاف حجت اور دلیل ہے جو العیاذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں رکھتے اور انھیں کافر و فاسق قرار دیتے ہیں، مثلاً خوارج۔ لیکن ان روافض کی یہ بات بھی اسی قبیل سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو نصوص، فضائل صحابہ پر دلالت کناں ہیں، وہ ان کے ارتداد سے قبل کے ہیں (نعوذ باللہ)۔

سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں ان میں اور خوارج میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے جو اسی نوعیت کی باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب معتقدات باطل ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ

يَفْتَحِ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوْكُوْنَ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطَاهَا؟ فَلَمَّا أَصْبَحُوا غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كُلُّهُمْ يَرْجُو أَنْ يُعْطَاهَا.

اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح فرمادے گا، چنانچہ رات بھر صحابہ رضی اللہ عنہم سوچتے رہے کہ پرچم کس کو دیا جائے گا؟ صبح کے وقت تمام صحابہ کرام، رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے اور ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ پرچم اُسے دیا جائے

اُن لوگوں کی قطعی طور سے مدح نہیں کرتا جن کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ کافر ہو کر مریں گے۔

اِس حدیث میں اللہ کی صفتِ محبت بھی ثابت ہوتی ہے، جس کے جہمیہ اور ان کے متبعین مخالف ہیں۔"

قولہٗ : يَفْتَحُ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ

آنحضرت ﷺ کے اِس ارشاد میں صراحت کے ساتھ حصولِ کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی ہے (یہ کوئی علم غیب نہیں ہے بلکہ) آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے

قولہٗ : فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوْكُوْنَ لَيْلَتَهُمْ

يَدُوْكُوْنَ کے معنیٰ ہیں غور و خوض کرنا، سوچ بچار کرنا۔

حدیث کے اِن الفاظ سے اعمالِ خیر پر صحابہ کرامؓ کی حرص اور اہتمام کا پتا چلتا ہے کہ عملِ خیر

کے لیے وُہ کتنے بے چین رہتے تھے نیز ان کے ایمان کی پختگی اور علم کی بلندی کا بھی پتا چلتا ہے۔

قولہٗ: فَلَمَّا اَصْبَحُوْا غَدَوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ:

اِنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ:	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ
"مَا اَحْبَبْتُ الْاِمَارَۃَ اِلَّا یَوْمَئِذٍ"	میرے دل میں امارت کا کبھی خیال پیدا نہیں ہوا لیکن آپؐ کا یہ ارشاد سن کر میرے دل میں بھی امارت کیلئے محبت پیدا ہوئی

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ظاہری و باطنی ایمان کی بشارت ہے اور اس بات کی وضاحت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے تھے اور ہر مومن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنی ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص معیّن کے متعلق کسی بات کی شہادت دیتے یا اُس کے لیے دعا فرماتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ان کو بھی یہ شرف حاصل ہو۔ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے افراد کو اس قسم کی دعا اور شہادت سے نوازا ہے لیکن اِس خصوصیت کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہی نوعیت کا تھا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی تھی۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر حضرات کو بھی جنت کی بشارت دی ہے، لیکن جو بات خصوصیت میں پائی جاتی ہے وہ عموم میں نہیں ہوتی۔

اِسی طرح ایک آدمی کو شراب پینے کی سزا دی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فَقَالَ أَيْنَ عَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ ؟
فَقِيلَ هُوَ يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ فَأَرْسَلُوا إِلَيْهِ
فَأُتِيَ بِهِ فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ وَ دَعَا لَهُ
فَبَرِأَ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ ۔
فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ أُنْفُذْ عَلَى
رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ۔

رسُول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ علیؓ بن ابی طالب کہاں ہیں؟
صحابہ کرام نے عرض کی کہ اُن کی آنکھ درد کر رہی ہے۔ صحابہؓ نے حضرت علی
رضی اللہ عنہ کو بُلایا۔ رسُول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں
لعابِ دہن ڈالا اور دُعا فرمائی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُسی وقت اِس طرح
تندرست ہو گئے جیسے کہ اُن کو کوئی درد ہی نہ تھا۔ رسُولِ اکرم ﷺ نے
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پرچم دیا اور فرمایا کہ مجاہدین کو لے کر فوراً نکل جاؤ اور
خیبر میں جا کر دم لو۔

نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول سے محبت رکھتا ہے۔"

قولہٗ : اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ ۔

آنحضرت ﷺ کے ان سوالیہ الفاظ سے معلوم ہوا کہ امامِ وقت کو اپنی رعیت میں

سے اگر کسی شخص کی غیر حاضری کا علم ہو جائے تو اس کے بارے میں پوچھنا چاہیے اور اُس کی عدم موجودگی کے متعلق معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔

قولہٗ : فَقِيلَ : هُوَ يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ

یعنی اس کی آنکھ میں آشوب ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے درج ذیل حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اُدْعُوا لِي عَلِيًّا رضی اللہ عنہ فَأُتِيَ بِهِ أَرْمَدَ — علیؓ کو بلاؤ، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنکھ میں آشوب کے باوجود لایا گیا۔

کتاب التوحید کے ایک صحیح نسخہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ

فَقِيلَ هُوَ يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ — صحابہؓ نے عرض کی کہ اُس کی آنکھوں میں درد ہے لیکن اسکے باوجود آپؐ نے علیؓ کو بلا بھیجا۔

صحیح مسلم میں حضرت ایاس بن سلمہ بن الاکوع عن ابیہ سے ایک روایت ہے :

فَأَرْسَلَنِي إِلَى عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ فَجِئْتُ بِهِ أَقُودُهُ أَرْمَدَ — آپؐ نے مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ اُسے بلا کر لاؤں۔ چنانچہ میں ان کو لایا اور انکی آنکھ آشوب کا شکار تھی۔

قولہٗ : فَبَصَقَ : یعنی لعابِ دہن لگانا۔

قولہٗ : وَدَعَا لَهُ فَبَرَأَ : بَرَاءَ کے معنی فوراً اسی وقت تندرست ہو جانا۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے تندرست ہوئے کہ جیسے ان کو پہلے کبھی یہ تکلیف ہی نہ تھی۔

طبرانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ :

فَمَا رَمِدْتُ وَلَا صُدِعْتُ مُنْذُ دَفَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم — جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پرچم تھمایا ہے اُس وقت سے آج تک نہ تو

ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ۔

اور پھر ان کو اسلام کی دعوت دینا۔

اِلَی الرَّایَة میری آنکھ دُکھی ہے اور نہ میرے سر میں درد ہوا ہے۔

قولہ : اُنْفُذْ عَلٰی رِسْلِكَ : اُنْفُذْ کے معنی جاؤ۔

رِسْلِكَ : ایسی چال جس میں تیزی نہ ہو۔

بِسَاحَتِهِمْ: زمین کے اُس حصہ کو کہا جاتا ہے جو کسی کی ذاتی ملکیت ہو اور اُس کے قبضہ میں بھی ہو۔

زیرِ بحث حدیث میں مندرجہ ذیل مسائل اخذ ہوتے ہیں:

○ شہادتین کے اقرار کی دلیل اور حجت۔

○ ایسے اسباب کو بروئے کار لانا جو جائز، مستحب یا واجب ہیں، یہ توکل کے خلاف نہیں ہیں۔

○ آدابِ جنگ کا ذکر کہ اس میں تیزی سے کام نہ لیا جائے، طیش اور غصے کو ترک کر دیا جائے اور اِس قسم کی باتیں نہ کی جائیں اور ایسی آوازیں نہ نکالی جائیں جن کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

○ امامِ وقت کو چاہیے کہ وہ اپنے عمال و حکام کو نرمی اختیار کرنے کی تعلیم دے، لیکن ایسی نرمی جس میں کمزوری اور حوصلہ شکنی کو کوئی دخل نہ ہو۔

قولہ : ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ

یہاں اسلام سے مراد یہ ہے کہ وہ " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ " کا اقرار کریں۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے اسلام سے مراد یہ ہے کہ وہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" کی شہادت دیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کریں مثلاً

- ہر قسم کی عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کرنا اور
- صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم قرار دے لینا۔

زیرِ بحث حدیث کا مطلب اور مفہوم وہی ہے جو اس آیتِ کریمہ کا ہے کہ:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران - ۶۴)

کہو اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔ پس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی اطاعت کرنے والے) ہیں

اسلام کی تشریح کے سلسلے میں شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَالْاِسْلَامُ هُوَ الْاِسْتِسْلَامُ لِلّٰهِ وَهُوَ الْخُضُوْعُ لَهٗ وَالْعُبُوْدِيَّةُ لَهٗ

اسلام یہ ہے کہ انسان احکام خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے، اسکی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع و خضوع اختیار کرے، اسکے سامنے عبودیت کاملہ کا اظہار کرے

اہلِ لغت نے بھی اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔

دینِ اسلام وہ دینِ حق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور جسکی اشاعت و تبلیغ کے لیے اس نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا۔ صرف اسی

ایک خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے۔ اس کامل سپردگی کا مرکز و مسکن انسان کا دل ہے۔ غرض یہ ہے کہ تمام عبادات میں سب کو چھوڑ کر صرف اُسی کے سامنے خشوع اور خضوع کا اظہار کیا جائے۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور دُوسروں کو بھی الٰہ سمجھتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے اور جو شخص اس کی عبادت سے منہ موڑتا ہے وہ بھی مسلمان نہیں ہے۔ قلب اور جوارح کے مشترک عمل کا نام اسلام ہے لیکن ایمان کی اصل، دِل کی تصدیق، اُس کا اقرار اور اُس کی معرفت ہے۔"

اِس سے ظاہر ہوا کہ تمام عبادات میں توحید کا اقرار اور شرک کی کلیۃً نفی، اسلام کا اصل الاصول ہے اور یہی تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت ہے کہ توحید کے معاملے میں صرف اللہ تعالےٰ کے سامنے جھکا جائے، اُسی کی اطاعت کو اپنے آپ پر لازم قرار دیا جائے، انہی باتوں کو مانا جائے جن کا اُس نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی زبان کے ذریعے سے لوگوں کو حکم دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے سب سے پہلے رسُول حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ (نوح - ۳)	(اے میری قوم! میں تم کو آگاہ کرتا ہوں) کہ اللہ کی بندگی کرو اور اُس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

زیرِ بحث حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جنگ سے پہلے دعوتِ توحید دینا ضروری ہے۔ ہاں دشمن کو اگر پہلے سے دعوت پہنچائی جا چکی ہے تو پھر ان سے قتال جائز ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق پر اچانک حملہ کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا تھا کہ بنو مصطلق مسلمانوں پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہیں اور اگر دشمن کو پہلے دعوتِ اسلام نہیں دی گئی تو جنگ شروع کرنے سے پہلے ان کو دعوت دینا واجب ہے۔

وَ أَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِّنْ حَقِّ اللهِ تَعَالٰى فِيْهِ۔

اور اللہ تعالیٰ کے جو حقوق اُن پر عائد ہوتے ہیں وہ بتانا۔

قولہ : وَاَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ تَعَالٰى فِيْهِ

اگر اسلام قبول کرلیں تو پھر ان پر جو ضروری اور واجب حقوق ہیں وہ بتانا جیسے نماز، زکوٰۃ۔

جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدْ مَنَعُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا[1]

جب ان احکام کو مان لیں تو انھوں نے اپنا مال واسباب اور اپنے خون مجھ سے محفوظ کرلیے، البتہ اسلام کے حقوق کے بارے میں کسی کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مانعین زکوٰۃ سے اعلان جنگ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے

كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا

آپ ان سے کیونکر جنگ لڑ سکتے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم ملا ہے جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار نہ کرلیں، اگر اقرار کرلیں تو انھوں نے اپنا مال واسباب اور اپنے خون مجھ سے بچالیے، البتہ اسلام کے حقوق کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔

---

[1] بخاری و مسلم

فَوَ اللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ ؛ يُدُوكُونَ أَيْ يَخُوضُونَ"۔

پس اے علی رضی اللہ عنہ ! بخدا، اگر ایک آدمی بھی تیرے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تو یہ تیرے لیے سُرخ اونٹوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔
کے معنی ہیں غور و فکر کرنا۔

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ :

فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ	زکوٰۃ، بیت المال کا حق ہے۔ بخدا، اگر
وَاللهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا	یہ لوگ بکری کا بچہ بھی روکنے کی کوشش
كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ	کریں گے جو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى	خدمت میں ادا کرتے تھے، تو ان سے
مَنْعِهَا [1]	جنگ کی جائے گی۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ امامِ وقت کو چاہیے کہ وہ تبلیغ دین کے لیے مُبلّغین کی ایک جماعت بھیجے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا معمول تھا۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ

أَلَا إِنِّي وَاللهِ مَا أُرْسِلُ	بخدا، مَیں اپنے عمّال اس لیے نہیں بھیجتا کہ
عُمَّالِي إِلَيْكُمْ لِيَضْرِبُوا أَبْشَارَكُمْ	وہ تمھیں پیٹنا شروع کر دیں اور نہ اس لیے بھیجا

[1] بخاری و مسلم

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ أَنَّ الدَّعْوَةَ إِلَى اللهِ طَرِيقُ مَنِ اتَّبَعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ

① جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا اقرار کرلے اس کیلئے ضروری ہے کہ دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرے۔

وَلَا لِيَأْخُذُوا أَمْوَالَكُمْ وَلٰكِنْ أُرْسِلُهُمْ إِلَيْكُمْ لِيُعَلِّمُوكُمْ دِينَكُمْ وَسُنَنَكُمْ

ہوں کہ وہ تمہارے مال حاصل کریں بلکہ میرا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ تمہیں تمہارے دین اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم دیں۔

قولہٗ : فَوَاللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ
اِس جملہ میں اَنْ مصدریہ ہے اور اَنْ سے قبل لام مفتوحہ ہے کیونکہ وہ لام قسمیہ ہے۔ اَنْ اور اس کے بعد صیغۂ فعل مصدر کی تاویل میں ہے اور مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر "خَيْرٌ" ہے۔

حُمْر : حاء مضموم اور میم ساکن ہے۔ اس کی جمع اَحْمَر آتی ہے۔ احمر وہ اونٹ ہے جو اہلِ عرب کے نزدیک بہترین اونٹ شمار کیا جاتا تھا۔

الثانیہ أَلتَّنْبِيهُ عَلَى الْإِخْلَاصِ لِأَنَّ كَثِيرًا لَوْ دَعَا إِلَى الْحَقِّ فَهُوَ يَدْعُوا إِلَى نَفْسِهِ۔

② اخلاصِ نیّت کی ترغیب۔ کیونکہ اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کو لے کر اُٹھتے بھی ہیں تو اس میں وہ مخلص نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگوں کو اپنی ذات کی طرف بلاتے ہیں۔

الثالثہ أَنَّ الْبَصِيرَةَ مِنَ الْفَرَائِضِ۔

③ بصیرت و ادراک سے بہرہ مند ہونا۔

الرابعہ مِنْ دَلَائِلِ حُسْنِ التَّوْحِيدِ أَنَّهُ تَنْزِيهُ اللهِ تَعَالَى عَنِ الْمَسَبَّةِ۔

④ حُسنِ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے پاک مانا جائے۔

النَّعَمِ : نون اور عین پر زبر ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

"اُخروی امور کو دینی امور کے ساتھ تشبیہ صرف اس لیے دی گئی ہے تاکہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے انعامات کا ایک ذرہ بھی دنیا و مافیہا سے افضل و اعلیٰ اور بہتر ہے۔"

اِس حدیث سے اُس شخص کی فضیلت معلوم ہوتی ہے جس کے ذریعے کوئی ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے۔ دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی خبر یا فتویٰ پر بلا قسم لیے اگر کوئی شخص قسم کھالے تو جائز ہے۔

الخامسة أَنَّ مِنْ قُبحِ الشِّرْكِ كَوْنَهُ مُسَبَّةً لِلّٰهِ۔

⑤ شرک کے بدترین ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے عیب ثابت کرنے کے مترادف ہے۔

السادسة وَ هِيَ مِنْ أَهَمِّهَا : إِبْعَادُ الْمُسْلِمِ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ لَا يُصِيْرُ مِنْهُمْ وَ لَوْ لَمْ يُشْرِكْ۔

⑥ چھٹا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، وہ یہ کہ انسان مشرکین سے میل جول نہ رکھے اگرچہ وہ خود شرک کا مرتکب نہ بھی ہوتا ہو۔

السابعة كَوْنُ التَّوْحِيْدِ أَوَّلُ وَاجِبٍ۔

⑦ توحید کو قبول کرنا تمام واجباتِ دین پر مقدم ہے۔

الثامنة أَنْ يَبْدَأَ بِهٖ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الصَّلٰوةَ۔

⑧ ہر مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز، روزہ کی طرف دعوت دینے سے پہلے توحید کا نقش اور اس کی تعلیم خود اپنے سینے میں مرتسم کرلے۔

التاسعة أَنَّ مَعْنٰی : "أَنْ يُّوَحِّدُوا اللهَ"

مَعْنٰی شَهَادَةِ : "أَنْ لَّا إِلٰهَ

إِلَّا اللهُ".

⑨ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی "اَنْ يُّوَحِّدُوا اللهَ" اور کلمۂ شہادت "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کا مطلب ایک ہی ہے۔

العاشرة اَنَّ الْإِنْسَانَ قَدْ يَكُوْنُ

مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَ هُوَ

لَا يَعْرِفُهَا أَوْ يَعْرِفُهَا وَ لَا يَعْمَلُ بِهَا.

⑩ اہلِ کتاب میں وہ لوگ بھی ہیں جو توحید کی معرفت ہی نہیں رکھتے یا معرفت تو رکھتے ہیں مگر اِس پر عمل نہیں کرتے۔

الحادية عشرة أَلتَّنْبِيْهُ عَلَى التَّعْلِيْمِ بِالتَّدْرِيْجِ.

⑪ تعلیم کو آہستہ آہستہ اور بتدریج رائج کیا جائے۔

الثانية عشرة أَلْبَدَاءَةُ بِالْأَهَمِّ فَالْأَهَمِّ.

⑫ سب سے پہلے زیادہ اہم اور اُس کے بعد دیگر مسائل بتائے جائیں۔

الثالثة عشرة مَصْرِفُ الزَّكٰوةِ۔

⑬ مصارفِ زکوٰۃ کی تفصیل۔

الرابع عشر کَشْفُ الْعَالِمِ الشُّبْهَةَ عَنِ الْمُتَعَلِّمِ۔

⑭ استاد کو چاہیے کہ وہ طالب علم کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرے

الخامس عشر اَلنَّهْیُ عَنْ كَرَائِمِ الْأَمْوَالِ۔

⑮ محصل زکوٰۃ کو چاہیے کہ وہ عمدہ مال پر ہاتھ نہ ڈالے۔

السادس عشر إِتِّقَاءُ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ۔

⑯ مظلوم کی پکار اور اس کی آہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

السابع عشر اَلْإِخْبَارُ بِأَنَّهَا لَا تُحْجَبُ۔

⑰ کیونکہ مظلوم کی پکار اور عرش الٰہی کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔

الثامن عشر مِنْ أَدِلَّةِ التَّوْحِيدِ مَاجَرٰى عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ سَادَاتِ الْأَوْلِيَاءِ مِنَ الْمَشَقَّةِ وَ الْجُوْعِ وَ الْوَبَاءِ۔

⑱ توحید خالص کی درحقیقت وہ علامتیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگی میں نمایاں ہیں۔ ان کو مشقتیں برداشت کرنا پڑیں۔ یہ بھوک اور پیاس سے دو چار ہوئے اور انھوں نے بیماریوں کو صبر و استقامت سے جھیلا۔

التاسع عشر قَوْلُهُ : " لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ " . عَلَمٌ مِّنْ أَعْلَامِ النُّبُوَّةِ -

(۱۹) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "میں کل ایسے شخص کو پرچم دونگا"۔ یہ آپ کے اعلامِ نبوّت میں سے ایک علامت ہے۔

العشرون تفله فِي عينيه علمٌ مِّنْ أعلامها ايضًا -

(۲۰) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں اپنا لعابِ دہن ڈالنا بھی ایک علامتِ نبوّت ہے۔

الحادی والعشرون فَضِيلَةُ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ

(۲۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت۔

الثانی والعشرون فَضْلُ الصَّحَابَةِ فِي دَوْكِهِمْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَ شُغْلِهِمْ عَنْ بَشَارَةِ الْفَتْحِ -

(۲۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت، کہ وہ ساری رات اِس سوچ میں رہے کہ کِس کو پرچم ملتا ہے اور وہ فتح و کامرانی سے واپس آتا ہے۔

الثالث والعشرون اَلْإِيمَانُ بِالْقَدَرِ لِحُصُولِهَا لِمَنْ لَمْ يَسْعَ لَهَا وَ مَنْعِهَا

عَمَّنْ سَعَى۔

(۲۳) تقدیر پر ایمان کہ جو شخص کسی چیز کے حصول کی کوشش نہیں کرتا، اس کو دیدینا۔ اور جو کوشش کرتا ہے اُس سے روک لینا۔

الرابع والعشرون **أَلْأَدَبُ فِي قَوْلِهِ : "عَلَى رِسْلِكَ"۔**

(۲۴) رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا "اطمینان سے جاؤ" یہ آدابِ جنگ میں سے ایک ہے۔

الخامس والعشرون **أَلدَّعْوَةُ إِلَى الْإِسْلَامِ قَبْلَ الْقِتَالِ۔**

(۲۵) جنگ شروع کرنے سے پہلے دُشمن کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کرنا۔

السادس والعشرون **أَنَّهُ مَشْرُوعٌ لِّمَنْ دُعُوا قَبْلَ ذٰلِكَ وَ قُوتِلُوا۔**

(۲۶) شریعتِ اسلامی کا یہ حکم ہے کہ جس قوم کو جنگ کے لیے للکارا جائے اُسے سب سے پہلے دعوتِ اسلام پیش کرنا۔

السابع والعشرون **أَلدَّعْوَةُ بِالْحِكْمَةِ لِقَوْلِهِ : "أَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ"۔**

(۲۷) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس فرمان "ان کو ضروری امور بتائے جائیں" سے پتا چلا کہ دعوتِ اسلام حکمت و دانائی سے پیش کرنی چاہیے۔

الثامن والعشرون أَلْمَعْرِفَةُ بِحَقِّ اللهِ فِي الْإِسْلَامِ۔

۲۸ اِسلام میں جو حقوق اللہ ہیں، اُن کا معلوم کرنا۔

التاسع والعشرون ثَوَابُ مَنِ اهْتَدٰى عَلٰى يَدَيْهِ رَجُلٌ وَّاحِدٌ۔

۲۹ اُس شخص کے اجر و ثواب کی کثرت کا اندازہ، جس کے ہاتھ پر ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے۔

الثلاثون أَلْحَلْفُ عَلَى الْفُتْيَا۔

۳۰ فتویٰ پر قسم اُٹھانا۔

بَابُ

تفسیرِ التوحیدِ وشہادۃِ

أَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

○

اِسْ باب میں مسئلہ توحید کی تفسیر اور

کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

کی شہادت کے بارے میں تفصیلاً

بیان کی گئی ہیں

باب تفسیر التّوحید و شہادۃ
اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

قولہ : بَابُ تَفْسِیْرُ التَّوْحِیْدِ وَ شَہَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

سوال: کتاب ہٰذا کے ابتدائی صفحات میں اُن آیات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، جن میں کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے بارے میں تفصیلات درج کی گئی ہیں اور توحید کے لوازم پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ اب اس باب کو بیان کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور اس سے کیا فوائد مرتب ہونگے؟

جواب: زیرِ نظر باب میں جن آیات کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں کلمہ اخلاص اور توحید فی العبادت کی خصوصیات درج کی جاتی ہیں اور سب سے اہم بات جو اس باب میں آپ کو نظر آئے گی وہ یہ ہے کہ ان آیات میں اُن لوگوں کے عقائد کی تردید کی گئی ہے جو انبیاء علیہم السّلام اور صالحین کو پکارتے اور اُن سے سوال کرتے ہیں کیونکہ اِس باب میں بعض آیات کے نازل ہونے کا سبب بھی یہی چیز تھی جیسا کہ سُورۃ الاسراء کی اس آیت میں ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ○ (الاسراء - ۵۶)	ان سے کہو، پکار دیکھو اُن معبودوں کو جن کو تم خدا کے سوا (اپنا کارساز) سمجھتے ہو وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں۔

اکثر مفسّرین کا اِس پر اِتفاق ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو حضرت عیسٰی، اُن کی والدہ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السّلام کی عبادت کرتے تھے، اِس میں اُن کو سختی سے روکا گیا ہے۔

اِس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت عیسٰی، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السّلام کو اپنی دعاؤں میں پکارنا اور اُن سے استمداد کرنا شرک ہے۔ یہ چیز توحید اور لآ اِلٰہ اِلاّ اللہ کے بالکل منافی ہے کیونکہ توحید کے معنٰی یہ ہیں کہ صرف ایک اللہ کو پکارا جائے اور کلمۂ اخلاص شرک کی قطعی طور سے نفی کرتا ہے۔ غیر اللہ کو پکارنا اُس کی عبادت کرنا ہے۔

اور دُعاء کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ[1] دعا کرنا عبادت کا مغز ہے۔

جو آیت پہلے گزر گئی ہے اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جن کو پکارا جاتا ہے وہ نہ پکارنے والے کی تکلیف دُور کر سکتے ہیں نہ کسی چیز کو ایک جگہ سے دُوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں اور نہ کسی شے کو ایک حالت سے دُوسری حالت میں بدل سکتے ہیں، اگرچہ جن کو پکارا جاتا ہے وہ نبی اور فرشتے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ آیتِ کریمہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر مدعو کی دعوت کا ابطلان کر رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خود پکارنے والے کو اُس کی پکار دھوکے میں ڈالتی ہے۔ ہر شے تو خود محتاج ہے۔ غیر اللہ کو پکارنے والے نے اللہ تعالیٰ کو اِس کا شریک ٹھہرایا ہے، جو نہ تو نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان میں مبتلا کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔

اِس آیت کریمہ سے توحیدِ خداوندی اور کلمہ لآ اِلٰہ اِلاّ اللہ کی مزید توثیق ہوتی ہے۔

---

[1] یہ حدیث جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قوله تعالى أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُۥٓ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ (بنی اسرآءیل : ۵۷)

جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون اُس سے قریب تر ہو جائے اور وہ اُس کی رحمت کے اُمیدوار اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق۔

قولہ : اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ

یہ آیتِ کریمہ انبیاء و مرسلینؑ اور ان کے متبع مومنوں کا راستہ اور طریقِ عمل متعین کرتی ہے کہ وہ اللہ ہی کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

تَقَرَّبُوْا اِلَيْهِ بِطَاعَتِهٖ وَالْعَمَلَ بِمَا يُرْضِيْهِ	اللہ کی اطاعت سے اور ایسے اعمال سے جو اُسکے نزدیک پسندیدہ ہیں، اسکا قُرب حاصل کرو

ابنِ زید رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں:-

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ"

اس قرأت کے مطابق اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ:

"جن صالحین اور اولیاء کو تم پکارتے ہو اور اُن سے استغاثہ و استعانت کرتے ہو وُہ تو خود اللہ کو وسیلہ بناتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ صحیح بات سے اقرب کون ہے"

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

"اِس معاملے میں مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔" اُنھوں نے متعدد ائمۂ مفسرین سے اِس کا ذِکر کیا ہے۔

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں تین مقامات کا ذِکر کیا گیا ہے:

الحبّ[1]: اعمالِ صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قُرب اور اُس کی طرف توسّل حاصل کیا جائے۔ اس کا نام محبت ہے۔

الرّجاء[2] والخوف[3]: اُمید اور خوف ہی حقیقتِ توحید اور اصلِ اسلام ہیں۔

مسند امام احمد میں روایت ہے کہ بہز بن حکیم کے جدِامجد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یارسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)!

مَا اَتَيْتُكَ اِلَّا بَعْدَ مَا حَلَفْتُ عِدَّةَ اَصَابِعِيْ هٰذِهٖ اَنْ لَّا اٰتِيَكَ فَبِالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَعَثَكَ بِهٖ ؟	بخدا! میں نے متعدد قسمیں کھائی تھیں کہ مَیں آپؐ کے پاس نہیں آؤں گا۔ بالآخر حاضر ہوگیا ہوں۔ مَیں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں، آپؐ مجھے یہ بتائیں کہ آپؐ کس چیز کی دعوت لے کر مبعوث ہوئے ہیں؟
قَالَ: اَلْاِسْلَامُ	آپؐ نے فرمایا کہ میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں
قَالَ: وَمَا الْاِسْلَامُ ؟	اُس نے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟

قَالَ: اَنْ تُسْلِمَ قَلْبَكَ وَ اَنْ	آپ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اپنے
تُوَجِّهَ وَجْهَكَ اِلَى اللّٰهِ	دِل کو اللہ کے سپرد کر دو اور اپنے چہرے
	کو اللہ کی طرف مُلتفت رکھو۔
وَاَنْ تُصَلِّيَ الصَّلَوٰتِ الْمَكْتُوْبَةَ	پانچ وقت کی فرض نماز ادا کرو۔
وَتُؤَدِّيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ	اور فرض زکوٰۃ ادا کرو۔

محمد بن نصر المروزی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَنَّ لِلْاِسْلَامِ صُوًى[1] وَ مَنَارًا	اِسلام کے کئی نشان ہیں جیسا
كَمَنَارِ الطَّرِيْقِ مِنْ ذٰلِكَ	کہ راستے میں نشان نصب ہوتے ہیں۔ وہ
اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ	یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسکے
شَيْئًا وَ تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ	ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز
الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ ، وَ	قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے
الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ	رکھو اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر
الْمُنْكَرِ	کا فریضہ ادا کرو۔

یہی معنی قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کے ہیں:

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ	جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے
وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ	کر دے اور وہ عملاً نیک ہو، اُس نے
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى وَاِلَى اللّٰهِ	فی الواقع ایک بھروسے کے قابل سہارا
عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○	تھام لیا اور سارے معاملات کا آخری
(لقمان ــ ۲۲)	فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

---

[1] صُوًى جمع، صوۃ کی ہے۔ صوۃ پتھر کے اُن نشانات کو کہتے ہیں جن کو بطورِ علامت جنگل میں نصب کیا گیا ہو تاکہ راستے کا پتا چل سکے۔

قولہ تعالیٰ وَ إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ وَ قَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۙ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً ؎ بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ (الزخرف : ٢٦، ٢٧، ٢٨)

یاد کرو وُہ وقت جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ "تم جن کی بند گی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں، میرا تعلق صرف اُس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ وہی میری رہنمائی کرے گا۔" اور ابراہیم علیہ السلام یہی کلام اپنے پیچھے اپنی قوم میں چھوڑ گئے تا کہ وُہ اِس کی طرف رجوع کریں۔

قولہٗ : كَلِمَةً بَاقِيَةً

اِس سے مراد "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِس عظیم الشان کلمہ کو کس طرح عمدہ انداز سے پیش کیا؟

قارئین کرام غور کریں گے تو پتا چلے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام معبودانِ باطل سے کیونکر اپنا

؎ "عقب" کا اطلاق گیارہ الفاظ پر ہوتا ہے ۱ — الولد پر، ۲ — البنون پر، ۳ — الذریۃ پر ۴ — العقب پر ۵ — نسل پر، ۶ — الآل پر، ۷ — الابل پر، ۸ — قرابہ پر، ۹ — العشیرہ پر ۱۰ — القوم پر، ۱۱ — العوالی پر۔

قولہ تعالیٰ اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَ رُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۔ (التوبة : ٣١)

انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے۔

اظہارِ برأت کیا ہے چاہے یہ ستارے ہوں چاہے ہیکل اور چاہے پتھر کی مورتیاں جنھیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے صلحاء کی شکلوں پر تراش رکھا تھا جیسے وُدّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر وغیرہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سب میں سے صرف اس ذات کو مستثنیٰ فرمایا جس نے انھیں پیدا کیا۔ اِس طرح یہ آیتِ کریمہ کلمۂ اخلاص یعنی "لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی صحیح تصویر پیش کر رہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ وَ	یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وُہ
اَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ هُوَ	سب باطل ہیں جنھیں اللہ کو چھوڑ کر یہ
الۡبَاطِلُ (الحج ۔ ٦٢)	لوگ پکارتے ہیں۔

پس ہر وہ عبادت جس میں غیر اللہ مقصود ہو، خواہ اس کی حیثیت دعا ہی کی کیوں نہ ہو، وُہ باطل اور شرک قرار پائے گی جس کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہ کرے گا۔ قیامت کے دن مشرکین سے پوچھا جائیگا

اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ ۝	اب کہاں ہیں اللہ کے سوا دُوسرے خدا
مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ	جن کو تم شریک کرتے تھے؟
قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا	وہ جواب دیں گے "کھوئے گئے وُہ ہم سے
بَلۡ لَّمۡ نَكُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ	بلکہ ہم اس سے پہلے کسی چیز کو نہ
شَيۡــًٔا ؕ	پکارتے تھے۔"
كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝	اِس طرح اللہ کافروں کا گمراہ ہونا متحقق کر دیگا

قولہ : اِتَّخَذُوٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا

صحیح حدیث میں مروی ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم الطائی کے سامنے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو عدی رضی اللہ عنہ نے کہا :

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ ! لَسْنَا نَعْبُدُھُمْ	یارسُول اللہ ﷺ ! ہم ان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے ۔
قَالَ : اَلَیْسَ یُحِلُّوْنَ لَکُمْ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَتُحِلُّوْنَہٗ وَیُحَرِّمُوْنَ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ فَتُحَرِّمُوْنَہٗ ؟	آپؐ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو اگر وُہ حلال کہدیتے تو تم اس کو حلال سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو اگر حرام کہدیتے تو تم اسکو حرام سمجھتے تھے یا نہیں ؟
قَالَ : بَلٰی	عدی رضی اللہ عنہ بولے " ہاں ہم ایسا ہی کیا کرتے تھے ۔
قَالَ النَّبِیُّ ﷺ فَتِلْكَ عِبَادَتُھُمْ [1]	آپؐ نے فرمایا کہ " یہی تو اُن کی عبادت ہے ۔ "

گویا معصیت میں اُن کی اطاعت ہی عبادت لغیر اللہ کے مترادف تھی ۔ اِس طرح یہ اپنے مشائخ و اولیاء کو رب بنا بیٹھے جیسا کہ اس دور میں اِس اُمّت کا حال ہے ۔ یہی وہ شرکِ اکبر ہے جو اُس توحید کے منافی ہے جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی شہادت کی مدلول ہے ۔

اِس آیت سے یہ بات واضح ہوئی کہ کلمۂ اخلاص نے اِس قسم کی عبادات کی نفی کردی ہے اِس لیے کہ وُہ اِس کے مدلول یعنی توحید کے منافی ہے ۔

ان کی یہ حالت ہے کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ جن امورِ شرک کی نفی کرتا ہے یہ اس کے اثبات کے درپے ہیں اور توحید کے جن پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے ان کو ترک کرنے پر مُصر ہیں

---

[1] مسند امام احمد ، ترمذی ، ابن جریر ۔

قولہٗ : وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارا، اس کی طرف جھکا اور اپنی قضائے حوائج اور مشکلات کے لیے اس کی طرف راغب ہوا جیسا کہ عبادِ قبور، بندگانِ طاغوت اور پرستارانِ اصنام کا شیوہ ہے اِس صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ ان کی تعظیم کریں اور ان کو مرکزِ محبت ٹھہرائیں۔ اگرچہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بھی محبت کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان طواغیت و اصنام اور غیر اللہ سے محبت و مودت میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ پس یہ لوگ لآاِلٰہ اِلَّا اللہ بھی پڑھتے ہیں، نمازیں بھی ادا کرتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں مگر انھوں نے غیر اللہ سے ایسی محبت کا ثبوت دیا جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص تھی، اِس لیے یہ اللہ تعالیٰ سے شرکِ فی المحبت کے مُرتکب قرار پائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو انداد و معبود بنانے کی وجہ سے اُنھوں نے عبادتِ غیر اللہ بھی کی۔ یہ سب شرک ہے اور شرک وہ قبیح فعل ہے جو ہر عمل کو باطل بنا دیتا ہے اور قول و عمل کی تمام نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔ مُشرک کا کوئی عمل نہ تو درجہ قبولیت کو پہنچ سکتا ہے اور نہ مرتبہ صحت کو۔

یہ لوگ اگرچہ لآاِلٰہ اِلَّا اللہ کا اقرار کرتے ہیں لیکن اُنھوں نے اِس عظیم کلمہ کی اُن تمام قیود کو بالائے طاق رکھ دیا ہے جن کا اِس کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ ان قیود میں سے ایک قید اِس کے مدلول کے ساتھ کلمہ کا علم اور اِس کے تمام تقاضوں کو پیشِ نگاہ رکھنا ہے مگر یہ لوگ اِس کے معنیٰ اور علم سے بالکل بے خبر اور جاہل رہے جس کی وجہ سے اُنھوں نے اللہ کی محبت میں دوسروں کو شریک ٹھہرالیا۔

یہ کلمہ شرک کی نفی کرتا ہے لیکن یہ لوگ اپنی جہالت کی بنا پر اس کی نفی نہ کر پائے اور جس اخلاص و توحید کا اثبات کرتا ہے، اُس کا اثبات نہ کر سکے، انھوں نے یقینِ محکم کو قبول نہ کیا۔ اگر یہ لوگ کلمہ کا علم حاصل کر لیتے تو بلا شبہ ان تمام تقاضوں کو بھی پورا کرتے جو کلمہ کی اصل اور اساس تھے۔ اس میں وہ کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر ہدایت اور توحید کی شمع روشن کرنے میں کامیاب ہو جاتے اور غیر اللہ کی محبت اور عبادت کو قطعی طور سے ترک کر دیتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرة : ۱۶۵)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سِوا دُوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِ مقابل بناتے ہیں اور اُن کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ جو لوگ ایماندار ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

ایک مومن کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اُس سے محبت کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور اپنے اعمال کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے خاص کر لیتا ہے اور اللہ کے سوا جس کی عبادت ہو رہی ہو اُس کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔

پس جس شخص کے دِل میں قبولِ حق کی معرفت ہو گی وہ ان آیاتِ بیّنات سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا مفہوم اور معنی اچھی طرح سمجھ لے گا اور توحید کے بارے میں اُس کی بصیرت چمک اُٹھے گی جس کی دعوت تمام انبیائے کرام علیہم السّلام نے دی ہے۔

قرآنِ کریم کی آیت "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ" سابقہ آیت کی تشریح ہے۔ سابقہ آیت یہ ہے: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ بالا آیت کے معنی ومفہوم کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ :

"اے میرے رسول محمد! ان مشرکین سے کہہ دیجئے، جو غیر اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں، کہ تم ان اصنام اور انداد کو پکار کر دیکھ لو اور ان کو مرکزِ توجہ ٹھہرا کر مشاہدہ کر لو کہ نہ تو یہ تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں اور نہ اس کو ایک شخص سے ہٹا کر دوسرے شخص کی طرف منتقل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔"

آیت کا مطلب صاف اور واضح ہے کہ جس ذات کو اس پر قدرت اور طاقت حاصل ہے وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے جس کا کوئی شریک نہیں، جس کے قبضہ میں تمام مخلوق ہے اور جو تمام امور کے فیصلے کرتا ہے۔

عوفی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ :

"مشرک یہ کہا کرتے تھے کہ ہم مسیح، عُزیر اور ملائکہ علیہم السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر یہ لوگ ان کو یعنی ملائکہ، حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہم السلام کو ضرورت کے وقت پکارا کرتے تھے۔"

اسی آیتِ کریمہ کی تشریح میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ :

"کچھ جنّات حضرت مسیح، حضرت عُزیر اور ملائکہ علیہم السلام کی عبادت کیا کرتے تھے لیکن بعد میں یہ جنات مسلمان ہو گئے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ :

"کچھ انسان جنّات کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جنّات تو مسلمان ہو گئے، لیکن انسانوں نے جنّات کا دین اختیار کر لیا۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس بات پر دلالت کناں ہے کہ وسیلہ درحقیقت اسلام ہی ہے۔ ان کے دونوں اقوال کا یہی مطلب ہے۔

اِس آیت کے بارے میں السُّدیؒ، ابُوصالح سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"اِس آیت میں حضرت عیسیٰ، اُن کی والدہ اور حضرت عُزیر علیہم السلام، مُراد ہیں۔"

مغیرہ، ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اِس آیت کے سِلسلے میں فرمایا کرتے تھے:

"اِس آیت میں حضرت عیسیٰ، عزیر علیہم السلام، سُورج اور چاند مُراد ہیں۔"

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

"حضرت عیسیٰ، عزیر اور ملائکہ علیہم السلام مُراد ہیں۔"

قولہ: یَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ

جب کوئی شخص دُعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے یا بارگاہِ الٰہی میں کوئی استغاثہ پیش کرتا ہے تو یہ ضروری ہے کہ اُس کا دِل خوف سے کانپ رہا ہو یا اُس کے دِل کی دنیا خوف و رجاء کے جذباتِ صادقہ سے پُر ہو، یا یہ دونوں اوصاف اس کے اندر موجزن ہوں۔ اِس کے بغیر تکمیلِ عبادت ممکن نہیں ہے۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"مفسرین کے تمام اقوال صحیح ہیں کیونکہ یہ آیت ہر اُس معبود کو عام ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو، خواہ وہ فرشتہ ہو یا جن یا انسان۔ سلف مفسرین کرام کی یہ عادت ہے کہ وہ بطورِ تمثیل ایک جنسِ مقصود کو پیش کر دیتے ہیں جیسا کہ کوئی شخص ترجمان سے خُبز کے بارے میں پوچھے کہ وہ کیا اور کیسی ہوتی ہے، تو ترجمان ایک روٹی دکھا کر کہتا ہے کہ "یہ"۔ ترجمان نے سمجھانے کی خاطر اگرچہ ایک روٹی ہی کی طرف اشارہ کیا ہے مگر اس سے مُراد نوع ہے، عین نہیں۔

پس آیت زیرِ بحث میں ہر وہ شخص مخاطب ہے، جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور

کو پکارتا ہے اور یہ مدعو ایسا ہے جو خود اللہ کی طرف وسیلہ بھی تلاش کرتا ہے،
اُس کی رحمت کا خواہاں ہے اور اُس کے عذاب سے خائف ہے۔

سو ہر وہ شخص جو کسی میت کو یا انبیاء وصالحین میں سے کسی کو پکارے،
خواہ استغاثہ کے الفاظ میں یا کسی اور قسم کے الفاظ میں، سب کو یہ آیت شامل
ہے جیسے کہ ملائکہ اور جنات کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو پکارنے سے
منع کیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وہ پکارنے والوں کی تکلیف
کو نہ تو دُور کر سکتے ہیں اور نہ اُن سے ہٹا کر دُوسرے شخص کو تکلیف میں مبتلا
کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ تَحْوِيلًا کو نکرہ استعمال فرما کر یہ بتایا ہے
کہ وہ کسی قسم کی تکلیف کے رفع یا تحویل پر قدرت نہیں رکھتے۔

پس جو شخص کسی میت کو پکارتا ہے یا کسی غائب کو پکارتا ہے، خواہ وہ
نبی ہو یا ولی ہو یا فرشتہ ہو، کوئی بھی ہو، وہ ایسی چیز کو پکارتا ہے جو نہ اسکی
مدد کر سکتی ہے، نہ اس کی تکلیف رفع کر سکتی ہے اور نہ تحویل پر قدرت رکھتی ہے"

اِس آیتِ کریمہ سے اُس شخص کی تردید ہوتی ہے جو کسی صالح انسان کو پکارتا ہے اور کہتا
ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ شرک تو یہ ہے کہ اصنام کو پکارا جائے۔

قولہ: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

" اللہ تعالیٰ اپنے بندے، رسول، خلیل، امام الحنفاء، ابو الانبیاء، جس کی طرف
تمام قریش نسب و مذہب میں اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے، کے بارے
میں فرماتا ہے کہ وہ اپنے باپ اور اپنی قوم سے بالکل الگ تھلگ ہو گیا اور
اُس نے اُن کے اصنام و اوثان سے قطع تعلق کرتے ہوئے کہا کہ

اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ○

جن کی تم پُوجا پاٹ کرتے ہو، مَیں اُن سب سے بیزار ہُوں۔ صرف وُہ ذاتِ کبریا جس نے مجھے پیدا کیا، وُہ مجھے ضرور راہِ راست دِکھائے گی۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ کہتا ہے کہ:

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ (الزخرف - ۲۷-۲۸)

ابراہیمؑ نے اِس خالص توحیدی کلمہ کو اپنی اولاد میں باقی چھوڑا تاکہ وہ حق کی طرف لوٹیں۔

اِس آیت میں کلمہ سے مراد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، جس میں کوئی شریک نہ ہو اور جس میں اصنام اور اوثان کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہو۔ درحقیقت اِسی کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کہا جاتا ہے۔ اِس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی اولاد میں باقی رکھا تاکہ آئندہ نسلِ انسانی اِس کی اقتداء کرتی رہے اور اسے اپنے لیے مشعلِ راہ بنالے۔"

حضرت عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادہ اور السدی وغیرہ رحمہم اللہ نے کلمہ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں کوئی نہ کوئی شخص ضرور باقی رہے گا جو اِس کلمہ کے تقاضوں کو پورا کرتا رہے گا۔

علامہ ابنِ جریر رحمہ اللہ قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ مُشرکین یہ اقرار کرتے تھے کہ ہمارا رب "اللہ تعالیٰ" ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم بھی نقل کرتا ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف - ۸۷)

اگر آپؐ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہدیں گے کہ "اللہ تعالیٰ نے"

اِس قول کو ابنِ جریر رحمہ اللہ کے علاوہ عبد بن حمید نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن جریر اور ابی المنذر رحمہم اللہ قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"کلمہ باقیہ سے مراد اخلاص اور توحید ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد میں ایسے اشخاص ضرور باقی رہیں گے جو فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی توحید پر قائم رہیں گے۔"

مصنف رحمۃ اللہ علیہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

وَذَكَرَ سُبْحَانَهُ اَنَّ هٰذِهِ الْبَرَاءَةَ وَ هٰذِهِ الْمُوَالَاةَ هِيَ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ	اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برأت اور موالات کا ذکر کرنا، اِس بات کی دلیل ہے کہ یہی کلمہ لآ الٰہ الّا اللہ ہے

اِسی مفہوم کو علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الکافیۃ الشافیۃ" (قصیدہ نونیہ) میں اِس طرح بیان کیا ہے کہ:

واذا تولاه امرؤ دون الورى طرا تولاه العظيم الشان

یعنی جب کوئی شخص دُنیا کو ترک کر کے صِرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو وُہ عظمت اور شان والا بھی اُس سے محبت کرتا ہے۔

قولہٗ: اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ

الأحبار ــــ علماء

الرھبان ــــ پیر

قرآنِ کریم کی اِسی آیتِ کریمہ کی تفسیر رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے سامنے فرمائی ہے کہ

اِنَّهٗ لَمَّا جَاءَ مُسْلِمًا دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَرَأَ عَلَيْهِ هٰذِهِ الْاٰيَةَ: قَالَ فَقُلْتُ: اِنَّهُمْ	عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جب آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو رسُول اللہ ؐ نے ان کے سامنے یہی آیت تلاوت فرمائی عدی رضی اللہ عنہ بولے کہ وہ لوگ تو اِن کی

لَمْ يَعْبُدُوهُمْ — عبادت نہیں کرتے تھے۔

فَقَالَ: بَلٰى إِنَّهُمْ حَرَّمُوا عَلَيْهِمُ الْحَلَالَ وَحَلَّلُوا لَهُمُ الْحَرَامَ فَاتَّبَعُوهُمْ فَذٰلِكَ عِبَادَتُهُمْ إِيَّاهُمْ — آپ نے فرمایا کیوں نہیں، ان احبار، رُہبان نے ان پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہا تو لوگوں نے اسے تسلیم کرلیا پس یہی ان کی عبادت ہے۔

(اس روایت کو امام احمد، امام ترمذی، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے روایت کیا ہے)

السُّدّی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"انھوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر علماء کی آراء اور اقوال پر اعتماد کیا۔
اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَّاحِدًا لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○ (التوبة - ۳۱) — ان کو صرف ایک الٰہ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے (کیونکہ) اس کے سوا کوئی دوسرا الٰہ اور معبود نہیں اور وہ حقیقی الٰہ ان کے شرک سے پاک اور منزہ ہے۔

کیونکہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال قرار دے،
حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ حرام قرار دے
اور دین وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ مقرر کرے۔"

اس آیتِ کریمہ سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کو چھوڑ کر غیر کی اطاعت کرے اور تحلیل و تحریم کے معاملہ میں کتاب و سنّت کی پیروی نہ کرے اور جن چیزوں پر عمل پیرا ہونے کا اللہ نے حکم نہیں دیا، ان کی اتباع کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اُن کو ربّ، معبود اور اللہ کا شریک بنالیا ہے۔ یہ طریقِ عمل دینِ الٰہی اور توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے سراسر منافی ہے۔ الٰہ اور معبود ایک ہی بات ہے اور اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی اطاعت کو عبادت سے تعبیر

فرمایا ہے، معبودین کو ارباب کے نام سے موسوم کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا — اور نہ اس کو حق ہے کہ وہ تمہیں یہ حکم دے کہ تم اسکے فرشتوں اور رسولوں کو رب بنالو۔ (آل عمران - ۸۰)

یعنی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک نہ بناؤ۔

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ — تمہارے اسلام لانے کے بعد وہ تم کو کفر کرنے کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟ (آل عمران - ۸۰)

یہی شرک ہے اور ہر معبود رب ہے اور ہر مطاع، جس کی اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو چھوڑ کر اطاعت کی جائے وُہ گویا رب اور معبود ماناگیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ○ — اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کرلی تو یقیناً تم مشرک ہوگے۔ (انعام - ۱۲۱)

اسی مطلب اور مفہوم کو مدِ نظر رکھ کر ان آیات کو اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ کے مفہوم اور مندرجہ ذیل آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں بلکہ یہ دونوں آیات ہم معنیٰ ہیں:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ — کیا یہ لوگ کچھ ایسے شریکِ خدا رکھتے ہیں کہ جنھوں نے ان کیلئے دین کی نوعیت رکھنے والا ایک ایسا طریقہ مقرر کردیا ہے جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا۔ (الشوریٰ - ۲۱)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

آیت کریمہ "اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا مطلب بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ان لوگوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب قرار دے لیا ہے اور حلال و حرام کے سلسلے میں ان کی اطاعت شروع کر دی ہے۔

ان کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کی دو صورتیں ہیں:۔

۱۔۔۔ یہ جانتے ہوئے کہ ان علماء اور پیروں نے دین خداوندی کو تبدیل کر دیا ہے، ان کی تبدیل کی ہوئی شریعت پر عمل کریں اور یہ کہ ان کا اعتقاد اور یقینِ کامل ہو کہ ان لوگوں نے اللہ کی حلال شدہ چیز کو حرام اور حرام شدہ چیز کو حلال کر دیا ہے، اس کے باوجود صرف امراء اور رؤسائے قوم کو خوش کرنے کے لیے یہ اس تبدیلی کو تسلیم کر رہے ہوں اور ان کو یقین ہو کہ اس طرح ہم اللہ اور اُس کے رسول کے دین کی مخالفت کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا کفر ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول نے اس کفر کو شرک قرار دیا ہے، اگرچہ یہ لوگ ان کو سجدہ نہیں کرتے، اور اس شخص کے مشرک ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان لوگوں کی راہ دین کی راہ نہیں، ان کی اطاعت کرتا ہے۔

۲۔۔۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان کا اعتقاد اور ایمان یہ ہو کہ حلال اور حرام وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام قرار دیا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کریں جیسا کہ آج کل کے مسلمان گناہ کو گناہ خیال کرتے ہیں لیکن اس کو کیے جا رہے ہیں، یہ گناہ گاروں اور معصیت کیشوں کے حکم میں ہوں گے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ اطاعت کے معنی نیکی کی اطاعت کے ہیں۔

حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنے والا اگر مجتہد ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اتباع کرے اور وہ اپنی استطاعت کی

حد تک تقویٰ کا بھی حامل ہے لیکن حق اس کی نظروں سے اوجھل رہا، اُس شخص کی خطا کو اللہ تعالیٰ صرف معاف ہی نہیں کرے گا بلکہ اس پر اُسے اجر و ثواب سے بھی نوازے گا کیونکہ اُس نے اپنی طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے۔ البتہ وہ شخص جس کو علم ہے کہ یہ بات کتاب وسنت کے خلاف ہے اور پھر وہ اس کی اطاعت کرتا ہے اور کتاب وسنت کو پس پشت ڈال دیتا ہے تو ایسا شخص شرک میں ملوث ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے سخت مذمت کی ہے خصوصاً جبکہ وہ اپنی خواہشات کی اتباع کرے اور ان باتوں کی زبان اور ہاتھ سے امداد بھی کرے، یہ جانتے ہوئے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ یہ صریح شرک ہے اور ایسا شخص مستحق عقوبت اور سزا ہے۔

علمائے اُمت کا اِس پر اتفاق ہے کہ حق بات معلوم ہو جانے کے بعد اس کی مخالفت میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے، مگر وہ شخص جو استدلال پر قادر ہو لیکن اظہارِ حق سے عاجز ہو ایسے شخص کیلئے جوازِ تقلید میں اختلاف ہے۔ اس شخص کی حالت ایسے شخص کی سی ہے جو دینِ اسلام کو حق سمجھتا ہے لیکن اُس کا قیام نصاریٰ میں ہے، ان میں رہتے ہوئے اسلام پر عمل کرتا ہے مگر بعض اعمال کے ادا کرنے سے وہ قاصر اور عاجز ہے۔ ایسے شخص کا ان اعمال کے ترک پر مواخذہ نہ ہو گا۔ اِس قسم کے افراد کو نجاشی پر قیاس کیا جائے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں:

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ

اہلِ کتاب میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں، اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تمھاری طرف بھیجی گئی ہے اور

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ (آل عمران - ۱۹۹)	اُس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اس سے پہلے خود اُن کی طرف بھیجی گئی تھی۔

دُوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ (المائدة - ۸۳)	جب وُہ اُس کلام کو سُنتے ہیں جو رسُول پر اُترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔

تیسرے مقام پر ارشادِ الٰہی ہے کہ:

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ (الاعراف - ۱۵۹)	حضرت موسیٰؑ کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو حق کے مطابق ہدایت کرتا اور حق ہی کے مطابق اِنصاف کرتا تھا۔

ہاں، وہ شخص جو حق کو مانتا ہے اور اس کی اطاعت بھی کرتا ہے مگر تفصیلات سے آگاہ نہیں ہے یہ اگرچہ غلطی پر ہی ہو اس کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کو سمتِ قبلہ کا علم نہیں لیکن اُس نے کوشش کی اور سمجھا کہ سمتِ قبلہ یہی ہے اور اُس نے نماز پڑھ لی تو اگر وہ سمتِ قبلہ نہ بھی ہو پھر بھی اُس کی نماز صحیح ہو گی اور اُس سے مواخذہ نہ ہو گا۔

البتہ وُہ شخص جو کسی کی تقلید صرف پیروی نفس کی بنا پر کرتا ہے اور ہاتھ اور زبان سے اُس کی مدد بھی کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جس کی وہ تقلید کر رہا ہے وہ حق پر ہے۔ ایسے شخص کا شمار اہلِ جاہلیت میں ہو گا اور اُس کا کوئی عمل صالح شمار نہ ہو گا اگرچہ جس کی یہ تقلید کر رہا ہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن اگر اسکا مقتدا غلطی پر ہے تو یہ گناہ گار ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہو گی

جیسے کوئی شخص قرآن کے بارے میں اپنی رائے کو اچھا سمجھے، اگر اس کی رائے صحیح ہو جب بھی یہ گناہ گار ہو گا اور اگر یہ رائے غلط ہو گی تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھے۔ اس کا شمار اُن لوگوں کے ساتھ ہو گا جو زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے ہیں اور درہم و دینار اور جُبّہ و لباس کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دولت سے پیار کرتے ہیں اور دولت سے محبت و پیار اطاعتِ الٰہی سے روک دینے کا باعث بنتی ہے اور انسان دنیا کا بندہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ لوگ شرکِ اصغر میں مبتلا ہیں اور اسی مناسبت سے ان کو سزا بھی ملے گی۔ حدیث میں ہے کہ:

اَنَّ یَسِیْرَ الرِّیَاءِ شِرْكٌ — کم درجے کی ریا کاری بھی شرک ہے۔"

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ آیت "وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا" کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"جس شخص کو اللہ نے پیدا کیا ہے تم اسی کو اللہ کا ہمسر بناتے ہو حالانکہ وہ دُوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان ہی تو ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان کا اتباع کرتے ہو۔"

افسوس کا مقام ہے کہ اکثر عبادِ قبور اسی برائی میں مبتلا ہیں۔

قولهٗ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی حالت کا ذکر فرمایا ہے کہ دُنیا میں ان کا طریقِ عمل کیا ہے اور آخرت میں ان کا حشر کیسا ہو گا۔ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انداد یعنی اللہ کے مثیل و ہمسر بنا رکھے ہیں جن کی یہ عبادت کرتے ہیں اور ان سے اِس نوع کی محبت رکھتے ہیں جو صرف اللہ سے رکھنی

چاہیے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ایسی ہے کہ اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، نہ اس کی کوئی ضد ہے، نہ ند و مثال ہے، نہ کوئی اُس کا شریک ہے اور نہ اسکے کاموں میں کوئی اُسکا ساجھی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ ؟ — سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟

قَالَ : اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَ هُوَ خَلَقَكَ — آپؐ نے فرمایا کہ تُو کسی کو اللہ تعالیٰ کا ساجھی اور شریک ٹھہرائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہی تجھے پیدا کیا ہے۔

قولہ : وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

اللہ تعالیٰ سے مومنین کی محبت، ان کی طرف سے اس کی معرفتِ تامہ، اُنکے دل کی گہرائیوں میں اس کی توقیر اور جذبۂ توحید میں رسوخ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ شرک نہیں کرتے بلکہ اُسی ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اُسی پر توکل کرتے ہیں اور اپنے تمام امور کی انجام دہی اور کامیابی کے لیے اُسی سے التجا کرتے ہیں۔

مشرکین نے چونکہ اپنے اوپر ظلم کی انتہا کر دی ہے اس لیے اللہ تعالےٰ اس آیت کے بعد اُن کے انجام سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا (البقرۃ - ۱۶۵) — کاش! جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر سوجھنے والا ہے وُہ آج ہی ان ظالموں کو سُوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔

بعض مفسرین یہاں یہ عبارت مقدر مانتے ہیں کہ:

"لَوْ عَايَنُوا الْعَذَابَ لَعَلِمُوا حِيْنَئِذٍ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا"

یعنی اگر یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کا عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو ان کو پتہ چل جائے کہ تمام قوتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تمام حکم اور فیصلے صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہی کے قبضہ و قدرت میں ہیں کیونکہ تمام اشیاء اسی کے قابو میں ہیں، اسی کی مشیت کے تابع ہیں اور اسی کے قہر و غلبہ اور حکمرانی کے تحت ہیں، جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۝ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝ (الفجر - ۲۵، ۲۶)	پھر اُس دن اللہ جو عذاب دے گا ویسا عذاب دینے والا کوئی نہیں اور اللہ جیسا باندھے گا ویسا باندھنے والا کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ مشرک اپنے انجامِ بد کو سمجھ لیں جو ان کو ذلیل و خوار کر دے گا تو یہ اپنی سرکشی اور گمراہی سے باز آجائیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور ان کے اعوان و معاونین اور تابعین و متبوعین کا مآل بیان کیا ہے کہ یہ سب آپس میں بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا (البقرۃ - ۱۶۶)	اُس دن جبکہ پیشوا اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے۔

میدانِ محشر میں وہ فرشتے (اور دیگر مقربین) جن کو یہ دنیا میں اپنے معبود خیال کرتے تھے، ان سے اظہارِ برأت کریں گے اور کہیں گے کہ

تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝ (القصص - ۶۳)	ہم آپ کے سامنے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ہماری تو بندگی نہیں کرتے تھے۔

فرشتے مزید کہیں گے کہ

سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ○ (سبا - ۴۱)

پاک ہے آپ کی ذات، ہمارا تعلق تو آپ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے۔ دراصل یہ ہماری نہیں، جنوں کی عبادت کرتے تھے۔

اور جنات بھی ان مشرکین سے اظہارِ نفرت کریں گے اور ان کی عبادت سے اپنے آپ کو بری قرار دیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ (الاحقاف - ۵،۶)

آخر اُس شخص سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر اُنکو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے بلکہ اس سے بھی بے خبر ہیں کہ پکارنے والے ان کو پکار رہے ہیں۔ اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے، اُس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور ان کی عبادت کے مُنکر ہوں گے۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ آیت يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ کے تحت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"جب یہ لوگ، جو اپنے معبودانِ باطل کے ساتھ اللہ سے بھی زیادہ محبت رکھتے ہیں اور جہنم کے عذاب سے مخلصی حاصل نہ کر سکے تو یہ جو صرف بُتوں سے

---

۱ تفسیر ابن کثیر (ج اول ص ۲۰۸، ۲۰۹ ۔ مطبوعہ قاہرہ) —— مترجم

اور غیر اللہ سے محبت رکھتے ہیں کیونکر عذابِ الٰہی سے بچ سکیں گے ؟"

مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں کہ

"جن امور پر توحید اور لا اِلٰہ اِلا اللہ کی بنیاد ہے وہ سورۂ بقرۃ کی وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں فرماتا ہے کہ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ - ان آیات میں ربِ ذوالجلال نے اُن کی یہ ہٹ دھرمی بیان کی ہے کہ وہ مُشرک جو اپنے معبودوں کے پہلو بہ پہلو اللہ سے بھی محبت رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھا گیا ہے، تو اُس شخص کا کیا حال ہوگا جس کو اللہ کے نِد اور نظیر سے کہیں زیادہ محبت ہے اور اُس شخص کا کیا حشر ہوگا جو تنہا اپنے معبُودانِ باطل سے ہی محبت کرتا ہے۔"

زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت میں کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اور اس کو اللہ کے سوا نِد قرار دیتا ہے تو گویا اُس نے اِس کو بصُورتِ محبت اللہ کی عبادت میں شریک بنایا۔ یاد رہے یہ بھی اللہ کے مثیل اور شریک بنانے کی ایک شکل ہے جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ اِسی قسم کے لوگوں کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے کہ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ - اور دُوسرے مقام پر فرمایا کہ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ - اِس آیت میں ظلم سے مُراد شرک ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ — انھوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظُلم نہیں ملایا۔
(الانعام - ۸۲)

پس جو شخص صرف اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اور اُسی کے لیے کسی سے محبت رکھتا ہے تو یہ شخص اپنی محبت میں مخلص ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے لیکن اس کے ساتھ دُوسروں سے بھی محبت کرتا ہے تو وہ مُشرک ہے، جیسا کہ اُس کا فرمان ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

(البقرہ - ۲۱، ۲۲)

لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں اُن سب کا خالق ہے تمہارے بچنے کی توقع اسی صُورت سے ہو سکتی ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اُوپر سے پانی برسایا اور اُس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا۔ پس جب تم یہ جانتے ہو تو دُوسروں کو اللہ تعالیٰ کا مدِ مقابل نہ ٹھہراؤ۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص قضائے حاجات اور حلِ بلیات کے سلسلے میں غیر اللہ کی طرف راغب ہُوا تو اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی محبت کا گرویدہ ہو گیا اور اِس باب میں اصل شے اس کی محبت ہی ہے"۔

کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اللہ کے ساتھ شراکتِ غیر اللہ کی ہر قسم کی عبادات کی نفی کرتا ہے اور اِسکو صِرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت گردانتا ہے۔ کلمۂ اخلاص اِسی کی وضاحت کرتا ہے لہٰذا کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مفہوم کو سمجھنا، اس کے مطابق عقیدہ رکھنا اور اسے دِل میں راسخ کرنا انتہائی ضروری ہے اور اپنی پوری زندگی میں ظاہری و باطنی طور پر اس کے تقاضوں پر عمل کرنا نجاتِ اُخروی کا سبب ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"توحیدِ محبوب یہ ہے کہ انسان اپنے کسی محبوب نہ بنائے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں کسی اور کو ساتھی نہ قرار دے اور توحیدِ حُب یہ ہے کہ انسان کے قلب میں محبت کی کوئی مقدار بھی باقی نہ رہے بلکہ سب کی سب اُس کے لیے وقف کر دے۔ درحقیقت محبت اِسی کا نام ہے، اگرچہ اِس کو عشق کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہی انسان کی بدرجہ غایت اِصلاح، راحتِ نظر اور اِنعام و اِکرام ہے۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ اِصلاحِ قلب اور فراوانیٔ اِنعامات اِسی صورت میں میسر آسکتے ہیں کہ اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جاگزیں ہو اور اگر غیر اللہ سے بھی محبت رکھے تو وہ محبت اللہ تعالےٰ کی محبت کے تابع ہو۔ یعنی اگر کسی سے محبت رکھے بھی تو وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کے لیے ہو، جیسا کہ ایک حدیث میں اِس کی وضاحت ہے[1] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ الخ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے محبت

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ	جس شخص میں مندرجہ ذیل تین صفتیں ہوں گی، وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا۔
۱- أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا	۱— تمام دنیا کی نسبت اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ زیادہ محبت کرے۔
۲- وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ	۲— اگر کسی سے محبت کرے تو اُس کا مقصد صرف اللہ کی رضاجوئی ہو۔

رکھنے کے مترادف ہے کیونکہ جب اِنسان کسی سے محبت رکھے گا تو اگر یہ محبت اللہ کی رضا کے لیے ہوگی تو حقیقت میں اِس کا تعلق اللہ تعالیٰ ہی سے ہوگا، اور اگر کسی خاص دنیوی مقصد کے لیے ہوگی تو یہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں نقص پیدا کرے گی اور غیر اللہ کی محبت میں اضافہ کا باعث ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی صداقت کا پتا اِس سے چلتا ہے کہ محبوب کے نزدیک جو اشیاء ناپسندیدہ ہیں یہ بھی اُن کو ناپسند اور مکروہ سمجھے، اور یہ مکرُوہ شے کُفر ہے۔ اِس کو اس لیے مکروہ سمجھنا چاہیے کہ اِس سے دوزخ میں داخل ہونے کا خطرہ ہے۔ محبت کا یہ معیار بہت ہی عظیم اور بلند ہے کیونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنی زندگی سے زیادہ کسی چیز سے محبت نہیں رکھتا۔

انسان جب اپنی جان اور اپنی زندگی سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر اُس کے سامنے آگ پیش کی جائے اور کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے کفر کرو ورنہ تمھیں آگ میں پھینک دیا جائے گا، تو وُہ لامحالہ آگ میں گر جانے کو پسند کرے گا لیکن کفر کا مرتکب نہ ہوگا۔ یہ ایسی عظیم الشان محبت ہے جو عُشاق کے ہاں بھی مفقود ہے، وُہ بھی اپنے محبوب سے اِس درجہ محبت نہیں رکھتے بلکہ اِس قسم کی محبت کی مثال اور نظیر کا ملنا ممکن ہی نہیں ہے۔

یہ ایسی باکمال محبت ہے کہ انسان کے اپنے نفس، اپنے مال اور اپنی اولاد پر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کے احکام کو مقدم گردانا جاتا ہے۔ اِس بے مثل

۳۔ وَاَنْ یَّکْرَہَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَہُ اللّٰہُ مِنْہُ کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ

۳— ہدایت کے بعد کفر میں لوٹنا اُس کے نزدیک اِس درجہ تکلیف دہ ہو جیسا کہ آگ میں ڈالا جانا۔

اور بے نظیر محبت سے ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کے لیے خشوع و خضوع اور تذلّل، عظمت و جلال اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری انسان کے دِل میں سرایت کر جاتی ہے۔ مخلوق کی محبت میں اِس درجہ کی بلندی کا پایا جانا ممکن نہیں ہے اگرچہ اس کا مرتبہ کتنا ہی اُونچا کیوں نہ ہو۔

پس جو شخص اِس محبت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دُوسرے کو شریک بنائے تو وُہ اِس سے ایسے شرک کا اِرتکاب کرے گا جس کی مغفرت نہیں ہو سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ - ۱۶۵)

بعض لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنائے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرح محبت رکھتے ہیں اور جو ایماندار ہیں وُہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

اِس آیت کریمہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وُہ اللہ سے اِس قدر محبت رکھتے ہیں کہ مُشرکین اپنے شرکاء اور انداد سے اتنی محبت بالکل نہیں رکھتے کیونکہ مومنین کی اللہ سے محبت کا مثل اور نظیر مخلوقات کی محبت میں مِلنا محال ہے۔ جیسا کہ مومنین کا محبوب بے مثل ہے اِسی طرح مومنین کی محبت بھی بے مثل اور بے نظیر ہے۔

ہر وُہ تکلیف جو غیر اللہ کی محبت میں پہنچے وُہ اللہ کی محبت کے سِلسلے میں ایک نعمت ثابت ہوتی ہے اور ہر وہ کراہت جو غیر اللہ کی محبت میں محسوس کی جائے وہ اللہ کی محبت کے لیے تسکینِ نظر کا باعث بنتی ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کے متعلق وہ مثالیں بیان کرے جو مخلوق کی محبت میں مخلوق کے لیے بیان کی جاتی ہیں مثلاً ہجر، وصل، محبت کا ٹوٹنا وغیرہ،

وفي الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَ كَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ ۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کا اِقرار کرے اور اللہ تعالیٰ کے سِوا جس چیز کی عبادت کی جاتی ہے اِس سے کفر اور اِنکار کرے تو

ایسے الفاظ زبان سے نکالے، تو یاد رہے کہ ان امثالِ محبت کا اللہ تعالےٰ کی محبت سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ ان سے بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے محبتِ خداوندی میں اِس قسم کی امثال و تشبیہات بیان کرنے والا شخص خطا کار ہے، یہ اس کی بہت بڑی خطا اور بہت بڑی غلطی ہے، اتنی بڑی کہ یہ اللہ تعالےٰ سے بُعد اور اُس کے غضب کا باعث بنتی ہے۔"

قولهٗ : وَفِي الصَّحِيْحِ

یہاں صحیح مسلم مراد ہے۔ یہ روایت عن ابی مالک الاشجعی عن ابیہ عن النبی ﷺ، مروی ہے۔ ابو مالک کا پورا نام یہ ہے:

ابو مالک سعد بن طارق کوفی رحمۃ اللہ علیہ —— یہ ثقہ راوی ہیں اور تابعی ہیں۔ ۱۴۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ ان کے والد حضرت طارق بن اشیم بن مسعود الاشجعی رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ (اشیم، احمر کے وزن پر ہے)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ان سے احادیث مروی ہیں لیکن تمام روایات ان کے بیٹے ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں، ان کے علاوہ

اور کسی سے نہیں۔

مسند امام احمد میں ابو مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے یہ روایت سنی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مَنْ وَحَّدَ اللّٰهَ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَرُمَ مَالُهٗ وَدَمُهٗ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ	جو شخص اللہ کی توحید کا اقرار کرے اور جن جن اشیاء کی اللہ کے سوا عبادت کی جارہی ہے ان سب کا انکار کرے تو اسکا مال اور خون مسلمانوں پر حرام ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

قولہ : مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان اور مال کی حفاظت کو دو باتوں کے ساتھ معلق اور مشروط فرمایا ہے :

۱ــــ پہلی بات یہ ہے کہ انسان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی علم اور یقینِ کامل سے شہادت دے۔

۲ــــ دوسری بات یہ کہ انسان ہر اُس شخص اور ذات سے بیزاری اختیار کرے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت ہو رہی ہو۔ اِس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف الفاظ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ قول اور عمل دونوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

شارحِ کتاب شیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیر بحث حدیث اور مندرجہ ذیل آیت کریمہ دونوں ہم معنٰی ہیں۔ آیت کریمہ یہ ہے :

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ۔۲۵۶)	جو کوئی طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لایا اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

"یہ حدیثِ پاک ان عظیم احادیث میں سے ایک ہے جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنیٰ کی وضاحت کرتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس حدیث میں جان و مال کی حفاظت کا ذمّہ

- صرف لفظی اقرار کو نہیں سمجھا
- اور نہ لفظ و معنیٰ کے حصُول کو حفاظت کا ذریعہ قرار دیا
- اور نہ اقرار باللسان کو حفاظت کا ذریعہ فرمایا
- اور نہ عبادتِ الٰہی کو بلا شرکت غیرے حفاظت کا ذریعہ ٹھہرایا
- بلکہ توحید کے ساتھ ضروری قرار دیا کہ باطل معبُودوں کا بھی انکار کیا جائے یعنی جن کی عبادت ہو رہی ہے، جب تک کہ ان کی تردید نہ کرے اُسوقت تک اِسلام اُس کے جان و مال کا محافظ نہیں ہو سکتا۔

اگر کسی نے اِس سلسلے میں شک اور تردد سے کام لیا تو اسلام اس کی حفاظت کا ذمّہ دار نہ ہو گا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ مسئلہ کتنا اہم، کتنا واضح اور کتنا صاف ہے اور شرک کے لیے کس درجہ برہانِ قاطع ہے۔"

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"یہی وہ شرطِ اوّل ہے جس کے بغیر لآ الٰہ الا اللہ کا اقرار درست نہیں ہو گا اور نہ ان مذکورۃ الصدر پانچ باتوں کے بغیر، جن کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے، کلمہ طیبّہ کو صحیح سمجھا جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (الانفال - ۳۹)	اِن کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پُورا کا پُورا اللہ کے لیے ہو جائے۔

ایک دوسری جگہ یوں فرمایا کہ

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (التوبۃ - ۵)	مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انھیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لیے بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، تو انھیں چھوڑ دو۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مُشرکین سے جنگ جاری رکھنے کا حکم فرمایا حتیٰ کہ وُہ شرک سے توبہ کریں اور اپنی عبادت اور اعمال کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خاص کرلیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر وُہ ان میں سے کسی ایک حکم کا بھی انکار کرینگے تو جنگ جاری رکھی جائیگی۔

صحیح مسلم میں حضرت ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ يُؤْمِنُوْا بِيْ وَ بِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ	مجھے حکم ملا ہے کہ مشرکین سے جنگ جاری رکھوں حتیٰ کہ وہ لآاِلٰہ اِلاَّ اللہ کا اقرار کریں اور مجھ پر اور جو میری طرف وحی کیا گیا ہے اس پر ایمان لے آئیں۔ اگر یہ لوگ (یہ تینوں چیزیں) تسلیم کرلیں تو انھوں نے اپنا مال اور خون محفوظ کرلیا۔ ہاں! اسلام کا حق معاف نہ ہوگا، انکا حساب اللہ کے سپرد ہوگا۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ	مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مُشرکین سے اُس وقت

حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰہَ	تک جنگ کی جائے جب تک وہ لا الٰہ
اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ	الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار نہ کرلیں۔
اللّٰہِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا	نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں۔
الزَّکٰوۃَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ	اگر یہ (تینوں) چیزیں تسلیم کرلیں تو
عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَآءَھُمْ وَ	اُنھوں نے اپنا مال اور خون مسلمانوں
اَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّھَا وَ	سے محفوظ کرلیا۔ ہاں! اسلام کا حق معاف
حِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ	نہ ہوگا اور آخرت کا حساب اللہ کے سپرد ہوگا۔

مذکورۃ الصدر دونوں احادیث سورۃ انفال اور سورۃ براۃ کی آیات کی تفسیر اور توضیح ہیں۔ علمائے اُمّت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کا اقرار تو کرتا ہے لیکن اس کے معنیٰ پر اعتقاد نہیں رکھتا اور نہ اس کے تقاضوں پر عمل ہی کرتا ہے، ایسے شخص سے جنگ جاری رہے گی جب تک کہ وہ اِس کے تقاضوں کو پورا نہ کرے اور اِس ضمن میں نفی اور اثبات کی صورت میں جو احکام دیے گئے ہیں اُن پر عمل کی دیواریں استوار نہ کرے۔

مندرجہ بالا حدیث کے متعلق ابو سلیمان الخطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"یہاں اصنام اور اوثان کے پجاری مراد ہیں، اہلِ کتاب مراد نہیں ہیں؛ کیونکہ اوثان کے پجاری لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور پھر مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی گردنوں سے تلوار نہ اٹھائی جائے گی۔"

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرے، اُس کی جان و مال کی حفاظت کو خاص اِس لیے کیا گیا ہے کہ اس کے دِل میں ایمان راسخ ہو جائے۔ اِس سے مشرکینِ عرب اور اہلِ اوثان مراد ہیں۔ ان کے علاوہ جو کفر کی حالت میں توحید کا اقرار کرتے ہیں اُن سے صرف لا الٰہ الا اللہ کا اقرار اُن کی جان و مال کی حفاظت

کے لیے کافی نہیں ہے"۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ :

" اِس ایمان کے ساتھ ساتھ اُن تمام احکام پر بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں، ایمان لانا اور عمل کرنا لازمی ہے جیسا کہ حدیث میں اِسکی تشریح موجود ہے کہ " يُؤْمِنُوا بِي وَبِمَا جِئْتُ بِهِ "

تاتاریوں کے ساتھ جنگ کے بارے میں جب شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

" تاتاری ہوں یا کوئی اور گروہ، جب تک شریعتِ اسلامیہ کے ظاہری احکام پر عمل نہ کریں اُس وقت تک اُن سے جنگ جاری رکھی جائے گی۔ اگرچہ وہ لآ اِلٰہ اِلاّ اللہ محمّد رّسُول اللہ کا اقرار کرتے ہوں اور بعض احکام شریعت پر عامل ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن لوگوں سے جنگ کا اعلان فرمایا تھا جنھوں نے صرف زکوٰۃ دینے سے اِنکار کیا تھا۔ تمام فقہائے اُمت کا اِس پر اتفاق ہے۔"

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " جو جماعت یا گروہ چند نمازیں ادا کرے اور چند چھوڑ دے یا روزے نہ رکھے یا حج نہ کرے یا جس شخص کا خون حرام ہے اس کی پروا نہ کرے یا لوگوں کا مال لوٹتا پھرے یا شراب کا عادی ہو، یا جوا کھیلتا ہو یا محرم عورت سے نکاح کرے یا جہاد ترک کر دے یا ان کے علاوہ واجباتِ دین میں سے کسی امرِ واجب کو بلا عذر شرعی ترک کر دے، جس کے ترک پر کفر لازم آتا ہو، ایسے گروہ سے جنگ کرنا ضروری ہے اگرچہ وہ گروہ مندرجہ بالا احکام کا زبانی طور پر اقرار بھی کرتا ہو۔"

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " اِس میں علماء کا اختلاف مجھے نظر

حَرُمَ مَالُهٗ وَ دَمُهٗ وَ حِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ۔

وَ شَرْحُ هٰذِهِ التَّرْجَمَةِ مَا بَعْدَهَا مِنَ الْأَبْوَابِ۔

اُس کی جان اور مال محفوظ ہو گیا، البتہ اِس کا حساب و کتاب اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے گا۔

اِس باب کی شرح آئندہ آنے والے تمام ابواب ہیں۔

نہیں آیا بلکہ محققین علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ یہ گروہ باغی نہیں کہلائے گا بلکہ دائرہ اِسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔"

قولہٗ : وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ :

یعنی اُس کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ سو جو شخص لآاِلٰہ اِلااللہ کا اِقرار قلب کی گہرائیوں اور صدقِ دِل سے کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے اِنعام واکرام سے نوازے گا اور اگر اُس کے دِل میں نفاق ہے تو وہ عذابِ الیم سے ہرگز نہ بچ سکے گا۔ البتہ دنیا میں اُس کے ظاہری اعمال پر حکم لگایا جائے گا۔

غرض یہ ہے کہ جو شخص توحید کا اقرار کرے اور ایسا کوئی کام نہ کرے جو ظاہرِ اسلام کے منافی ہو اور شریعتِ اِسلامیہ کی باقاعدہ پابندی کرے اُس سے تعرض نہ کرنا ضروری ہے۔

زیرِ بحث حدیث سے ثابت ہوا کہ بعض اوقات اِنسان لآاِلٰہ اِلّااللہ کا اقرار کرتا ہے

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

فِیهِ أَکْبَرُ الْمَسَآئِلِ وَ أَهَمُّهَا وَ هِیَ تَفْسِیْرُ التَّوْحِیْدِ وَ تَفْسِیْرُ الشَّهَادَةِ وَ بَیَّنَهَا بِأُمُوْرٍ وَاضِحَةٍ۔

اس باب میں جو سب سے اہم مسئلہ بیان ہوا وہ توحید اور کلمہ " لَا اِلٰه اِلَّا اللہ " کی تفسیر ہے جسے واضح اور صاف الفاظ میں چند باتوں سے بیان کیا گیا ہے۔

مِنْهَا: أٰیَةُ الْأَسْرَآءِ بَیَّنَ فِیْهَا الرَّدَّ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ الصَّالِحِیْنَ

لیکن معبودانِ باطل کی تردید نہیں کرتا تو آیاتِ محکم اور احادیثِ رسولؐ کی رُو سے ایسے شخص کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں اور اہلِ اسلام کے ذمّہ ہرگز نہ ہو گی۔

فَفِيهَا : بَيَانُ أَنَّ هٰذَا هُوَ الشِّرْكُ الأَكْبَرُ۔

ان میں سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ہے جس میں ان مشرکین کی تردید کی گئی ہے جو مصائب و مشکلات میں صالحین کو پکارتے ہیں ، اور یہی شرکِ اکبر ہے۔

وَمِنْهَا : آيَةُ بَرَاءَةَ ، بَيَّنَ فِيهَا أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ إتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللهِ وَ بَيَّنَ أَنَّهُمْ لَمْ يُؤْمَرُوا إِلَّا بِأَنْ يَّعْبُدُوا إِلٰهًا وَّاحِدًا ، مَعَ أَنَّ تَفْسِيرَهَا الَّذِي لَا إِشْكَالَ فِيهِ طَاعَةَ الْعُلَمَآءِ وَ الْعُبَّادِ فِي الْمَعْصِيَةِ لَا دُعَآءَهُمْ

إِيَّاهُمْ ۔

تیسری بات جو اِس باب میں خاص طور پر بیان کی گئی ہے سورۂ براۃ کی اِس آیت کی تفسیر ہے جس میں اہلِ کتاب کے کردار کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اہلِ کتاب کا یہ عمل بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اپنا رب بنا لیا تھا جس کا اِن کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ تھا بلکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وُہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ سورۂ براۃ کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے اپنے علماء و عباد کو رب بنانے کے معنی عملِ معصیت میں ان علماء و زہاد کی اطاعت کرنا ہے۔ احکامِ الٰہی کے مقابلے میں ان سے دعا نہ کرنا چاہیے۔

وَ مِنْهَا : قَوْلُ الْخَلِيلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلْكُفَّارِ : " إِنَّنِي بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَاسْتَثْنَى مِنَ الْمَعْبُودِينَ رَبَّهُ، وَ ذَكَرَ سُبْحَانَهُ أَنَّ هٰذِهِ الْبَرَاءَةَ وَ هٰذِهِ الْمُوَالَاةَ هِيَ تَفْسِيرُ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ

فَقَالَ" وَ جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ-

چوتھی بات جو اس باب میں ذکر ہوئی وُہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وُہ برأت ہے جس کا انہوں نے کفار کے سامنے اظہار فرمایا تھا کہ "میں تمہارے باطل معبودوں سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور صرف اُس ذات کی اتباع کا دم بھرتا ہوں جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِن باطل معبودوں سے اپنے رب تعالیٰ کو بہت ہی احسن انداز سے مستثنیٰ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اِسی برأت اور موالات کو حقیقت میں " " کی تفسیر اور شہادت سے تعبیر فرمایا اور کہا کہ "ہم نے اِس عظیم الشان کلمہ کو اپنے خلیل کی اولاد میں باقی رکھنے کا فیصلہ کر دیا ہے تاکہ آنے والی نسلیں اس کی طرف رجوع کریں اور مستفیض ہوتی رہیں"۔

و منها : أٰيَةُ الْبَقَرَةِ فِي الْكُفَّارِ الَّذِيْنَ قَالَ فِيهِمْ : وَ مَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ- ذَكَرَ أَنَّهُمْ يُحِبُّوْنَ أَنْدَادَهُمْ كَحُبِّ اللهِ- فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُمْ يُحِبُّوْنَ اللهَ حُبًّا عَظِيمًا وَ لَمْ يُدْخِلْهُمْ فِي الْإِسْلَامِ

فَكَيْفَ بِمَنْ أَحَبَّ النِّدَّ أَكْبَرُ مِنْ حُبِّ اللهِ ؟ فَكَيْفَ بِمَنْ لَمْ يُحِبَّ إِلَّا النِّدَّ وَحْدَهُ وَلَمْ يُحِبَّ اللهَ ؟

اِس باب میں اہم ترین وہ مسئلہ ہے جو سورۂ بقرہ کی آیت میں بیان ہوا ہے جس میں صراحت کی گئی ہے کہ "اہلِ کفر جہنم سے ہرگز نہ نکل پائیں گے" اِس آیتِ کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ کافر اور مشرک اپنے انداد سے اِسی طرح محبت رکھتے ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنی چاہیے تھی۔ اِس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کافر اور مشرک بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعویدار تھے، لیکن اس کے باوجود ان کو حلقۂ اسلام میں شمار نہیں کیا گیا کیونکہ اِس محبت کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص رہنا چاہیے، غور فرمائیے کہ اُس شخص کا کیا مقام ہے جو اپنے انداد سے اللہ سے زیادہ محبت رکھتا ہو؟ یا اُس شخص کی حالت کیا ہو گی جس کی اللہ تعالیٰ سے تو محبت نہیں ہے مگر وہ اپنے باطل معبودوں سے محبت رکھتا ہے؟

ومنها: قوله: صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ

وَ حِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ"

وَ هٰذَا مِنْ أَعْظَمِ مَا يُبَيِّنُ مَعْنَىٰ "لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ" فَإِنَّهٗ لَمْ يَجْعَلِ التَّلَفُّظَ بِهَا عَاصِمًا لِلدَّمِ وَ الْمَالِ- بَلْ وَ لَا مَعْرِفَةُ مَعْنَاهَا مَعَ لَفْظِهَا- بَلْ وَ لَا الْإِقْرَارُ بِذٰلِكَ بَلْ وَ لَا كَوْنُهٗ لَا يَدْعُوْ إِلَّا اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ بَلْ لَآ يَحْرُمُ مَالُهٗ وَ دَمُهٗ حَتّٰى يُضِيْفَ إِلَى ذٰلِكَ الْكُفْرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ-

فَإِنْ شَكَّ أَوْ تَوَقَّفَ لَمْ يَحْرُمْ مَالُهٗ وَ دَمُهٗ فَيَالَهَا مِنْ مَسْأَلَةٍ مَا أَعْظَمَهَا وَ أَجَلَّهَا؟ وَيَالَهٗ مِنْ بَيَانٍ مَآ أَوْضَحَهٗ-

وَ حُجَّةٍ مَا أَقْطَعَهَا لِلْمُنَازِعِ ؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ "جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اقرار کرے اور معبودانِ باطل کا اِنکار کرے تو اسلام اِس کی جان اور مال کا محافظ ہے اور اِس کا حساب اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے گا۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشادِ گرامی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے معنی و مفہوم کو ٹھیک ٹھیک واضح کرتا ہے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف زبانی اقرار، اقرار کے ساتھ معنی کا سمجھ لینا اور اس کے ساتھ ساتھ صرف اس کی عبادت بایں طور کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اس وقت تک فائدہ مند ثابت نہ ہو گا جب تک کہ معبودانِ باطل کی تردید اور مخالفت نہ کی جائے۔ اگر کسی نے باطل معبودوں کے بارے میں ذرا بھی شک کیا یا توقف سے کام لیا تو اس کے جان و مال کی حفاظت کا اِسلام ذمہ دار نہ ہوگا۔

یہ مسئلہ کتنا عظیم اور اہم ہے؟

کتنا واضح اور غیر مبہم ہے؟

اور مخالفین کے خلاف کس درجہ برہانِ قاطع ہے؟

اِس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رفعِ بلا اور دفعِ مصائب کے لیے چھلا پہننا یا گلے میں دھاگے ڈالنا شرک ہی کی ایک قسم ہے۔

قولہ تعالیٰ قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ (الزمر-۳۸)

اِن سے کہو، جب حقیقت یہ ہے تو تمھارا کیا خیال ہے کہ اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا تمھاری یہ دیویاں جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، مجھے اُس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچالیں گی؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اُس کی رحمت کو روک سکیں گی؟

بس اِن سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ کرنے والے اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ باطل معبود کسی کام کو سرانجام دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

قولہٗ : قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرے، اُس کی ضروریات کا اللہ ہی ضامن ہے۔

جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ:

اِنِّيٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝	"میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو تم نے خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا ہے، اس سے میں بیزار ہوں۔
مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝	تم سب کے سب مل کر میرے خلاف اپنی کرنی میں کسر اٹھا نہ رکھو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔
اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝	میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔

(ھود - ۵۴، ۵۵)

اس آیتِ کریمہ کے معنی کے متعلق مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے سوال کیا تو سب خاموش ہو گئے، اس لیے کہ مشرکین یہ عقیدہ نہ رکھتے تھے کہ ہمارے یہ معبود کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں بلکہ اپنے معبودوں کے بارے میں وہ صرف یہ تصور رکھتے تھے کہ یہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے مابین وسائط و شفعاء ہیں۔ وہ ہرگز یہ نہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے لیے مشکل کشا ہیں یا ہماری بے بسی اور بے کسی کی حالت کو بدل سکتے ہیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے کہ:

ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔــرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا	پھر جب کوئی سخت وقت تم پر آتا ہے تو تم لوگ خود اپنی فریادیں لے کر اسی کی طرف دوڑتے ہو۔ مگر جب اللہ اس وقت کو ٹال دیتا ہے

فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝
تو یکایک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو (اس مہربانی کے شکریہ میں) شریک کرنے لگتا ہے۔
(النحل - ۵۴،۵۳)

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اور اس قسم کی دوسری آیات، غیر اللہ سے قلبی تعلق وابستہ کرنے یا کسی سے حصولِ نفع اور رفع ضرر کی توقع قائم رکھنے کو باطل قرار دیتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی شرک ہے۔ اِس آیت میں مشرکین کی یہ علامت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور مصائب و مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ چیز توحید کی عین ضد ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا جائے، اُسی کی طرف رجوع کیا جائے، اسی پر توکل کیا جائے اور تمام عبادات کا مرکز و محور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ وحدہٗ لاشریک لہٗ کو قرار دیا جائے جیسا کہ کتاب و سُنّت میں اس کے دلائل موجود ہیں اور جس طرح کہ پہلے گزر چکا کہ سلفِ امت اور ائمہ دین کا اِس مسئلے پر اجماع ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت اِن الفاظ میں نقل کی ہے کہ

اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَبْصَرَ عَلٰى عَضُدِ رَجُلٍ حَلْقَةً قَالَ: اُرَاهَا مِنْ صُفْرٍ فَقَالَ وَيْحَكَ مَا هٰذِهٖ؟ قَالَ مِنَ الْوَاهِنَةِ قَالَ: اَمَا اِنَّهَا لَا تَزِيْدُكَ اِلَّا وَهْنًا اَنْزِعْهَا عَنْكَ فَاِنَّكَ لَوْ مُتَّ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ہاتھ میں پیتل کا کڑا پہنے ہوئے دیکھا آپ نے پوچھا "تجھ پر افسوس ہو، یہ کیا ہے؟" اُس نے کہا کہ "واہنہ (بیماری کا نام ہے) کے لیے پہنا ہے۔" آپ نے فرمایا "خبردار! اس سے تیری بیماری اور کمزوری بڑھے گی، گھٹے گی نہیں۔ اسے اتار دو اگر یہ پہنے ہوئے تجھے موت آگئی تو

عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم

رَأَى رَجُلًا فِي يَدِهِ حَلْقَةٌ مِنْ صُفْرٍ- فَقَالَ صلی اللہ علیہ وسلم مَا هٰذِهِ ؟ قَالَ مِنَ الْوَاهِنَةِ فَقَالَ : أَنْزِعْهَا فَإِنَّهَا لَا تَزِيْدُكَ إِلَّا وَهْنًا-

---

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا چھلّہ دیکھا۔ آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ یہ واہنہ (کمزوری) کی وجہ سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسے اُتار دے، یہ تجھے کمزوری کے سوا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا — تُو کبھی بھی نجات نہ پاسکے گا۔

صحیح ابنِ حبان میں یہ الفاظ ہیں کہ

فَإِنَّكَ إِنْ مُتَّ وُكِلْتَ إِلَيْهَا — اگر اِسی حالت میں تیری موت واقع ہوگئی تو تجھے اسی کے سپرد کردیا جائیگا۔

حاکم رحمۃ اللہ نے اِس سند کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی رحمۃ اللہ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے

قولہ : عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

ان کا پورا نام یہ ہے :

عمران بن حصین بن عبید بن خلف الخزاعی رضی اللہ عنہ ابو نُجید ان کی کُنیت تھی۔
یہ خود بھی صحابی تھے اور ان کے والد ماجد بھی صحابی تھے۔
جس سال خیبر فتح ہوا تھا یہ اسی سال مسلمان ہُوئے تھے۔
انھوں نے ۵۲ھ بصرہ میں وفات پائی۔
حاکم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسنؒ کا عمرانؓ سے سماع ثابت ہے اور پھر سند میں "اخبرنی عمران" سے ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

قولہ : رَأٰی رَجُلاً

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے ہاتھ میں حلقہ دیکھا تھا اُس کا نام حدیث میں درج نہیں لیکن حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ اس حدیث کے راوی خود کہتے ہیں کہ:

دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ فِیْ عَضُدِیْ حَلْقَۃُ صُفْرٍ
مَیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور مَیں نے اپنے بازو میں پیتل کا ایک کڑا بیماری کیلئے باندھ رکھا تھا الخ

قولہ : مَا ھٰذِہٖ (الحدیث)

لفظ مَا تفصیل طلبی کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور استفہام انکاری کی بنا پر بھی۔ یہاں استفہام انکاری کا مفہوم زیادہ واضح ہے۔

قولہ : مِنَ الْوَاھِنَۃِ

واہنۃ کی تشریح میں ابنِ اثیر صاحب النہایہ لکھتے ہیں کہ:
"یہ ایک رگ ہے جو کندھوں یا ہاتھ میں پھُول جاتی ہے، اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے دم کیا جاتا ہے۔"
بعض کا کہنا ہے کہ واہنہ مرد کے بازو میں ایک بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بیماری

فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا

اگر اس چھلّہ کو پہنے ہوئے تجھے موت آگئی تو تو کبھی نجات نہ پائے گا۔

عورتوں کو لاحق نہیں ہوتی۔

آنحضرت ﷺ نے اس حلقہ کو پہننے سے اس لیے روک دیا تھا کہ مریض نے وہ حلقہ اس وجہ سے پہنا تھا کہ یہ حلقہ اس کو درد سے محفوظ رکھے گا۔

اس نوع کے امراض میں انسان کے عقیدے کو بہت بڑا دخل ہے

قولہ : اِنْزِعْهَا فَإِنَّهَا لَا تَزِيْدُكَ اِلَّا وَهْنًا

نزع کسی چیز کو طاقت کے ساتھ اتار پھینکنے کو کہتے ہیں۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے واضح فرمایا ہے کہ اس کڑے سے بجائے فائدہ کے اُلٹا نقصان ہوگا جس سے تم مزید کمزور پڑ جاؤ گے۔ اس کے علاوہ بھی آنحضرت ﷺ نے جن اشیاء کے استعمال سے منع فرمایا ہے وہ بسا اوقات فائدہ مند ثابت نہیں ہوتیں اور اگر ان سے کسی وقت معمولی فائدہ ہو بھی جائے تو نقصان، فائدہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

قولہ : فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ

آنحضرت ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا کہ اس قسم کے چھلے وغیرہ کو پہننا شرک ہے، اور شرکیہ تعویذ گنڈوں سے فلاح و کامیابی اور سعادت حاصل نہیں ہو سکتی۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک اصغر بھی اکبر الکبائر میں سے ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ لاعلمی کی بنا پر بھی کسی شخص

رَوَاهُ أَحْمَدُ بِسَنَدٍ لَا بَأْسَ بِهٖ۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اِس روایت کو ایسی سند سے بیان کیا ہے جس میں کوئی نقص نہیں ہے۔

کو شرک کے معاملے میں معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ جو شخص اِس قسم کے افعال کا مرتکب ہوتا ہے اس پر بہت ہی سختی سے نکیر کی گئی ہے۔"

قولہٗ : رَوَاهُ اَحْمَدُ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حسان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن افصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن معد بن عدنان۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ ابو عبداللہ ذہلی، ثم شیبانی مروزی، ثم بغدادی۔ اپنے وقت کے امام تھے اور اُس دور کے تمام فقہاء اور محدثین میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ انتہائی پرہیزگار، سُنّتِ خیرالوریٰ کے بہت ہی شیدائی تھے۔ بدرجہ غایت متقی اور احکام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت درجہ کے متبع تھے۔ اہلِ سُنّت میں سے کسی نے ان کے بارے میں خوب کہا ہے کہ

عَنِ الدُّنْيَا مَا كَانَ اَصْبَرَهٗ
وَ بِالْمَاضِيْنَ مَا كَانَ اَشْبَهَهٗ
أَتَتْهُ الدُّنْيَا فَأَبَاهَا

کس درجہ دنیاوی مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے والے تھے کس درجہ سلف صالحین کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ دنیا اپنی زیب و زینت سے سج دھج کر انکے سامنے آئی لیکن انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور شکوک و شبہات ان پر

وَالشَّبَہُ فَنَفَاھَا حملہ آور ہوئے لیکن ان کی ہمت و بصیرت نے انکو ختم کردیا

یہ جلیل القدر امام ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ۲ ربیع الاول کو بیمار ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول کو جمعہ کے روز فوت ہوگئے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے عبداللہ اور فضل بن زیاد کا کہنا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ ربیع الاول کو فوت ہوئے۔

حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ۱۲ ربیع الاول، جمعۃ المبارک ۲۴۱ھ کو، ۷۷ برس کی عمر پاکر آپ نے اِنتقال کیا۔

جن بےشمار ائمہ کرام سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کسبِ علم کیا اُن میں مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں:-

ہشیم رحمۃ اللہ علیہ

جریر بن عبد الحمید رحمۃ اللہ علیہ

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ

معتمر بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ

یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ

یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ

عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ

عبد الرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ

ان اساتذہ کرام کے علاوہ مکۃ المکرمہ، بصرہ، کوفہ، یمن اور بغداد وغیرہ شہروں کے لاتعداد شیوخ سے فیضِ علم حاصل کیا۔

و له عن عقبة بن عامر مرفوعًا : مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللهُ لَهُ ۔

وَ مَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللهُ لَهُ ۔

مسند احمد میں ہی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گلے میں تعویذ لٹکاتا ہے، اللہ تعالےٰ اُس کی خواہش کو پورا نہ کرے۔

اور جو شخص سیپی وغیرہ لٹکائے اللہ اُسے آرام نہ دے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جن لوگوں نے روایت نقل کی، ان میں درج ذیل جلیل القدر ائمہ عظام کے اسمائے گرامی لائقِ تذکرہ ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ کے دونوں بیٹے حضرت عبداللہ اور صالح رحمہما اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ، امام مسلم رحمہ اللہ، ابوداؤد رحمہ اللہ، ابوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ، ابراہیم الحربی رحمہ اللہ، ابوزرعۃ الدمشقی رحمہ اللہ، عبداللہ بن ابی الدنیا رحمہ اللہ، ابوبکر الاثرم رحمہ اللہ، عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ، ابوالقاسم البغوی رحمہ اللہ۔

امام بغوی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ سے سب سے آخر میں روایت بیان کرنے والوں میں ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے مندرجہ ذیل ائمہ نے بھی ان سے روایت نقل کی ہے۔

عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ اور اسود بن عامر رحمہ اللہ

ان کے اقران میں سے علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ اور یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سے اخذِ روایت کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔

قولہٗ : و له عن عقبة بن عامر مرفوعاً

اِس روایت کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مُسند میں نقل کیا ہے۔ اِسی طرح ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ اِس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِس کی تصدیق کی ہے۔

قولہٗ : مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ اَشْرَكَ

حدیث کا یہ ایک جُملہ ہے، پُوری حدیث یہ ہے جو مسند امام احمد میں ہی منقول ہے۔

فقال حدثنا عبد الصمد بن عبد الوارث حدثنا عبد العزيز بن مسلم حدثنا يزيد بن ابي منصور عن دخين الحجرى عن عقبة بن عامر الجهني

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَقْبَلَ اِلَيْهِ رَهْطٌ فَبَايَعَ تِسْعَةً وَاَمْسَكَ عَنْ وَاحِدٍ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَايَعْتَ تِسْعَةً وَاَمْسَكْتَ عَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: اِنَّ عَلَيْهِ تَمِيْمَةً فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فَقَطَعَهَا فَبَايَعَهٗ

دس افراد پر مشتمل ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے نو سے تو بیعت لے لی اور ایک کی بیعت سے ہاتھ روک لیا۔ سب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے نو سے بیعت لے لی لیکن ایک شخص کو کیوں چھوڑ دیا؟ آپ نے فرمایا کہ اس نے تعویذ باندھ رکھا ہے چنانچہ اس شخص نے تعویذ کو فوراً کاٹ کر پھینک دیا تب آپ نے بیعت لے لی۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی تھے اور فاضل فقیہ تھے اور

وفي رواية: مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ -

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس شخص نے اپنے گلے میں تعویذ لٹکایا اُس نے شرک کیا۔

بلند مقام رکھتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تین سال تک مصر کے گورنر رہے۔ ۶۰ھ کے قریب فوت ہوئے۔

قَالَ مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً اور فرمایا کہ جس نے تعویذ ڈالا،
فَقَدْ اَشْرَكَ اُس نے شرک کیا

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہی الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

قولہ: مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً

یعنی جو شخص اس نیت سے تعویذ گلے میں ڈالے کہ اس سے کوئی نفع حاصل ہوگا یا کوئی تکلیف اور مصیبت دُور ہو جائے گی۔

تمیمہ کے متعلق المنذری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"تمیمہ چمڑے کے اُس پُرزے کو کہتے ہیں جس پر کوئی چیز لکھی گئی ہو۔ اہلِ عرب اس نیت سے لٹکاتے تھے کہ اس سے آفات سے بچاؤ ہو سکے۔ یہ سراسر جہالت اور ضلالت کی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی تکلیف دُور کر سکتا ہے اور نہ روک سکتا ہے۔"

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ، "نہایہ" میں لکھتے ہیں کہ تمیمہ[1] کو عرب لوگ اپنے بچوں کے گلے میں

---

[1] شیشے کے سوراخ دار دانے جن کو تسبیح یا ہار وغیرہ میں پرو کر گلے میں ڈالا جاتا تھا۔

ڈالتے تھے تاکہ وہ نظرِ بد سے محفوظ رہیں لیکن اسلام نے اِس کو باطل قرار دیا۔

قولہٗ : فَلَا اَتَمَّ اللّٰهُ لَهٗ

آنحضرت ﷺ کی تعویذ گنڈوں والوں کے لیے یہ بددُعا ہے۔

قولہٗ : وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهٗ

ودعة بفتح الواو وسكون المهملة

صاحبِ مسند الفردوس لکھتے ہیں کہ:

"ودعہ ایک سمندری چیز ہے جس کا رنگ سفید ہوتا ہے اور وہ صدف کی ہم شکل ہوتی ہے۔ اہلِ عرب اس کو بچّوں کے گلے میں اِس لیے ڈالتے تھے تاکہ وہ نظرِ بد سے محفوظ رہیں۔"

قولہٗ : فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهٗ

یعنی اُسے آرام وسکون حاصل نہ ہو۔ صاحبِ نہایہ ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اُس کے لیے بددُعا ہے۔

قولہٗ : وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ اَشْرَكَ

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"اِس کو شرک اِس لیے کہا گیا ہے کہ ان کا یہ گمان تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی تقدیر کو بدل سکتی ہے اور یہ کہ اُنھوں نے اِس کو غیر اللہ سے ضرر و بلیات کا حل سمجھا جب کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مشکلات کو دُور نہیں کر سکتا۔"

ولابن ابی حاتم عن حذیفة رضی اللہ عنہ : أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا فِي يَدِهِ خَيْطٌ مِنَ الْحُمَّى فَقَطَعَهُ -

---

ابن ابی حاتمؒ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انھوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں بخار کی وجہ سے دھاگہ دم کیا ہوا دیکھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اُسے کاٹ دیا۔

قولہ : وَلِابْنِ أَبِي حَاتِمٍ

پوری روایت یہ ہے :-

قال ابن ابی حاتم : حدثنا محمد بن الحسین بن ابراهیم بن اشکاب . حدثنا یونس بن محمد ، حدثنا حماد ابن سلمة عن عاصم الاحول عن عروة

دَخَلَ حُذَيْفَةُ عَلَى مَرِيضٍ فَرَأَى فِي عَضُدِهِ سَيْرًا فَقَطَعَهُ أَوِ انْتَزَعَهُ ثُمَّ تَلَا : وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ○

(یوسف - ۱۰۶)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک شخص کی تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے بازو میں ایک تعویذ بندھا ہوا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹ پھینکا اور یہ آیت پڑھی وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کا مختصر سلسلہ نسب یہ ہے :-
ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم محمد بن ادریس الرازی التمیمی الحنظلی۔
ابن ابی حاتم رحمہ اللہ حافظ الحدیث تھے ۔ تفسیر، جرح وتعدیل اور دیگر علوم کے ماہر تھے ۔ ۳۲۶ھ میں فوت ہوئے ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ، ابن یمان کے بیٹے تھے ۔ ابن یمان کا نام حُسَیل تھا ۔ انہیں حسل بھی کہا جاتا ہے ۔ عبسی تھے ، انصار کے حلیف تھے ۔ جلیل القدر اور سابقین الاولین صحابہ میں سے تھے ۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبُ السّر بھی کہا جاتا ہے ۔ ان کے والد ماجد حضرت یمانؓ بھی صحابی تھے ۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ، ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع زمانے میں فوت ہوئے ۔

قولهٗ : فَرَاٰی رَجُلًا فِیْ یَدِہٖ خَیْطٌ مِنَ الْحُمّٰی

جاہل لوگ تعویذ، دھاگے اور اسی قسم کی دیگر غلط رسوم کا ارتکاب کرتے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے بخار اُتر جاتا ہے ۔

حضرت وکیع رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے :

اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰی مَرِیْضٍ یَعُوْدُهٗ فَلَمَسَ عَضُدَهٗ فَاِذَا فِیْهِ خَیْطٌ	حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مریض کی بیمار پُرسی کے لیے تشریف لے گئے ۔ اس کے بازو کو چُھوا تو معلوم ہوا کہ اس پر کوئی دھاگا
فَقَالَ : مَا هٰذَا ؟	بندھا ہوا ہے ۔ پوچھا کہ یہ کیا ہے ؟
قَالَ : شَیْءٌ رُقِیَ لِیْ فِیْهِ	مریض بولا کسی نے مجھے یہ دھاگا دم کر کے دیا ہے
فَقَطَعَهٗ وَ قَالَ : لَوْ مُتَّ وَ هُوَ عَلَیْكَ مَا صَلَّیْتُ عَلَیْكَ	حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹ دیا اور فرمایا کہ اگر تو اسے پہنے ہوئے فوت ہو جاتا تو میں تیری نماز جنازہ نہ پڑھتا ۔

وتلا قولہ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ (یوسف ۱۰۶)

اور پھر قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے تو ہیں مگر اس طرح کہ اُس کے ساتھ دُوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ اِس قسم کے تعویذ گنڈے قطعاً ممنوع ہیں اگرچہ ان کا پہننے والا یہ خیال کرتا ہو کہ یہ صرف اسباب ہیں، حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی دافع البلیات ہے اور وُہی مشکلات کو دُور کرنے والا ہے۔ اسباب بھی وہی اختیار کرنے چاہئیں جن کا شریعت اسلامیہ میں کوئی وجود ہو اور تعویذ دھاگے اور صدف وغیرہ تو جاہلیت کی رسمیں ہیں اور ان کا پہننا شرک ہے اگرچہ انسان انکو نافع اور ضار نہ بھی خیال کرے۔ اِس قسم کے اعمال کی بُرائی سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہیے اور اگر ہو سکے تو ہاتھ سے روک دے ورنہ زبان سے تو اس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔ اس قسم کے شرکیہ تعویذات کو بزور اتار پھینکنا چاہیے اگرچہ پہننے والا اِس کی اجازت نہ دے۔

قولہٗ وَتَلَا قَوْلَهٗ تَعَالٰى وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۝

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اِس آیتِ کریمہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ تعویذ گنڈے شرک ہیں اور یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جن آیات سے شرکِ اکبر ثابت کیا جاتا ہے ان سے شرکِ اصغر مراد لینا درست ہے۔ کیونکہ جہاں شرکِ اکبر مراد ہو گا وہاں شرکِ اصغر مراد لینا تو بالاَولیٰ درست ہو گا۔

اس کی تفصیل سابقہ صفحات میں شیخ الاسلام وغیرہ کی عبارات کی روشنی میں گزر چکی ہے۔

واللہ اعلم

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ أَلتَّغْلِيظُ فِي لُبْسِ الْحَلْقَةِ وَ الْخَيْطِ وَ نَحْوِهِمَا لِمِثْلِ ذٰلِكَ۔

① تعویذ دھاگہ اور لوہے وغیرہ کے چھلے پہننے پر سخت وعید۔

الثانیۃ أَنَّ الصَّحَابِيَّ لَوْ مَاتَ وَ هِيَ عَلَيْهِ مَا أَفْلَحَ فِيهِ شَاهِدٌ لِكَلَامِ الصَّحَابَةِ أَنَّ الشِّرْكَ الْأَصْغَرَ أَكْبَرُ مِنَ الْكَبَائِرِ۔

② اگر صحابی بھی اس قسم کے تعویذ گنڈے پہنے ہوئے فوت ہو جائے تو اُس کی نجات مشکل ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ شرک اصغر اکبر الکبائر ہے۔

صحابہ کرام کے یہ وہ آثار ہیں جن سے ان کے علمی کمال اور توحید کے بارے میں ان کی تعلیم کا پتہ چلتا ہے۔ وہ توحید کے منافی اعمال و افعال سے قطعی طور پر بے زار رہتے تھے۔

الثالثة: أَنَّهُ لَمْ يُعْذَرْ بِالْجَهَالَةِ۔

(۳) اس کا جہالت کی بنا پر پہننا بھی قابل عذر نہیں۔

الرابعة: أَنَّهَا لَا تَنْفَعُ فِي الْعَاجِلَةِ بَلْ تَضُرُّ۔ لقوله لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا۔

(۴) یہ تعویذ گنڈے بجائے نفع کے نقصان دہ ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تجھے کمزوری کے سوا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

الخامسة: أَلْإِنْكَارُ بِالتَّغْلِيظِ عَلَى مَنْ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ ۔

(۵) جو شخص ان کو پہنے اُس کو سختی سے روکنا۔

السادسة: التَّصْرِيحُ بِأَنَّ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ ۔

(۶) اِس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ جو شخص ان کو پہنے گا اُس کو انہیں کے سپرد کر دیا جائے گا۔

السابعة: أَنَّ تَعْلِيقَ الْخَيْطِ مِنَ الْحُمّٰى مِنْ ذٰلِكَ ۔

(۷) بخار کی وجہ سے بھی تعویذ پہننا شرک ہے۔

الثامنة: أَلتَّصرِيحُ بِأَنَّ مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ -

⑧ اِس کی بھی وضاحت ہے کہ جو شخص تعویذ پہنتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔

التاسعة: تِلَاوَةُ حُذَيفَةَ الأٰيَةَ دَلِيلٌ عَلىٰ أَنَّ الصَّحَابَةَ يَستَدِلُّونَ بِالأٰيَاتِ الَّتِي فِي الشِّرْكِ الأَكبَرِ عَلَى الأَصغَرِ - كما ذكر ابن عبّاس في أية البقرة -

⑨ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا آیتِ قرآن کو تلاوت کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان آیات سے، جو شرکِ اکبر کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، شرکِ اصغر بھی مراد لیتے تھے جیسا کہ حضرۃ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ بقرہ کی آیت سے اِستدلال کیا ہے۔

العاشرة: أَنَّ تَعلِيقَ الوَدْعِ عَنِ العَينِ مِنْ ذٰلِكَ -

⑩ نظرِ بد سے بچاؤ کی خاطر صدف وغیرہ پہننا بھی شرک ہے۔

الحادية عشرة: أَلدُّعَاءُ عَلىٰ مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً

أَنَّ اللهَ لَا يُتِمُّ لَهُ وَ مَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللهُ لَهُ. أَى تَرَكَ اللهُ لَهُ.

⑪ جو شخص تعویذ اور صدف وغیرہ باندھتا ہے اُس کے لیے بددُعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اس کا مطلب پُورا نہ کرے۔

باب

ما جاء

فی الرُّقی والتمائم
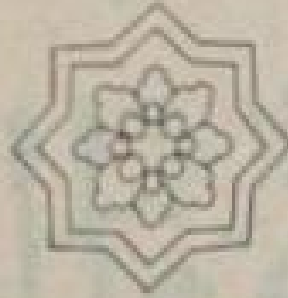
اِس باب میں

دم، تعوِیذ اور گنڈوں وغیرہ

کے بارے میں

شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں

فی الصحیح عن ابی بشیر الانصاری رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَأَرْسَلَ رَسُولاً۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے اپنے ایک قاصد کو بھیجا کہ

قولہ : فِي الصَّحِيحِ

یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں ہے۔

قولہ : عَنْ اَبِیْ بَشِيْرِ الْاَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ

ابن سعد نے لکھا ہے کہ ابن بشیر کا نام قیس بن عبید تھا۔

ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ ان کے نام کی تعیین نہیں ہو سکی۔

یہ صحابی رسولؐ ہیں۔ غزوۂ خندق میں شرکت کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ ۶۰ھ کے بعد فوت ہوئے۔ بعض اہل سیر کا کہنا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پا کر فوت ہوئے۔

قولہ : فِي بَعْضِ اَسْفَارِهِ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ سفر کون سا تھا۔

قولہ : فَاَرْسَلَ رَسُوْلاً

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور حارث بن ابی اسامہ رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اس قاصد کا نام زید بن حارثہ لکھا ہے۔

أَنْ لَّا يَبْقَيَنَّ فِيْ رَقَبَةِ بَعِيْرٍ قِلَادَةٌ مِّنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ۔

کسی اونٹ کی گردن میں کوئی ایسی رسّی باقی نہ رہنے دی جائے (جو نظرِ بد وغیرہ کے سلسلے میں لوگ باندھ دیا کرتے تھے) اگر ہے تو اس کو کاٹ دیا جائے۔

قولہ : اَنْ لَاَ یَبْقِیَنَّ

وَتْرًا ـــــ کمان کی تانت کو کہتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جب یہ تانت پرانی ہو جاتی تو نئی تبدیل کر لیتے اور پرانی تانت کو چوپایوں کے گلوں میں ڈال دیتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس سے جانور نظرِ بد سے محفوظ رہتا ہے۔

قولہ : اَوْ قِلَادَۃٌ اِلَّا قُطِعَتْ

راوی کو شک ہے کہ ان کے شیخ نے صرف قلادہ کا لفظ بولا تھا یا قِلَادَۃٌ مِّنْ وَتَرٍ کہا تھا۔

صحیح بات یہ ہے کہ صرف قلادہ کا لفظ کہا تھا "من وتر" سے اس کو مقید نہیں کیا کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اُن سے پوچھا گیا کہ قلادہ کے بارے میں آپ کی رائے ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ :

مَا سَمِعْتُ بِکَرَاهِیَتِهَا اِلَّا فِی الْوَتَرِ ۔ میں نے اس کی کراہت کے بارے میں کچھ نہیں سنا، البتہ اگر تانت ہو تو اسکو مکروہ

ابوداؤد میں یہ الفاظ بغیر کسی قید کے بالاطلاق استعمال ہوتے ہیں " ولا قلادۃ "

امام بغوی رحمہ اللہ شرح السنۃ میں لکھتے ہیں کہ

" امام مالک رحمہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی کہ:
" تمام قسم کے قلائد کو قطع کر دیا جائے گا " یہ تاویل کی ہے کہ یہ نظرِ بد کی وجہ سے لٹکائے جاتے تھے کیونکہ جاہل لوگ قلائد اور تمائت وغیرہ پر تعویذ لکھ کر لٹکا دیا کرتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ ان کو آفات سے محفوظ رکھتے ہیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے روک دیا اور ان کو یقین دلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر اور تقدیر کو قطعاً نہیں روک سکتے۔"

ابن الجوزیؒ اور ابو عبیدؒ فرماتے ہیں کہ

" جاہل لوگ اپنے اونٹوں کے گلے میں تمائت کا ہار اس لیے پہنایا کرتے تھے کہ جانور نظرِ بد سے محفوظ رہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو اتار پھینکنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

" زیر بحث حدیث مرفوع ہے، اس کی تائید حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی روایت کرتی ہے جسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللهُ لَهُ — جو شخص تعویذ ڈالے اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے۔

تمیمہ، ان قلائد کو کہتے ہیں جو نظرِ بد سے تحفظ کی غرض سے گردن میں لٹکائے جاتے ہیں"

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ

قولہ : عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ گھریلو واقعہ ہے جسے امام ابُوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے پُورا نقل فرمایا ہے۔ ابوداؤد میں یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے کہ:

عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَأَى فِيْ عُنُقِيْ خَيْطًا فَقَالَ مَا هٰذَا ؟	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میرے شوہر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے میری گردن میں ایک دھاگا دیکھا اور پوچھنے لگے کہ یہ دھاگا کیسا ہے؟
قُلْتُ ؛ خَيْطٌ رُقِيَ لِيْ فِيْهِ	میں نے عرض کی کہ یہ دھاگا مجھ کو دم کرکے دیا گیا ہے۔
قَالَتْ ؛ فَأَخَذَهٗ ثُمَّ قَطَعَهٗ، ثُمَّ قَالَ ؛ أَنْتُمْ آلُ عَبْدِ اللهِ لَأَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ	یہ سُنتے ہی اُنھوں یہ دھاگا میرے گلے سے کاٹ پھینکا اور یہ فرمایا کہ تم عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کا خاندان ہو، تم شِرک سے بے نیاز ہو۔

اللہ ﷺ یَقُوْلُ: "اِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ"	میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، تعویذ اور اعمالِ حُبّ شرک ہے۔
فَقُلْتُ، لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِيْ تَقْذِفُ وَ كُنْتُ اَخْتَلِفُ اِلٰی فُلَانٍ الْيَهُوْدِيِّ فَاِذَا رَقٰی سَكَنَتْ	میں نے عرض کی کہ میری آنکھ میں چبھن محسوس ہوتی تھی چنانچہ میں فلاں یہودی کے ہاں دم کرانے کے لیے جایا کرتی تھی اس کے دم کرنے سے مجھے سکون سا ہو جاتا تھا۔
فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِنَّمَا ذَاكَ عَمَلُ الشَّيْطَانِ كَانَ يَنْخَسُهَا بِيَدِهٖ فَاِذَا رُقِيَ كَفَّ عَنْهَا اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكِ اَنْ تَقُوْلِيْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ "اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا"	حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے کہ یہ شیطانی عمل ہے۔ وہی اپنے ہاتھ سے چبھن پیدا کرتا تھا اور جب دم کر دیا جاتا تو وہ ہاتھ روک لیتا۔ لہٰذا تمھارے لیے اس طرح کہنا کافی تھا جس طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ: "اے کائنات کے پروردگار! تکلیف کو دور فرما دے اور تیری شفا ہی دراصل شفا ہے، شفا عطا فرما کیونکہ تو ہی شفا بخشنے والا ہے۔ ایسی شفا عطا کر کہ جس کے بعد کسی قسم کی تکلیف باقی نہ رہے۔"

اس روایت کو ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے بھی نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

إِنَّ الرُّقَى وَ التَّمَائِمَ وَ التِّوَلَةَ شِرْكٌ (رواہ احمد و ابوداؤد)

جھاڑ پھونک، تعویذ اور حُبّ کے اعمال سب شرک ہیں۔

قولہ : إِنَّ الرُّقَى

مصنف رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہیں کہ:

هِيَ الَّتِي تُسَمَّى الْعَزَائِمَ وَ خَصَّ مِنْهُ الدَّلِيلُ مَا خَلَا مِنَ الشِّرْكِ فَقَدْ رَخَّصَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الْعَيْنِ وَ الْحُمَةِ

یہ وہی دم ہے جو عزائم کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں سے وُہ قسم جس سے شرک لازم نہ آتا ہو، جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نظر اور بخار کے لیے دم کرنے کی اجازت دی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہی جھاڑ پھونک اور دم شرک ہے جس میں غیر اللہ سے استعانت کی گئی ہو۔ البتہ وہ دم جس میں صرف اللہ تعالیٰ کے نام، اُس کی صفات اور آیاتِ قرآنیہ تلاوت کی جائیں یا وہ دعائیں پڑھی جائیں جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں، وہ مستحسن اور جائز ہے۔

ایسے ہی دم کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ — ہم زمانہ جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے۔

فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ — ہم نے اِسکے متعلق آنحضرت ﷺ

صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اس کے بارے میں كَيْفَ تَرَىٰ فِيْ ذٰلِكَ ؟ آپ کا کیا حکم ہے؟

فَقَالَ : اَعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا

تو آپ نے فرمایا کہ وہ دم میرے سامنے پیش کرو۔ اگر اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

اس مطلب کی احادیث کثرت سے ملتی ہیں کہ اگر دم میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں تو جائز ہے۔

الخطابی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس سلسلے میں یہ ہے:

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دم کیا ہے اور آپ کو بھی دم کیا گیا ہے، اور آپ نے اس کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ دم کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اگر دم قرآنی آیات پر مشتمل ہو تو جائز ہے۔ البتہ ممانعت اس دم کی ہے جو عربی زبان میں نہ ہو کیونکہ بسا اوقات غیر عربی الفاظ کفریہ ہوتے ہیں یا ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جس میں شرکیہ کلمات پائے جاتے ہیں"

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ جاہلیت میں اس قسم کے تعویذ گنڈوں کے عادی تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ ان سے آفات وغیرہ دور رہتی ہیں اور ان پر جنات کا اثر ہوتا ہے۔ اسی قسم کا مفہوم علامہ الخطابی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

" مجہول اور غیر معروف اسماء سے دم نہیں کرنا چاہیے، چہ جائیکہ ان الفاظ سے دعا مانگی جائے اگرچہ ان اسماء اور الفاظ کے معنی معلوم ہی ہوں۔ اسی بناء پر غیر عربی الفاظ سے دعا کرنا مکروہ ہے۔ ہاں! جو شخص عربی بالکل نہیں جانتا وہ دوسری زبان میں دعا مانگ سکتا ہے۔ عجمی الفاظ کو شعار اور وظیفہ مقرر کر لینا

”اَلتَّمَائِمُ : شَيْءٌ يُعَلَّقُ عَلَى الْأَوْلَادِ مِنَ الْعَيْنِ ۔ لٰكِنْ إِذَا كَانَ الْمُعَلَّقُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَرَخَّصَ فِيْهِ بَعْضُ السَّلَفِ، وَبَعْضُهُمْ لَمْ يُرَخِّصْ فِيْهِ، وَيَجْعَلُهُ مِنَ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ مِنْهُمْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ

تمائم ان تعویذات کو کہا جاتا ہے جو نظر بد سے محفوظ رہنے کے لیے بچوں کے گلے میں ڈالے جاتے ہیں۔ اگر یہ تعویذ قرآنی آیات پر مشتمل ہوں تو بعض اہل علم نے ان کو جائز قرار دیا ہے اور بعض نے ناجائز۔ ناجائز قرار دینے والوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

دین اسلام میں جائز نہیں ہے[1]۔“

---

[1] بعض جاہل صوفیا نے غیر عربی وظائف کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے، جیسے ”کرکدن کرودن دھدہ، اصبارت احیا شراحیا جلجوت“ وغیرہ۔

ان مشرک صوفیاء کا کہنا ہے کہ یہ بھی اللہ کا ذکر ہے۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے وظائف کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ یہودیوں کی سازش تھی جو انھوں نے مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے تیار کی تاکہ مسلمان شرک فی الالوہیت اور شرک فی الربوبیت میں مبتلا ہو کر جہنم کا ایندھن بنیں۔

افسوس کہ سادہ لوح مسلمانوں نے اس سازش کو نہ سمجھا اور اس قسم کے شرکیہ وظائف میں مبتلا ہو کر رہ گئے

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"علمائے اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ دم اور رُقیہ، جس میں مندرجہ ذیل تین شرائط پائی جائیں جائز ہے:

۱ــــ وہ دم جو کلام اللہ، اسماء اللہ یا اُس کی صفات پر مبنی ہو۔

۲ــــ وہ دم جو عربی زبان میں ہو، اس کے معنیٰ بھی واضح اور مشہور ہوں اور مطابقِ شریعتِ اسلامی ہو۔

۳ــــ یہ کہ دم کرنے والا اور کروانے والا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ دم فی نفسہٖ کوئی باَاثر چیز نہیں ہے بلکہ سارا معاملہ اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اثر ہوگا۔"

قولہٗ : اَلتَّمَائِمُ شَیْئٌ یُعَلَّقُ عَلَی الْاَوْلَادِ مِنَ الْعَیْنِ

علامہ خلخالی رحمۃ اللہ علیہ، تمائم کی تشریح میں کہتے ہیں کہ:

"تمائم، تمیمہ کی جمع ہے۔ تمیمہ یہ ہے کہ ننھی منّی کوڑیوں اور ہڈیوں کو ملا کر ایک ہار سا بنایا جاتا ہے جو بچوں کے گلوں میں اس لیے ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ نظرِ بد سے محفوظ رہیں۔ ایسے ہاروں کا پہننا سخت منع ہے کیونکہ مصائب کو دُور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ہر قسم کی موذی چیز سے تحفظ فقط اللہ تعالیٰ، اُس کے پاک نام اور اُس کی صفات کے ذریعہ سے ہی حاصل کرنا چاہیے۔"

قولہٗ : لٰکِنْ اِذَا کَانَ الْمُعَلَّقُ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں سے بڑے بڑے اہلِ علم کے درمیان اِس باب میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ تعویذات جو قرآنِ کریم کی آیات یا اسماء اللہ الحسنیٰ پر مشتمل ہوں، جائز ہیں یا ناجائز؟

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابوجعفر الباقر رضی اللہ عنہم اور ایک روایت کے مطابق

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جائز ہیں۔ جن احادیث میں اِس سے نہی منقول ہے، اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ وہ تعویذ جو شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں، ناجائز ہیں۔ یہ حضرات، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ، ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور تابعین کی کثیر تعداد، جن میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے کئی شاگرد بھی شامل ہیں۔ ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے کئی شاگردوں کا موقف بھی یہی ہے کہ یہ تعویذ ناجائز ہیں۔ اِس کے لیے ان کی دلیل یہی زیرِ بحث حدیث ہے۔ بعض علمائے متاخرین کا رجحان بھی یہی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر، ابنِ عکیم اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم کے ظاہری الفاظ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

شارحِ کتاب التوحید فرماتے ہیں کہ کچھ تامل کے بعد مندرجہ ذیل تین وجوہ کی بنا پر دوسری صُورت ہی زیادہ قرینِ صحت معلوم ہوتی۔

- پہلی وجہ یہ ہے کہ نہی عام ہے، عموم کو خاص کرنے والی کوئی حدیث نہیں ہے۔
- دُوسری وجہ یہ ہے کہ شرکیہ اور بدعیہ تعویذات کا ذریعہ بند کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو ممنوع قرار دے دیا جائے کیونکہ قرآن کی آیات سے ایسے تعویذ بھی لکھے جانے کا خطرہ ہے جو کتاب وسُنّت کے خلاف ہیں اور انسان کو مشرک بنا دیتے ہیں۔
- تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآنی آیات سے لکھے ہوئے تعویذات گلے میں ڈالنے والا لازمی طور پر بیت الخلاء میں بھی جائے گا اور ان کو پہنے ہوئے استنجا[1] وغیرہ بھی کرے گا۔

---

[1] یہ قرآنی آیات کے ساتھ مذاق اور اِستہزا ہے، کیونکہ قرآن کریم کے نزول کی غرض وغایت یہ ہے کہ یہ لوگوں کے لیے ہدایت کی کتاب ہے، کُفر واسلام کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ امراضِ قلب کے لیے شفاء کامل ہے، متقین کے لیے نصیحت ہے اور اس سے کافروں اور مشرکوں کو سوائے خسارے اور نااُمیدی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے نہیں نازل کیا تھا کہ اس کے تعویذ گنڈے بنا لیے جائیں اور خواہشاتِ نفسانی کے متبعین اس کی آیات کو کھیل تماشہ قرار دے لیں۔

مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ اور سلف صالحین کے اُسوہ پر غور و فکر کرنے سے یہ حقیقت قارئینِ کرام پر واضح ہو جائے گی کہ ان تعویذات سے اسلام کو مجموعی طور پر نقصان ہی پہنچا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دَور کے بعد کے حالات پر اگر آپ نظر دوڑائیں گے تو پتا چلے گا کہ لوگوں نے کس طرح قبروں کی تعظیم کی، کس انداز سے قبروں پر چراغاں کرنا شروع کیا۔ اپنے دِلوں کو کتنی عاجزی اور انکساری سے اہلِ قبور کی طرف متوجہ کیا اور کیسے کیسے عجیب و غریب اسلوب سے اہلِ قبور سے دعائیں اور حاجتیں طلب کیں اور لوگوں کے دلوں پر کس قدر اہلِ قبور کا خوف و ہراس طاری ہوا۔ اِن مختلف عبادات میں، کس طرح لوگوں نے اہلِ قبور کو شریک کیا جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص تھیں۔ ربِ کریم کی تو یہ ہدایت تھی کہ

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ○	اللہ کریم کے ماسوا کسی ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمھارا بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے، اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔
وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ ○	اور اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کے سوا اِس کو دُور کرنے والا کوئی نہیں۔
وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ ؕ یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ؕ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ (یونس - ۱۰۶، ۱۰۷)	اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو اُسکے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ اور بھلائی پہنچاتا ہے۔ اور وہ بخشنے والا، مہربان ہے۔

قرآنِ کریم میں اِس مضمون کی آیات اِتنی تعداد میں ہیں کہ ان کو شمار میں لانا مشکل ہے۔

"وَ الرُّقٰى": هِيَ الَّتِيْ تُسَمَّى الْعَزَآئِمَ وَ خَصَّ مِنْهُ الدَّلِيْلُ مَا خَلَا مِنَ الشِّرْكِ رَخَّصَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنَ الْعَيْنِ وَ الْحُمَةِ۔

"وَ التِّوَلَةُ": شَيْءٌ يَصْنَعُوْنَهُ يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُ يُحَبِّبُ الْمَرْأَةَ إِلٰى زَوْجِهَا وَ الرَّجُلَ إِلٰى إِمْرَأَتِهِ۔

رُقٰی اور عزائم دونوں ہم معنی ہیں۔ شرکیہ تعویذات کے علاوہ نظرِ بد اور زہریلے کیڑے کے کاٹے کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ نے رخصت دی ہے۔

تِوَلَہ، وہ عمل ہے جسے اِس خیال سے کیا کرتے تھے کہ اس سے مرد اور عورت میں باہم اُلفت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

قولہ : اَلتِّوَلَةُ

مصنّف رحمہ اللہ نے خود ہی اِس کی تعریف کی ہے جس سے ان کے نزدیک مرد و عورت میں محبت بڑھ جاتی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، جو اِس روایت کے راوی ہیں، انھوں نے بھی یہی تعریف کی ہے، جیسا کہ صحیح ابن حبان اور حاکم میں روایت ہے کہ صحابہؓ نے عرض کی کہ "اے اباعبد الرحمٰن

وعن عبد الله بن عكيم مرفوعًا: مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ۔ (رواه احمد و الترمذي)

حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گلے یا بازو میں کوئی تعویذ یا دھاگا لٹکاتا ہے تو اُس کی ذمہ داری اُسی تعویذ دھاگے کے سپرد کر دی جاتی ہے۔

رضی اللہ عنہ! رقیٰ اور تمائم کو تو ہم جانتے ہیں لیکن التِّوَلہ کیا شے ہے؟

انھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "یہ ایک تعویذ ہے جس کو یہ لوگ حُب کی غرض سے تیار کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اِس سے، عورت مرد کی نظروں میں اور مرد عورت کی نظروں میں محبوب ٹھہرتا ہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"التِّوَلہ جادو کی ایک قسم ہے جس کے ذریعے عورتیں اپنے شوہروں کی نظر میں محبوب بننے کی سعی کرتی ہیں۔"

اِس قسم کے جادو ٹونے شرک اس لیے ہیں کہ ان کے ذریعے غیر اللہ سے کوئی نفع حاصل کرنے یا مصیبت دُور کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔

قولہٗ: مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ

حدیث میں جس "تعلق" کا ذکر ہے وُہ دل سے بھی ہوتا ہے، عمل اور فعل سے بھی ہوتا ہے اور کبھی دِل اور عمل دونوں سے ہوتا ہے، تینوں صُورتوں میں کوئی صورت بھی ہو، جس شے سے اس کا تعلق وابستہ ہو گا، اللہ تعالیٰ اُس کی ذمہ داریوں کو اسی کے سپرد کر دیتا ہے۔ سو جس شخص کے دِل کا تعلق صرف اللہ کے ساتھ استوار ہو گیا اور اُس نے اپنی تمام حاجات کی ذمہ داری اللہ پر

ڈال دی، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہوا اور اپنے تمام معاملات اللہ ہی کو سونپ دیے تو اللہ تعالےٰ اُس کی تمام ضروریات کو خود پُورا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور اس کی جملہ حاجات کا آپ کفیل بن جاتا ہے اور کامیابی کے بعید ترین امکانات کو قریب تر کر دیتا ہے اور ہر مشکل کو آسان بنا دیتا ہے۔

جس شخص نے اپنا تعلق غیر اللہ سے جوڑ لیا، اپنی رائے اور عقل پر بھروسہ کر لیا اور مختلف تعویذ دھاگے اور جادو ٹونے سے وابستگی اختیار کر لی۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ انہی اشیا کے سپرد کر دیتا ہے، اُسے ذلیل و رسوا بنا دیتا ہے اور اپنی رحمت سے دُور کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت نصوص و تجربات سے ثابت شدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ (الطلاق - ۳)

جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کریگا تو اللہ کریم اُس کے لیے کافی ہوگا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں یہ حدیث درج کرتے ہیں کہ:

حدثنا هشام بن القاسم حدثنا ابوسعيد المؤدب حدثنا من سمع عطاء الخراسانی

قَالَ : لَقِيْتُ وَهبَ بْنَ مُنَبِّهٍ وَهُوَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ	عطا خراسانی کہتے ہیں کہ میں وہب بن منبہ کو طوافِ بیت اللہ کی حالت میں
فَقُلْتُ : حَدِّثْنِي حَدِيْثًا اَحْفَظُهٗ عَنْكَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا وَاَوْجِزْ	ملا تو میں نے کہا کہ اِس مقام پر مجھے کوئی مختصر حدیث سنایئے جسے میں حفظ کر لوں!
قَالَ : نَعَمْ	وہب نے کہا کہ ہاں سُنو!
اَوْحَى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِلٰى دَاوُدَ يَا دَاوُدُ	اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے داؤد!
اَمَا وَعِزَّتِيْ وَعَظَمَتِيْ	مجھے اپنی عزت و عظمت کی قسم! میرے
لَا يَعْتَصِمُ بِيْ عَبْدٌ	بندوں میں سے جو شخص بھی میرے ساتھ

وروي احمد عن رويفع رضي الله عنه قال قالَ لِي
رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يا رُوَيفِعُ !

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، حضرت رویفع رضی اللہ عنہ خود کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "اے رویفعؓ !

مِنْ عِبَادِيْ دُوْنَ خَلْقِيْ اَعْرِفُ ذٰلِكَ مِنْ نِيَّتِهٖ فَتَكِيْدُهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَالْاَرْضُوْنَ السَّبْعُ وَمَنْ فِيْهِنَّ اِلَّا جَعَلْتُ لَهٗ مِنْ بَيْنِهِنَّ مَخْرَجًا	سب مخلوق کو چھوڑ کر اپنا دلی تعلق قائم کر لیتا ہے اور میں اُسکو اس کے دِل کی نسبت سے جانتا ہوں تو ایسے شخص کے خلاف اگر ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں بسنے والے سازش کرنا چاہیں تو میں اُس کے بچاؤ کے لیے کوئی نہ کوئی مخرج ضرور پیدا کروں گا۔
اَمَا وَ عِزَّتِيْ وَ عَظَمَتِيْ لَا يَعْتَصِمُ عَبْدٌ مِنْ عِبَادِيْ بِمَخْلُوْقٍ دُوْنِيْ اَعْرِفُ ذٰلِكَ مِنْ نِيَّتِهٖ اِلَّا قَطَعْتُ اَسْبَابَ السَّمَآءِ مِنْ يَدِهٖ وَ اَسَخْتُ الْاَرْضَ مِنْ تَحْتِ قَدَمَيْهِ	مجھے اپنی عزت وعظمت کی قسم ا مجھے چھوڑ کر جو شخص دُوسروں سے دِلی تعلق قائم کرلے اور یہ بات مجھے اُس کی نیت سے معلوم ہو جاتی ہے، تو میں تمام آسمان سے متعلقہ تمام قسم کے اسباب وذرائع کو ختم کردوں گا اور زمین اس کے پاؤں تلے سے نکال دوں گا، پھر مجھے کوئی پرٙا

ثُمَّ لَا اُبَالِیْ بِاَیِّ اَوْدِیَتِهَا هَلَكَ — نہ ہوگی کہ وہ کس وادی میں جا کر تباہ ہوتا ہے۔

قولہ : وَرَوَی الْاِمَامُ اَحْمَدُ عَنْ رُوَیْفِعٍ

زیر بحث حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے یحییٰ بن اسحاق اور حسن بن موسیٰ الاشیب سے روایت کی ہے۔ یحییٰ اور حسن دونوں ابن لہیعہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ حدیث ایک طویل حدیث کا ایک حصہ ہے۔ حسن کی روایت کے مطابق پوری حدیث یہ ہے :

كَانَ اَحَدُنَا فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَاْخُذُ جَمَلَ اَخِيْهِ عَلٰى اَنْ يُّعْطِيَهُ النِّصْفَ مِمَّا يَغْنَمُ وَلَهُ النِّصْفُ حَتّٰى اِنَّ اَحَدَنَا لَيَصِيْرُ لَهُ النَّصْلُ وَالرِّيْشُ وَلِلْاٰخَرِ الْقَدَحُ ثُمَّ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا رُوَيْفِعُ! .... الحدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور میں ہم میں سے بعض افراد اپنے دوسرے بھائی کا اونٹ اس شرط پر حاصل کر لیا کرتے تھے کہ مالِ غنیمت آدھا آدھا بانٹ لیں گے حتیٰ کہ بعض اوقات ہم کو نیزے کا لوہا اور پر بھی تقسیم کرنا پڑتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے رویفع! ....

امام احمد رحمہ اللہ نے ایک دوسری سند سے بھی روایت نقل کی ہے۔ وہ سند یہ ہے :

عن يحيى بن غيلان حدثني المفضل حدثنا عياش بن عباس اَنَّ شُيَيْمَ بْنَ بَيْتَانَ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ شَيْبَانَ الْقِتْبَانِيَّ

پہلی سند میں ابن لہیعہ راوی ہے جس کو محدثین ضعیف قرار دیتے ہیں۔

دوسری سند میں شیبان القتبانی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ مجہول ہے۔ باقی سب راوی ثقہ ہیں۔

لَعَلَّ الْحَيٰوةَ سَتَطُوْلُ بِكَ فَأَخْبِرِ النَّاسَ ۔

أَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا أَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَآبَّةٍ أَوْ عَظْمٍ ۔ فَإِنَّ مُحَمَّدًا بَرِیْءٌ مِّنْهُ ۔

ممکن ہے تم زیادہ عرصہ تک جیو، لہٰذا لوگوں کو بتا دینا کہ
جو شخص اپنی ڈاڑھی کے بالوں کو بٹ کر یا سمیٹ کر باندھ لے یا تانت وغیرہ کا
ہار گلے میں ڈال لے، یا کسی چارپائے کے گوبر یا ہڈی سے استنجا کرے۔
تو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس سے بیزار ہیں"

قولہ : لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طویل ہونے کا ذکر فرمایا ہے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک تھا۔ چنانچہ حضرت رُویفع رضی اللہ عنہ ۵۶ھ تک زندہ رہے اور برقہ نامی شہر میں جو مصر کے علاقے میں واقع ہے، عہدۂ گورنری پر بھی فائز رہے اور وہیں فوت ہوئے تھے۔ حضرت رویفع رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں۔ بعض اہلِ سیر کا خیال ہے کہ یہ ۵۳ھ میں فوت ہوئے تھے

قولہ : فَأَخْبِرِ النَّاسَ :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشادِ گرامی سے پتا چلا کہ جس چیز کا کسی کو علم ہو، اُس کو

دوسروں تک پہنچانا واجب ہے۔ اس کا وجوب ہر شخص کے لیے ہے۔ یہ صرف حضرت رُویفع رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہ تھا اور اگر دونوں شخص علم میں برابر ہوں تو پھر یہ واجب نہیں بلکہ فرض کفایہ ہوگا ابوداؤد کی شرح میں ابوزرعہ نے اِسی طرح لکھا ہے۔

قولہٗ : اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهٗ

علامہ الخطابی رحمۃ اللہ علیہ "عقدلحیتہ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اِسکی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ غیر عرب لوگ بحالتِ جنگ اپنی ڈاڑھیوں کو باٹ کر گانٹھ مار لیتے تھے۔ یہ صورت تکبر، عجب اور فخر و غرور پر دلالت کرتی تھی۔[۱]

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ڈاڑھی کے بالوں کو ایک خاص قسم کا تیل لگا کر بالوں کو اکٹھا کر کے گانٹھ ماردی جائے تاکہ بال بکھرنے نہ پائیں۔ یہ عورتوں کا سا فعل تھا۔

ابوزرعہ بن العراقی کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ "عقدلحیہ" کو نماز کی حالت پر قیاس کیا جائے جیسا کہ محمد بن ربیع کی روایت میں اِسکی صراحت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهٗ فِي الصَّلٰوةِ — جو شخص نماز میں اپنی ڈاڑھی کو گانٹھ دیتا ہے۔

قولہٗ : اَوْتَقَلَّدَ وَتَرًا

یعنی وتر اور تانت کا ہار بنا کر اپنی گردن یا کسی چارپائے کی گردن میں ڈال دے۔

محمد بن الربیع کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا يُرِيْدُ تِمِيْمَةً — جو شخص تانت گلے میں ڈال لے اس سے مراد تانت کو بطور تعویذ کے اِستعمال کرنا ہے

مندرجہ بالا وعید اُس شخص کے بارے میں ہے جو اپنی زندگی میں تعویذ دھاگہ اور جادو ٹونا پر

---

[۱] یہ عجم کے متکبرین کا فیشن تھا اس لیے اُس سے بیزاری کا اعلان فرمایا۔

اعتماد کر بیٹھے۔ پس اُس شخص کا کیا حشر ہو گا جو اپنا تعلق مُردوں سے جوڑ لے اور مُردوں سے اپنی حاجات طلب کرے اور اپنی مشکلات کو دُور کرنے کے لیے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے جس کی نہی صریح اور محکم آیاتِ قرآنیہ میں وارد ہو چکی ہے؟

قولہ: اَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ اَوْ عَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا بَرِیْءٌ مِّنْهُ

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس کا معنی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے اس فعل سے بری الذمہ ہیں۔"

امام نووی رحمہ اللہ کا یہ مطلب بیان کرنا حدیث کے ظاہری الفاظ کے مفہوم کے خلاف ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرمائے، اُن کی یہ عادت ہے کہ وہ ظاہری احادیث کے مفہوم کی تاویل کر کے دُور کے معنی مراد لے لیتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَ	گوبر اور ہڈی سے استنجا نہ کیا کرو
لَا الْعِظَامِ فَاِنَّهٗ زَادُ	کیوں کہ یہ تمہارے بھائی جنات کی
اِخْوَانِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ	خوراک ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق گوبر اور ہڈی سے استنجا کفایت نہیں کرے گا کیونکہ اس سلسلے میں ابن خزیمہ اور دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ:

اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰى	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی اور
اَنْ يُّسْتَنْجٰى بِعَظْمٍ اَوْ	گوبر سے استنجا کرنے سے منع فرمایا
رَوْثٍ وَقَالَ اِنَّهُمَا لَا	ہے اور فرمایا کہ اِن سے پاکیزگی
يُطَهِّرَانِ	حاصل نہیں ہوتی۔

وعن سعید بن جبیر قال : مَنْ قَطَعَ تَمِیمَةً مِّنْ
إِنْسَانٍ كَانَ كَعَدْلِ رَقَبَةٍ - (رواه وكيع)

وله عن ابراهيم قال : كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ التَّمَآئِمَ
كُلَّهَا مِنَ الْقُرْآنِ وَ غَيْرِ الْقُرْآنِ -

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کے گلے سے تعویذ وغیرہ کاٹ دے تو اُس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

ابراہیم بن یزید نخعی کوفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بہت سے علماء اور فقہاء تعویذات کو، وُہ قرآنِ کریم کی آیات پر مشتمل ہوں یا غیر قرآن پر، مکروہ قرار دیتے ہیں۔

قولہٗ : عن سعید بن جبیر رحمہ اللہ

حضرت سعید رحمہ اللہ تابعی ہیں، لہٰذا ان کی یہ روایت مُرسل ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی پرہیزگاری، تقویٰ اور علمی شغف اہلِ علم کے نزدیک مسلّم ہے۔ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ ان کی مُرسل روایت مرفوع کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ ان جیسا صالح انسان اپنی رائے سے کوئی بات نہیں کہتا۔

قولہٗ : رَوَاهُ وَكِيعٌ

وکیعؒ کا پورا نام یہ ہے : وکیع بن الجراح الکوفی۔

حضرت وکیع ثقہ راویوں میں سے تھے۔ اپنے وقت کے بہت بڑے امام تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی سب سے مشہور کتاب الجامع ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ وران کے طبقہ کے اہلِ علم

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تفسیر الرُّقی و التمائم۔

① رُقیہ اور تمیمہ کی تشریح۔

نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ ۱۹۷ھ میں فوت ہوئے۔

زیر بحث حدیث میں ہر قسم کے تعویذات اتار پھینکنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اِس لیے کہ یہ بھی شرک ہے۔

قولہ : عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ :

ابراہیم کا پورا نام یہ ہے۔ امام ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی۔ ان کی کنیت ابوعمران نخعی۔ یہ اپنے زمانے کے کبار فقہا میں سے تھے اور ثقہ راویوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

المزی کا کہنا ہے کہ امام ابراہیم رحمہ اللہ، اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تھے لیکن اُن کا اُم المومنین رض سے روایت کرنا ثابت نہیں۔ یہ جلیل القدر تابعی ۹۶ھ میں فوت ہوئے۔ اُس وقت ان کی عمر تقریباً پچاس سال تھی۔

قولہ : كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ التَّمَائِمَ كُلَّهَا

یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھی حضرت علقمہ، اسود، حارث بن سوید، ابووائل، عبیدۃ السلمانی، مسروق، ربیع، ابن خثیم، سوید بن غفلہ رحمہم اللہ وغیرہ مراد ہیں۔ یہ تمام حضرات عظیم المرتبت تابعین میں سے تھے۔

الثانية: تَفسِيرُ التِّوَلَةِ۔

② تِوَلہ کے مفہوم کی وضاحت۔

الثالثة: أَنَّ هٰذِهِ الثَّلَاثَ كُلَّهَا مِنَ الشِّرْكِ مِنْ غَيْرِ إِسْتِثْنَاءٍ۔

③ رُقیہ، تمیمہ اور تِوَلہ بلا استثنا تینوں شرک ہیں۔

الرابعة: أَنَّ الرُّقْيَةَ بِالْكَلَامِ الْحَقِّ مِنَ الْعَيْنِ وَ الْحُمَةِ لَيْسَ مِنْ ذٰلِكَ ۔

④ وہ رُقیہ جو صحیح الفاظ پر مشتمل ہو اور نظرِ بد اور بخار کی وجہ سے کیا جائے وہ شرک نہ ہوگا۔

الخامسة: أَنَّ التَّمِيْمَةَ إِذَا كَانَتْ مِنَ الْقُرْآنِ فَقَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ هَلْ هِيَ مِنْ ذٰلِكَ أَمْ لَا ؟

⑤ وہ تعویذ جو قرآنی آیات پر مشتمل ہو اُس کی ممانعت و عدمِ ممانعت میں علماء کے اختلاف کی وضاحت۔

السادسة: أَنَّ تَعْلِيقَ الْأَوْتَارِ عَلَى الدَّوَابِّ عَنِ الْعَيْنِ مِنْ ذٰلِكَ ۔

⑥ نظرِ بد سے بچاؤ کی خاطر چوپایوں کی گردنوں میں تانت ڈالنا شرک ہے۔

السابعۃ أَلْوَعِيْدُ الشَّدِيْدُ عَلٰى مَنْ تَعَلَّقَ وَتَرًا۔

⑦ جو شخص تانت وغیرہ کا ہار گلے میں ڈالے اُس کے لیے سخت ترین وعید۔

الثامنۃ فَضْلُ ثَوَابِ مَنْ قَطَعَ تَمِيْمَةً مِّنْ إِنْسَانٍ

⑧ جو کسی دوسرے شخص کے گلے سے تعویذ اتار پھینکے، اُس کے لیے اجرِ جزیل کا وعدہ۔

التاسعۃ أَنَّ كَلَامَ إِبْرَاهِيْمَ لَا يُخَالِفُ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الْإِخْتِلَافِ لِأَنَّ مُرَادَهُ أَصْحَابُ عَبْدِ اللهِ۔

⑨ ابراہیم بن یزید کوفی رحمہ اللہ کا کلام عُلماء کے اِختلاف کے منافی نہیں ہے کیونکہ اُن کے کلام سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھی مراد ہیں۔

باب
من تبرك بشجر او حجر ونحوهما
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو
شخص درخت، پتھر یا قبر وغیرہ سے برکت
حاصل کرتا ہے، اس کے متعلق شریعت
کا فیصلہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ تَعَالٰی أَفَرَءَ يْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ۝ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ۝ (النجم-١٩)

اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اِس لات اور اِس عزّٰی اور تیسری ایک اور دیوی مناتؔ کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا؟

قولہٗ : اَفَرَأَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى :

لات ــــ بنو ثقیف کی دیوی کا نام ہے۔

عزّٰی ــــ بنو کنانہ اور قریش کی مشترکہ معبودہ تھی۔

مناۃ ــــ اِس کا تعلق بنو ہلال سے تھا۔

ابنِ ہشام کے قول کے مطابق مناۃ، ہذیل اور خزاعہ کی مشترکہ حاجت روا دیوی کا نام تھا۔

اللّات :

۱ــــ بعض محققین اہلِ علم نے اللاتؔ کی تؔ کو تخفیف سے پڑھا ہے۔

۲ــــ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، ابنِ جریر، مجاہد، حمید، ابو صالح اور رویس رحمہم اللہ نے یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے اللاتؔ کی تؔ کو مشدد پڑھا ہے، جیسے لتّؔ۔

پہلی صورت میں اَعمشؔ کا کہنا ہے کہ مشرکینِ عرب اللاتؔ کو الٰہ سے اور العزّٰی کو کو العزیز سے مشتق گردانتے تھے۔

ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مشرکینِ عرب نے اللاتؔ کو لفظ اللہ سے مشتق سمجھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللاتؔ اللہ تعالیٰ کی مؤنث دیوی ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ قَوْلِهِمْ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ اِسی طرح العزّٰی کو العزیز سے مشتق قرار دیتے تھے۔

علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :

"اللات ایک سفید پتھر تھا جس پر خوب نقش و نگار کیا گیا تھا۔ اُس کو ایک مکان میں سجا بنا کر رکھا گیا اور اس مکان کے اِردگرد بہت بڑی اور مضبوط چار دیواری بنائی گئی تھی جس کو خوبصورت پردوں سے سجایا گیا تھا اور اس کے باقاعدہ پجاری اور پروہت بھی تھے۔ یہ تھا اہل طائف یعنی بنو ثقیف کا بُت۔ اس کی وجہ سے بنو ثقیف قریش کے علاوہ تمام عرب قبائل پر اپنے آپ کو قابلِ فخر گردانتے تھے۔"

بروایت ابن ہشام، آنحضرت ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس کے گرانے کے لیے بھیجا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ گئے، پہلے تو انھوں نے اس کو مسمار کیا اور پھر آگ لگا کر جلا دیا۔

دوسری صورت میں یعنی جب کہ اللات کی تَ کو مشدد پڑھیں تو اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

كَانَ رَجُلًا يَلُتُّ السَّوِيقَ لِلْحَاجِّ فَلَمَّا مَاتَ عَكَفُوا عَلَى قَبْرِهِ (بخاری)	اللات ایک صالح شخص تھا جو حجاج کرام کو ستّو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ جب یہ فوت ہو گیا تو لوگ اس کی قبر کے پاس چلے نکالنے لگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ

كَانَ يَبِيعُ السَّوِيقَ وَالسَّمْنَ عِنْدَ صَخْرَةٍ	ایک پتھر کے قریب یہ شخص ستو اور گھی صاف کر کے بیچا کرتا تھا۔
وَيَسْلَؤُهُ عَلَيْهَا فَلَمَّا مَاتَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ عَبَدَتْ ثَقِيفُ تِلْكَ الصَّخْرَةَ إِعْظَامًا لِصَاحِبِ السَّوِيقِ	جب یہ فوت ہو گیا تو بنو ثقیف نے اس پتھر کی پوجا شروع کر دی کیونکہ اس پتھر پر اس بزرگ نے اپنی زندگی گزاری تھی۔

ایسی ہی روایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے سعید بن منصور نے ذکر کی ہے جس میں ہے کہ

فَلَمَّا مَاتَ عَبَدُوْهُ — جب وہ فوت ہو گیا تو لوگوں نے اسکی پُوجا شروع کر دی۔

اسی طرح ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے اور ایسا ہی اہلِ علم کی ایک جماعت نے کہا ہے۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں تضاد اور منافات نہیں کیونکہ بنو ثقیف نے پتھر اور قبر دونوں کی اُلوہیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ان کی عبادت شروع کر دی۔

اِسی مشابہت کی وجہ سے آج کل لوگ قبروں پر بڑے بڑے قُبے اور عمارتیں تعمیر کرتے ہیں اور ان کو وثن بنا لیتے ہیں۔

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ صالحین اور اصنام، سب کی عبادت کرتے تھے۔

العُزّٰی کے بارے میں علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"عزّٰی ایک درخت تھا جس کو چار دیواری میں گھیر لیا گیا تھا اور اِس کو بہت خوبصورت پردوں سے مُزین کیا گیا تھا۔ یہ درخت مکۃ المکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی نخلہ[1] میں تھا۔ قریشِ مکہ اِس درخت کی بے انتہا عزت و توقیر کرتے تھے۔"

اِسی عزّٰی کے متعلق ابوسفیان نے جنگِ اُحد کے موقع پر کہا تھا کہ:

"لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَكُمْ"

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس کو جواب دو کہ:

"اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَكُمْ"

[1] وادی نخلہ کو آج کل السیل الکبیر کہتے ہیں۔ یہ مکۃ المکرمہ سے تقریباً ۷۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن مردویہ، ابی الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ :

"رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکۃ المکرمہ کو فتح کر لیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو وادی نخلہ کی طرف بھیجا کہ جاکر عُزّٰی کو کاٹ دو۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جب وادی نخلہ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں تین درخت تھے اور تینوں کو کاٹ دیا اور مکان کو بالکل مسمار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو ساری بات سے مطلع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوبارہ جاؤ، تم کوئی کام نہیں کر کے آئے چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ دوبارہ نخلہ پہنچے تو عُزّٰی کے پجاریوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی پہاڑ کی طرف پناہ لی اور "یا عُزّٰی! یا عُزّٰی!" کے نعرے بلند کرنے لگے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس مقام کے قریب گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت بالکل برہنہ حالت میں ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور مٹی اٹھا اٹھا کر اپنے سر پر ڈال رہی ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا اور واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سارا قصہ بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی عورت عُزّٰی تھی۔"

شارح رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی صورتِ حال یا اس سے بھی بڑھ کر آج کل اولیاء کی قبروں اور مزاروں پر دکھائی دیتی ہے۔

مناۃ :

مکۃ المکرمۃ اور مدینۃ المنورہ کے درمیان قُدَید نامی علاقہ میں ایک جگہ مُشَلَّل ہے۔ یہاں مناۃ دیوی کا بُت نصب تھا۔

خزاعہ، اوس اور خزرج، تینوں قبیلوں کا یہ مشترکہ بُت تھا۔ یہ تینوں قبیلے اُس کی بےحد

تعظیم اور بہت ہی توقیر کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ حج کے لیے احرام بھی یہیں سے باندھا کرتے تھے۔

مناۃ : اِس کو وہ اللہ تعالیٰ کے نام المنّان سے مشتق سمجھتے تھے۔ بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ چونکہ مشرکین اِس مقام پر آکر بطور تبرک جانور ذبح کرتے تھے اور خون گراتے اور بہاتے تھے، اِس لیے اس کو مناۃ کہا جاتا تھا۔

امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بروایت حضرت عُروۃ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت نقل کرتے ہیں۔

اِنَّهَا صَنَمٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَ الْمَدِيْنَةِ — یہ بت مکۃ المکرمۃ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع تھا۔

مشہور مؤرخ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"فتح مکہ کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے گرانے کے لیے بھیجا چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسکو منہدم کر دیا۔"

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں ان الفاظ کو محذوف قرار دیتے ہیں اَفَرَأَيْتُمْ هٰذِهِ الْاٰلِهَةَ : اَنَفَعَتْ اَوْ ضَرَّتْ حَتّٰى تَكُوْنَ شُرَكَآءَ لِلّٰهِ تَعَالٰى ؟ ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے :

"کیا تم ان معبودوں کو نفع مند یا نقصان دہندہ سمجھتے ہو جو اِن کو اللہ کے ساتھ شریک بنا رہے ہو؟"

قولہٗ : قول اللہ تعالیٰ: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى :

ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ کریمہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ :

"اے مشرکین! تم نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا اور پھر طرفہ یہ کہ اپنے لیے تو لڑکے پسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف لڑکیاں منسوب کرتے ہو۔"

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝

یہ تقسیم تو غیر منصفانہ ہے، یہ بہت بڑا ظلم اور جھوٹ ہے۔ یہ کیسی عجیب تقسیم ہے ؟ اگر تم آپس میں بھی یہ تقسیم کرنا چاہو تو اپنے لیے تو لڑکے ہی لڑکے پسند کرو گے اور دوسرے فریق کے لیے لڑکیاں۔ اس سے بڑی حماقت اور ظلم کیا ہوگا کہ اپنے لیے تو لڑکیاں پسند نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف لڑکیوں کو منسوب کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرو۔

اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا — یہ تمہارے من گھڑت نام ہیں جن کو تم نے

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ — اور تمہارے آباؤ اجداد نے تجویز کیا ہے۔

یہ تمہاری اپنی بنائی باتیں ہیں ورنہ

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ — اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں کوئی

سُلْطٰنٍ ط — دلیل نازل نہیں فرمائی۔

قولہٗ : اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

یعنی اس کی کوئی سند نہیں ہے بلکہ یہ تمہارا صرف اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں حسن ظن ہے جس باطل راستے پر وہ چلتے رہے تم بھی اسی راستے پر قدم فرسا ہو۔

قولہٗ : وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ

اِس میں صرف تمہارے آباؤ اجداد کی بڑائی اور عظمت کے اظہار کے علاوہ کوئی معقولیت نہیں۔

قولہٗ : وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى

یعنی اللہ تعالیٰ کا تم پر سب سے بڑا کرم یہ ہوا کہ اُس نے تمہاری طرف اپنے پیغمبر بھیجے جنھوں نے تم کو مبنی برحق اور روشن دین دیا اور حجت قاطع عطا کی، لیکن تمہاری بدبختی اور شقاوتِ قلبی کا یہ عالم ہے کہ تم نے اِس دین اور پیمبروں کی کوئی پروا نہ کی، ان کی اطاعت و فرمانبرداری کے بجائے اُلٹا اُن کی تکذیب کی، اور اُن کے ستانے اور تنگ کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔"

عَنْ أَبِی وَاقِدٍ اللَّیْثِی رضی اللہ عنہ قَالَ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلٰی حُنَیْنٍ ۔

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جنگِ حنین کے موقع پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقامِ حنین کی طرف جا رہے تھے۔

آیات کی باب سے مطابقت

لاتؔ و مناۃؔ کے پجاری ان کی عزت و توقیر کرتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے پاس آکر جانوروں کو ذبح کرنا باعثِ برکت ہے۔ اُن کے پاس آکر دعائیں مانگتے اور ان سے اِمداد چاہتے تھے۔ اپنی حوائج کی تکمیل کے لیے ان پر اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے، ان سے سفارش اور برکت کی اُمیدیں رکھتے تھے۔ یہ تھا مُشرکینِ عرب کا عقیدہ۔

پس صالحین کی قبروں پر جا کر تبرک حاصل کرنا جس طرح کہ لاتؔ کے پجاری کرتے تھے یا درختوں اور پتھروں سے برکت حاصل کرنا جیسے عُزّٰی اور مناۃؔ کے پرستاروں کا شیوہ تھا، یکساں نوعیت کا شرک ہے لہٰذا جو شخص اِس دور میں صلحاء کی قبروں سے اِسی طرح کی توقعات رکھتا ہے یا کسی درخت اور پتھر کی توقیر کرتا ہے اور اُس سے مدد کا طالب ہوتا ہے اُس نے بھی گویا مشرکینِ عرب ایسا فعل کیا یہی نہیں بلکہ اِس زمانے کے مسلمان اس سلسلے میں تو مُشرکینِ عرب سے کہیں آگے بڑھ گئے ہیں۔

فاللہُ المُستعان

قولہٗ : عَنْ اَبِیْ وَاقِدٍ رضی اللہ عنہ

بقول امام ترمذی رحمہ اللہ، ان کا نام حارث بن عوف ہے۔ اِس روایت کو امام احمدؔ، ابو یعلیٰ، ابن ابی شیبہؔ، امام نسائی، ابنِ جریرؔ، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔

وَ نَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ۔

اور ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا۔

یہ جلیل القدر صحابی رسول تھے۔ ۸۵ برس کی عمر پاکر ۶۸ھ میں فوت ہوئے۔ اس ضمن میں، بقول امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایات منقول ہیں۔

قولہٗ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلٰی حُنَیْنٍ

ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور طبرانی رحمہم اللہ نے عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے یوں روایت نقل کی ہے کہ

غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الْفَتْحِ وَ	ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں فتح مکہ میں شرکت کی اور ہم
نَحْنُ اَلْفٌ وَ نَيِّفٌ	تقریباً ایک ہزار کے قریب تھے، جب
حَتّٰى اِذَا كُنَّا بَيْنَ حُنَيْنٍ وَالطَّائِفِ	ہم حنین اور طائف کے درمیان پہنچے تو.........

قولہٗ : وَ نَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو اسلام قبول کیے کافی عرصہ گزر چکا تھا، وہ اس مسئلہ سے ناواقف نہ تھے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، ضروری ہے کہ اُن کے دل میں دورِ جاہلیت کی رسوم وعوائد، عادات اور اطوار جو اُن کے دلوں میں بیٹھ چکے تھے، اُن کے نشانات ابھی باقی ہوں۔

وَ لِلْمُشْرِكِينَ سِدْرَةٌ يَعْكُفُونَ عِنْدَهَا
وَ يَنُوطُونَ بِهَا أَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا
ذَاتُ أَنْوَاطٍ فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ۔
فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ ! إِجْعَلْ لَنَا
ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ
فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَللهُ أَكْبَرُ۔

راستے میں ایک جگہ بیری کا درخت آیا جس کو ذاتِ انواط کہا جاتا تھا۔
مشرکین اس درخت کے پاس بیٹھنا باعثِ برکت خیال کرتے تھے اور اپنے
ہتھیار بھی برکت کے لیے اِس درخت پر لٹکایا کرتے تھے۔
حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں چلتے چلتے ہم ایک بیری کے درخت
کے پاس سے گزرے تو ہم نے آپ سے عرض کی کہ جیسے ان مشرکین کیلئے
ذاتِ انواط ہے، آپ ہمارے لیے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر فرما دیجئے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللهُ اَكْبَر کہا اور فرمایا۔

قولہ : وَ لِلْمُشْرِكِينَ سِدْرَةٌ يَعْكُفُونَ عِنْدَهَا
العکوف کے معنی ہیں کسی چیز کے پاس سکونت اختیار کر لینا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
کہا تھا کہ :

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ۝ (الانبیاء۔ ۵۲)

یہ مُورتیں کیسی ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہو رہے ہو؟

مشرکین اُس درخت کی عظمت و جلالت کے پیشِ نظر اس کے پاس بیٹھنا باعثِ برکت سمجھتے تھے۔

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

كَانَ يُنَاطُ بِهَا السِّلَاحُ فَسُمِّيَتْ ذَاتَ اَنْوَاطٍ وَكَانَتْ تُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اس بیری کے درخت پر تبرک کے لیے ہتھیار لٹکائے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے اس کو ذات انواط کہا جاتا تھا اور اللہ کے سوا اس کی عبادت بھی کی جاتی تھی

قولہٗ : يَنُوْطُوْنَ بِهَا اَسْلِحَتَهُمْ

یعنی برکت حاصل کرنے کی نیت سے اس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ مشرکین عرب

- اس کی تعظیم کرتے۔
- وہاں قیام پذیر ہوتے اور
- برکت حاصل کرنے کی غرض سے اس کی عبادت کرتے تھے۔

ان تین وجوہ کی بنا پر ہی اشجار وغیرہ کی عبادت کا سلسلہ شروع ہوا۔

قولہٗ : فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ

انواط جمع نوط کی ہے۔ انواط مصدر ہے بمعنی المنوط۔

مطلب یہ ہے کہ ان چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش ظاہر کی کہ ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیجیے۔

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ اِس لیے کہا کہ ان کے ذہن

أَنَّهَا السُّنَنُ قُلْتُمْ وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَاءِيلَ لِمُوسَى اِجْعَلْ لَنَآ إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ أٰلِهَةٌ، قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ○

بخدا! تم بالکل وہی بات کہہ رہے ہو جو بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ "اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔" موسیٰ علیہ السلام نے کہا "تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔"

میں یہ بات پیدا ہوئی کہ یہ بھی عند اللہ پسندیدہ عمل ہے لہٰذا ہم بھی تبرک حاصل کیا کریں۔ اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ یہ شرک ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی کیسے جرأت کر سکتے تھے؟

قولہ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُ اَكْبَرُ

ایک روایت میں "سُبحان اللہ" کے الفاظ ہیں۔ "اللہ اکبر" ہو یا "سبحان اللہ"، دونوں کا مقصد ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے شرک سے پاک اور منزہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی ایسی بات اور گفتگو سنتے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہو اور توحید اُلوہیت اور توحید رُبوبیت کے منافی ہو تو اس موقع پر ازراہِ تعجب یہ الفاظ استعمال فرماتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور توحید کا نقش اُن میں نمایاں ہو۔

قولہ : اَلسُّنَنُ

طریقہ۔

قولہٗ : قلتم والذی نفسی بیدہٖ کما قالت بنو اسرائیل لموسٰی :

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس بات کو بنو اسرائیل کے قول سے مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ دونوں نے الٰہ طلب کیا تھا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کریں۔ دونوں کے مطالبہ کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں تاہم معنیٰ ایک ہی ہیں کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے حقیقت تو تبدیل نہیں ہو جاتی۔ زیرِ بحث حدیث میں شرک سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ بسا اوقات انسان کسی کام کو بہتر سمجھ کر سرانجام دیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا، لیکن درحقیقت وہ عمل انسان کو، اللہ تعالیٰ اور اُس کی رحمت سے دُور اور اس کی ناراضگی اور غضب کو قریب کر رہا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے علماء سوء، عُبّادِ قبور، اس میں غلو کرنے والوں اور ان کی عبادت کرنے والوں کو غور سے دیکھا ہو کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت بہتر اعمال سرانجام دے رہے ہیں حالانکہ وُہ ایسے گناہ میں مبتلا ہیں جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔

حافظ ابو محمد عبدالرحمان بن اسمٰعیل الشافعی المعروف بابن ابی شامہ رحمہ اللہ اپنی تصنیف "کتاب البدع والحوادث" میں رقمطراز ہیں کہ

"ابلیس نے بعض دیویوں، ستونوں اور بعض ایسے مقامات کو جن پر چراغاں کیا جاتا ہے اِس انداز سے سادہ لوح عوام کے سامنے بنا سنوار کر پیش کیا ہے، کہ ان کی بہت بڑی تعداد اِس کی گرفت میں آگئی ہے اور شرک و بدعت میں مبتلا ہو گئی ہے، اِس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یہ کوئی بات مشہور کر دیتا ہے کہ اس نے خواب میں اِس جگہ فلاں بزرگ کو یا ولی کو دیکھا ہے لہٰذا اس جگہ کی عظمت و توقیر کرنا ایک سچے مسلمان کی علامت ہے اور پھر عوام کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وُہ اِس مقام کو بہت ہی احترام سے دیکھتے ہیں اور ان کی عقیدت اور محبت میں اپنا پُورا وقت ضائع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ سُنن اور فرائض تک کی بھی پروا نہیں کرتے اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ وُہ تقرب الی اللہ کے حصول میں

مشغول ہیں۔

بعض اوقات تو ان مقامات کی اِس درجہ عظمت اُن کے دِلوں میں بیٹھ جاتی ہے کہ وہ یہاں اپنے مریضوں کی شفایابی اور قضائے حوائج کے لیے نذر نیاز بھی پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اِس قسم کے چشمے، درخت، پتھر اور دیواریں تقریباً ہر شہر میں پائی جاتی ہیں، خصوصاً دمشق شہر میں تو ایسے متعدد مقامات ہیں۔ جیسے بابِ توما کے باہر عوینۃ الحمی، باب الصغیر میں ایک بہت ہی پرانا ستون ہے، باب النصر کے باہر سڑک کے عین وسط میں ایک بہت ہی پرانا درخت ہے، لوگ اس کی اتنی تعظیم کرتے ہیں کہ جتنی مشرکینِ عرب ذات انواط وغیرہ کی کرتے تھے بلکہ اس سے کہیں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جلد کوئی موحد انسان پیدا کرے جس کے ہاتھوں سے یہ بُت خانے اور شرکیہ جگہیں ختم ہوں۔ آمین!"

جس طرح ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اسی طرح علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"مشرکین غیر اللہ کو معبود بنانے میں جلد باز ہیں، خواہ یہ معبود حجر و شجر کی صورت میں ہوں یا کسی ستون اور چشمے کی شکل میں یا کسی ولی اور بزرگ کی قبر کی شکل میں۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہماری نذر و نیاز اور عبادات کو ان مقامات پر بہت جلد شرفِ قبولیت حاصل ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ نذر ماننا بھی ایک عبادت ہے، اِس کے ذریعے نذر ماننے والا یہ خیال کرتا ہے کہ جس کی اُس نے نذر مانی ہے، اُس کا قرب اسے حاصل ہو جائے گا۔"

مسئلہ کی مزید تشریح، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کہ "اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد" کے تحت آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔ اِن شاء اللہ۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ بحث ارشادِ گرامی سے مندرجہ ذیل مسائل مستفاد ہوتے

ہیں :—

۱— جو شخص اولیائے کرام کی قبروں پر اعتکاف کرتا یا کسی شجر و حجر کے پاس جاکر بیٹھتا اور وہاں جانور ذبح کرنے کو تبرک خیال کرتا ہے وہ شرک میں مبتلا ہے۔

کوئی شخص بھی عوام کے عقائد پر غرہ نہ کرے اور نہ مسلمانوں میں شرک میں مبتلا ہونے کو مستبعد سمجھے کیونکہ جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس کو بہتر اور متبرک سمجھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرنے کی ضرورت محسوس کی کہ ہمارے لیے بھی کوئی ذات انواط ایسا مرکز عبادت مقرر فرما دیجئے، اور اس کے جواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مبہم الفاظ میں کہنا پڑا کہ تمھارا یہ سوال ایسا ہی غلط اور گمراہ کن ہے جیسا کہ بنو اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنا کہ " اجعل لنا الھا کما لھم الھة"

اندازہ کیجیے جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں علم و فضل، تقویٰ اور پرہیزگاری میں کہیں کم تر ہے اور اس نے عہدِ نبوت بھی نہیں پایا وہ کیونکر اس قسم کے توہمات سے بچ سکتا ہے؟ اب تو حالت یہ ہے کہ توحیدِ اُلوہیت اور توحیدِ رُبوبیت کے واضح نشانات بھی اہلِ علم سے مخفی ہو چکے ہیں اور لوگ تقرب الی اللہ اور تبرک سمجھتے ہوئے بالعموم شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

۲— دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ احکامِ شرعیہ میں معانی کا اعتبار ہے، الفاظ کا نہیں۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مطالبے کو بنو اسرائیل کے مطالبہ کے ساتھ مشابہ اور مماثل قرار دیا اور آپؐ نے اس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ اس کا نام اُنھوں نے ذاتِ انواط رکھا ہے کیونکہ شرک کا کوئی بھی نام رکھ لیا جائے وہ شرک ہی رہے گا، چاہے مُردوں کو پکارنے، اُن کے نام کی نذر و نیاز دینے اور اُن کے نام کا جانور ذبح کرنے کو کوئی محبت اور تعظیم کا نام دے لے، یہ بہرحال شرک ہی کہلائے گا۔

اِسی پر دوسرے اعمال کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ - (رواه الترمذی وصححه)

(پھر فرمایا) تم بھی اگلی اُمتوں کے طریقوں پر چلو گے۔

قولہٗ: لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ[1]:

لفظ سُنَنَ میں سَ پر اگر ضمہ ہو تو یہ جمع ہو گا اور اگر فتحہ ہو تو مفرد ہو گا بمعنی طریقہ، راستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کا مطلب واضح ہے کہ میری اُمت کے بعض افراد بھی یہود و نصاریٰ جیسے اعمال و افعال کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل صحیح ثابت ہو رہا ہے اور اُمت کے بہت سے افراد اِس میں مبتلا ہیں۔ اعلامِ نبوت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا، اُمت کی کثیر تعداد پر وہ صادق آ رہا ہے۔

اِس حدیث سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ایک مسلمان کو زمانۂ جاہلیت اور تشبہ باہلِ کتاب سے بچنا چاہیے، البتہ جس بات کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں، اُس میں اگر تشابہ پیدا ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

بعض متاخرین نے جو آثارِ صالحین سے تبرک حاصل کرنے کو جائز قرار دیا ہے تو یہ بوجوہ غلط ہے:

ا — پہلی وجہ یہ ہے کہ شرک جن جن ذرائع سے اعمالِ انسانی میں داخل ہوتا ہے، اُن ذرائع کا اِنسداد بہت ضروری ہے اور سب سے بڑا ذریعہ صلحائے اُمت کے آثار اور اُن کی قبور سے حصولِ تبرک ہے۔ پھر آہستہ آہستہ انسان ان سے اِستمداد بھی کرنا شروع کر دیتا ہے، لہٰذا ان آثار سے مجتنب رہنا چاہیے۔

---

[1] یہاں یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تفسیرُ آیۃِ النّجمِ

① سورۃ النجم کی آیت کی تفسیر

۲ — دُوسری وجہ یہ ہے کہ دَورِ اوّل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی شخص سے تبرک کا معاملہ نہیں کیا اور اگر تبرک حاصل کرنا کوئی عمل صالح ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم، جن کے بارے میں اصحابِ جنّت ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گواہی دی، ان کے آثار اور ان کی قبروں پر جاکر بعض دُوسرے صحابہ، تابعین یا تبع تابعین ضرور تبرک حاصل کرتے لیکن ان سابقین الاوّلین سے کوئی ایسا عمل ثابت نہیں ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر، آپؐ کی اُمت میں سے کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ آپؐ کو زندگی میں ایسی خصوصیات حاصل تھیں جن میں اور کوئی شریک نہ تھا۔ اس بنا پر اگر آپؐ کی ذات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تبرک وحصولِ سعادت کا معاملہ کیا تو یہ جداگانہ بات ہے۔

الثانية: مَعْرِفَةُ صُورَةِ الأَمْرِ الَّذِي طَلَبُوا۔

② صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے جو سوال کیا تھا اُس کی صحیح توجیہہ و معرفت۔

الثالثة: كَوْنُهُمْ لَمْ يَفْعَلُوا

③ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے جس چیز کے بارے میں سوال کیا تھا اُس کو عملی جامہ نہیں پہنایا بلکہ معاملہ صرف سوال کی حد تک ہی رہا۔

الرابعة: كَوْنُهُمْ قَصَدُوا التَّقَرُّبَ إِلَى اللهِ بِذٰلِكَ لِظَنِّهِمْ أَنَّهُ يُحِبُّهُ۔

④ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا تھا اس کے سوا کچھ مقصود نہ تھا۔ کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے۔

الخامسة: أَنَّهُمْ إِذَا جَهِلُوا هٰذَا فَغَيْرُهُمْ أَوْلٰى بِالْجَهْلِ۔

⑤ جب بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر شرک کی یہ نوعیت مخفی رہی تو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے علم کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے۔

السادسة: أَنَّ لَهُمْ مِنَ الْحَسَنٰتِ وَ الْوَعْدِ بِالْمَغْفِرَةِ مَا لَيْسَ لِغَيْرِهِمْ۔

(۶) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اعمالِ صالحہ کے بدلے مغفرت کا جو وعدہ دیا گیا ہے وُہ دُوسرے لوگوں کو میسر نہیں ہے۔

السابعة: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يُعْذِرْهُمْ الْأَمْرَ بَلْ رَدَّ عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهٖ: "اَللّٰهُ أَكْبَرُ أَنَّهَا السُّنَنُ لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" فَغَلَّظَ الْأَمْرَ بِهٰذِهِ الثَّلَاثِ۔

(۷) رسُول اللہ ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو اس معاملے میں معذور نہیں سمجھا بلکہ ان کی تردید کی اور فرمایا کہ "اللہ اکبر" یہی تو وہ راستے ہیں، تم بھی اپنے پہلوں کے راستے کی پیروی کرو گے۔ پس ان تین امُور سے معاملہ کی سختی اور اہمیت واضح فرمائی۔

الثامنة: أَلْأَمْرُ الْكَبِيرُ وَ هُوَ الْمَقْصُودُ أَنَّهٗ أَخْبَرَ أَنَّ طَلِبَتَهُمْ

كَطَلِبَةِ بَنِيْ إِسْرَاءِيْلَ لَمَّا قَالُوْا لِمُوْسٰى إِجْعَلْ لَّنَا إِلٰهًا"۔

⑧ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کی فرمائش کو بنی اسرائیل کی فرمائش جیسی قرار دیا جبکہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ "ہمارے لیے بھی کوئی معبود دے"

التاسعة أَنَّ نَفْيَ هٰذَا مِنْ مَعْنٰى "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" مَعَ دِقَّتِهٖ وَ خِفَائِهٖ عَلٰى أُولٰٓئِكَ۔

⑨ اس قسم کے تبرک کا انکار بھی لا الٰہ الا اللہ کے معنی میں داخل ہے جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہنوں سے بھی اپنی باریکی کی وجہ سے پوشیدہ رہا۔

العاشرة أَنَّهٗ حَلَفَ عَلَى الْفُتْيَا وَ هُوَ لَا يَحْلِفُ إِلَّا لِمَصْلِحَةٍ۔

⑩ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ ہرگز یہ نہ تھی کہ آپ خواہ مخواہ قسم کھائیں لیکن بایں ہمہ آپ کسی خاص مصلحت و ضرورت کے موقع پر اور اہم کام میں قسم کھالیا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں قسم کھائی ہے۔

الحادیۃ عشرۃ أَنَّ الشِّرْكَ فِيهِ أَكْبَرُ وَ أَصْغَرُ لِأَنَّهُمْ لَمْ يَرْتَدُّوا بِهٰذَا۔

⑪ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال پر چونکہ اُن کو مرتد نہیں سمجھا گیا، جس سے پتا چلا کہ شرک کی دو قسمیں ہیں:

○ شرکِ اکبر ○ شرکِ اصغر۔

الثانیۃ عشرۃ قَوْلُهُمْ: "وَ نَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ" فِيهِ أَنَّ غَيْرَهُمْ لَا يَجْهَلُ ذٰلِكَ۔

⑫ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا کہ "ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا" سے پتا چلا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں ان کو مسئلے کی نوعیت کا علم تھا۔

الثالثۃ عشرۃ أَلتَّكْبِيرُ عِنْدَ التَّعَجُّبِ خِلَافًا لِمَنْ كَرِهَهُ۔

⑬ بوقتِ تعجب: اللہ اکبر کہنا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ اکبر کہنے سے اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اس کو مکروہ خیال کرتے ہیں۔

الرابعۃ عشرۃ سَدُّ الذَّرائِعِ ۔

⑭ شرک وبدعت کے ذرائع بند کرنا۔

الخامسۃ عشرۃ أَلنَّهْيُ عَنِ التَّشَبُّهِ بِأَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ ۔

⑮ اہلِ جاہلیت کے رسم ورواج اپنانے کی ممانعت۔

السادسۃ عشرۃ أَلْغَضَبُ عِنْدَ التَّعْلِيمِ ۔

⑯ دورانِ تعلیم اُستاد کا شاگرد پر ناراض ہونے کا ثبوت۔

السابعۃ عشرۃ أَلْقَاعِدَةُ الْكُلِّيَّةُ لِقَوْلِهِ : "إِنَّهَا السُّنَنُ" ۔

⑰ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد سے کہ "إِنَّهَا السُّنَنَ" ایک عمومی قاعدہ بیان کرنا مقصود ہے۔

الثامنۃ عشرۃ أَنَّ هٰذَا عَلَمٌ مِّنْ أَعْلَامِ النُّبُوَّةِ لِكَوْنِهِ وَقَعَ كَمَا أَخْبَرَ ۔

⑱ علاماتِ نبوت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ جس طرح آپ نے فرمایا حرف بحرف اسی طرح ہو رہا ہے۔

التاسعۃ عشرۃ أَنَّ مَا ذَمَّ اللّٰهُ بِهِ الْيَهُودَ وَ النَّصَارٰى فِي الْقُرْاٰنِ

فَإِنَّهُ قَالَهُ لَنَا لِنَحْذَرَهُ۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جن اعمال و افعال پر یہود و نصاریٰ کی مذمت فرمائی ہے وہ حقیقت میں ہمارے لیے ایک تنبیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ہم بھی اس میں مبتلا ہو جائیں۔

العشرون أَنَّهُ مُتَقَرِّرٌ عِنْدَهُمْ أَنَّ الْعِبَادَاتِ مَبْنَاهَا عَلَى الْأَمْرِ فَصَارَ فِيهِ التَّنْبِيهُ عَلَى مَسَائِلِ الْقَبْرِ۔ أَمَّا "مَنْ رَّبُّكَ" فَوَاضِحٌ وَ أَمَّا "مَنْ نَّبِيُّكَ" فَمِنْ أَخْبَارِهِ بِأَنْبَاءِ الْغَيْبِ۔ وَ أَمَّا "مَا دِيْنُكَ" فَمِنْ قَوْلِهِمْ إِجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا" إِلَى آخِرِهِ

(۲۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ مانا ہوا اصول تھا کہ عبادت کی اساس اور بنیاد حکم اور امر ہے، اس سے ان سوالات کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے جو قبر میں کیے جائیں گے۔ مثلاً

ا— تیرا ربّ کون ہے؟— سوال کی نوعیت واضح ہے۔

۲ — تیرا نبی کون ہے ؟ — اس کا تعلق رسولِ اکرم ﷺ کی اُس اطلاع سے ہے جو غیب کے بارے میں ہے۔

۳ — تیرا مذہب کیا ہے ؟ — اِس پر " اِجْعَلْ لَنَآ اِلٰهًا " دلالت کرتا ہے۔

الحادیۃ والعشرون أَنَّ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ مَذْمُومَةٌ كَسُنَّةِ الْمُشْرِكِيْنَ

(۲۱) اہلِ کتاب کا مذہب اور طریقہ بھی اِسی طرح ناقابلِ عمل اور مذموم ہے جس طرح مشرکین کا طریقہ اور مذہب۔

الثانیۃ والعشرون أَنَّ الْمُنْتَقِلَ مِنَ الْبَاطِلِ الَّذِيْ إِعْتَادَهُ قَلْبُهُ لَا يُؤْمِنُ أَنْ يَكُوْنَ فِيْ قَلْبِهِ بَقِيَّةٌ مِّنْ تِلْكَ الْعَادَةِ لِقَوْلِهِمْ " وَنَحْنُ حُدَثَاءُ بِعَهْدٍ بِكُفْرٍ "۔

(۲۲) جو شخص ابھی نیا نیا مسلمان ہُوا ہو اُس کے دِل میں کفر و شرک کے دَور کی عادات و اطوار کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں ہے جیسا کہ زیرِ بحث واقعہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اِس قول سے واضح ہے کہ " نَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ " ہمارا زمانہ کفر بھی نیا نیا گزرا ہے

باب ماجاء

فی الذبح لغیر اللہ

اس باب میں

یہ بتایا گیا ہے کہ جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے

اس کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ میں کیا حکم ہے؟
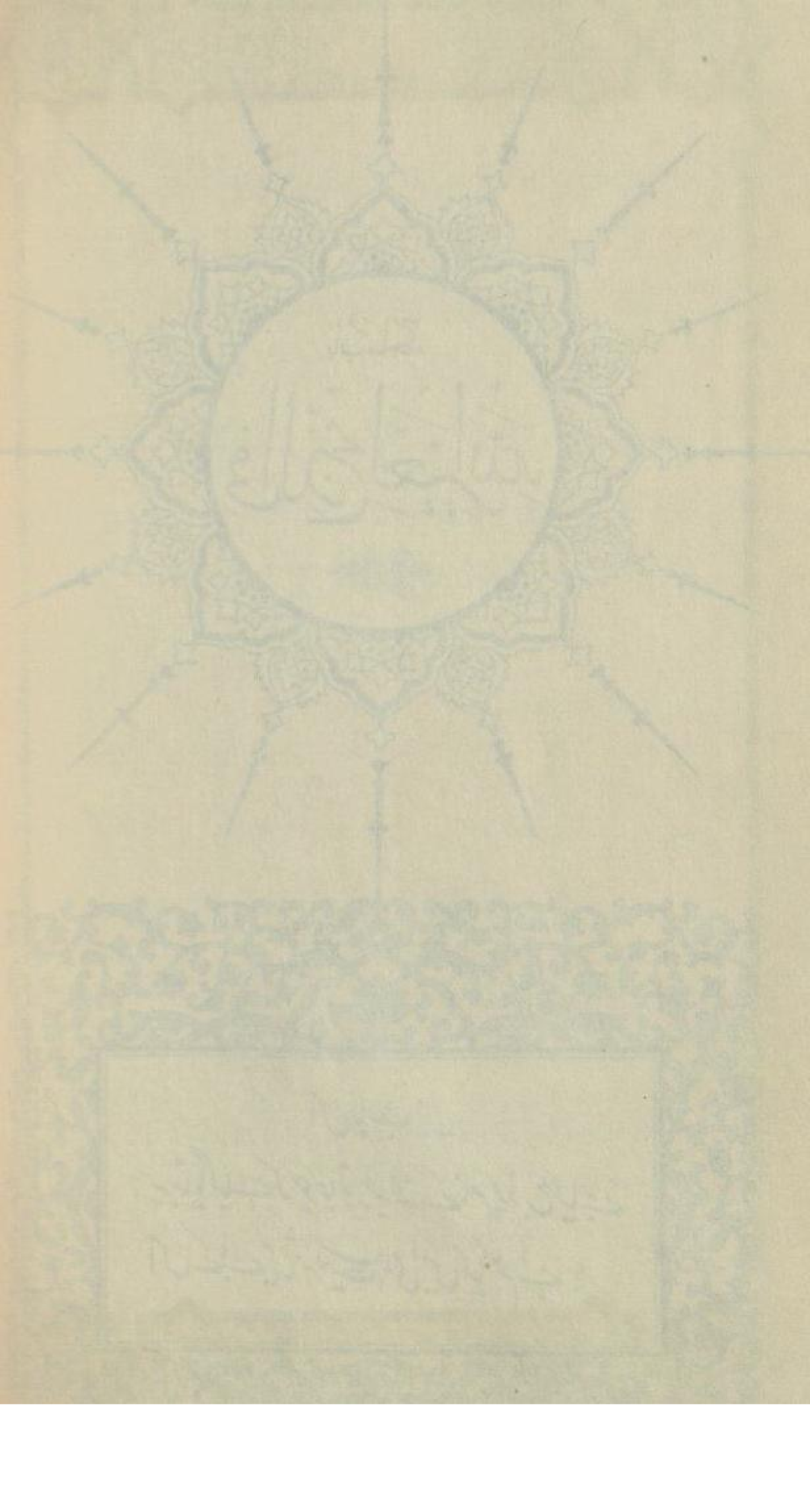
قولہ تعالیٰ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

کہو! میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العلمین کے لیے ہے۔

قولہ : قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ

اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ ان مشرکین کو جو غیر اللہ کی عبادت کرتے اور غیر اللہ کے نام سے جانور ذبح کرتے ہیں خبردار کر دیں کہ مَیں نے اپنی نمازوں کی ادائیگی اور جانوروں کے ذبح کرنے کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کر لیا ہے اور مَیں نے یہ محض اِس لیے کیا ہے کہ مُشرکین بُتوں کی پوجا کرتے اور اُن کے نام سے جانور ذبح کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے عمل کی مخالفت اور ان کے کِردار سے دامن بچا کر رکھنے کا حکم دیا ہے۔"

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے "نُسُکْ" سے صرف حج اور عمرہ میں جانور ذبح کرنا مُراد لیا ہے۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ اِس سے مطلق ذبح کرنا مقصود ہے۔

قولہ : وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ

یعنی مَیں اپنی زندگی میں جو کچھ بھی کروں گا اور جس ایمان و عقیدہ پر میری موت واقع ہو گی اُس کا تعلق اللہ سے ہو گا۔

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (الانعام : ۱۶۲-۱۶۳)

جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔

قولهٗ : لَا شَرِيْكَ لَهٗ

اُس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے۔

قولهٗ : وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ

اور مجھے اسی اخلاص کی تعلیم دی گئی ہے۔

قولهٗ : وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ

سب سے پہلے سرِ تسلیم خم کرنے کے معنیٰ اُمتِ مسلمہ میں سے سب سے پہلے اسلام لانے والے کے ہیں۔ اِس وضاحت کی ضرورت اِس لیے ہے کہ اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کا مذہب ہے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام اسلام ہی کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور وہ اسلام یہ ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، اُس کو ایک مانا جائے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اُس کو یہی وحی کی ہے کہ "میرے

قولہ تعالیٰ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○

پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ   سوا کوئی الٰہ نہیں ہے پس تم لوگ میری
اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (الانبیاء-۲۵)   ہی بندگی کرو۔"

اِس مقام پر اِس مفہوم کی بہت سی آیات حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہیں۔

زیرِ بحث آیات کا باب سے تعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کہا ہے کہ جیسے وہ نماز، روزہ وغیرہ احکام پر عمل کر کے تقرب اِلی اللہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اِسی طرح وُہ جانور وغیرہ کو بھی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ذبح کر کے تقرب حاصل کریں۔ مقصد یہ ہے کہ تمام قسم کی عبادات کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرلیں کیونکہ جب وہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور وغیرہ ذبح کرینگے تو اِس کا مطلب صاف یہ ہوگا کہ اُنھوں نے اِس عبادت میں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھہرالیا ہے اور لفظ لاشریک لہٗ اِس کی کھل کر تردید کر رہا ہے[1]۔

قولہٗ : فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

مندرجہ بالا آیت کریمہ کی تشریح میں شیخ اسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ :

"اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ نماز اور قربانی، دونوں عبادتوں کو جمع کریں اور وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے، کیونکہ یہ دونوں عبادتیں تقرب، تواضع، اِفتقار، اللہ سے حُسنِ ظن، اللہ پر قوتِ یقین اور اطمینانِ قلب کی طرف

---

[1] زیرِ بحث آیات اِس بات کی واضح دلیل ہیں کہ انسان کے اقوال واعمال ظاہری ہوں یا باطنی، اِن کا غیر اللہ کی طرف منسوب ہونا جائز نہیں ہے اور جس شخص نے غیر اللہ کی طرف نسبت کی تو جس شرک سے اُسے روکا گیا تھا، اس میں وہ مبتلا ہوگیا۔ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کے الفاظ اسی مسئلہ کی وضاحت کناں ہیں۔

ٹھیک ٹھیک رہنمائی کرتی ہیں۔ اہلِ کبر اور اہلِ نخوت اور مالدار لوگ ان صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کو خاطر میں نہیں لاتے کیونکہ وہ نماز روزہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور تنگدستی، فقر و مسکنت کے ڈر سے قربانی وغیرہ کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی اور خوشنودی کو ان دو عبادات پر منحصر فرماتے ہوئے ان کو ایک ہی جگہ اور ایک ہی آیتِ کریمہ میں ذکر فرمایا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے یہ دونوں عبادتیں سرِفہرست ہیں کیونکہ

○ بدنی اور جسمانی عبادات میں نماز کو اور

○ مالی عبادات میں قربانی اور نحر کو اوّلیت حاصل ہے۔

وہ نفوسِ قدسیہ جن کے دل زندہ ہیں ان کو نماز میں وہ سُرور اور اطمینان حاصل ہوتا ہے جو دوسری کسی عبادت میں ممکن نہیں۔ اِسی طرح یہ لوگ جب ایمان اور اخلاص کے جذبات سے قربانی کرتے ہیں تو ان کے حُسنِ ظن اور یقینِ محکم کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔

اگر ہم رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت پر غور کریں تو آپ کی زندگی میں یہی دو عبادتیں نمایاں نظر آتی ہیں۔"

آپ نماز ہی کو لے لیجئے، اِس میں ایک عبادت کے ادا کرنے میں متعدد عبادتیں آجاتی ہیں مثلاً:

○ دعا ○ تسبیح ○ تلاوتِ قرآن ○ سماعتِ قرآن ○ حمدِ الٰہی، ○ ثنائے خداوندی ○ قیام ○ رکوع ○ سجود ○ اعتدال ○ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزانہ قیام ○ دل کو پوری توجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول کرنا۔

یہ تمام امور فی نفسہٖ عبادت ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا

وعن عليٍّ رضي الله عنه قَالَ حَدَّثَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چار باتیں ارشاد فرمائیں:

ناجائز ہے۔

نسک اور قربانی کرنا بھی اپنے اندر بیشمار عبادات کا احاطہ کیے ہوئے ہے جیساکہ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہے۔

قولہ : وَعَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه

اِس سے امیرالمؤمنین ابوالحسن الہاشمی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی مُراد ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہیں جو سابقین الاولین صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جنگِ بدر اور بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ اُن دس خوش نصیب صحابۂ عظام میں سے ایک ہیں جن کو دنیا ہی میں جنّت کی بشارت دے دی گئی تھی۔ خلفائے راشدین میں سے چوتھے خلیفہ ہیں۔ ان کے فضائل و مناقب بہت زیادہ اور مشہور ہیں۔

اِن کو ابن ملجم خارجی نے ماہِ رمضان المبارک ۴۰ھ میں شہید کیا۔

قولہ : حَدَّثَنِیْ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث میں ایک خاص واقعہ بھی نقل فرمایا ہے۔ امام صاحب، ابوالطفیل سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ابوالطفیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:

قُلْنَا لِعَلِيٍّ رضي الله عنه أَخْبِرْنَا بِشَيْءٍ أَسَرَّهُ إِلَيْكَ رَسُوْلُ اللهِ — ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہمیں کوئی ایسی بات بتائیے جو

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔

ا۔ جو شخص غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا اَسَرَّ اِلَيَّ شَيْئًا كَتَمَهُ النَّاسَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر آپ کو بتائی ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آپ نے مجھے کوئی ایسی بات نہیں بتائی جو تمام مسلمانوں کو نہ بتائی ہو۔

وَلٰكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰوٰى مُحْدِثًا وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ غَيَّرَ تُخُوْمَ الْاَرْضِ يَعْنِيْ : اَلْمَنَارَ

البتہ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے ضرور سنا ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے نام پر کوئی جانور ذبح کرے اُس پر اللہ کی لعنت ہو اور جو کسی بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ کی لعنت ہو اور جو اپنے والدین کو ملعون قرار دے، اُس پر اللہ کی لعنت ہو اور جو زمین کے نشانات اور علامات کو بدلے اُس پر بھی اللہ کی لعنت ہو۔

قولہٗ : لَعَنَ اللّٰهُ

مقامات و مواطنِ رحمت سے دُوری اور بُعد کا نام لعنت ہے۔

لعین یا ملعون اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے لیے بد دعا کی جائے یا جس پر لعنت متحقق ہو چکی ہو۔

ابو السعادات رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اصل میں لعنت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُوری اور مخلوقِ خدا سے

بد دعا، یا گالی کا نام ہے۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

" اللہ تعالیٰ، جس طرح اپنے خاص بندوں پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اسی طرح وہ مبغوض اور ناپسندیدہ اشخاص پر لعنت کرتا ہے جیسا کہ اُس کا فرمان ہے :

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ۝ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ
(الاحزاب ۴۳، ۴۴)

وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُسکے فرشتے طلبِ رحمت کی دعائیں کرتے ہیں تاکہ اللہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر مہربان ہے۔ جس روز وہ ان سے ملیں گے انکا تحفہ (خدا کی طرف سے) سلام ہوگا۔

اور کافروں کے بارے میں فرمایا کہ :

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِیْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِیْرًا ۝
(الاحزاب ۔ ۶۴)

بہر حال یہ یقینی امر ہے کہ اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر دی ہے۔

مَلْعُوْنِیْنَ ۚۛ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ۝
(الاحزاب ۔ ۶۱)

اُن پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہوگی، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بُری طرح مارے جائیں گے۔

قرآنِ کریم، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کیا گیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے من و عن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، صلوٰۃ، اللہ تعالیٰ کی ثنا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی مصلّی اور وہی اجر د

ثواب دینے والا ہے، جیساکہ کتاب و سُنّت اور سلفِ اُمت اِس کی تشریح و توثیق کرتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ مُتَكَلِّمًا إِذَا شَاءَ	اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس وصف سے متصف رہا ہے کہ جب چاہے کلام کرے۔

قولہ: مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت:

وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ (البقرہ - ۱۷۳)	جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے

کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"اِس آیتِ کریمہ کے ظاہری معنیٰ یہ ہیں کہ جو جانور غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ یہ جانور فلاں ولی یا فلاں بزرگ کے لیے ہے۔ پس ذہن میں جب غیر اللہ سے کوئی مُراد ہو تو خواہ نام لے یا نہ لے اُسی کا نام تصور کیا جائے گا۔

وُہ ذبیحہ جو عیسائی، حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر ذبح کرتے ہیں، خواہ کھانے کے لیے ہی کیوں نہ ہو، وہ اور اِس مذکورہ ذبیحہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یا مثلاً کوئی شخص صرف کھانے کے لیے کسی جانور کو ذبح کرے۔ یہ جانور اِتنا متبرک نہ ہو گا جتنا کہ کوئی شخص تقرب الی اللہ کے لیے ذبح کرتا ہے۔

پس اگر کوئی عیسائی صرف کھانے کے لیے جانور کو ذبح کرے یا مسیح علیہ السلام اور زہرہ کے تقرب کے لیے کرے تو دونوں کی حُرمت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اِسی طرح جو شخص اِسلام کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر کسی ولی یا بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانور ذبح کرتا ہے تو وہ بھی حرام ہو گا اگرچہ اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کرے۔ کیونکہ یہ غیر اللہ کی عبادت ہے، یہ عبادت غیر اللہ سے اِستعانت سے بڑھ کر کُفر

ہے، جیساکہ اُمتِ مسلمہ میں سے منافقین کا گروہ اِس فعل کے اِرتکاب میں پیش پیش ہے۔ جو کواکب وغیرہ کے تقرب کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ یہ لوگ مُرتدین کے حکم میں ہیں اور ان کا ذبیحہ کھانا کسی صُورت میں بھی جائز نہیں ہے، اِس کی حُرمت کی بڑی وجوہ دو ہیں:

۱۔۔۔ ایک یہ کہ یہ غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جاتا ہے۔

۲۔۔۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مُرتد کا ذبیحہ ہے۔

مکۃ المکرمہ میں اہلِ جاہلیت اِسی طرح جنات کے لیے ذبح کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات منقول ہے کہ آپ نے جنات کے لیے ذبح کیے گئے جانور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔"

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"اہلِ جاہلیت جب کوئی مکان خریدتے، نیا مکان تعمیر کرتے یا کوئی چشمہ وغیرہ کھودتے تو جنات کے خوف کی وجہ سے اور ان کی شرارتوں سے بچنے کے لیے ایک جانور ذبح کرتے تھے۔ پس اسی بنا پر یہ ذبیحہ جنات کی طرف منسوب کر دیا گیا۔"

ابراہیم المروزی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"کسی سُلطان کی آمد پر اُس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو جانور ذبح کیا جائے اِس کے متعلق فقہائے بخارا اور اہلِ علم نے حُرمت کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ یہ بھی غیر اللہ کی رضا کے لیے پکایا جاتا ہے۔"

لَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَیہِ۔
لَعَنَ اللهُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا۔

۲۔ جو شخص اپنے والدین پر لعنت کرے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔
۳۔ جو شخص مُحدِث کو پناہ دے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

قولہٗ : لَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَیہِ

"والدیہ" سے ماں باپ مراد ہیں۔

صحیح بخاری میں ایک روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مِنَ الْکَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَیہِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَ ھَلْ یَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَیہِ؟ قَالَ نَعَمْ: یَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَیَسُبُّ اَبَاہُ وَیَسُبُّ اُمَّہٗ فَیَسُبُّ اُمَّہٗ[1]

کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کو گالی دے صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں! جب کوئی شخص کسی دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ بھی جواب میں اسکے ماں باپ کو گالی دیتا ہے (تو اصل میں پہلے شخص نے اپنے ہی ماں باپ کو گالی دی)

قولہٗ : لَعَنَ اللهُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا

یعنی ظالم پر حد نافذ نہ ہونے دے، اُس کو بچالے اور اس کی حمایت پر اُتر آئے۔
لفظ مُحْدِثًا میں حرف دال کی فتحہ اور کسرہ دونوں طرح جائز ہے۔ یہ فاعل بھی ہوسکتا ہے

---

[1] والدین کے بارے میں مترجم کی کتاب "عظمتِ والدین" کا مطالعہ کرنا عظیم فوائد کا حامل ہوگا۔ انشاءاللہ

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ۔ (رواہ مسلم)

۴۔ جو شخص زمین کے نشانات کو مٹائے اُس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

اور مفعول بھی۔

مُحْدَثًا کے معنیٰ ایسے شخص کے ہیں جو مُجرم کو پناہ دے یا اُسکی حوصلہ افزائی اور اس کو بچانے کی کوشش کرے۔

مُحْدَثًا کے معنیٰ ایسے امر کے ہیں جسکا شریعت میں کوئی ثبوت نہ ملے یعنی بدعت۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ گناہ کبیرہ اپنے مراتب فعل کے لحاظ سے کبیرہ بھی ہوسکتا ہے اور صغیرہ بھی۔ اگر عمل فی نفسہ بڑا ہوگا تو یہ کبیرہ کہلائے گا ورنہ صغیرہ ہوگا۔"

قولہ: لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ

مَنَار: بفتح المیم، زمین کی حد بندی کے لیے جو نشان لگایا جاتا ہے اُسکو منار کہتے ہیں۔

ابو السعادات رحمۃ اللہ علیہ "نہایہ" میں لکھتے ہیں کہ:

"تخوم بفتح التا ہے۔ یہ واحد ہے، اس کی جمع تُخُوم ہے۔ بضم التاء والخاء"

"تخوم اور منار دونوں کے معنیٰ ایک ہی ہیں۔"

بعض علماء نے یہاں حُدودِ حرم مراد لی ہیں اور بعض علماء کے نزدیک اس سے ہر جگہ کی حُدود مراد ہیں۔

اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے مَعَالِم کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، یعنی سڑک پر وہ علامات، جن سے مسافت معلوم ہوتی ہے ان کو معالم بھی کہتے ہیں۔

جو شخص دوسرے کی زمین ہتھیانے کے لیے نشانات کو مٹا دے وہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔

وعن طارق ابن شہاب رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

تغیر کے معنی ہیں نشان کو آگے پیچھے کرنا۔ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ ظَلَمَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ طَوَّقَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِیْنَ[1] جو شخص دوسرے بھائی کی ایک بالشت زمین ناحق لے لیتا ہے، قیامت کے دن سات زمینیں بصورتِ طوق اُس کی گردن میں ڈال دی جائیں گی۔

اِس حدیث سے ظالم کا نام لیے بغیر اُس کو ملعون قرار دینے کا جواز پیدا ہوتا ہے تاہم فاسق آدمی کا نام لے کر اسے فاسق کہنے میں دو مسلک ہیں:

ا۔ ایک یہ کہ اُس کا نام لے کر فاسق کہا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

۲۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ کسی کا نام لے کر اُس کو فاسق نہیں کہنا چاہیے۔ ابوبکر عبدالعزیز اور شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی کو پسند فرمایا ہے۔

قولہ: وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ رضی اللہ عنہ

ابوعبداللہ طارق بن شہاب البجلی الاحمسی، صحابی رسولؐ ہیں۔ انھوں نے جوانی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ

[1] بخاری، مسلم، منداحمد۔

دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِيْ ذُبَابٍ وَ دَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِيْ ذُبَابٍ قَالُوْا وَ كَيْفَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

ایک شخص صرف مکھی کی وجہ سے جنت میں جا پہنچا اور ایک جہنم میں چلا گیا صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ کیسے؟

نے کوفے میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو ضرور ہے لیکن آپ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"آنحضرت ﷺ سے اُن کی ملاقات ثابت ہونے سے پتا چلا کہ یہ صحابی ہیں اور حدیث روایت نہ کرنے کے معنٰی یہ ہوں گے کہ ان کی تمام روایات مرسل ہیں اور ان کو راجح قرار دیا جائے گا۔"

بقول ابن حبان، طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ ۸۳ھ میں فوت ہوئے تھے۔

قولہٗ: دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِيْ ذُبَابٍ
یعنی مکھی کی وجہ سے دونوں میں سے ایک جنت میں اور دوسرا جہنم میں جا گرا۔

قولہٗ: قَالُوْا وَكَيْفَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس کو معمولی عمل خیال کیا اور اس پر تعجب کا اظہار کیا چنانچہ آنحضرتؐ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ یہ معمولی اور حقیر عمل کس طرح ان کے نزدیک اس درجہ عظیم عمل ہو گیا کہ ایک شخص

قَالَ مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰی قَوْمٍ لَهُمْ صَنَمٌ لَا يُجَاوِزُهٗ أَحَدٌ حَتّٰى يُقَرِّبَ لَهٗ شَيْئًا فَقَالُوْا لِأَحَدِهِمَا قَرِّبْ۔ قَالَ لَيْسَ عِنْدِيْ شَيْءٌ أُقَرِّبُ۔ قَالُوْا لَهٗ قَرِّبْ وَ لَوْ ذُبَابًا، فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلُّوْا سَبِيْلَهٗ فَدَخَلَ النَّارَ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخص چلتے چلتے ایک قبیلے کے پاس سے گزرے اور اس قبیلے کا ایک بہت بڑا بُت تھا۔ وہاں سے کوئی شخص بغیر چڑھاوا چڑھائے نہ گزر سکتا تھا چنانچہ ان میں سے ایک کو کہا گیا کہ یہاں ہمارے بُت پر چڑھاوا چڑھاؤ۔ اُس نے معذرت کی کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ تمھیں یہ عمل ضرور کرنا ہوگا اگرچہ ایک مکھی پکڑ کر ہی چڑھا دو۔ اس مسافر نے مکھی پکڑ کر چڑھاوا اُس کی بھینٹ کر دیا اور اُنھوں نے اُس کا راستہ چھوڑ دیا۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ یہ شخص اس مکھی کی وجہ سے جہنم میں چلا گیا۔

اِس کی وجہ سے جنّت کا مستحق قرار دیا گیا اور دوسرا مستوجب دوزخ ٹھہرا۔

قولہٗ : مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰی قَوْمٍ لَّهُمْ صَنَمٌ

صَنَمٌ جمع : پتھر کی اُس مورتی کو کہتے ہیں جسے کسی جاندار چیز کے ہم شکل و ہم صورت بنا دیا

گیا ہو، اس پرونّن کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔

قولہ : لَا یُجَاوِزُہٗ

یعنی کوئی شخص بغیر چڑھاوے کے یہاں سے نہیں گذر سکتا تھا اگرچہ چڑھاوے کے لیے کوئی معمولی چیز ہی کیوں نہ ہو۔

قولہ : قَالُوْا لَہٗ قَرِّبْ

حدیث کے اِن الفاظ میں شرک کو جہنم کا سبب بتایا گیا ہے اگرچہ شرک بالکل معمولی درجے کا اور ہلکا ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :

مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ (المائدہ ۵-۷۲)	جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اُس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اس حدیث میں شرک سے کلیتاً بچنے اور اس سے ڈرتے رہنے کی ہدایت کی گئی ہے، کیونکہ بعض اوقات انسان ایسا عمل کر گزرتا ہے جس کے متعلق وہ سمجھتا ہے کہ یہ عمل شرک نہیں ہے، اور وہ اس عمل کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔

اِس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مسافر کا قصد شرک نہ تھا بلکہ اہلِ جہنم کے شر سے نجات حاصل کرنا مقصود تھا لیکن اس کے باوجود وہ جہنم میں داخل ہوگیا۔

یہ بھی پتا چلا کہ یہ دونوں مسافر مسلمان تھے، اگر وہ مسلمان نہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ "دَخَلَ النَّارَ فِیْ ذُبَابٍ" نہ فرماتے۔

اِس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین کے ہاں بھی کیفیتِ قلبی ہی مقصودِ اعظم ہوتی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

وَ قَالُوا لِلْآخَرِ قَرِّبْ ۔ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِأُقَرِّبَ لِأَحَدٍ شَيْئًا دُونَ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَضَرَبُوا عُنُقَهُ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ۔

(رواه احمد)

دُوسرے شخص سے کہنے لگے کہ تم بھی کسی چیز کا چڑھاوا چڑھا دو تو اُس اللہ کے بندے نے جواب دیا کہ میں غیر اللہ کے نام پر کوئی چڑھاوا نہیں چڑھا سکتا۔ یہ جواب سُنتے ہی انھوں نے اِس مردِ موحد کو شہید کر دیا تو یہ سیدھا جنت میں پہنچا۔

قولہ : وَ قَالُوا لِلْآخَرِ قَرِّبْ

حدیث کے ان الفاظ میں توحید اور اخلاص کی عظمت و فضیلت واضح ہوتی ہے۔

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تَفْسِيرُ إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي۔

① آیت "ان صلاتی ونسکی" کی تفسیر وتوضیح۔

الثانیۃ: تَفْسِيرُ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

② آیت "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" کی تشریح وتفسیر۔

الثالثۃ: أَلْبَدَاءَةُ بِلَعْنَةِ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ۔

③ جو شخص غیر اللہ کے لیے ذبح کرے اس کا پہلے ذکر اور اسے ملعون قرار دینا۔

الرابعۃ: لَعْنُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ وَمِنْهُ أَنْ تَلْعَنَ وَالِدَي الرَّجُلِ فَيَلْعَنَ وَالِدَيْكَ۔

④ جو شخص اپنے والدین کو ملعون کہے وُہ خود ملعون ہے۔ اور یہ کہ اگر تم کسی کے والدین کو ملعون کہو گے تو لازمی طور پر وُہ تمہارے والدین کو ملعون قرار دے گا، اس طرح تم خود اپنے ہی والدین کو ملعون ٹھہراتے ہو۔

الخامسۃ: لَعَنَ مَنْ أَوٰی مُحْدِثًا وَ هُوَ الرَّجُلُ يُحْدِثُ شَيْئًا يَجِبُ فِيْهِ حَقُّ اللهِ فَيَلْتَجِئُ إِلٰى مَنْ يُجِيْرُهُ مِنْ ذٰلِكَ.

⑤ جو شخص مُحدِث کو پناہ دے اُس پر لعنت، یہ وُہ شخص ہے جو کسی ظلم کا ارتکاب کرے اور پھر پناہ کا متلاشی ہو تاکہ اس سے اِس ظلم کا بدلہ نہ لیا جا سکے۔

السادسۃ: لَعَنَ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ وَ هِيَ الْمَرَاسِيْمُ الَّتِيْ تَفْرِقُ بَيْنَ حَقِّكَ وَ حَقِّ جَارِكَ فَتُغَيِّرُهَا بِتَقْدِيْمٍ أَوْ تَأْخِيْرٍ.

⑥ جو شخص علاماتِ زمین کو بدلتا ہے اُس پر لعنت۔ منار سے وُہ نشانات مراد ہیں جو کسی شخص کے پڑوسی کی حدُود کو متعین کرتے ہیں اِن نشانات کو

آگے پیچھے کرکے اپنے پڑوسی کا حق مارنا مقصود ہو۔

السابعۃ: اَلْفَرْقُ بَيْنَ لَعْنِ الْمُعَيَّنِ وَ لَعْنِ أَهْلِ الْمَعَاصِي عَلَى سَبِيْلِ الْعُمُوْمِ

⑦ کسی خاص شخص کو اور بدکاروں کی جماعت پر عموماً لعنت میں فرق کی وضاحت۔

الثامنۃ: هٰذِهِ الْقِصَّةُ الْعَظِيْمَةُ وَ هِيَ قِصَّةُ الذُّبَابِ۔

⑧ وہ قصہ عظیم ہے جو قصہ ذباب ہے۔

التاسعۃ: كَوْنُهٗ دَخَلَ النَّارَ بِسَبَبِ ذٰلِكَ الذُّبَابِ الَّذِيْ لَمْ يَقْصِدْهُ بَلْ فَعَلَهٗ تَخَلُّصًا مِّنْ شَرِّهِمْ۔

⑨ ایک شخص مکھی کی وجہ سے جہنم میں چلا گیا حالانکہ اُس کا مقصد صرف اہل صنم کے شر سے نجات حاصل کرنا تھا نہ کہ شرک کرنا۔

العاشرۃ: مَعْرِفَةُ قَدْرِ الشِّرْكِ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَيْفَ صَبَرَ عَلَى

الْقَتْلِ وَ لَمْ يُوَافِقْهُمْ عَلٰى

طَلَبَتِهِمْ مَعَ كَوْنِهِمْ لَمْ يَطْلُبُوْا

إِلَّا الْعَمَلَ الظَّاهِرَ۔

(۱۰) ایک مومن کے دِل میں شرک کتنا سنگین جُرم ہے اِس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُس نے ایک ظاہری عمل کی مخالفت کر کے اپنی جان کی بازی لگا دی لیکن وہ ادنیٰ شرک کرنے پر تیار نہ ہوا کیونکہ اہلِ صنم نے صرف ظاہری عمل کرنے کو کہا تھا۔

الحادیۃ عشرۃ إِنَّ الَّذِيْ دَخَلَ النَّارَ

مُسْلِمٌ، لِأَنَّهٗ لَوْ كَانَ كَافِرًا

لَمْ يَقُلْ : "دَخَلَ النَّارَ فِيْ ذُبَابٍ"۔

(۱۱) جو شرک کر کے جہنم کا سزاوار ٹھہرا وہ مسلمان تھا کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ "ایک مکھی کے عوض جہنم میں گیا"۔

الثانیۃ عشرۃ فِيْهِ شَاهِدٌ لِلْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ

"أَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِنْ

شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَ النَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ"۔

(۱۲) زیرِ نظر حدیث ایک دوسری صحیح حدیث کے ہم معنیٰ ہے جس میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جنّت اور دوزخ انسان کے جُوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب تر ہیں۔"

الثالثۃ عشرۃ

مَعْرِفَۃُ أَنَّ عَمَلَ الْقَلْبِ هُوَ الْمَقْصُوْدُ الْأَعْظَمُ حَتّٰی عِنْدَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ ۔

دِلی کیفیت کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ عنداللہ اِسی کی مناسبت سے بدلہ ملے گا اور اِس حقیقت کو جان لینا کہ بُتوں کے پُجاریوں کے ہاں بھی دِل کی کیفیت ہی مقصود و مطلوب تھی۔
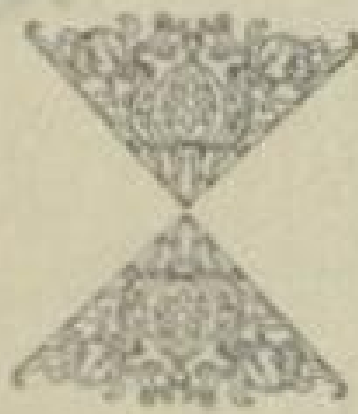
باب
لا يذبح لله بمكان يذبح فيه لغير الله

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس جگہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہاں صرف اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا ناجائز ہے۔

قولہ تعالیٰ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ

تم ہرگز اس عمارت میں نہ کھڑے ہونا۔ جو مسجد روزِ اوّل سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔

قولہ : لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ

یہاں "لا" نافیہ ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ "لا" نہی کے لیے ہو اور یہ زیادہ واضح ہے۔

اس آیتِ کریمہ کے بارے میں مفسرین کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد ضرار میں نماز پڑھنے سے روک دیا تھا اور اس ممانعت میں آپؐ کے ساتھ اُمت بھی شامل ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی جس کی تاسیس یوم اوّل ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

اُمت کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور تمام مسلمانوں کا ایک ہی بات پر اتفاق نہایت ضروری ہے تاکہ سب مومنوں میں اتحاد و یک جہتی کا جذبہ پیدا ہو اور اسلام اور اہلِ اسلام کی اندرونی قوت و طاقت مضبوط اور مستحکم ہو۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا

صَلٰوةٌ فِي مَسْجِدِ قُبَا كَعُمْرَةٍ مسجد قبا میں نماز پڑھنے سے ایک عمرہ کرنے کا اجر ملتا ہے۔

زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں جس مسجد کا ذکر ہے اس کے بارے میں علمائے سلف مثلاً حضرت

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ، حضرت عطیہ، امام شعبی اور امام حسن رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ وہ مسجد قبا ہے۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ:

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ (التوبۃ - ۱۰۸)	اس میں اللہ تعالیٰ کے وہ بندے ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے جیساکہ ایک حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

تَمَارَى رَجُلَانِ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ	قرآنِ کریم میں جس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھے جانے کا ذکر ہے اس کے متعلق دو شخص مسجد نبوی میں آپس میں ایک دوسرے سے مباحثہ کر رہے تھے۔
فَقَالَ رَجُلٌ: هُوَ مَسْجِدُ قُبَاءَ	ایک کا کہنا یہ تھا کہ وہ مسجد قبا ہے۔
وَقَالَ الْآخَرُ: هُوَ مَسْجِدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هُوَ مَسْجِدِي هٰذَا (مسلم)	دوسرے شخص کا موقف یہ تھا کہ اس مسجد سے مسجد نبوی مراد ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میری یہ مسجد ہے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

" اس سے مسجد نبوی مراد لینا ہی صحیح ہے اور یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ آیت اور حدیث میں کوئی منافات اور تعارض نہیں ہے کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ جب مسجد قبا کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی تو مسجد نبوی کی بنیاد تو بطریق اولیٰ تقویٰ پر تھی بخلاف

مسجد ضرار کے کہ اس کی بنیاد یقیناً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر رکھی گئی تھی جیسا کہ خود قرآن کریم کہتا ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا	کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی،
ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا	اس غرض کیلئے کہ (دعوت حق کو) نقصان
بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	پہنچائیں اور (خدا کی بندگی کرنے کے بجائے)
	کفر کریں اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں،
وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ	اور (اس بظاہر عبادت گاہ کو) اس شخص کیلئے
حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ	کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اسکے
مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ	رسولؐ کے خلاف برسرپیکار ہو چکا ہے، وہ
اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ	ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو
يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○	بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا نہ تھا مگر
(التوبة - ۱۰۷)	اللہ گواہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔

آیت کریمہ میں جن امور کی وضاحت کی گئی ہے انہی کے پیش نظر مسجد ضرار میں نماز پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا گیا تھا۔

مسجد ضرار کے بانیوں نے جب مسجد مکمل کر لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ تبوک پر روانہ ہونے سے پہلے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپؐ تشریف لا کر اس مسجد میں نماز پڑھا دیں تو ہماری خوش قسمتی ہو گی۔ ہم نے یہ مسجد محض اس لیے تعمیر کی ہے کہ کمزور اور بیمار لوگ یا جو کسی اور تکلیف میں مبتلا ہوں یا سردی کی راتوں میں اس میں نماز پڑھ لیا کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تو ہم غزوۂ تبوک کی تیاری میں مصروف ہیں، البتہ واپسی پر انشاء اللہ آئیں گے اور نماز بھی پڑھیں گے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے اور آنحضرت

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ (التوبہ : ۱۰۸)

اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد ضرار کے درمیان صرف ایک دن یا ایک دن کے کچھ حصہ کی مسافت باقی تھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسجدِ ضرار کی اصل غرض وغایت کے بارے میں وحی نازل ہوئی اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی مسجد ضرار کو منہدم کرا دیا۔

سوال ــــ زیر بحث آیتِ کریمہ کا، جس میں مسجد ضرار کے گرائے جانے کا ذکر ہے، اس باب سے کیا تعلق ہے؟

جواب ــــ وہ مقام، جہاں غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کیے جاتے ہیں وہاں خالص اللہ تعالیٰ کے لیے جانور ذبح کرنے سے بچنا چاہیے' بالکل اسی طرح، جس طرح کہ مسجدِ ضرار کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنا پر کی گئی تھی' لہٰذا یہ مسجد اللہ تعالیٰ کے غضب کی جگہ ٹھہری، جس میں نماز جائز نہیں۔

اسی طرح جہاں غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کے لیے جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

قیاس کا یہ اسلوب صحیح ہے، اس کی تائید حضرت ثابت بن الضحاک کی روایت سے ہوتی ہے جو اصل کتاب میں آگے آ رہی ہے۔

قولہ : فِيْهِ رِجَالٌ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے عویم بن ساعدہ انصاری سے ایک روایت نقل

کی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ مسجد قبا میں تشریف لائے اور اہلِ مسجد سے سوال کیا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحْسَنَ عَلَيْكُمُ الثَّنَاءَ بِالطُّهُوْرِ فِيْ قِصَّةِ مَسْجِدِكُمْ فَمَا هٰذَا الطُّهُوْرُ الَّذِيْ تَطَهَّرُوْنَ بِهٖ؟	اللہ تعالیٰ نے تمھاری پاکیزہ روشی اور طہارت کی بہت تعریف کی ہے، وہ طہور اور پاکیزگی کیا ہے جس سے تم اپنے آپ کو سنوارتے اور مطہر رکھتے ہو؟
فَقَالُوْا: وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَعْلَمُ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ لَنَا جِيْرَانٌ مِنَ الْيَهُوْدِ فَكَانُوْا يَغْسِلُوْنَ اَدْبَارَهُمْ مِنَ الْغَائِطِ فَغَسَلْنَا كَمَا غَسَلُوْا	انھوں نے عرض کی کہ " یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں تو اس کے سوا اور کوئی چیز معلوم نہیں کہ ہمارے پڑوس میں یہودی تھے جو قضائے حاجت کے بعد پانی استعمال کیا کرتے تھے، ہم نے بھی پانی استعمال کرنا شروع کر دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"هُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ"	جس پاکیزگی کا اللہ نے ذکر کیا ہے، وہ یہی ہے، اس پر ضرور عمل کرتے رہنا۔

ان الفاظ کو ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، دارقطنی اور حاکم رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔

قولہ: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ

ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

" طہارت کے لیے پانی کا استعمال یقیناً اچھی بات ہے لیکن یہاں جس طہارت کا ذکر ہے اس کا تعلق معاصی اور گناہوں سے پاکیزگی حاصل کرنا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ وہ نہیں جو اخلاقی پاکیزگی کی بنا پر عند اللہ "مطہرین" کے

عن ثابت بن الضحاك رضی اللہ عنہ قَالَ : نَذَرَ رَجُلٌ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ : هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِّنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ ؟ قَالُوا : لَا ۔ قَالَ : فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِّنْ أَعْيَادِهِمْ ؟ قَالُوا : لَا ۔

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ بوانہ نامی مقام پر جاکر چند اونٹ ذبح کرے گا اِس نذر کے ماننے والے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا وہاں کوئی بُت تھا جِس کی مشرک پوجا کرتے تھے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پوچھا کہ کیا وہاں مُشرکین کا میلا لگتا تھا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ نہیں۔

زمرہ میں شامل ہیں۔"

اِس آیتِ کریمہ سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ محبت کا اثبات ہوتا ہے اور یہ بات اشاعرہ وغیرہ

کے مذہب کے خلاف ہے[1]۔

قولہ : عن ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ ابوقلابہ وغیرہ نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ اِس جلیل القدر صحابی نے ۶۴ھ میں وفات پائی۔

قولہ : بِبُوَانَۃَ

بُوانہ، بضم الباء بھی ہے اور بفتح الباء بھی۔ مکۃ المکرمہ سے یلملم کی طرف چلیں تو راستے میں نشیب میں بُوانہ واقع ہے۔

صاحبِ نہایہ علامہ ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"بوانہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو ینبع کے مقام سے پرے واقع ہے۔"

قولہ : ھَلْ کَانَ فِیْھَا وَثَنٌ مِّنْ اَوْثَانِ الْجَاھِلِیَّۃِ یُعْبَدُ

اِس سے معلوم ہوا کہ جس مقام پر کسی بُت وغیرہ کی پرستش ہوتی ہو وہاں جاکر نذر کو پورا کرنا ممنوع ہے اگرچہ وہاں سے بُت وغیرہ ہٹا دیا گیا ہو۔

قولہ : فَھَلْ کَانَ فِیْھَا عِیْدٌ مِّنْ اَعْیَادِھِمْ

حدیث کے اِن الفاظ کے بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"عید اُس عام اجتماع اور میلے کا نام ہے جو بار بار آئے یا بار بار منعقد ہو، چاہے اِس اجتماع کا انعقاد سالانہ کیا جاتا ہو یا ماہانہ کیا جاتا ہو یا ہفت روزہ۔ زیرِ بحث حدیث میں "عید" سے مراد اہلِ جاہلیت کا یہ مخصوص اجتماع ہے عید کئی معانی کو متضمن ہے، بار بار آنا جیسے:

- یوم الفطر یا یوم الجمعہ۔
- اجتماع اور اِس سے متعلقہ عبادات و رسوم۔

---

[1] یہ شارح رحمہ اللہ کا سہو ہے۔ دراصل معتزلہ اثباتِ صفات کے مسئلہ کو نہیں مانتے (مترجم)

○ اُس مقام کو بھی عید کہتے ہیں جس مقام پر اس طرح کا اجتماع ہوتا ہو۔
○ کبھی مطلق خوشی کو بھی عید کہتے ہیں۔

ان مذکورہ بالا تمام امور پر لفظ عید کا اطلاق ہوتا ہے۔

ا۔۔۔ بار بار بہ اعتبار زمانہ آنے والا اجتماع جیسے جمعہ کا دن۔ حدیث میں ہے:

اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ قَدْ جَعَلَهُ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِيْنَ عِيْدًا — یوم جمعہ کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے عید کا دن مقرر فرمایا ہے۔

۲۔۔۔ عبادات و رسوم پر اطلاق کی مثال۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ:

شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم — میں عید کی عبادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوا۔

۳۔۔۔ مکان اور جگہ کو عید کہنے کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ:

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا — میری قبر کو میلے ٹھیلے کی جگہ نہ بنا لینا۔

بعض اوقات دن اور اس سے متعلقہ عمل، دونوں کو عید کہتے ہیں، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

دَعْهُمَا يَا اَبَا بَكْرٍ! فَاِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا — اے ابو بکرؓ! ان سے کچھ نہ کہو! ہر قوم کے لیے کوئی نہ کوئی دن عید کا ضرور ہوتا ہے

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ مفتی کو افتاء سے پہلے تمام تفصیلات معلوم کر لینا چاہئیں۔

اِس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جاہلیت کے اُن مقامات پر جہاں وہ اجتماع

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ - وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ -

(رواه ابوداؤد و اسنادہ علی شرطهما)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر لو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر کا پورا کرنا درست نہیں ہے۔
اور نہ وہ نذر پوری کرنا صحیح ہے جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو۔

کیا کرتے تھے اگرچہ اب وہاں اجتماع نہ بھی ہوتے ہوں تب بھی وہاں نذر وغیرہ کا پورا کرنا منع ہے۔"

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اس حدیث سے باب سد ذرائع کا بھی استنباط ہوتا ہے نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین سے کسی پہلو سے بھی مشابہت نہیں ہونی چاہیے اور ان امور سے بچنا چاہیے جن سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ مشرکین سے مشابہت کا ذریعہ اور وسیلہ بن سکتے ہیں۔"

قولہ: فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"یہ حدیث اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ جس مقام پر مشرکین کا میلا لگتا ہو یا اس مقام پر ان کا کوئی بت وغیرہ نصب ہو، اگرچہ اس مقام پر اب نہ میلے

کا اہتمام ہوتا ہو اور نہ بُت ہی نصب ہو۔ تاہم اِس مقام پر اللہ تعالیٰ کے لیے کسی جانور کو ذبح کرنا ممنوع ہے اور معصیت کے دائرے میں داخل ہے کیونکہ مشرکین کا کسی جگہ پر میلا لگانا یا کسی مقام پر اُن کا غیر اللہ کی عبادت کرنا، خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کرنے اور نذر پورا کرنے کے لیے مانع اور رکاوٹ ہے۔"

قولہ : فَاِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ

حدیثِ پاک کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ غلط مقام پر صحیح نذر کو پورا کرنا بھی معصیت ہے اور اُسکا پورا کرنا بالاجماع ممنوع ہے۔ اِس میں اختلاف ہے کہ اس سلسلے میں کفارۂ یمین ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں اور یہ دونوں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول دو روایات پر مبنی ہیں۔

۱ــــــ ایک روایت یہ ہے کہ کفارہ ادا کرنا واجب ہے، یہی بات درست ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے شاگرد بھی اِسی طرف گئے ہیں۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَ كَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی نذر کا پورا کرنا جائز نہیں اور اس کا کفارہ وُہی ہے جو قسم کا ہے۔

اِسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ اور خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی حدیث کو قابلِ حُجت گردانا ہے۔ اہلِ سنن نے بھی اِس کو روایت کیا ہے۔

۲ــــــ دوسری روایت یہ ہے کہ اِس طرح نذر پورا نہ کرنے پر کوئی کفارہ نہیں ہے مسروق، امام شعبی اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ اِن کی دلیل یہی حدیث ہے کیونکہ اِس حدیث میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے اِس لیے کفارہ نہ ہوگا۔

اِن ائمۂ کرام کے اِس فرمان کا جواب یہ ہے کہ اِس سے پہلی حدیث میں کفارہ کا ذکر موجود

ہے۔ لہٰذا مطلق حدیث کو مقید حدیث پر محمول کیا جائے گا۔

قولہ : وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ

صاحبِ شرح المصابیح، اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ :

"اگر انسان ایسی شے کی نذر مانے جس کا وہ مالک نہیں ہے، مثلاً وہ کہے کہ "اگر میرے مریض کو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی تو میں فلاں کے غلام کو آزاد کروں گا وغیرہ تو اس کا ایفا ضروری نہیں۔ لیکن اگر ایسی چیز کی نذر مانتا ہے جو اُسکے ذمہ یا دائرہ اختیار میں داخل ہو اور یوں کہے کہ" اگر میرے مریض کو اللہ تعالیٰ نے شفا بخش دی تو میں اللہ کے لیے ایک غلام آزاد کروں گا" یہ کہتے وقت بے شک اس کے پاس کوئی غلام نہ ہو، تب بھی اُس کے ذمے غلام آزاد کرنا باقی رہے گا۔"

قولہ : رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ عَلَى شَرْطِهِمَا :

ھما کی ضمیر کا مرجع، صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام یہ ہے :

سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد الازدی السجستانی۔

یہ سنن ابوداؤد اور مراسیل وغیرہ کے مصنف ہیں۔ اپنے وقت کے ثقہ امام، حافظ الحدیث اور کبار علماء میں سے تھے۔

۲۷۵ھ میں وفات پائی۔

فِي تِلْكَ الْبُقْعَةِ لِاَنَّهُ نَذْرُ مَعْصِيَةٍ -

⑧ مذکورۃ الصدر ایسی جگہوں میں نذر مانی گئی ہو تو اُس کو پورا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ نذر معصیت کی نذر کہلائے گی۔

التاسعۃ اَلْحَذُرُ مِنْ مُشَابَهَةِ الْمُشْرِكِيْنَ فِي اَعْيَادِهِمْ وَ لَوْ لَمْ يَقْصِدْهُ۔

⑨ مشرکین کی عید کے دن کی مشابہت سے بچنا چاہیے اگرچہ ان کے ساتھ عید منانا مقصود نہ بھی ہو۔

العاشرۃ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ -

⑩ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے سلسلے کی نذر باطل ہے۔

الحادیۃ عشرۃ لَا نَذْرَ لِابْنِ اٰدَمَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ -

⑪ اِنسان جس کا خود مالک نہیں ہے اُس کی نذر ماننا غلط ہے۔

باب

من الشرك النذر لغير الله
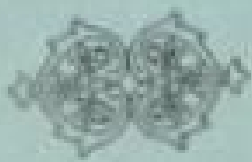
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ
غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز دینا
شرک ہے۔
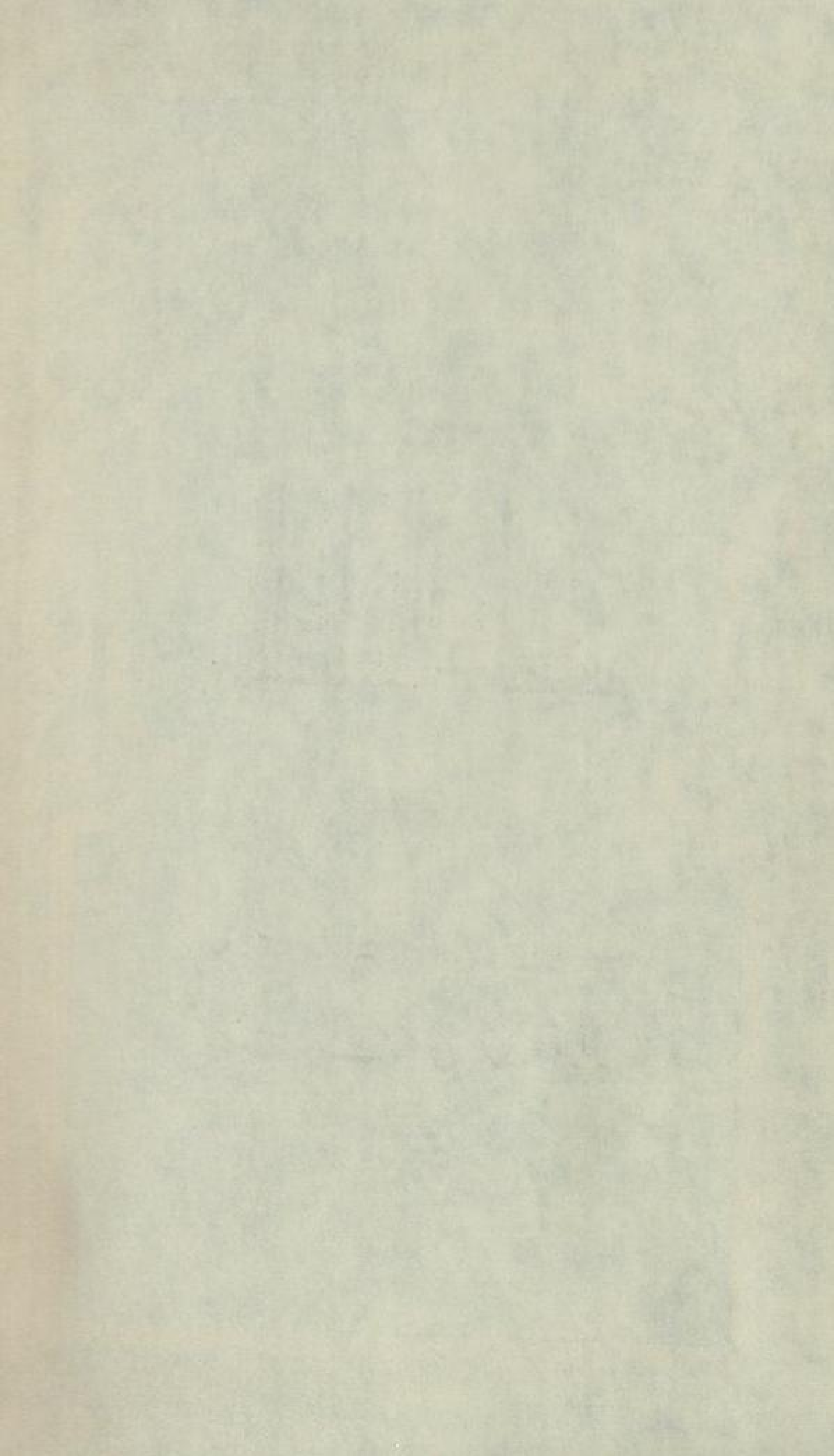
قوله تعالیٰ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ (الدھر: ۷)

وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ

یہ وُہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) نذر پُوری کرتے ہیں اور اُس دِن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہُوئی ہوگی۔

تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا ہو، اور جو نذر بھی مانی ہو اللہ کو اُس کا علم ہے۔

قوله تعالیٰ : يُوفُونَ بِالنَّذْرِ

یہ آیت کریمہ نذر پُوری کرنے کے وجوب پر دلالت کناں ہے کیونکہ نذر کا پُورا کرنا عبادت کے قبیل سے ہے اور اس کے ساتھ اِس بات کی بھی تصریح موجود ہے کہ غیر اللہ کی نذر ماننا شرک ہے اور یہ کہ جو شخص خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانتا ہے اور اسے پُورا بھی کرتا ہے، وہ لائق تعریف ہے۔

قولهٗ : وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ :

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ اپنی تمام مخلوق کے افعال و اعمال، خیرات و حسنات اور نفقات و منذورات سے خُوب آگاہ ہے۔ یہ آیتِ کریمہ اسی مفہوم کو شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن افراد کو، جو صرف اُس کی رضا کے لیے خرچ کریں اور نذر مانیں، انھیں بڑھ چڑھ

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّھُمْ ۚ (الاعراف - ۱۳۸)

بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر سے گزار دیا پھر وہ چلے اور راستے میں ایک ایسی قوم پر اُن کا گزر ہُوا جو اپنے چند بُتوں کی گرویدہ بنی ہوئی تھی۔

قبروں کے اِن محافظوں اور مجاوروں کو نذر پیش کرنے کی حیثیت عیسائیوں کی صلیب کے محافظوں اور پہرے داروں کی سی ہے، یا پھر ہندوستان میں بُدھ کے مجسموں کے اُن پجاریوں کی ہے جو اپنے بُتوں کی حفاظت کی خاطر یہاں دھرنا دے کر بیٹھے رہتے ہیں۔"

امام رافعی رحمہ اللہ "شرح المنہاج" میں لکھتے ہیں کہ:

"کسی نبی، ولی، بزرگ، عالم، پیر وغیرہ کی قبر پر جا کر نذر ماننا کہ یہ جگہ بہت متقدس اور پاک ہے یا اس کے نواح اور ان علاقوں میں اولیاء اللہ اور صالحین کا آنا جانا ہے۔ نذر ماننے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس علاقے، اس مشہد یا اِس زاویہ کا اکرام کرنے یا نذر ماننے یا اِس صاحب قبر کی تعظیم بجا لانے سے برکت پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب عقائد و افعال معصیت ہیں اور نذر دینا باطل ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ ان مقامات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر نذر ماننے سے مصائب و مشکلات کا خاتمہ ہو جائے گا، رزق میں فراخی ہو گی، منافع حاصل ہوں گے اور مریض کو جلد شفا ہو گی۔

بعض لوگ اِس سلسلے میں یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ کسی پتھر پر جا کے نذر مان لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اِس پتھر پر فلاں ولی یا بزرگ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ بعض قبروں پر چراغ، موم بتیاں اور تیل جلاتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ فلاں قبر یا فلاں مکان پر نذر و نیاز

فوراً قبول ہوتی ہے۔ اس سے ان کی مُراد یہ ہوتی ہے کہ یہاں چراغاں کرنے سے مریض صحت یاب ہو جاتا ہے، گم شدہ واپس آجاتا ہے، غائب حاضر ہو جاتا ہے، مُسافر بخیریت گھر آجاتا ہے، سرقہ شدہ چیز بسلامت واپس آجاتی ہے۔

اِس قسم کے تمام عمل اور نذریں باطل ہیں اور قبروں پر چراغاں کرنا شریعت کے منافی ہے۔

بہت سے لوگ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر بڑی بڑی شمعیں لے کر جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام اور صلحائے عظام کی قبروں پر اسی طرح کے چڑھاوے چڑھاتے اور نذریں پیش کرتے ہیں۔ اس سے اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے صاحبِ قبر کا تقرب حاصل ہوگا اور اس کی تعظیم و تکریم کے پہلو نکلیں گے اور یہ چیز باعثِ برکت ثابت ہوگی۔

یاد رہے کہ یہ وہ حرکات ہیں جو بلاشبہ باطل ہیں اور اس انداز سے چراغاں وغیرہ کرنا مطلق حرام ہے، یہ افعال و اعمال نفع رساں ہوں یا نہ ہوں بہرحال دونوں صورتوں میں اسلام کی رُو سے غلط ہیں۔"

اِس سلسلے میں اب ایک حنفی عالم الشیخ قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی ملاحظہ کیجئے۔ وہ اپنی کتاب "شرح درالبحار" میں لکھتے ہیں کہ:

"دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ کسی ولی یا بزرگ کی قبر پر اس کے سرہانے کھڑے ہو کر نذر مانتے ہیں اور اُن میں سے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے جناب! اگر میرا گمشدہ بھائی مل جائے یا میرا مریض اچھا ہو جائے یا اپنی کسی حاجت کا نام لے کر کہتا ہے کہ میری یہ ضرورت اور حاجت پُوری کردے گا تو مَیں اتنا سونا یا اتنی چاندی تیری نذر کروں گا یا اتنا کھانا یا اتنا دُودھ یا فلاں فلاں شے اتنی مقدار

میں تجھے دوں گا یا اتنا تیل تیری قبر پر جلاؤں گا۔ یاد رکھیے یہ نذر بالاجماع باطل قرار پائے گی جس کی کئی وجوہ ہیں :

۱ — ایک وجہ یہ ہے کہ یہ نذر مخلوق کے لیے ہے اور مخلوق کے لیے نذر ماننا ناجائز ہے کیونکہ نذر بھی ایک قسم کی عبادت کا نام ہے اور عبادت اگرچہ کسی قسم کی ہو کسی مخلوق کے لیے نہیں کی جا سکتی۔

۲ — دوسری وجہ یہ ہے کہ نذر میت کے لیے مانی گئی ہے اور میت کو کسی چیز پر بھی قدرت اور تصرف حاصل نہیں ہے۔

۳ — تیسری وجہ یہ ہے کہ نذر ماننے والے نے یہ خیال کیا کہ میت کو معاملات میں تصرف حاصل ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔"

علامہ قاسم الحنفی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ :

"مندرجہ بالا دلائل معلوم ہونے کے بعد جو شخص نقدی یا شمع یا تیل وغیرہ اولیاء اللہ کی قبر پر اس لیے لے جاتا ہے کہ وہاں سے تبرک حاصل کرے گا تو یہ فعل اور عمل باجماع المسلمین حرام ہے۔"

اس عبارت کو علامہ ابو نجیم زین الدین رحمہ اللہ نے کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں اور علامہ مرشدی رحمہ اللہ نے اپنے تذکرہ میں بھی نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :

"آج کل اس قسم کی نذر و نیاز اور شرکیہ اعمال میں عوام مبتلا ہو گئے ہیں، اور اسی طرح کر رہے ہیں جیسے مصر میں احمد بدوی کی قبر پر کر رہے ہیں۔"

اس سلسلے میں ایک اور حنفی عالم شیخ صنع اللہ الحلبی الحنفی رحمہ اللہ نے بھی صراحت کی ہے۔ وہ ان لوگوں کا جو ذبیحہ لغیر اللہ اور نذر اولیاء کے قائل ہیں، رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :

"اولیائے کرام کے نام پر جانور ذبح کرنا، نذریں اور منتیں ماننا سب غیر اللہ میں شامل ہیں لہٰذا باطل ہیں، قرآن کا ارشاد ہے :

وفی الصحیح عن عائشۃ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ — جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو، اس کا گوشت نہ کھاؤ

(الانعام - ۱۲۱)

یہ بھی ارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ — کہو، میری عبادت، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ ربّ العالمین کیلئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

(الانعام - ۱۶۳)

غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا لینے کے مترادف ہے۔ بالکل اسی طرح، جس طرح کہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا شرک ہے"

قولہ : فِی الصَّحِیْحِ

اس سے صحیح بخاری مراد ہے۔

قولہ : عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی مراد ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سات سال کی عُمر میں نکاح ہُوا

مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ۔
وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَّعْصِيَ اللهَ
فَلاَ يَعْصِهِ۔

جو شخص یہ نذر مانے کہ وہ کسی معاملہ میں اللہ کی اطاعت کرے گا تو اُسے
اپنی یہ نذر پُوری کرنی چاہیے۔
اور جو شخص ایسی نذر مانے جو اللہ کی نافرمانی پر منتج ہو تو اُس کو پُورا کرکے
اللہ کا نافرمان نہ بنے۔

اور نو سال کی عمر تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لے گئیں۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام عورتوں میں سب سے زیادہ فقیہ تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے سوا تمام ازواجِ مطہرات پر فضیلت رکھتی تھیں۔
حضرت عائشہ ۵۷ھ میں فوت ہوئیں۔ رضی اللہ عنہا

قولہٗ : مَنْ نَذَرَ اَنْ یُّطِیْعَ اللّٰہَ فَلْیُطِعْہُ
مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے جو نذر مانی ہے اُس کو پُورا کرے۔
علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو نذر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مانی گئی ہو، جیسے یہ کہے کہ اگر میرے مریض کو اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی تو میں اتنا مال صدقہ کروں گا، تو ایسی نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ اگر اس نے کسی چیز کے حصول پر ایفائے نذر کو معلق رکھا تو اُس کے حاصل ہونے کے بعد نذر پُوری کرے۔

قولہٗ : وَمَنْ نَذَرَ اَنْ یَّعْصِیَ اللّٰہَ فَلَا یَعْصِہٖ

علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے اِس سے آگے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ

علمائے اُمّت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ معصیت پر مبنی نذر کا پُورا کرنا جائز نہیں ہے

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"وُہ نذر جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مبنی ہو اُس کے حرام ہونے میں تمام عُلمائے کرام کا اتفاق ہے، البتہ اِس بات میں اختلاف ہے کہ ایسی نذر کا کفارہ ادا کیا جائے یا نہ کیا جائے۔"

اِس اختلاف کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

زیرِ بحث حدیث سے نذر کی اِس صورت کے جائز ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، جو امورِ مباح سے متعلق ہو، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا مسلک ہے۔ اِس کی مزید تائید حدیثِ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ عن ابیہ عن جدہ سے ہوتی ہے جسے ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اِس حدیث کو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

وہ حدیث یہ ہے کہ:

اِنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ نَذَرْتُ اَنْ اَضْرِبَ عَلٰى رَأْسِكَ بِالدُّفِّ فَقَالَ: اَوْفِيْ بِنَذْرِكِ	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت نے آکر کہا کہ میں نے اِس بات کی نذر مانی تھی کہ میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی نذر پُوری کرلے۔

البتہ جو نذر غصّے اور لڑائی جھگڑے کی حالت میں مانی گئی ہو، اُس کے بارے میں امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اِس کی حیثیت قسم کی ہوگی، اِس میں نذر ماننے والے کو اختیار ہوگا کہ یا تو نذر پُوری کرے یا اِس کا کفارہ ادا کرے جیسا کہ عمران بن الحصین کی مرفوع حدیث میں ہے کہ:

لَا نَذْرَ فِيْ غَضَبٍ وَكَفَّارَتُهٗ	غصّے کی حالت میں مانی ہوئی نذر نذر نہیں ہے۔ اِس کا کفارہ وُہی ہے

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ وُجُوبُ الْوَفَاءِ بِالنَّذْرِ۔

① نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

الثانیۃ إِذَا ثَبَتَ كَوْنُهُ عِبَادَةً لِلّٰهِ فَصَرْفُهُ إِلَى غَيْرِهِ شِرْكٌ۔

② جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ نذر اللہ کی ایک عبادت ہے تو اس عبادت کو غیر اللہ کے لیے انجام دینا شرک ہوا۔

الثالثۃ أَنَّ نَذْرَ الْمَعْصِيَةِ لَا يَجُوزُ الْوَفَاءُ بِهِ۔

③ جو نذر مبنی بر معصیت ہو اُسے پورا کرنا جائز نہیں۔

كَفَّارَةُ يَمِينٍ جو قسم کا کفارہ ہے۔

(رواہ سعید بن منصور و احمد والنسائی)

اگر کسی فعل مکروہ کی نذر مانے، جیسے طلاق وغیرہ کی تو اس میں بہتر اور مستحب یہ ہے کہ کفارہ ادا کرے، نذر پوری نہ کرے۔

باب

من الشرك الاستعاذة بغير الله

اس باب میں

یہ بیان کیا گیا ہے کہ غیر اللہ کی
پناہ طلب کرنا شرک کے دائرہ میں داخل ہے

بَابٌ مِنَ الشِّرْكِ اَلْاِسْتِعَاذَةُ بِغَيْرِ اللّٰهِ.

غیر اللہ سے پناہ طلب کرنا شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔

قولہ: مِنَ الشِّرْكِ اَلْاِسْتِعَاذَةُ بِغَيْرِ اللّٰهِ:

استعاذہ کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"کسی کو اپنا ملجا و ماویٰ مان لینے اور اسے مضبوطی سے تھام لینے کو استعاذہ کہا جاتا ہے"

سو جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنا ملجا و ماویٰ قرار دے لے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص ہر مؤذی اور مہلک شئی سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا چاہتا ہے۔

اسلوب بیان کی یہ نوعیت محض ایک تمثیل ہے۔ ورنہ قلب و جگر کی وہ کیفیت جس سے ایک مومن بندہ اللہ کی پناہ میں آتا ہے۔ اس سے اُستواری کا طالب ہوتا ہے۔ اور اس کے سامنے اپنی احتیاج کا اظہار کرتا ہے۔ اور تذلل سے پیش آتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس کا الفاظ احاطہ نہیں کر سکتے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ استعاذہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"ہر قسم کی موذی، مہلک اور شریر اشیاء سے بچاؤ کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا رخ کرنے۔ اور اسی کو اپنا ملجا و ماویٰ قرار دینے کو استعاذہ کہتے ہیں یہ استعاذہ کبھی تو کسی کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی کسی بھلائی کی طلب کے لیے"

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ یہ وہ عبادات ہیں جن کو اخلاص کے ساتھ انجام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے جیسے فرمایا

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

اور اگر چوک لگے آپ کو شیطان کے چوکنے سے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیے کیونکہ وہی ہے سُننے اور جاننے والا۔

(حٰم السجدۃ۔ ۳۶)

پھر فرمایا کہ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ کہو۔ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی

ایک اور جگہ یوں فرمایا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ کہو۔ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی

اس مفہوم کی آیات قرآن کریم میں بے شمار ہیں

جو عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہو اُسے کسی دوسرے کے لیے انجام دینا شرک فی العبادۃ کہلاتا ہے۔

اور جس شخص نے ان عبادات میں سے کسی ایک عبادت کو بھی غیر اللہ کی طرف منسوب کیا گویا اُس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔ یوں سمجھئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو دوسرے میں ثابت کیا جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھتا ہے۔ اگر اس نے کسی دوسرے کے لیے نماز پڑھی تو گویا اس نے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اس کے لیے نماز پڑھی۔ اس میں اور مندرجہ بالا عبادات میں کوئی فرق نہیں ہے اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

"جنّات نے یہ خیال کیا کہ ہم انسانوں سے افضل اور اعلیٰ مقام کے مالک ہیں۔ کیونکہ انسان ہماری پناہ کی تلاش و جستجو میں رہتے ہیں۔

یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ جب کسی ایسی وادی میں مقیم ہوتے جہاں کوئی

خطرہ ہو یا کسی جنگل میں ٹھہرتے جہاں توحش کا سماں ہو، تو اس جنگل اور وادی کے سب سے بڑے جن کی پناہ طلب کرتے کہ کہیں ہمیں کوئی چیز تکلیف نہ پہنچائے، جیسے اگر کوئی شخص کسی دشمن کے ملک میں جائے تو اس صورت میں کسی بہت بڑے آدمی کی پناہ حاصل کرتا ہے۔

چنانچہ جب جنّات نے محسوس کیا کہ انسان ڈر کر ہماری پناہ میں آتا ہے تو انہوں نے اپنا رُعب، دبدبہ اور خوف وخطر کو ان پر اور زیادہ مسلط کر دیا حتّی کہ اُس زمانے میں انسان سب سے زیادہ خوف جنّات ہی سے کھانے لگا۔

ابوالعالیہ، الربیع، اور زید بن اسلم نے رَہقاً کا ترجمہ خوفاً کیا ہے۔ اور العوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رہقاً کا ترجمہ اثماً نقل کیا ہے اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ رہقاً اثم یعنی گناہ کے معنیٰ میں آیا ہے۔

قدیم اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کسی خطرناک مقام پر پڑاؤ ڈالتے تو یہ کہا کرتے تھے۔

اَعُوْذُ بِسَیِّدِ ھٰذَا الْوَادِیْ — کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ میں آتا ہوں۔

علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ غیر اللہ سے استعاذہ ممنوع اور حرام ہے۔

مُلّا علی قاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ استعاذہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"جنّات وغیرہ سے استعاذہ کرنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ اور اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کی مذمت فرمائی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ — اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا، اور
يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ — فرمائے گا کہ اے گروہِ جنّات! تم نے
اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْإِنسِ — انسانوں سے بہت فائدے حاصل

اِنسانوں میں سے کچھ لوگ جِنّوں میں بعض لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے۔
اِس طرح اُنھوں نے جِنّوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔

وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ (الانعام - ١٢٨)

کیے تو جو انسانوں میں ان کے دوستدار ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور آخر اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا۔ خدا فرمائے گا کہ اب تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے ہمیشہ اس میں جلتے رہو گے مگر جو خدا چاہے بے شک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے۔

جنات سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اپنی کوئی ضرورت پوری کرالے یا اپنا کوئی حکم منوالے۔ یا کسی نامعلوم اور مقامِ بعید کی خبر حاصل کرلے۔ وغیرہ وغیرہ۔

وعن خولة بنت حكيم رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ -

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جو شخص کسی جگہ میں ٹھہرے اور یہ کلمات کہہ لے کہ

اور جنات کے انسانوں سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ان سے اپنی تعظیم کرالے، یا اس کو استعاذہ پر مجبور کردے، یا اپنے سامنے اس کو کسی کام کے لیے مجبور کردے وغیرہ۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اس استعاذہ سے اگر کوئی دنیوی فائدہ حاصل ہو بھی جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ شرک نہیں ہے۔ بلکہ یہ شرک ہی رہے گا"

قولہ : عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ :

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کو اُمِ شریک کہا جاتا ہے۔ یہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، جب حضرت عثمان فوت ہوگئے تو حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح نہیں کیا)

ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"یہ بہت ہی پارسا، اور صالحہ خاتون تھیں۔ اور ان کو پوری طرح

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّآمَّاتِ
مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔

مَیں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اُس کے مکمل اور بے عیب کلمات کے ساتھ،
تمام مخلوق کے شر سے۔

کتاب وسُنّت کا علم حاصل تھا"۔

قولہٗ: أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّآمَّاتِ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان مقدس کلمات کی اس لیے تعلیم دی کہ ان سے استعاذہ کیا کریں۔ اور جاہلیت کے دور میں جو جنات وغیرہ سے استعاذہ کیا جاتا تھا اُسے ترک کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر مسلمانوں کو اپنے نام اور صفات سے استعاذہ کے لیے ہدایت کی۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

" التآمات کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایسے کامل ترین کلمات ہیں جن میں اس طرح نقص پایا جانا ناممکن ہے۔ جس طرح کہ انسان کے کلام میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ کلمات نقص سے بالکل مبرّہ اور بے عیب ہیں۔

○ — بعض علماء نے اس کے یہ معنیٰ بھی کیے ہیں کہ یہ کلمات شافی اور کفایت کرنے والے ہیں۔

○ — بعض علماء نے یہاں قرآنِ کریم مراد لیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے بارے میں فرمایا ہے کہ " یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے "

ان کلمات کی حیثیت ایک رہنما کی ہے، جس سے انسان مُوذی چیزوں سے محفوظ رہتا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ استعاذہ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور یہ انتہائی پسندیدہ عمل ہے لہذا ہر انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسما اور اُس کی صفات سے استعاذہ کرے۔ اور اپنی آرزوں کو صدقِ دل سے اس کے سامنے پیش کرے، استعاذہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر پُورا بھروسہ رکھے اور اس کو اپنے دِل کی گہرائیوں میں اتارے جب کسی شخص میں یہ صفات پیدا ہوجائیں گی تو ان شاء اللہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا، اپنی مراد، اور خواہش کو پالے گا، اور اس کے گناہ معاف ہوجائینگے"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"بہت سے ائمہ کرام نے جن میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سر فہرست ہیں، اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ مخلوق میں سے کسی سے بھی استعاذہ کرنا جائز نہیں ہے اور اسی سے ان ائمہ نے قرآنِ کریم کے غیر مخلوق ہونے کا استدلال کیا ہے تمام ائمہ نے یہ لکھا اور کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ آپ نے اللہ کے کلمات سے استعاذہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور خود بھی اس پر عمل کیا ہے۔ اسی بنا پر علما نے ایسے تعویذات سے سختی سے منع فرمایا ہے جن کے معانی کا علم نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مبادا اُن میں شرکیہ کلمات ہوں"

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"جو شخص کسی شیطان کے لیے کوئی جانور ذبح کرے، اس کو پکارے، اس سے استعاذہ کرے اور اپنی محبوب چیز کے حصول کی غرض سے اس کا تقرّب حاصل کرے تو یوں سمجھیے کہ اس شخص نے شیطان کی عبادت کی ہے۔ اگرچہ وہ شخص اس کو عبادت کے نام سے موسوم نہ کرے بلکہ خدمت

لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْحَلَ مِنْ مَّنْزِلِهٖ ذٰلِكَ ۔ رواہ مسلم

مذکورہ دُعا پڑھنے سے اس مقام سے کوچ کرنے کے وقت تک اسے کوئی چیز تکلیف نہ دے سکے گی۔

ہی کے نام سے کیوں نہ تعبیر کرے۔ شیطان پر اعتماد کرکے ہی تو اس سے خدمت لی جاسکتی ہے۔ اس فعل سے انسان شیطان کے غلاموں اور پجاریوں میں شمار ہوگا۔ اسی وجہ سے شیطان انسان کی خدمت کرتا ہے۔

لیکن شیطان کے انسان کی خدمت کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ شیطان نے انسان کی عبادت کی ہے۔ کیونکہ شیطان تو کسی کے سامنے نہ جھکتا ہے نہ کسی کی عبادت کرتا ہے۔ بخلاف انسان کے کہ وہ شیطان کے سامنے جھکتا بھی ہے اور اُس کی عبادت بھی کرتا ہے۔"

قولہٗ : مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"یعنی ہر شر سے، وہ جس مخلوق میں بھی پایا جائے وہ مخلوق حیوان ہو یا غیر حیوان۔ جن ہو یا انسان، چوپایہ ہو یا کوئی زہریلا کیڑا، ہوا میں ہو یا رعد و بجلی میں غرض دُنیا اور آخرت کی کسی چیز میں بھی شر ہو اُس سے پناہ چاہنا۔"

اس میں "ما" موصولہ ہے۔ اس سے عموم مطلق مراد نہیں ہے۔ بلکہ تقیید وصفی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان یہ کہے کہ میں ہر اُس مخلوق سے پناہ چاہتا ہوں جس میں شر کا مادہ پایا جاتا ہو۔

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تَفسِیرُ اٰیَۃِ الجِنِّ۔

① سورۂ جن کی آیت کی تفسیر۔

اس میں جنت، ملائکہ، اور انبیاء شامل نہیں ہیں کیونکہ ان میں شر نہیں ہوتا۔

شر کا لفظ دو چیزوں پر بولا جاتا ہے۔

۱ــــ تکلیف اور مصیبت پر۔

۲ــــ اور ہر اُس چیز پر جو تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کر سکتی ہو۔

قولہٗ: لَمْ یَضُرَّہٗ شَیْءٌ

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"یہ خبر صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل درست ہے۔ ہم نے اس کی سچائی کو تجربہ سے بھی حاصل کیا ہے۔ کیونکہ جب سے میں نے اس ارشادِ گرامی کو سُنا ہے، اُسی وقت سے اِس پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے کسی وقت بھی کسی چیز نے تکلیف نہیں دی۔ ایک دفعہ البتہ مجھے بچھو نے کاٹا تھا میں نے غور کیا تو پتا چلا کہ مَیں یہ کلمات کہنا بھول گیا تھا۔"

الثانية: كَوْنُهُ مِنَ الشِّرْكِ

(٢) غیر اللہ سے استعاذہ کرنے کا شرک ہونا۔

الثالثة: أَلْإِسْتِدْلَالُ عَلٰى ذٰلِكَ بِالْحَدِيثِ لِأَنَّ الْعُلَمَاءَ يَسْتَدِلُّوْنَ بِهٖ عَلٰى أَنَّ كَلِمَاتِ اللهِ غَيْرُ مَخْلُوْقَةٍ قَالُوْا لِأَنَّ الْإِسْتِعَاذَةَ بِالْمَخْلُوْقِ شِرْكٌ۔

(٣) غیر اللہ سے استعاذہ کے شرک ہونے پر حدیث سے استدلال، کیونکہ علمائے کرام اِس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کے کلمات مخلوق نہیں ہیں، اِس کی دلیل یہ ہے کہ مخلوق سے استعاذہ کرنا شرک ہے۔ اگر کلمات اللہ مخلوق ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ان سے استعاذہ کی اجازت نہ دیتے۔

الرابعة: فَضِيلَةُ هٰذَا الدُّعَاءِ مَعَ إِخْتِصَارِهٖ۔

(٤) اِس دعا کے مختصر ہونے کے باوجود اِس کی فضیلت۔

الخامسة: أَنَّ كَوْنَ الشَّيْءِ يَحْصُلُ بِهٖ مَنْفَعَةٌ دُنْيَوِيَّةٌ مِنْ كَفِّ

شَرٍّ أَوْ جَلْبِ نَفْعٍ لَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ لَيْسَ مِنَ الشِّرْكِ۔

⑤ کسی عمل سے اگر دُنیاوی فائدہ حاصل ہو جائے، مثلاً کسی کی شرارت سے محفوظ رہنا یا کوئی نفع حاصل ہو جائے تو یہ فائدہ اِس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ عمل شرک نہیں ہے۔

باب

من الشرك الاستغاثة بغير الله ودعاء غير الله

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا یا اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور سے فریاد کناں ہونا شرک ہے۔
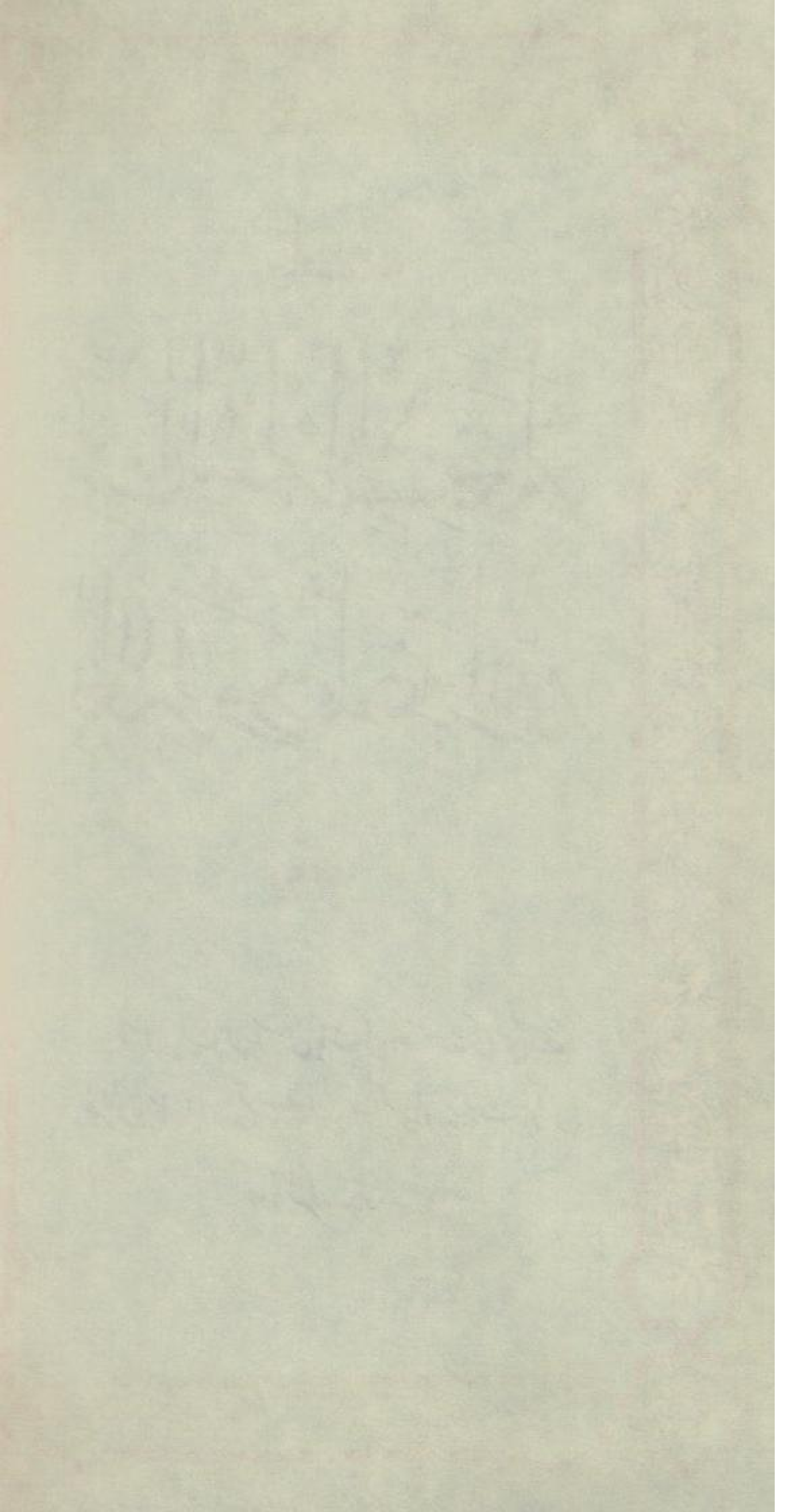
بَابٌ مِّنَ الشِّرْكِ أَنْ يَّسْتَغِيثَ بِغَيْرِ اللّٰهِ أَوْ يَدْعُوَ غَيْرَهٗ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"کسی سے مدد طلب کرنے کو استغاثہ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس سختی میں کوئی مبتلا ہو اس کا ازالہ ہو جانا۔ استغاثہ کے معنیٰ بالکل اسی طرح امداد طلب کرنا ہیں جس طرح استنصار کا معنیٰ نصرت طلب کرنا اور استعانت کے معنیٰ اعانت طلب کرنا ہیں۔"

بعض علمائے استغاثہ اور دعاء میں فرق کیا ہے اور وہ یہ کہ استغاثہ میں شرط ہے کہ مستغیث کسی مصیبت میں مبتلا ہو اور دعاء عام ہے، کسی مصیبت میں مبتلا ہو یا نہ ہو دعا ہر وقت مانگی جا سکتی ہے۔ عبارت میں دعا کا عطف استغاثہ پر ہے۔ اس کو عطف عام علی الخاص کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ یہ دونوں اصل میں مجتمع ہو جاتے ہیں اور دعاء اس سے اصل میں منفرد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہر استغاثہ کا اطلاق تو دعاء پر ہوتا ہے لیکن ہر دعاء استغاثہ نہیں کہلاتی۔

قولہ: او یدعو غیرہ:

دعاء کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) دعائے عبادت (۲) دعائے مسئلہ

قرآن کریم میں یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوئی ہیں اور بعض اوقات بیک وقت دونوں مقصود ہوتی ہیں۔

دعائے مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی تکلیف اور مشکل سے نجات کا طلبگار ہو یا کسی منافع کا

خواہشمند ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کی سخت مذمت فرمائی ہے جو اللہ کے علاوہ ایسے افراد سے طالبِ دعا ہو جو کسی نفع یا نقصان کے قطعاً مجاز نہیں ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ:

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (المائدہ-۷۶)

ان سے کہو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرتے ہو جو تمھارے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے نہ نفع کا۔ حالانکہ سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے

ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے:

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ص لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ

اے محمدؐ! ان سے پوچھو کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان؟ اور جبکہ اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے تو کیا اب ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ کیا ہم اپنا حال اُس شخص کا سا کرلیں جسے شیطانوں نے صحرا میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و سرگرداں پھر رہا ہو دراں حالے کہ اُس کے ساتھی اُسے پکار رہے ہوں کہ اِدھر آ یہ سیدھی راہ موجود ہے۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الانعام - ۷۱)

کہو حقیقت میں صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی رہنمائی ہے اور اُس کی طرف سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ مالکِ کائنات کے آگے سرِ اطاعت خم کر دو۔

پھر ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (یونس - ۱۰۶)	اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان۔ اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہوگا۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"ہر دعا، عبادت ہے، جو مستلزم ہے دعائے سوال کو اور ہر دعا، سوال ہے جو متضمن ہے دعائے عبادت کو، جیسا کہ دعائے سوال کے بارے میں قرآنِ کریم کہتا ہے

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ (الاعراف - ۵۵)	اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پھر فرمایا ہے

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○	ذرا غور کر کے بتاؤ، اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی بڑی مصیبت آجاتی ہے یا آخری گھڑی آپہنچتی ہے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ بولو اگر تم سچے ہو۔
بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ	اِس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو۔ پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم پر سے ٹال دیتا ہے۔ ایسے موقعوں پر تم

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ○ (الانعام - ۴۰، ۴۱)

اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو۔

پھر ارشاد ہے

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ○ (الجن - ۱۸)

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں، لہٰذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

پھر فرمایا

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ (الرعد - ۱۵)

اُسی کو پکارنا برحق ہے۔ رہیں وہ دُوسری ہستیاں جنھیں اُس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں وُہ اُن کی دُعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں۔ انھیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اُس سے درخواست کرے کہ تُو میرے منہ تک پہنچ جا حالانکہ پانی اُس تک پہنچنے والا نہیں بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں، مگر ایک تیرِ بے ہدف۔

دعائے سوال کے بارے میں قرآنِ کریم میں بیشمار آیات موجود ہیں۔ یہ چند آیات بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ یہ دعائے سوال کے بارے میں آیات، دعائے عبادت کو بھی متضمن ہیں کیونکہ سائل نے اپنا سوال فقط اللہ ہی کے سامنے پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعائے عبادت ایک ایسا عمل ہے جو تمام عبادات سے افضل و اعلیٰ ہے۔ یہی حالت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے والے کتاب اللہ

کی تلاوت کرنے والے اور دوسری عبادات میں مشغول رہنے والے کی ہے کیونکہ وہ حقیقی اور معنوی طور پر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے۔ لہٰذا دعا کرنے والا بھی، عبادت گزار ہی ٹھہرا۔"

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا بات سے واضح ہوا کہ دعائے عبادت (ایسی دعا جو عبادت کے ہم معنی ہے) دعائے سوال کو مستلزم ہے، بالکل اسی طرح جیسا کہ دعائے سوال (ایسی دعا جو سوال کے ہم معنی ہے) دعائے عبادت کو متضمن ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا کو نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝

میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور اُن ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ (مریم - ۴۸، ۴۹)

پس جب وہ اُن لوگوں سے اور اُن کے معبودان غیر اللہ سے جدا ہو گئے تو ہم نے اُس کو اسحاق اور یعقوب جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا۔

پس دعا بھی عبادت ہی کی ایک قسم قرار پائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا " وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ "، حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کے ہم معنی اور ہم مطلب ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا تھا کہ " رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا "

دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ بار بار تاکید فرماتا ہے کہ اے میرے بندو:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (الاعراف - ۵۵، ۵۶)

اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔ یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ۔ یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں دعائے سوال ہے جو عبادت کو متضمن ہے۔ داعی (دعا کرنے والا) مدعو (جس کے حضور دعا کی جائے) کے لیے راغب ہوتا اور اس کے سامنے نہایت عجز و انکساری اور تذلل و خضوع کا اظہار کرتا ہے۔

پس اصول یہ ٹھہرا کہ تمام وہ امور جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے، ان کو اس نے عبادت قرار دے دیا ہے، جب وہ اس عبادت میں سے کسی چیز کی انجام دہی کو غیر اللہ کی طرف منسوب کر دے گا تو وہ مشرک قرار پائے گا اور اس کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء سے متصادم ہے کیونکہ اس نے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ اسی لیے جاری کیا تھا کہ تمام امور صرف اسی کی رضا کیلئے انجام دیے جائیں، کسی اور کو اس میں شریک نہ ٹھہرایا جائے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ

کہہ دیجئے کہ میں تو ایک ہی اللہ تعالیٰ کی خالص عقیدہ رکھ کر بندگی کرتا ہوں۔

اس مضمون کی مزید تشریح آئندہ صفحات میں بیان ہو گی ان شاء اللہ۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے "الرسالۃ السنیۃ" میں لکھتے ہیں کہ:

"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسلام کی طرف انتساب رکھنے والے بعض افراد بڑی بڑی عبادات ادا کرنے کے باوجود دائرہ اسلام سے

خارج ہو سکتے ہیں تو آج کا مسلمان بدرجۂ اولیٰ دائرۂ اسلام سے باہر نکل سکتا ہے اور اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔

مشائخ کے بارے میں حد سے زیادہ تجاوز اور غلو کر جانا جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض لوگ حد سے تجاوز کر گئے اور اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں نے انتہائی غلو سے کام لیا۔

پس ہر وہ شخص جو کسی نبی، رسول یا کسی صالح انسان کے بارے میں غلو سے کام لیتا ہے اور الوہیت کا کوئی انداز اس میں تصور کرتا ہے، مثلاً یہ کہتا ہے کہ:

يَا سَيِّدِي فُلَانُ انْصُرْنِي — اے حضرت! میری مدد کیجیے،
أَوْ أَغِثْنِي أَوِ ارْزُقْنِي أَوْ — یا میری فریاد رسی کیجیے یا مجھے رزق دیجیے
أَنَا فِي حَسْبِكَ — یا میں تیری پناہ میں آتا ہوں!

اور اسی قسم کے دوسرے اقوال۔

پس یہ سب شرک اور ضلالت ہے۔ اس قسم کے الفاظ کہنے والے سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔ اگر یہ توبہ کرلے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے اللہ تعالیٰ نے اسی لیے تو انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا اور کتابیں نازل فرمائیں کہ صرف اسی ایک اللہ کی عبادت کی جائے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس کے علاوہ کسی اور کو الٰہ نہ پکارا جائے۔

سو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو الٰہ قرار دیتے تھے مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام، ملائکہ اور اصنام وغیرہ کو، تو ان کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ یہ کسی مخلوق کو پیدا کرتے ہیں یا بارش برساتے ہیں یا انگوری وغیرہ اگاتے ہیں بلکہ وہ یا تو ان کی عبادت کرتے تھے یا ان کی قبروں کو پوجتے تھے یا ان کی تصویروں

کے سامنے جھکتے تھے اور یہ کیوں کرتے تھے؟ قرآن مجید اِس کی وضاحت اِن الفاظ میں کرتا ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ؕ (الزمر – ۳) — ہم تو ان کی عبادت صرف اِس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔

وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ (یونس – ۱۰) — مشرک یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے صرف سفارشی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُولوں کو مبعوث فرما کر لوگوں کو اِس بات سے روکا کہ وہ کسی دُوسرے کو نہ پکارا کریں، نہ دعائے عبادت کی صُورت میں اور نہ دعائے استغاثہ کے انداز میں۔"

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان کسی بھی غیر اللہ کو وسیلہ بنائے، ان پر بھروسہ کرے، ان کو پکارے اور ان سے سوال کرے وہ شخص بالاجماع کافر ہے۔"

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ صاحب الفروع، صاحب الانصاف اور صاحب الاقناع نے بھی اپنی اپنی کتب میں نقل فرمایا ہے۔ مسئلہ وسائط کے بارے میں شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جرجیس کا رد کیا ہے جس سے ہم نے یہ فتویٰ نقل کیا ہے۔

جو لوگ اولیاء اللہ کے تصرفات کے قائل ہیں اُن کی تردید

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"شرک کی اقسام میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ انسان اپنی ضروریات

فوت شدہ اولیاء اللہ سے طلب کرے، ان کے نام سے استغاثہ کرے اور اُن کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی شرک کی جڑ ہے۔

جو شخص فوت ہو چکا، اُس کے اعمال منقطع ہو چکے۔ وہ تو اب خود اپنی ذات کے نفع و نقصان پر بھی قدرت نہیں رکھتا چہ جائیکہ دوسروں کی ضروریات میں کام آئے، ان کی فریاد سُنے یا یہ کہے کہ وہ اللہ سے اس کی سفارش کرے گا۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ طالب و مطلوب اور شافع و مشفوع دونوں برابر ہیں۔"

باب الشفاعة میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارت کی مزید توضیح کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

محمد بن عبدالهادی رحمہ اللہ ، سبکی کے اس قول کو رد کرتے ہیں کہ:

إِنَّ الْمُبَالَغَةَ فِي تَعْظِيمِهِ وَاجِبَةٌ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں مبالغہ سے کام لینا واجب ہے۔

اور رد میں فرماتے ہیں کہ

"اگر یہاں مبالغے کا مطلب یہ ہو کہ کوئی شخص اپنے خیال کے مطابق اِس کو جائز قرار دے کہ:

- — آپؐ کی قبر کی زیارت کے لیے شدِ رحال کیا جائے۔
- — آپؐ کی قبر کو سجدہ کیا جائے۔
- — آپؐ کی قبر کا طواف کیا جائے۔
- — آپؐ کے بارے میں یہ تصور کیا جائے کہ آپؐ علمِ غیب جانتے تھے۔
- — آپؐ کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ آپؐ عطا اور منع پر قادر ہیں۔
- — آپؐ سے اللہ کے سوا استغاثہ کیا جائے تو آپؐ مشکلات کو دور بھی فرما سکتے ہیں اور نفع بھی پہنچا سکتے ہیں۔

● — آپ سائلین کی ضروریات کو پورا فرماتے ہیں۔
● — آپ کربات سے نجات دلا سکتے ہیں۔
● — آپ جس کی چاہیں سفارش کر سکتے ہیں۔
● — آپ جس کو چاہیں جنت میں داخل کر سکتے ہیں۔

تو بلاشبہ اس قدر غلو اور مبالغہ، شرک اور انحراف کے مترادف ہے۔"

احناف کی مشہور کتاب "فتاوی البزازیہ" میں لکھا ہے کہ:

قَالَ عُلَمَاؤُنَا: مَنْ قَالَ اَرْوَاحُ الْمَشَائِخِ حَاضِرَۃٌ تَعْلَمُ یَکْفُرُ

جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بزرگانِ دین اور مشائخ کی روحیں حاضر ہیں اور ہمارے بارے میں علم رکھتی ہیں، وہ کافر ہو جاتا ہے۔

شیخ صنع اللہ حنفی رحمۃ اللہ اپنی کتاب "الرد علی من ادعی ان للاولیاء تصرفات فی الحیات وبعد الممات علی سبیل الکرامۃ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"دورِ حاضر میں مسلمانوں میں کچھ گروہ اس قسم کے پیدا ہو گئے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو اپنی زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی اس عالم میں قدرت تصرف حاصل ہے اور شدائد و بلیات میں ان سے استغاثہ اور استعانت کی جا سکتی ہے کیونکہ ان کی سعی و ہمت سے مشکلات رفع ہوتی ہیں۔

لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے ان کی قبروں پر آتے اور ان سے حاجات رفع کرنے کی درخواست کرتے ہیں کہ یہ اصحاب کرامت تھے۔ وہ ان کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ان میں ابدال بھی تھے اور نقباء بھی، اوتاد بھی تھے اور نجباء بھی ان کی تعداد ۷۷ اور ۴۴ تک پہنچتی ہے۔ قطب وہ ہیں جو لوگوں کی فریادیں سنتے ہیں اور ان ہی پر اس نظام کا دارومدار ہے۔ ان کے نام کی نذر و نیاز بھی دیتے ہیں، جانور بھی ذبح کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے وہ اولیاء ان کو

مستحق اجر گردانتے ہیں"۔

شیخ صنع اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مزید فرماتے ہیں کہ:

"یہ وہ عقیدہ ہے جس میں نہ صرف افراط و تفریط ہی پائی جاتی ہے بلکہ اس میں ہلاکتِ ابدی اور عذابِ سرمدی بھی ہے کیونکہ اس میں خالص شرک کی بُو آتی ہے جو کتاب اللہ کے صحیح اور واضح احکام کے صریح خلاف ہے، تمام ائمہ کرام کے عقائد سے متصادم ہے اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے۔ قرآنِ کریم یہ کہتا ہے کہ

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝

(النساء - ۱۱۵)

جو شخص رسُول کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہلِ ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآں حالیکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اُسے جہنّم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔

علامہؒ موصوف کہتے ہیں کہ:

"ان کی اس بات کی کہ اولیاء اللہ کو زندگی اور موت کے بعد تصرفات پر قدرت حاصل ہے، قرآن کریم کی ان آیات سے تردید ہوتی ہے:

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاۗءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا

کون ہے جو بے قرار کی دعا سُنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی یہ کام کرنے والا ہے؟

مَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اور کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوشخبری لے کر بھیجتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی دُوسرا خدا بھی یہ کام کرتا ہے؟ بہت بالاتر ہے اللہ اُس شرک سے، جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اور کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے اور کون تم کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے جو ان کاموں میں حصّہ دار ہے۔ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو؟

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (النمل-۶۱-۶۵)

ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور وہ نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے؟

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ

درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا۔ جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن، رات کے پیچھے

يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الاعراف - ۵۴)

دوڑاتا چلا آتا ہے۔ جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے سب اُسکے فرمان کے تابع ہیں۔ خبردار رہو، اسی کی خلق ہے اور اُسی کا امر ہے، بڑا بابرکت ہے اللہ سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔

یہ تمام آیاتِ قرآنی اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ صرف اللہ تعالےٰ ہی کو اپنی مخلوق کے لیے تدبیر، تصرف اور تقدیر کا اختیار حاصل ہے۔ اِس میں کسی بھی غیراللہ کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے۔ تمام کائنات اُس کے قبضۂ قدرت، اُس کی تسخیر اور اُس کے تصرف میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زندگی، موت اور پیدائش اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ یہ تمام اُمور فقط اللہ تعالیٰ کے اِختیار و قدرت میں ہیں، اِس لیے اِس کی تعریف و ثنا میں بہت سی آیات موجود ہیں، مثلاً:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ٘ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ (فاطر - ۳)

لوگو، تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں انھیں یاد رکھو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو، کوئی معبود اُس کے سوا نہیں، آخر تم کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو؟

وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اُسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرِکاہ کے مالک بھی نہیں ہیں، انھیں پکارو تو وہ تمھاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمھیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز

يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝
(فاطر - ۱۳-۱۴)

وُہ تمہارے شرک کا انکار کر دینگے حقیقتِ حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔"

علامہؒ موصُوف نے یہاں بہت سی آیات نقل کی ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ:

"تمام آیات میں لفظ "دُوْنِهٖ" سے ہر وہ غیر اللہ مراد ہے جس کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ اِستمداد کے قابل ہے، چاہے وُہ ولی ہو یا کوئی شیطانی طاقت جو خود تو اپنی مدد نہیں کر سکتا، وہ بھلا دُوسروں کی کیا امداد کرے گا؟"

علامہؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

"یہ بات بے دلیل اور غلط ہے اور اِس پر طرہ یہ کہ شرکِ عظیم ہے۔"

وہ مزید کہتے ہیں کہ:

"یہ خیال کرنا کہ اولیاء اللہ کو مرنے کے بعد کسی قِسم کے تصرف پر کوئی قدرت حاصل ہے، یہ ان کی زندگی میں تصرفات کا عقیدہ رکھنے سے بھی زیادہ شنیع اور بدعی عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے کہ:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝
(الزمر - ۳۰)

آپؐ بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ لوگ بھی فوت ہونے والے ہیں۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ
(الزمر - ۴۲)

وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت رُوحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی رُوح نیند میں قبض کر لیتا ہے پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اُسے روک لیتا ہے اور دُوسروں کی رُوحیں ایک وقتِ مقرر کے لیے واپس بھیج دیتا ہے

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ہر جاندار چیز نے موت کا مزا چکھنا ہے۔

(آل عمران - ۱۸۵)

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ (المدثر - ۳۸) ہر نفس اپنے کرتوت میں پھنسا ہوا ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ[1]....الخ انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ البتہ تین کاموں کا اجر جاری رہتا ہے......الخ

یہ اور اس کے علاوہ دوسری آیات و احادیث اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ موت کے بعد انسان کی حرکت و حس منقطع اور ختم ہو جاتی ہے۔ ان کی ارواح اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہوتی ہیں اور ان کے اعمال میں کمی بیشی کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ میت کو تو اپنی ذات پر بھی کسی قسم کے تصرف کا کوئی اختیار نہیں ہوتا تو وہ دوسروں کے معاملات میں کس طرح تصرف کرے گی؟ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ ارواح قطعی طور پر میرے قبضے میں ہیں اور ملحد و اصحاب بدعت یہ کہتے ہیں کہ ان کو علی الاطلاق تصرفات حاصل ہیں:

قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ (البقرة - ۱۴۰) کہو، تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟

علامہؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

" ان کا یہ عقیدہ کہ یہ تصرفات ان ارواحِ اولیاء کی کرامت ہیں، تو

---

[1] مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔

یہ ایک مغالطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کرامت تو من جانب اللہ اولیائے کرام کے لیے ایک ایسا اعزاز ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کسی ولی اللہ کے ذریعے ظہور پذیر ہوتا ہے، کسی شخص کو اس میں نہ کوئی دخل ہوتا ہے نہ علم ہوتا ہے اور نہ اس کے اظہار پر قدرت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ مریم بنت عمران علیہا السلام، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ جیسی شخصیتوں کے واقعات سے ظاہر ہے۔

البتہ ان کا یہ کہنا کہ "شدائد و مشکلات میں اُن سے اِستمداد و اِستغاثہ کرنا چاہیے" تو یاد رہے کہ یہ عقیدہ اپنے اندر پہلے عقائد سے بھی زیادہ بدعت و قباحت کے آثار لیے ہوئے ہے کیونکہ یہ عقیدہ قرآنِ کریم کی صریح، صاف اور واضح آیات سے متصادم ہے۔ قرآنِ کریم تو یہ کہتا ہے کہ:

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝

(النمل – ٦٢)

کون ہے جو بیقرار کی دعا کو سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا بھی یہ کام کرنے والا ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ

اے محمدؐ! ان سے پوچھو، صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے، کون ہے جس سے تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو اگر اس بلا سے تو نے ہم کو بچا لیا تو ہم ضرور

يُنَجِّيكُم مِّنْهَا وَمِن كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنتُمْ تُشْرِكُونَ ○ (الانعام ۔ ۶۳،۶۴)

شکرگزار رہوں گے؟ کہو اللہ تمھیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے۔ پھر تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔"

اس مقام پر بہت سی آیات نقل کرنے کے بعد علامہؒ موصوف فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالےٰ نے یہ بات بار بار بیان فرمائی ہے کہ مصائب و مشکلات کو دُور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تنہا وہی مصیبت زدہ اور مُضطر لوگوں کی التجا و دعاء کو سُنتا اور شرفِ قبولیت بخشتا ہے، اُسی سے استغاثہ کیا جاتا ہے، وہی تمام کائنات کا فریاد رس ہے، وہی مصائب و بلیات کو دُور کرنے پر قادر ہے۔ کسی کی خیر خواہی اس کو مقصود ہو تو وہی اصل خیر خواہ ہے، وہی خیر و برکت کا مالک اور تقسیم کرنے والا ہے، وُہی اکیلا بلا شرکت غیرے سب کام انجام دیتا ہے۔

سو جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمام اُمور فقط اسی ایک اللہ کے قبضہ و قدرت میں ہیں تو اس سے انبیاء، و اولیاء اور ملائکہ سب کے متصرف اور فریاد رس ہونے کی نفی ہو گئی۔"

علامہؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

"ظاہری اور روزمرہ کے عادی معاملات میں، جو اُمورِ حسّیہ میں سے ہیں، ایک دُوسرے کی مدد کرنا اور باہم ایک دُوسرے سے تعاون طلب کرنا جائز اور مباح ہے، جیسے جنگ کے موقع پر یا دشمن کے حملے کے وقت یا کسی درندے سے بچاؤ کے لیے ایک دوسرے کی امداد اور نصرت حاصل کرنا اور ایسے مواقع پر یا زید! یا مسلمین! کہہ کر پکارنا، یہ سب افعالِ ظاہریہ میں سے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ یہ سمجھنا کہ دوسرے انسان کی مدد اور اس کا تعاون معنوی لحاظ سے

اثر انداز ہوتا ہے اور اپنے اندر کوئی خاص قوت و تاثیر رکھتا ہے جیسے شدائد و مشکلات کا دُور ہو جانا یا کسی مریض کا صحت یاب ہو جانا یا کسی کے خوف سے نجات پا جانا یا غرق ہونے سے محفوظ رہنا یا تنگی اور فقر و فاقہ سے نجات پا جانا یا طلبِ رزق وغیرہ کرنا۔ یہ سب امور اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہیں، ان کے لیے کسی غیر اللہ کے آگے دستِ طلب دراز نہیں کرنا چاہیے۔"

علامہؒ موصوف اس سے آگے فرماتے ہیں کہ:

"یہ عقیدہ رکھنا کہ غیر اللہ کو بلیات و شدائد کو رفع کرنے اور حاجات کے پورا ہونے میں کچھ اثر اور قدرت حاصل ہے، جیسا کہ دورِ جاہلیت کے عرب کہتے تھے یا اس دور کے جہال صوفیاء کا عقیدہ ہے اور وہ ان کو پکارتے بھی ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر باطل اور منکرات میں سے ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ غیر اللہ میں سے اللہ کے کسی نبی یا ولی یا کسی روح کو کسی کرب و مصیبت کے دُور کرنے یا حاجت روائی کرنے کی طاقت حاصل ہے یا وہ کسی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں یا اس باب میں اُن کو کوئی اثر و نفوذ حاصل ہے تو ایسا شخص جہالت کی خطرناک وادی میں گامزن ہے اور دوزخ کے کنارے کھڑا ہے۔

ان کا یہ عقیدہ رکھنا کہ "یہ صرف کرامات ہیں"، تو اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے کہ اس کے اولیاء میں اس قسم کی کوئی طاقت موجود ہو۔ یہ تو اصنام و اوثان کے پجاریوں کا عقیدہ ہے۔ اس کی نشاندہی خود قرآنِ کریم نے کی ہے کہ وہ غیر اللہ کو صرف سفارشی اور صاحبِ کرامت سمجھتے تھے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں کہ:

هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ یہ صرف ہمارے سفارشی ہیں۔

(یونس - ۱۸)

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى ہم تو اُن کی عبادت صرف اس لیے

اللّٰهِ زُلْفٰی (الزمر۔ ۳) کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں۔

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ۝

(یٰس۔ ۲۳)

کیا میں اُسے چھوڑ کر دُوسرے معبود بنالوں؟ حالانکہ اگر خدائے رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نہ اِن کی شفاعت میرے کسی کام آسکتی ہے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکتے ہیں۔

اِس بنا پر کسی نبی یا ولی کو نافع اور ضار خیال کرنا جبکہ ان کے بس کی بات نہیں، اصلی اور حقیقی شرک ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ذات میں مصیبت کو دُور کرنے کی قدرت وطاقت نہیں ہے اور نہ کسی میں نفع اور خیر پہنچانے کی قوتِ مؤثرہ موجود ہے، یہ سب طاقتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں۔

باقی رہا اُن کا یہ کہنا کہ یہ ابدال، نقباء، اوتاد اور نجباء وغیرہ لوگوں کے فریادرس ہیں جو باعتبار تعداد کے ۷۷ اور ۴۴ تک پہنچتے ہیں، تو جیسا کہ صاحبِ "سراج المریدین" نے لکھا ہے، یہ اِن کا افک اور کذب بیانی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی کہنا ہے۔"

اِس پُوری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اِن عقائدِ شرکیہ سے علمائے حق ہمیشہ لوگوں کو روکتے رہے ہیں جس کی تباہ کاریوں نے عوام کی اکثریت کو گھیر رکھا ہے اور بندگانِ اہوا نے اِس کو عقائد کے اصول قرار دے کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اگر علمائے حق کی پوری عبارتیں یہاں نقل کریں جس میں انھوں نے ان عقائد کا ابطال کیا ہے تو کتاب بہت پھیل جائے گی، لیکن ایک عقلمند وشائستہ اِنسان تو پہلی دلیل ہی سے حق کی تہہ کو پہنچ جاتا ہے اور جو شخص دلیل و برہان سے بے نیاز ہو کر بات کرتا ہے اس کا باطل اور غلط ہو جانا بالکل ظاہر ہے۔ یہ انداز، ان اہلِ علم اور اصحابِ ایمان حضرات کے موقف سے قطعی مختلف ہے جن کی زندگی کا لائحہ عمل ہی یہ ہے کہ وہ صرف قرآن وحدیث سے

قولہ تعالیٰ وَ لَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ (یونس: ۱۰۶)

اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اگر تُو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہوگا۔

اِستدلال کرتے ہیں اور اسی کو حجت مانتے ہیں اور داعی حق و ایمان کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ واللّٰہ المستعان وعلیہ التکلان

قولہ : وَ لَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

علامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

" اِس آیتِ کریمہ میں "وَلَا تَدۡعُ" کا عطف لفظِ "اَقِمۡ" سے متعلق ہے، جس کے معنٰی یہ ہیں کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے لہٰذا اِن افرادِ اُمت کو تو بالاولیٰ اِس سے دامن کشاں رہنا چاہیے۔ یعنی یہاں اگرچہ خطاب خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن عمومی طور پر پُوری اُمت اِس خطاب میں شامل ہے۔"

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ اِس آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ :

" اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے محمدؐ! اپنے خالق، مالک اور معبودِ حقیقی کے علاوہ کسی صنم اور اِلٰہ کو نہ پکارنا کیونکہ وہ دنیا اور آخرت میں نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے اور نہ آپ کا

کچھ بگاڑ سکیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے کسی نفع کی توقع رکھ کر یا کسی تکلیف سے ڈر کر ان کی عبادت نہ کرنا۔ ان کے اختیار میں نہ نفع ہے اور نہ ضرر۔ اگر آپ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ نے غیر اللہ کو پکارا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ اس مشرک گروہ میں سے ہو جائیں گے جو اپنی ذات پر ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں[1]۔"

زیرِ بحث آیتِ کریمہ کی ہم معنٰی اور ہم مطلب بہت سی آیات ہیں، مثلاً:

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝ (الشعراء - ۲۱۳)

پس اے محمد! اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو ورنہ تم بھی سزا پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (القصص - ۸۸)

اور اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اِن دو آیات میں اِس بات کی وضاحت ہے کہ جس کو پکارا جائے گا وہ الٰہ قرار دیا جائیگا

---

[1] اس آیتِ کریمہ میں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ اللہ کریم اپنے بندے حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحت نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (لقمان - ۱۳)

بلکہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اِس کو اظلم الظلم کہا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"اَظْلَمُ الظُّلْمِ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ"

کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ بنانے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ مختلف قسم کی عبادات جیسے دعا، نذر، استغاثہ، استعانت وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بندے کی طرف پھیرنا جس کا وہ ہرگز مستحق نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی قدرت و طاقت ہے۔

اور الوہیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ اس میں غیر اللہ کا قطعاً کوئی حصّہ نہیں ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ	یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور
وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ	وہ سب باطل ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ
دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ	کر یہ لوگ پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ
اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ○	ہی بالادست اور بزرگ ہے۔

(الحج - ۶۲)

یہی وہ توحید ہے جس کو واضح کرنے کے لیے اور لوگوں کے ذہنوں میں مرتسم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا سلسلہ شروع فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا	اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا
اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵	تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو
(البیّنہ - ۵)	اُس کے لیے خالص کر کے۔

ظاہری اور باطنی تمام عبادات کا نام "دین" ہے۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دعا ہی کو عبادت گردانا ہے اور کہا ہے کہ عبادات میں سے ایک عبادت دعا ہے۔

مفسرین کرام کی یہ عادت ہے کہ وہ آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں اس کے بعض افراد اور متضمنات کو مراد لیتے ہیں۔ جیسے یہاں مثلاً دعا کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس شخص نے کسی ایک عبادت کو قبر یا صنم یا وثن وغیرہ کی طرف منسوب کیا تو گویا اس نے اسے معبود سمجھا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شریک ٹھہرایا جس کا استحقاق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اقدس کو تھا،

وَ إِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ۚ وَ إِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ

-اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو اُس کے سوا کوئی نہیں جو اِس مصیبت کو ٹال دے اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرلے تو اُس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المؤمنون - ۱۱۷)

اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود پکارے جس کے لیے اُس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اُس کے رب کے پاس ہے۔ ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔

اِس آیتِ کریمہ سے اور اس قسم کی دوسری آیات سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا کفر و شرک اور ضلالت ہے۔

قولہ : وَاِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ[1] فَلَا كَاشِفَ لَهٗ

اللہ تعالیٰ تنہا بادشاہ اور قہار ہے۔ وہی بخشش اعلیٰ کا مالک اور وہی اس کو روک دینے والا

[1] یہ اُس شخص کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ سے استغاثہ اور فریاد کرے۔ اس ارشادِ خداوندی میں بتایا گیا ہے کہ جس خوش نصیب پر ربِ کریم احسانات کرنا چاہے تو ان احسانات کو کوئی شخص روک نہیں سکتا۔

ہے۔ وہی نفع و نقصان پر قدرت رکھتا ہے اور جب یہ سب کچھ اُس کے قبضہ و قدرت میں ہے تو اسی کو پکارنا چاہیے اور اُسی کی عبادت کرنا چاہیے کیونکہ عبادت اسی کی ہو سکتی ہے جو مالک و قہار بھی ہو اور نفع و نقصان پہنچانے والا بھی ہو۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ سو ثابت ہُوا کہ وہی ایک اللہ ہے جو عبادت کا سزاوار ہے، وہ نہیں جو سرے سے نفع و نقصان ہی نہیں پہنچا سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

قُلْ اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ — ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو تمھارا

ایک دفعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَیْءٍ لَّا يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر ساری مخلوق خدا تجھے کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو نہ پہنچا سکے گی۔ ہاں صرف اتنا فائدہ پہنچے گا جتنا اللہ کریم نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے

زیرِ بحث آیتِ کریمہ کے مفہوم پر غور و فکر کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ مصائب و مشکلات کے وقت غیر اللہ کو پکارنا بہت بڑا ظلم ہے۔ یہ ایسا شرک ہے جسے اللہ کریم کبھی بھی معاف نہ کرے گا کیونکہ جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے اس نے ایسی چیز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس کی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ نفی اور تردید کرتا ہے۔ اِسے دوسرے لفظوں میں شرک فی الالوہیت کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کا نام دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے عظیم ترین حکم یہ ہے کہ انسان توحید کو اپنائے اور اپنے تمام اعمال و افعال میں صرف رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھے کیونکہ انسان کی تخلیق ہی اِس لیے ہوئی ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرے۔

اِسی عظیم مقصد کے پیشِ نظر انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع ہوا اور اِسی کی وضاحت کے لیے کتابیں نازل کی گئیں اور سب سے عظیم تر حکم جس کے نہ کرنے کی انسان کو تلقین کی گئی ہے، وہ شرک فی الربوبیت اور شرک فی الالوہیت ہے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ (الزمر - ۳۸)	کیا خیال ہے اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا تمہاری یہ دیویاں جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، مجھے اُس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچا لیں گی؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اُسکی رحمت کو روک سکیں گی۔ پس ان سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

دُوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (الفاطر - ۲)	اللہ جس رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لیے کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد پھر کوئی دُوسرا کھولنے والا نہیں اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔

یہ ہیں وُہ دلائل و براہین جو اللہ تعالیٰ نے اُلوہیّت اور رُبوبیّت کے بارے میں فقط اپنی ہی خصُوصیّت کے لیے بیان کیے ہیں لیکن عُبّادِ قبُور و مشاہد، قرآن کے اِن دلائل کے بالکل برعکس عقیدہ رکھتے ہیں، انھوں نے جلبِ منفعت اور دفعِ مکارہ کے سلسلے میں اصحاب القبور کو اللہ کا ساجھی اور شریک بنا رکھا ہے۔ وہ اُن سے اُمیدیں لگائے ہوئے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ اصحاب القبور ہی ہماری مُشکلات رفع کریں گے۔ وہ پُوری توجہ، اِعتنا و التفات، رغبت و رہبت اور تضرّع زاری سے ان سے سوال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رُبوبیّت اور اُلوہیّت میں ان کو شریک گردانتے ہیں۔ یاد رہے ان کا یہ شرک کفارِ عرب کے شرک سے بھی زیادہ سنگین اور زیادہ بڑھ کر ہے۔

يُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (یونس : ١٠٧)

وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وُہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

وہ تو صرف یہ کہتے تھے کہ:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى — ہم ان کو صرف تقرب الی اللہ کا وسیلہ سمجھ کر پوجتے تھے۔

اور یہ کہ:

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ — یہ صرف اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں

مشرکین عرب تو ان کو فقط اس لیے پکارتے تھے کہ وہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ثابت ہونگے اور ان کے سفارشی بنیں گے۔ وہ اپنے تلبیہ حج میں یوں کہا کرتے تھے کہ:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ — اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں

لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا — اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں، سوا اُسکے

هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَ مَا مَلَكَ — جو تیری ہی ملک ہے اور وُہ خود کسی چیز کا مالک نہیں۔

لیکن یہ مُشرکین اہل قبور اور اہل مشاہد کے بارے میں جو عقیدہ رکھتے ہیں وہ تو مشرکین عرب سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ انھوں نے تو تصرفات اور تدبیرِ اُمور میں بھی اہل قبور کو اللہ تعالےٰ کا شریک بنا دیا ہے اور انہی کو اپنی اُمیدوں، تمناؤں کا مرکز قرار دے رکھا ہے اور انہی کو ملجا و ماوےٰ سمجھتے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

قوله تعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○ (العنکبوت: ١٧)

درحقیقت اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہیں کوئی رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اُسی کی بندگی کرو اُس کا شکر ادا کرو، اُسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

قولہ: وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتا ہے اور اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا۔

قولہ: فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہ کہتا ہے کہ تم صرف مجھ ہی سے رزق مانگو کیونکہ میرے سوا زمین و آسمان میں کوئی بھی رزق دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں "عند اللہ" کی تقدیم تخصیص چاہتی ہے یعنی:

"غیر اللہ کو چھوڑ کر صرف اللہ ہی سے رزق طلب کرو کیونکہ وہی مالک ہے، اُس کے سوا اور کوئی مالک نہیں ہے۔ اپنی عبادات کو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے خاص کرلو اور اُس کے انعامات کا شکر ادا کرو۔ قیامت کے دن اُسی کے حضور پیش ہونا ہے جہاں ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ پائے گا۔"

قوله تعالیٰ وَ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝

آخر اس شخص سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر اُن کو پکارے جو قیامت تک اُسے جواب نہیں دے سکتے بلکہ اس سے بھی بے خبر ہیں کہ پکارنے والے اِن کو پکار رہے ہیں۔

قوله : وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اِس بات کی نفی کی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو پکارتے ہیں۔ ان سے زیادہ کوئی اور بھی گمراہ ہو سکتا ہے؟ اور یہ بتایا ہے کہ جن غیر اللہ کو پکارتے ہیں وہ قیامت تک ان کا مطلوب ان کو نہیں دے سکیں گے۔

یہ آیت عام ہے، جو بھی اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتا ہے، اس کے ذیل میں آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ :

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ	اِن سے کہو، پکار دیکھو اُن معبودوں کو
مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ	جن کو تم خدا کے سوا اپنا کارساز سمجھتے
كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا	ہو وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں
تَحْوِيْلًا ۝	نہ بدل سکتے ہیں۔

(الاسراء ـ ۵۶)

اِس آیتِ کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن کو پکارا جا رہا ہے اور جن کے نام کی دہائی دی جا رہی ہے وہ قطعاً ان کی بات کا جواب نہیں دیں گے کیونکہ:

وَ اَنَّهٗ غَافِلٌ عَنْ دَاعِيْهِ	ان کو پتا ہی نہیں ہے کہ کوئی انھیں پکا رہا ہے، وہ اپنے داعی سے بالکل بےخبر ہیں

قیامت کے روز یہ لوگ ان مشرکین کے شرک کی وجہ سے ان کے مخالف ہو جائیں گے اور اِس بات سے بالکل انکار کر دیں گے کہ اُنھوں نے اِن کو پکارا تھا۔

اِس آیت کی رُو سے تمام پکارنے والے اور تمام معبود من دونِ اللہ میں شامل ہیں۔

علامہ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ، "وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ" کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ:

"اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ جب لوگ قیامت کے دن اپنے حساب کی جگہ پر اکھٹے کیے جائیں گے تو جن لوگوں کو یہ دُنیا میں پکارتے تھے، وہ ان سے اپنی برائت کا اظہار کریں گے اور اِس بات کا اِنکار کر دینگے کہ وہ ان کی عبادت کرتے تھے۔"

یعنی دُنیا میں جن کی عبادت کی جا رہی ہے، یہ لوگ اپنی عبادت سے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو ان کو اپنی عبادت کے لیے کہا ہی نہیں تھا بلکہ ہمیں تو ان کی عبادت کا علم ہی نہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں کہ یہ ہم کو پکارتے بھی رہے ہیں یا نہیں۔ اے اللہ کریم! ہم ان کی عبادت سے تیرے دربار میں بالکل اظہارِ بےزاری کرتے ہیں۔ اِسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اور وہی دِن ہو گا جبکہ (تمھارا رب) ان لوگوں کو بھی گھیر لائے گا اور ان کے ان معبودوں کو بھی بلائے گا جنھیں آج یہ اللہ کو چھوڑ کر پُوج رہے ہیں۔

فَيَقُولُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰؤُلَاۤءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝	پھر وہ اُن سے پوچھے گا کیا تم نے میرے اِن بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راہ راست سے بھٹک گئے تھے؟"
قَالُوْا: سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۤءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَاۤءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًا ۢ بُوْرًا ۝ (الفرقان - ۱۷، ۱۸)	وہ عرض کریں گے کہ "پاک ہے آپ کی ذات، ہماری تو یہ بھی مجال نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مولیٰ بنائیں مگر آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامانِ زندگی دیا حتیٰ کہ یہ سبق بھول گئے اور شامت زدہ ہو کر رہے۔"

اِس آیت کی تفسیر میں علامہ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

" مِنْ دُوْنِ اللہ سے انسان، فرشتے اور جن مراد ہیں جن کی یہ لوگ پوجا کرتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ، عُزَیر علیہم السلام اور فرشتے وغیرہ۔"

یہ روایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے مروی ہے۔

قیامت کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور وہ فرشتے جن کی پوجا کی جاتی تھی سب یک زبان ہو کر اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور ہم ان مشرکین کے شرک سے بالکل بری الذمہ ہیں۔ ہم کو قطعاً لائق نہیں کہ ہم تیرے سوا کسی کو کارساز یا ولی خیال کریں بلکہ ہم سب کا ولی اور کارساز تو ہی ہے۔"

کتاب و سُنّت، اہلِ لغت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تشریف لانے والے علمائے کرام اور سلفِ اُمت کے ہاں لفظ الدعا، سوال اور طلب کے معنیٰ میں استعمال ہوتا رہا ہے، جیسا کہ بعض اطلاقات میں اہلِ زبان کے نزدیک الصلوٰۃ کو بمعنیٰ الدعاء استعمال کیا گیا ہے۔

قرآنِ کریم میں ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝ (الفاطر - ۱۳-۱۴)

اُسے چھوڑ کر جن دُوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرِ کاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمھاری دعائیں سُن نہیں سکتے اور سُن لیں تو ان کا تمھیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمھارے شرک کا انکار کر دیں گے حقیقتِ حال کی ایسی صحیح خبر تمھیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا کہ:

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ (الانعام - ۶۳)

اے محمدؐ! ان سے پوچھو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمھیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم مصیبت کے وقت گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو۔

ایک جگہ پر اس کی یوں وضاحت کی کہ:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ (یونس - ۱۲)

انسان کا یہ حال ہے کہ جب اس پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہم کو پکارتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ (فصلت - ۵۱)

انسان کو جب کوئی آفت چھو جاتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ

انسان کبھی بھلائی کی دُعا مانگتے

اَلْخَيْرِ (فصلت - ۴۹) نہیں تھکتا۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ اور وہ موقع جبکہ تم اپنے رب سے

فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ فریاد کر رہے تھے جواب میں اس نے

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○ فرمایا کہ میں تمھاری مدد کیلئے پے در پے

(الانفال - ۹) ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔

احادیثِ نبویہ میں بھی اس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ دعا، عبادت کا مغز ہے۔

ایک دوسری صحیح روایت میں فرمایا گیا ہے کہ:

اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ اللہ تعالیٰ کو یقین محکم سے پکارا کرو بایں معنیٰ کہ تمھاری دعا ضرور قبول ہوگی۔

ایک روایت میں ہے کہ:

مَنْ لَّمْ يَسْاَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اُس پر وہ ناراض ہو جاتا ہے۔

ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لَيْسَ شَيْئٌ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا سے زیادہ عزیز ترین کوئی چیز نہیں۔

(رواہ احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم)

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَ دعا، مومن کا ہتھیار،

عِمَادُ الدِّيْنِ وَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ دین کا ستون اور زمین آسمان کا

وَالْاَرْضِ (الحاکم) نور ہے۔

ایک خطبہ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

سَلُوا اللّٰهَ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الشِّسْعَ اِذَا انْقَطَعَ (الحدیث) — ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، یہاں تک کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الدُّعَاءُ وَ قَرَأَ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المصنف...) — افضل ترین عبادت دعاء مانگنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "مجھ سے مانگو، میں تم سب کی دعاء قبول کروں گا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ابن المنذر اور حاکم نے نقل کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مندرجہ ذیل دعائیں مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ — اے اللہ! میں تجھ سے اس بناء پر مانگتا ہوں کہ تمام تعریف تیرے ہی لیے سزاوار ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو ہی احسان کرنے والا ہے۔

اور

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا — اے اللہ! میں تجھ سے اس لیے سوال کرتا ہوں کہ تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو بے نیاز ہے جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس سے برابری کا

آحدؒ دعویٰ کر سکتا ہے۔

اِس نوع کی اور بھی بہت سی ادعیہ کتاب وسُنّت میں موجود ہیں جن کا احصار نہیں کیا جا سکتا اور جن میں طلب وسوال پایا جاتا ہے۔

جس نے طلب وسوال کے عبادت ہونے سے انکار کیا، اُس نے یوں سمجھیے کہ نصوصِ کتاب وسُنّت، اہلِ لُغت اور سلف وخلفِ اُمّت کے محاورات، طریقِ استعمال کو ٹھکرا دیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے جلیل القدر تلمیذ، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارات سابقہ صفحات میں قارئین کرام کے ملاحظہ گرامی میں گزر چکی ہیں جن میں وہ کہتے ہیں:

"دعا کی دو قسمیں ہیں۔ دعائے سوال اور دعائے عبادت۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو متضمن ہیں۔

اِس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ

- تلاوت کرنے والا،
- ذِکر کرنے والا،
- نماز پڑھنے والا اور
- جانور ذبح کر کے اللہ کا تقرب حاصل کرنے والا،

یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہی ہے۔ اِس لحاظ سے یہ تمام اُمور دعا ہی کو متضمن ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نماز کا آغاز دعائے سوال ہی سے کرنے کا حکم فرمایا ہے، اِس کے بغیر نماز ہی درست نہیں ہوتی، مثلاً:

- سورۃ الفاتحہ،
- دعاء بین السجدتین اور
- تشہد وغیرہ

یہ سب اسی طرح عبادت ہیں جس طرح کہ رکوع اور سجود عبادت ہیں۔
جو شخص غور وفکر سے کام لے گا اس کے سامنے حقیقتِ حال واضح ہو جائیگی
اور توحید کے بارے میں تمام پردے ایک ایک کرکے ختم ہو جائیں گے۔"

اس مقام پر ہم علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت نقل کرتے ہیں جو انھوں نے آیتِ کریمہ "قل ادعوا الله او ادعوا الرحمٰن ایا ما تدعوا فله الاسماء الحسنیٰ" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرمائی ہے، تاکہ یہ مسئلہ بالکل نکھر کر سامنے آجائے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

"یہ مشہور دعار، درحقیقت دعائے مسئلہ ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ سے دعار مانگتے وقت کبھی "یا اللہ" اور کبھی "یا رحمٰن" کے الفاظ استعمال
فرماتے۔ اِس پر مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ دو خداؤں کو پکارتے
ہیں اور دو معبودوں کی عبادت میں مشغول ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول
کی تردید فرمائی۔

یہ روایت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

بعض علمار کا خیال ہے کہ یہاں دعائے مراد تسمیہ و معنی ہیں۔ اِس صورت
میں آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ تم اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے
جس سے بھی پکارو گے، صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں۔ اللہ کے
نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے، سب اللہ ہی کے نام ہیں۔

یہاں دعار کا وہ معنیٰ مراد ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے اور وہ ہے:

○ دعائے سوال اور ○ دعائے ثنار۔"

علامہ موصوف مزید فرماتے ہیں کہ:

"جب یہ بات معلوم ہو گئی تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ: " اُدْعُوا
رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً " دعار کی دونوں قسموں پر مشتمل ہے اور وہ

وَ إِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَآءً وَّ كَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝

(الاحقاف: ٦،٥)

اور جب تمام اِنسان جمع کیے جائیں گے، اس وقت وہ اپنے پُکارنے والوں کے دُشمن اور اُن کی عبادت کے مُنکر ہوں گے۔

ظاہراً دعائے سوال ہے جو دعائے عبادت کو متضمن ہے۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے اِسے پوشیدہ طور پر مانگنے کا حکم دیا ہے۔"

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"پوشیدہ طور سے دعاء مانگنا، جہری طور پر دُعاء مانگنے سے ستر درجے زیادہ افضل ہے۔ دعاء کے لیے مسلمان بہت کوشش کرتے تھے اور اِس انداز سے دعاء مانگتے تھے کہ آواز سنائی ہی نہ دیتی تھی۔ ان کی دعائیں، ان کے اور ان کے رب کے درمیان راز و نیاز کی حیثیت رکھتی تھیں۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۖ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

(البقرہ - ١٨٦)

اور اے نبیؐ! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انھیں بتا دو کہ مَیں اُن سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے مَیں اُس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔

یہ آیت، دعاء کی دونوں قسموں کو محتوی ہے اور مفسّرین نے دونوں قسمیں بیان کی ہیں۔

بعض علماء نے یہ معنیٰ کیا ہے کہ :

"جب میرا بندہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اُسے دیتا ہوں"۔

اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ :

"جب میرا بندہ میری عبادت کرتا ہے تو میں اُسکو اجر عطا کرتا ہوں"۔

لفظ "الدعاء" کے مندرجہ بالا دو معنوں میں اِستعمال ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہاں ایک حقیقی اور دوسرے مجازی معنیٰ ہیں، بلکہ حقیقی معنیٰ مراد ہے۔ دونوں معنوں میں سے جو معنیٰ بھی لیا جائیگا وہ حقیقی ہو گا اور دُوسرے معنیٰ کو مستلزم ہو گا۔

جیسے لفظ الصّلوٰۃ : اِسے لغوی معنیٰ سے منتقل کر کے حقیقتِ شرعیہ میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور جب اِس سے حقیقتِ شرعیہ مقصود ہو گی تو معنوی لحاظ سے اِس میں لغوی معنیٰ بھی پائے جائیں گے کیونکہ حقیقتِ شرعیہ اور مسمّیٰ لغوی میں مناسبت و ربط موجود ہے اور مسمّیٰ لغوی چند شرائط کے اضافہ سے حقیقتِ شرعیہ میں تبدیل ہو گیا ہے۔

اِس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نمازی، آغازِ نماز سے لے کر آخرِ نماز تک دعاء سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ یا تو وہ دعائے عبادت و ثناء میں مشغول ہے یا دعائے طلب و سوال میں۔ وہ کسی بھی حال میں ہو، بہر کیف دعاء ہی میں مصروف رہتا ہے۔

(ملخص از بدائع الفوائد)

أَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ؕ ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيلاً مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ (النمل : ٦٢)

کون ہے جو بے قرار کی دُعا سنتا ہے جبکہ وہ اُسے پکارے اور کون اُس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون ہے) جو تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تُم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

آیت "امن یجیب المضطر اذا دعاہ" کی تفسیر

قولہٗ : اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے بیان کیا ہے کہ مُشرکینِ عرب یہ علم اور عقیدہ رکھتے تھے کہ انسان کو مجبوری و مصیبت سے صرف اللہ تعالیٰ ہی مخلصی عطا کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جب اِنتہائی مشکل اور سنگین حالات میں تم میری ہی بارگاہ میں جھکتے ہو تو پھر دوسرا اِلٰہ اور معبود بنانے کی تم کو کیا ضرورت پیش آئی؟ پھر جب تمھارے بنائے ہوئے اِلٰہ اور معبود مجبوری اور دُکھ کے حالات میں تمھاری مدد نہیں کرتے تو وہ ہرگز اِس لائق نہیں ہیں کہ ان کو اس قادرِ مطلق کے شریک اور ساجھی قرار دیا جائے، جو دورِ تکلیف اور اضطراری کیفیات میں اِنسان کی دُعا

و شرفِ قبولیت بخشتا اور اس کی آہ و بکا کو سُن کر اس کے مصائب رفع کرتا ہے۔

زیرِ بحث آیتِ کریمہ کی یہی تفسیر باقی تفاسیر سے ہم آہنگ اور زیادہ موزونیت لیے ہوئے ہے۔ اِس سے پہلی آیات کا مفہوم بھی یہی ہے۔

قارئینِ کرام کے فائدے کے لیے ہم ان کو بھی درج کیے دیتے ہیں:

آیت	ترجمہ
اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝	بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا پھر اسکے ذریعے سے وہ خوش نما باغ اُگائے جن کے درختوں کا اُگانا تمہارے بس میں نہ تھا۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دُوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ (نہیں)، بلکہ یہ لوگ راہِ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں۔
اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اِس کے اندر دریا رواں کیے اور اس میں (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ (نہیں)، بلکہ اکثر لوگ ان میں سے نادان ہیں۔
اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ	اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی

الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوشخبری لیکر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دُوسرا خدا بھی (یہ کام کرتا) ہے؟

تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

بہت بالا و برتر ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اور وُہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں حصہ دار) ہے۔ کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔

اِن آیات پر غور کرنے سے یہ پتا چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر یہ حجت قائم کر دی ہے کہ وہ اقرار کے بعد انکار کر دیتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تمام عبادات صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بجا لاتے اور خود کو اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے قالب میں ڈھال لیتے، لیکن وُہ ایسا نہ کر سکے۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ زیرِ بحث آیتِ کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِلٰی قولہٖ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ:

یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ، جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے، وہ بہتر اور افضل ہیں یا وہ ربِ کریم بہتر ہے جو تمہاری مجبوری کی کیفیات کو تبدیل کرتا ہے، تمہاری دعاؤں کو درجۂ قبولیت عطا فرماتا ہے اور تمہاری مشکلات کو دُور کر کے

وروی الطبرانی باسنادہ: أَنَّهٗ كَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُنَافِقٌ۔

طبرانی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ قدس میں ایک منافق

انھیں مسرت میں بدل دیتا ہے؟

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ:

یعنی تمھارے مرنے کے بعد تم ہی میں سے تمھارے قائم مقام اور وارث بنا دیتا ہے۔

ءَاِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ

یعنی غیر اللہ میں سے کون ایسا ہے جو تم پر اِس قدر انعامات کی بارش کرے؟

قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ

اللہ تعالیٰ کی اِس تذکیر سے بہت ہی کم لوگ فائدہ اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ تمھاری یہ کم فہمی ہی درحقیقت تمھارے شرک میں مبتلا ہونے کا باعث ہے۔"

قولہ: روی الطبرانی

طبرانی کا پورا نام یہ ہے: الامام الحافظ سلیمان بن احمد بن ایوب اللخمی الطبرانی رحمہ اللہ۔ صاحب المعاجم الثلاثہ وغیرھا۔ طبرانیؒ نے امام نسائی، اسحاق بن ابراہیم الدبری رحمہم اللہ اور بہت سے محدثین سے روایت نقل کی ہے۔ انھوں نے ۳۰۶ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ

قولہ: اَنَّهٗ كَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُنَافِقٌ

اِس منافق کا نام زیرِ بحث حدیث میں منقول نہیں ہے۔ البتہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے

يُؤْذِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ قُوْمُوْا بِنَا نَسْتَغِيْثُ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنْ هٰذَا الْمُنَافِقِ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت تکلیف دیا کرتا تھا چنانچہ چند صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ چلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس منافق سے گلوخلاصی کے لیے استغاثہ کریں۔

اپنی روایت میں اس کے نام کی تصریح کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی ہے۔

قولہٗ : فَقَالَ بَعْضُهُمْ

اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے استغاثہ کرنے کی ممانعت

قولہٗ : قُوْمُوْا بِنَا نَسْتَغِيْثُ

اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مطلب یہ تھا کہ اس کی طرف سے مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچ رہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سدِباب پر قدرت رکھتے ہیں۔

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِيْ وَ إِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللهِ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو! مجھ سے اِستغاثہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے اِستغاثہ کرنا چاہیے۔

قولہ : اِنَّہٗ لَا یُسْتَغَاثُ بِیْ

یہ حدیث اس پر نص ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے علاوہ کسی سے بھی استغاثہ کرنا ممنوع ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے لیے اس لفظ کے اِستعمال کو ممنوع قرار دیا ہے، اگرچہ آپ اپنی زندگی میں اس کی طاقت رکھتے تھے۔

- اس کراہت کی وجہ توحید کی حمایت اور نصرت تھی۔
- نیز یہ کہ ذرائع شرک کے دروازے بند ہو جائیں۔
- اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادب و تواضع کا یہی تقاضا ہے۔
- اِس کی ایک وجہ افعال و اقوال سے اُمّت کو ذرائع شرک سے ڈرانا اور محفوظ رکھنا بھی ہے۔

غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں قدرت اور طاقت کے باوجود اس سے اِنکار فرما دیا تو آپ کی وفات کے بعد آپ سے استغاثہ کیونکر صحیح قرار پا سکتا ہے؟ اور وُہ امور جو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں، کس طرح آنحضرت ﷺ سے طلب کیے جا سکتے ہیں؟

بوصیری اور البرعی جیسے بہت سے شعرا استغاثہ کے بارے میں راہِ راست سے بھٹک گئے۔ ان شعرائنے ایسے ایسے افراد سے استغاثہ کیا ہے جو خود اپنی ذات کیلئے بھی نفع و نقصان اور موت و حیات اور نشور وغیرہ کی طاقت نہیں رکھتے۔

اِس قسم کے لوگ بھی اس عظیم و کریم سے اِستغاثہ کرنے سے اعراض کر گئے ہیں جو ہر چیز پر پُوری قدرت رکھتا ہے۔ تخلیق کائنات کا سارا سلسلہ جس کے ہاتھ میں ہے اور تمام عالم میں وہ اکیلا ہی صاحبِ امر اور صاحبِ تدبیر ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی الٰہ ہے، نہ رب۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے یہ کہلواتا ہے کہ:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

اے محمدؐ! ان سے کہ "میں اپنی ذات کیلئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔" (الاعراف - ۱۸۸)

اِس کے ہم معنیٰ الفاظ قرآنِ کریم کی سورۂ یونس، آیت نمبر ۴۹ میں بھی موجود ہیں۔

سورۂ جن میں ہے :

قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (الجن - ۲۱)

کہو کہ میں تم لوگوں کیلئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔

ان لوگوں نے قرآنِ کریم کی اِن واضح اور محکم آیات کو چھوڑ کر اپنا الگ ایک عقیدہ بنا لیا ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی اور بھی بہت سی مخلوق ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہو گئی ہے۔ انھوں نے شرک باللہ کو دین اور گمراہی کو ہدایت سمجھ لیا ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

یہ کتنی بڑی مصیبت ہے اور اس کا نقصان کتنا عظیم ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اہلِ توحید سے دشمنی رکھتے اور اربابِ تجرید کو مبدع قرار دیتے ہیں۔

(فاللہ المستعان)

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ أَنَّ عطفَ الدُّعَآءِ عَلَى الْإِسْتِغَاثَةِ مِنْ عطفِ الْعَامِ عَلَى الْخَاصِ ـ

① دعاء کا عطف استغاثہ پر عطف العام علی الخاص کے قبیل میں سے ہے۔

الثانیۃ تفسیر قولہٖ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ـ

② آیت ولا تدع کی تفسیر۔

الثالثۃ إِنَّ هٰذَا هُوَ الشِّرْكُ الْأَكْبَرُ

③ غیر اللہ کو پکارنا شرکِ اکبر ہے۔

الرابعۃ أَنَّ أَصْلَحَ النَّاسِ لَوْ يَفْعَلُهُ إِرْضَاءً لِغَيْرِهِ صَارَ

مِنَ الظّٰلِمِينَ -

④ اگر صلاح و تقویٰ کی معراج پر فائز شخص بھی غیر اللہ کی رضا کے لیے اس کو پکارے گا تو وہ بھی ظالموں میں سے ہوگا۔

الخامسة تَفْسِيرُ الْأٰيَةِ الَّتِي بَعْدَهَا

⑤ آیت "ولا تدع من دون اللہ" کے بعد آنے والی آیت کی تفسیر۔

السادسة كَوْنُ ذٰلِكَ لَا يَنْفَعُ فِي الدُّنْيَا مَعَ كَوْنِهِ كُفْرًا -

⑥ اِس کے کفر ہونے کے باوجود یہ لوگوں کو دنیا میں نفع نہیں پہنچائے گا

السابعة تَفْسِيرُ الْأٰيَةِ الثَّالِثَةِ -

⑦ تیسری آیت کی تفسیر۔

الثامنة أَنَّ طَلَبَ الرِّزْقِ لَا يَنْبَغِي إِلَّا مِنَ اللهِ كَمَا أَنَّ الْجَنَّةَ لَا تُطْلَبُ إِلَّا مِنْهُ -

⑧ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے طالبِ رزق نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ اُس کے سوا کسی سے طالبِ جنّت نہیں ہونا چاہیے۔

التاسعۃ تَفْسِيْرُ الْأٰيَةِ الرَّابِعَةِ۔

⑨ چوتھی آیت کی تفسیر۔

العاشرۃ أَنَّهٗ لَا أَضَلَّ مِمَّنْ دَعَا غَيْرَ اللّٰهِ۔

⑩ جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے اُس سے زیادہ گمراہ کوئی نہیں ہے۔

الحادیۃ عشرۃ أَنَّهٗ غَافِلٌ عَنْ دُعَاءِ الدَّاعِيْ لَا يَدْرِيْ عَنْهُ۔

⑪ اللہ کے سوا جس کو بھی پکارا جا رہا ہے وہ نہیں جانتا کہ اُسے کون پکار رہا ہے۔

الثانیۃ عشرۃ أَنَّ تِلْكَ الدَّعْوَةَ سَبَبٌ لِبُغْضِ الْمَدْعُوِّ لِلدَّاعِيْ وَ عَدَاوَتِهٖ لَهٗ

⑫ غیر اللہ کو پکارنا گویا مدعو کے دل میں داعی کے خلاف بُغض و عداوت پیدا کرنے کے مُترادف ہے۔

الثالثۃ عشرۃ تَسْمِيَةُ تِلْكَ الدَّعْوَةِ عِبَادَةً لِلْمَدْعُوِّ۔

⑬ غیر اللہ کو پکارنا حقیقت میں اُس کی عبادت کرنا ہے۔

الرابعة عشرة كُفْرُ الْمَدْعُوِّ بِتِلْكَ الْعِبَادَةِ۔

⑭ خود غیر اللہ کا اِن کی اِس عبادت سے انکار کرنا۔

الخامسة عشرة هِيَ سَبَبُ كَوْنِهِ أَضَلَّ النَّاسِ

⑮ غیر اللہ کو پکارنا ہی گمراہی کا سبب ہے۔

السادسة عشرة تَفْسِيرُ الْآيَةِ الْخَامِسَةِ۔

⑯ پانچویں آیت کی تفسیر۔

السابعة عشرة أَلْأَمْرُ الْعَجِيبُ وَ هُوَ إِقْرَارُ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ أَنَّهُ لَا يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِلَّا اللّٰهُ وَ لِأَجْلِ هٰذَا يَدْعُوْنَهُ فِي الشَّدَائِدِ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔

⑰ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بُتوں کے پُجاری بھی اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مُشکلات سے نجات دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اِسی بنا پر وہ مصائب و مُشکلات کے وقت خالص اللہ تعالےٰ ہی کو پکارتے ہیں۔

له امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء الخ

الثامن عشرة

حِمَايَةِ الْمُصْطَفٰى ﷺ حِمَى التَّوْحِيْدِ وَ التَّأَدُّب مَعَ اللّٰهِ۔

(۱۸) رسول اللہ ﷺ کی حمایت کے معنٰی توحید کی پناہ گاہ میں داخل ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تأدب کے اظہار کے ہیں۔

باب قول اللہ تعالیٰ

أيشركون ما لا يخلق شيئا وهم يخلقون

ولا يستطيعون

لهم نصرا ولا انفسهم ينصرون
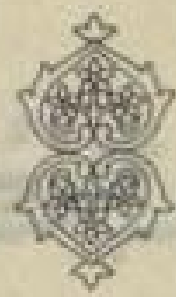
کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ جو نہ اِن کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں

قولِ اللہ تعالیٰ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُونَ

کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ اُن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔

قولہٗ : اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ

مفسرین کا کہنا ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو اس بات پر ڈانٹ پلائی ہے کہ وہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو کسی کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور مخلوق اپنے خالق کی عبادت میں شریک نہیں گنا جاسکتا۔ یہاں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جن کی یہ عبادت کرتے ہیں وہ اپنے آپ کی نصرت و اعانت سے قاصر ہیں یہ بھلا دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟ مشرکین کو کیا ہو گیا ہے کہ جو اپنی بھی مدد نہیں کر سکتا یہ اُس سے استمداد کرتے ہیں۔

غیر اللہ کی عبادت کے بطلان پر یہ آیت واضح دلیل اور برہانِ قاطع ہے۔ تمام مخلوق کی یہی حالت ہے، حتّٰی کہ فرشتے، صالحین و اولیاء اور انبیائے کرام علیہم السلام سب اللہ کے محتاج ہیں۔ اور تو اور اشرفُ المخلوقات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشرکین پر غلبہ اور فتح حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرتے تھے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِیْرِیْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَ بِكَ اُقَاتِلُ	اے اللہ! تو میرا دست و بازو ہے اور مددگار ہے۔ تیرے ہی بل پر میں بڑھتا حملہ کرتا اور قتال کرتا ہوں۔

قرآنِ کریم میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً	اور (لوگوں نے) اللہ کے سوا اور معبود

وَ لَا يَسْتَطِيعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَا هُمْ أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ (الاعراف : ۱۹۱، ۱۹۲)

جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں۔

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ وَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَيٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا ○

بنا لیے ہیں جو کوئی بھی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ ہی اپنے نفع اور نقصان کا اختیار رکھتے ہیں۔ ان کے اختیار میں نہ موت ہے نہ حیات اور نہ قبر سے اُٹھ کھڑے ہونا (الفرقان۔۳)

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا

فرما دیجئے کہ میں اپنے فائدے اور نقصان

لہ اس آیتِ کریمہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف حجت قائم کی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلوق کو سفارشی اور شریک ٹھہرایا۔ حالانکہ جو خود مخلوق اور اللہ تعالیٰ کا بندہ اور غلام ہو وہ اس کا شریک کیسے بن سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں واضح فرمایا ہے کہ یہ شرکاء تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتے اور جو اپنی مدد خود نہ کر سکے وہ دوسروں کی مدد تو بالاولیٰ نہیں کر سکتا لہٰذا مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر مشرکین کا اپنے شرکاء سے تعلق ختم ہو گیا:

○ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان مدعوین کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا لہٰذا عبد کسی صورت میں بھی معبود نہیں بن سکتا۔

○ دوسری وجہ یہ کہ یہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے تو ان سے دوسروں کی مدد کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟ قرآن کریم کی ایسی ہی دوسری آیات پر انسان کو غور و فکر کرنا چاہیے۔

وَلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف - ۱۸۸)

کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا چاہے اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو مومنوں کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ؕ (الجن - ۲۱، ۲۲، ۲۳)

یہ بھی فرما دیجیے کہ میں تمہارے حق میں نقصان یا ہدایت کا کچھ اختیار نہیں رکھتا یہ بھی فرما دیجیے کہ خدا کے عذاب سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور میں اس کے سوا کہیں جائے پناہ نہیں پا سکتا۔ ہاں خدا کی طرف سے، اس کے پیغامات کا پہنچا دینا (میرے ذمہ ہے)

غیر اللہ کوئی بھی ہو اس کو پکارنے کے بطلان پر مندرجہ بالا آیات ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ اگر وہ نبی یا اللہ کا نیک بندہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ہی خالص عبادت کے شرف سے مشرف فرمایا ہے اور اس کے قلب میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبود حقیقی مانے اور توحید کے اس مقام پر راضی رہے۔

پس جو شخص خود عابد و پرستار ہو وہ معبود کیسے بن سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شرک سے مجتنب و گریزاں رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ مَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قف كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (القصص - ۸۸)	اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارنا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذاتِ پاک کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اُسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

دُوسری جگہ فرمایا کہ:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ط (یوسف - ۴۰)	اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی حکومت نہیں، اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام سے لے کر ایک عام آدمی تک سب کو صرف اپنی ہی عبادت کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے روکا ہے۔ اصل میں یہی وہ دینِ اِسلام ہے جس کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا، کتابیں نازل کیں اور اس کو اپنی عبادت کے لیے پسند فرمایا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں جس میں حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اِسلام کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَ تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ (الحدیث)	اِسلام یہ ہے کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو، اور رمضان المبارک کے روزے رکھا کرو........

وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝

اُسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرِ کاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔

قولہ : وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء، ملائکہ اور اصنام وغیرہ کا جن کی عبادت کی جاتی ہے، عجز اور ضعف بیان فرمایا اور بتایا کہ یہ کیوں عبادت و پرستش کے حقدار نہیں۔ اِس کی سب سے بڑی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ ان اسباب وصفات سے محروم ہیں جن کا ایک معبود میں پایا جانا ضروری ہے۔ ان اسباب میں سے سرِ فہرست مندرجہ ذیل تین اسباب ہیں :

۱۔ معبود کو مالک اور صاحبِ اختیار ہونا چاہیے

۲۔ مدعو کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعاء اور آہ و بکا کرنے والے کی گریہ وزاری سُنتا ہو۔ نیز :

۳۔ دعاء سُن کر اس کو قبول کرنے کی قدرت و طاقت بھی رکھتا ہو۔

اِن تین شروط میں سے اگر ایک بھی کم ہو تو ان کی دعوت باطل ہو جاتی ہے۔ کجا یہ کہ تینوں ناپید ہوں۔

مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ فرما کر ان کی صفتِ ملکیت کی نفی فرما دی گئی۔

قِطمیر کے بارے میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، حضرت قتادہ، مجاہد، عکرمہ، عطاء اور حسن رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کھجور کی گٹھلی کے اوپر جو باریک سا پردہ اور جھلی ہوتی ہے، اُسے قطمیر کہتے ہیں

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ
وَ لَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۔

انھیں پکارو تو وہ تمھاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمھیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔

غیر اللہ کی عدم ملکیت مندرجہ ذیل آیات سے عیاں ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ
مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا
مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝
(النحل - ۷۳)

(یہ لوگ) اللہ کریم کے سوا الیسوں کو پُوجتے ہیں جو ان کو آسمانوں اور زمین میں روزی دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ کسی دُوسری چیز کی طاقت رکھتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ
مِّنْ دُونِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُونَ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
لَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ
فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ
مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ ۝
وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ
اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ
(سبا - ۲۲، ۲۳)

فرما دیجیے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود خیال کرتے ہو ان کو بلاؤ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے۔ اور خدا کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اُس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝ (فاطر : ۱۳ ، ۱۴)

اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقتِ حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

جہاں تک اِس امر کا تعلق ہے کہ یہ لوگ پکارنے والے کی پکار کو نہیں سُن پاتے، اس کی وضاحت اِس آیت میں ہے :

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ

یعنی یہ جن کو پکارتے ہیں یا تو وہ زندگی سے محروم ہیں اور یا پھر ان کی نظروں سے اوجھل اور غائب ہیں اور اُن فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں جو اُن پر اللہ کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں، جو زندگی سے محروم ہیں وہ یُوں ان کی پکار سُننے سے قاصر ہیں اور جو زندہ ہیں، جیسے فرشتے، وہ اپنے فرائض میں مصروف ہونے کی وجہ سے ادھر ملتفت نہیں ہو سکتے۔ اِسکے بعد فرمایا گیا ہے کہ اگر یہ ان کی پکار سُن بھی لیں تو :

مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ تو وہ تمہیں جواب بھی نہ دے سکیں گے۔

کیونکہ جواب دینا ان کے بس کی بات نہیں ہے

اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ کسی کی پکار اور دعا کا جواب دے، نہ براہِ راست اور نہ کسی واسطے اور ذریعے سے۔ اس سلسلے کے بعض دلائل کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

قولہ : وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

قرآن کریم کی اِس آیت سے ثابت ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے، اِس سلسلے میں اللہ تعالےٰ

فرماتا ہے کہ:

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ[1] اللّٰهِ	ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنالیے
اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝	ہیں تاکہ وہ ان کے لیے (موجب عزت و
كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ	مددگار ہوں۔ ہرگز نہیں، (وہ معبودانِ باطل)
وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝	ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور انکے
(مریم: ۸۱-۸۲)	دشمن ہوں گے۔

يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ کے متعلق علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اے مشرکین! تم سے تمہارے معبود بیزاری کا اظہار کردیں گے۔"

جیساکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایاکہ:

---

[1] زیر بحث آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ:

○ پوری کائنات میں صرف اُسی کا تصرف ہے۔

○ روئے زمین کے تمام بادشاہ اور مخلوقات اُس کے قبضہ میں ہیں۔

اسی لیے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ " والذین تدعون من دونه ما یملکون من قطمیر "

لہٰذا جس کی یہ حالت ہو اس سے نفع کی توقع یا مصائب و مشکلات کے دفعیہ کا کیا مطلب؟ بلکہ یہ عظیم عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی خاص رہنی چاہیے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جن انبیاء، شہداء اور صالحین کو پکارا جارہا ہے وہ ان کی فریاد کو قطعاً نہیں سُن رہے اور ان کو پکارنا ہی شرکِ اکبر ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر توبہ کیے مرگیا تو اسے ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔

پس ایسے لوگوں نے اللہ کو سچا سمجھا اور نہ اس کی اطاعت کی بلکہ اُلٹا یہ عقیدہ بد رکھا کہ اہلِ قبور سُننے کے ساتھ ساتھ مشکل کشا اور حاجت روا بھی ہیں۔ ایسے بدعقیدہ لوگوں نے حقیقت میں اسلام اور ایمان کا سرے سے انکار کیا ہے جیساکہ آج کل عام مسلمان اس میں گرفتار نظر آتے ہیں۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○

(الاحقاف - ٥، ٦)

اس شخص سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور انکی پرستش سے انکار کر دیں گے۔

قولہ : وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ

مطلب یہ ہے کہ جو معاملات کے انجام اور نتیجہ سے پوری طرح باخبر ہو، اس سے بہتر اطلاع تمہیں کوئی نہیں دے سکتا۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات ہے کیونکہ وہی تمام حالات و واقعات سے باخبر ہے۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علیم و خبیر ہونے کی حیثیت سے ان کے معبودوں کے بارے میں جو اطلاع اور خبر دی ہے، مشرکین اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ علی الاعلان یہ کہتے اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے یہ معبود مالک بھی ہیں، سنتے بھی ہیں، جواب بھی دیتے ہیں اور جو ان کو پکارتا ہے اس کی سفارش بھی کرتے ہیں۔ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر قطعاً غور نہیں کیا کہ ان کے معبود قیامت کے روز ان کے دشمن اور مخالف بن جائیں گے اور ان سے بے زاری کا اظہار کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ پوری وضاحت سے فرماتا ہے کہ:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

جس دن ہم ان کو جمع کریں گے اور پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک

مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○	اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم ان کو الگ الگ کر دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہم کو تو نہیں پوجا کرتے تھے۔
فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ○	اب تمہارے اور ہمارے درمیان خدا گواہ کافی ہے کہ ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے۔
هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○	وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اُس نے آگے بھیجے ہوں گے، آزمائش کرلے گا اور وہ اپنے سچے مالک کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ وہ بہتان باندھا کرتے تھے سب ان سے جاتا رہے گا۔
(یونس - ۲۸، ۲۹، ۳۰)	

علامہ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ، ابنِ جریج رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے آیت (اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ) کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جاتی ہے، قیامت کے دِن اپنے عبادت کرنے والوں سے لاتعلقی اور بیزاری کا اظہار کرے گی۔"

عقلمند اور دانا شخص بہر حال اِن مندرجہ بالا آیات کو جو قطعی حجت، نُور، بُرہان اور ذریعہ ایمان جان کر فوراً قبول کرے گا، اپنی عملی زندگی میں ان کو مشعلِ راہ بنائے گا اور اپنے اعمال و کردار کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سرانجام دے گا اور جو خود اپنی ہی جان کے نفع و نقصان کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے اِن سے اپنے آپ کو بالکل الگ تھلگ رکھے گا کیونکہ جو اپنی جان کے بھی مالک نہیں وہ دُوسروں کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟

وفی الصحیح عن انس رضی اللہ عنہ قَالَ شُجَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ اُحُدٍ وَّ كُسِرَتْ رُبَاعِيَّتُهٗ۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگِ اُحد میں زخمی کر دیا گیا اور آپؐ کے اگلے دو دانت شہید کر دیے گئے۔

قولہٗ : وَفِي الصَّحِيح

اس سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم مراد ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو تعلیقاً روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حمید اور ثابت عن انسؓ روایت کرتے ہیں۔

امام احمد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے اس کو موصولاً عن حمید عن انسؓ روایت کیا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے عن ثابت عن انسؓ موصولاً روایت کیا ہے۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ "کتاب المغازی" میں مندرجہ ذیل الفاظ میں یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ: حدثنا حمید الطویل عن انس رضی اللہ عنہ قال

كُسِرَتْ رُبَاعِيَّةُ النَّبِيِّ	غزوۂ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ اُحُدٍ وَ شُجَّ	کے اگلے دو دانت شہید کر دیے گئے،
وَجْهُهٗ فَجَعَلَ الدَّمُ يَسِيلُ	چہرۂ انور زخمی ہو گیا اور اس پر سے خون
عَلٰى وَجْهِهٖ وَجَعَلَ يَمْسَحُ	بہنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خون کو

فَقَالَ كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ فَنَزَلَتْ "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ"۔

اِس پر آپؐ نے فرمایا کہ ایسی قوم کیسے کامیاب ہو گی جس نے اپنے ہی نبیؐ کو زخمی کر دیا ہے؟ اِس پر آیت نازل ہوئی کہ "(اے پیغمبرؐ!) فیصلہ کے اِختیارات میں تمہارا کوئی حصّہ نہیں"۔

الدَّمَ وَ هُوَ يَقُوْلُ	صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ
كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ	"وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے لت پت کر دیا حالانکہ اُنکا نبی اُن کو اُنکے ربِ کریم کی طرف بلاتا ہے۔
فَأَنْزَلَ اللهُ الْآيَةَ	آپؐ کے اِس فرمان پر یہ آیات نازل ہوئیں

قولہ: شُجَّ النَّبِيُّ ﷺ

اَبُو السعادات رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"کوئی شخص کسی کے سر میں کسی ایسے ہتھیار سے زخم کر دے، جس سے سر پھٹ جائے تو اس کو عربی میں شُجَّ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لفظ "شُجَّ" کا اِطلاق صرف سر پھٹنے پر ہوتا ہے۔ بعد ازاں یہ لفظ دُوسرے اعضا کے پھٹنے پر بھی اِستعمال ہونے لگا۔"

اِبنِ ہشام، حضرت ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ذِکر کرتے ہیں کہ:

عتبہ[1] بن ابی وقاص الیمنی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت شہید کیے تھے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نچلا جبڑا بھی زخمی ہوگیا تھا اور عبداللہ بن شہاب الزہری نے آپؐ کے چہرے کو زخمی کر دیا تھا۔ عبداللہ بن قمئہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار کو زخمی کیا تھا جس سے آپؐ کی خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں دھنس گئے اور خون بہنے لگا۔ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر خون کو چوس کر نگل لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَنْ تَمَسَّكَ النَّارُ — اے مالکؓ! تجھے جہنم کی آگ ہرگز نہ چھو سکے گی۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اگلے دو دانتوں سے ملا ہوا ہر دانت رباعیہ کہلاتا ہے۔"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"انسان کے دانت چار رباعیات پر مشتمل ہیں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت ٹوٹنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بالکل جڑ سے اکھڑ کر باہر گر پڑے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دانت کا کچھ حصّہ ٹوٹ گیا تھا۔"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"اِس واقعہ سے پتا چلا کہ انبیاء علیہم السلام کو ابتلا و آزمائش کی کٹھن وادی

---

[1] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ
"کسی کافر کے قتل کرنے پر مجھے اتنی حرص نہ تھی جتنی کہ اپنے بھائی عُتبہ پر تھی کیونکہ اسی نے جنگ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نچلے دو دانت شہید کیے اور ہونٹ مبارک زخمی کیے تھے۔" (تاریخ ابن ہشام)

سے گزرنا پڑا تاکہ وہ ان کے اجر میں اضافہ اور بلندیٔ درجات کا سبب بنیں۔
اِس لیے بھی ان کو شدید مشکلات سے دوچار ہونا پڑا کہ ان کے ماننے والے ان کی زندگی سے سبق حاصل کریں، ان کی مشکلات کو سامنے رکھ کر اپنی مشکلات کا اندازہ لگائیں اور اپنے آپ کو مشکلات کا عادی بنائیں کہ اس کے بغیر منزلِ مقصود تک پہنچنا ممکن نہیں۔"

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ :

"انبیاء علیہم السلام کے لیے دنیا میں مصائب و مشکلات سے گزرنا اس لیے بھی ضروری تھا تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ انبیاء علیہم السلام بھی عام انسانوں کی طرح ہی ہوتے ہیں اور ان کو بھی اچانک تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس طرح کہ عام انسان کو، تاکہ لوگوں کو اس بات کا علم اور یقین ہو جائے کہ انبیاء مافوق الفطرت مخلوق نہیں ہوتے بلکہ بشر اور مخلوقِ خدا ہی ہوتے ہیں، اور وہ مافوق العقل معجزات و واقعات جو ان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کی وجہ سے لوگ شیطانی وساوس کی گرفت میں نہ آئیں جیسا کہ ابلیس نے یہود و نصاریٰ کو اس میں مبتلا کر دیا تھا۔"

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

"عبادت اور محبت میں غلو اور انتہا نے ان کو تباہ کیا تھا۔"

قولہٗ : يَوْمَ أُحُدٍ

مدینۃ الرسول ﷺ سے بجانب مشرق اُحد کے نام سے ایک پہاڑ ہے۔ یہ وہی مشہور پہاڑ ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ :

أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ	اُحد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب گردانتے ہیں۔

یہ وُہی احد پہاڑ ہے جہاں اسلام اور کفر کی عظیم اور مشہور جنگ لڑی گئی تھی۔

قولہٗ : كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ

صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ :

كَسَرُوا رُبَاعِيَتَهُ وَ أَدْمَوا وَجْهَهُ یعنی وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے ہی نبی کو زخمی کیا، اُس کے دانت توڑ دیے اور اسکے چہرہ کو خون آلود کر دیا۔

قولہٗ : فَأَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ [1]

ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :

"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے اور تکلیف محسوس ہونے لگی تو کفارِ قریش کی فلاح و کامرانی سے مایوس ہو گئے اور زبان مبارک سے یہ الفاظ

---

[1] قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ قل، ان الامر کلمہ للہ اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ الا لہ الخلق والامر تبارك الله رب العلمين : اس مفہوم کی آیات قرآن کریم میں بہ کثرت پائی جاتی ہیں جن کا مقصد وحید یہ ہے کہ تمام کائنات میں جس ذاتِ کبریا کی بادشاہت ہے اور جس کے قبضہ میں کائنات کا ذرہ ذرہ ہے، ایسی ذاتِ کریم کے علاوہ مخلوق میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے اور اُسے پکارا جائے۔ یہی وجہ تھی جس کی بنا پر ربِ کریم نے اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشآء وهو اعلم بالمهتدين :

قارئین کرام غور فرمائیں کہ پوری کائنات میں افضل ترین اور اکمل ترین شخصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ جب ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ تمہارے قبضہ و قدرت میں ہدایت، نہ گمراہی، نفع نہ نقصان، امر نہ خلق، بلکہ زندگی بھر لوگوں کو دعوت دیتا رہا کہ جس ذاتِ کبریا کے قبضہ میں یہ ساری چیزیں ہیں اُسی کی عبادت کی جائے تو ان کے علاوہ دُوسرے شخص کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ عظیم پیغام ہے جس کی تبلیغ کے لیے تمام رسُولوں کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔

صلوات اللہ وسلامہٗ علیہم اجمعین

وفیہ: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فِي الرَّكْعَةِ الْأَخِيرَةِ مِنَ الْفَجْرِ، اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّ فُلَانًا بَعْدَ مَا يَقُولُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ فَأَنْزَلَ اللهُ "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ" الآية

صحیح بخاری ہی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں (جب آپ رکوع سے کھڑے ہوئے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا) یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"اے اللہ! فلاں اور فلاں شخص پر لعنت فرما۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "(اے پیغمبر!) فیصلہ کے اختیارات میں تمھارا کوئی حصّہ نہیں۔"

نکل گئے کہ: کَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ ....الخ

اسی مایوسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر! مایوس

ہونے کی ضرورت نہیں، انجام کار میرے ہاتھ میں ہے نہ کہ آپ کے قبضے میں۔ اِس لیے جو کام آپ کے ذمّے ہے اُسے ادا کرتے رہیے اور دعا مانگتے رہیے۔"

علامہ محمد ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، اِس ضمن میں رقمطراز ہیں کہ:

" لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ سے مُراد یہ ہے کہ جہاں تک میرے بندوں کا تعلق ہے تمہارے قبضہ و قدرت میں کوئی چیز نہیں۔"

قولہ : وَفِيْهِ

یعنی یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے مزید برآں اس روایت کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

قولہ : عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ

اِس سے عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ یہ جلیل القدر صحابی تھے، سُنّت کے شیدائی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خصوصی دُعا فرمائی تھی۔

یہ مزاج شناسِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، ۷۳ھ کے آخر میں یا اس سے اگلے سال کے شروع میں فوت ہوئے۔

قولہ : اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی جنگِ اُحد میں جب آپ زخمی ہوگئے اور دانت مبارک شہید ہوگئے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے لیے بد دعا کرتے ہوئے سُنا۔

قولہ : اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

" لعنت کا یہاں اصل مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ان کو اپنی رحمتوں سے دُور رکھ۔ یہی لفظ جب اِنسان اِنسان کے بارے میں اِستعمال کرتا ہے تو اِس کا مطلب گالی دینا ہوتا ہے۔"

اِس پر شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی سیر حاصل بحث سابقہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

قولہٗ : فُلَانًا وَ فُلَانًا

اس سے صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام مراد ہیں جیسا کہ اس کی تصریح آئندہ حدیث میں موجود ہے۔

اِس روایت سے یہ مسئلہ ثابت ہُوا کہ نماز میں مشرکین کا نام لے کر اُن پر بددُعا کی جا سکتی ہے اور اِس سے نماز میں کوئی خلل اور نقص واقع نہیں ہوتا۔

قولہٗ : بَعْدَ مَا یَقُوْلُ ، سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"سَمِعَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی حمد کو قبولیت کا مرتبہ عطا فرما دیا ہے۔"

علامہ سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"صیغہ سَمِعَ کا مفعول محذوف ہے جو دعاءَہٗ یا مسمعہ ہے اِسلیے کہ لفظ سمع کا تعلق اصوات و اقوال سے ہے، اشخاص سے نہیں۔ اِس میں "لام" ایک معنیٰ زائد کی نشاندہی کرتا ہے اور وہ اِستجابت یا پذیرائی ہے اور اِسطرح اِس کلمہ میں دو خوبیاں جمع ہو گئی ہیں۔ ایجاز و اِختصار اور معنیٰ زائد۔"

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ :

"یہاں مفعول محذوف نہیں بلکہ لفظ سَمِعَ متعدی بِلا عر ہے جس کے معنی ہی اِستجابت و پذیرائی کے ہیں۔"

قولہٗ : رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ

صحیح بخاری کی بعض روایات میں لفظ رَبَّنَا کے بعد وَ نہیں ہے۔

علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں :

"گویا کہ اس جملے میں حرف و کا اثبات، معنی زائد کی طرف اشارہ کناں ہے"
اس صورت میں عبارت یوں ہوگی رَبَّنَا اسْتَجِبْ وَلَكَ الْحَمْدُ اور پھر
یہ جملہ دعا کے معنی پر بھی مشتمل ہوگا اور خبر کے معنی پر بھی۔"
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
"حمد کا مفہوم ذم کے بالکل برعکس اور اس کی ضد ہے۔ حمد: بایں طور محمود
کے محاسن بیان کرنا ہے کہ محمود سے دل میں محبت کامل بھی ہو، اور ذم یہ ہے کہ
کسی شخص کی برائی بیان کرنے کے ساتھ دل میں اس کے خلاف بغض بھی پایا جائے"
علامہ ابن قیم رحمہ اللہ بھی حمد اور ذم کے مفہوم و مطلب کے سلسلے میں اسی طرح کہتے ہیں۔
البتہ وہ حمد اور مدح میں فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
"اگر کسی شخص کے محاسن اور خوبیاں محبت اور ارادے کے تقاضے
سے ہٹ کر بیان کرے تو یہ مدح ہے۔
اور اگر کسی شخص کے محاسن اور خوبیوں کے ساتھ اپنی محبت اور ارادہ بھی
وابستہ ہو تو اس کو حمد سے تعبیر کیا جائے گا۔
یعنی کسی کی محبت، عظمت و توقیر اور بزرگی اور جلالت شان کو ملحوظ خاطر رکھ
کر محاسن بیان کیے جائیں تو اس کو حمد کہیں گے، اس لیے یہ خبر ہوگی جو کہ
انشا کو متضمن ہوگی۔ البتہ مدح میں یہ بات نہیں ہے وہ مجرد خبر ہوتی ہے۔
چنانچہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ

تو یہ جملہ ہر اس خبر کو محیط و متضمن ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جاسکتی ہو
اور حقیقت میں یہ ہر اس کمال کو لازم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا مقصود ہو،
اسی بنا پر یہ جملہ غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کسی اور کی یہ شان

وفي رواية: "يَدْعُو عَلٰى صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ وَسُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو وَالْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ فَنَزَلَتْ "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ"۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام پر بدُدعا کرتے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ "(اے پیغمبرؐ!) فیصلے کے اختیارات میں تمھارا کوئی حصہ نہیں"۔

ہی نہیں ہے کہ اُسے اِس طرح کے الفاظ سے متصف کیا جائے۔ حمید و مجید صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور بس"۔

اِس حدیث میں اِس بات کی تصریح موجود ہے کہ امام کو تسمیع اور تحمید دونوں کو نماز میں جمع کرنا چاہیے۔ امام شافعی، امام احمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ البتہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ امام صرف سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ پر ہی اِکتفا کرے۔

قولہ: يَدْعُوا عَلٰى صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ

جنگِ اُحد میں لشکرِ کفار کے سرکردہ ابو سفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام ہی تھے۔

اِن کے لیے آنحضرت ﷺ کی بدُدعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ اس کے برعکس یہ آیت نازل فرمائی کہ:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اِس حکم میں تیرا کوئی اختیار نہیں، اللہ چاہے

وفيه : عن ابي هريرة رضي الله عنه قَالَ قَامَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حِينَ أُنْزِلَ عَلَيهِ "وَ أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" فَقَالَ

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر فرمایا:

أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ توان کی طرف رحمت لائے یا ان کو عذاب کرے۔ (آل عمران - ۱۲۸)

چنانچہ جنگِ اُحد کے بعد یہ چاروں افراد اسلام کی دولت سے بہرہ مند ہو گئے تھے، اور ان کا اسلام لانا ان کے لیے نفع بخش ثابت ہوا۔

اس سارے واقعہ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا معنیٰ و مفہوم پوری طرح واضح ہے اور یہ حقیقت عیاں ہے کہ تمام امور کی باگ ڈور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ وہ اپنی رحمت اور اپنے فضل خاص سے جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے محروم رکھتا ہے اور یہ عدل و انصاف کی بنا پر ہوتا ہے۔

قبروں کے پجاریوں کے عقائد کی تردید میں یہ واقعہ اپنے اندر زبردست حجت اور برہان رکھتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ انبیاء، صلحاء اور اولیاء اللہ کو پکارنے والے اور ان کے نام سے اعانت حاصل

کرنے والوں کو وہ نہ تو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ دے سکتے ہیں۔

سو پاک اور منزہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی جو مشرکین کے قلب و ذہن کو ہدایت کی بہرہ مندی سے محروم رکھتی ہے اور ہدایت اس کی دین اور بخشش ہے جس کی تہہ میں بہر حال عدل و انصاف کے تقاضے پنہاں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان اور اس کے دل کے تاثرات میں حائل ہوتا ہے اور اُسی اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی اور عطا کردہ قوت و طاقت سے تمام امور انجام پاتے ہیں۔

قولہ : وَفِيهِ

اس سے صحیح بخاری مراد ہے۔

قولہ : عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ امام نووی نے پورے وثوق اور یقین سے کہا ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر تھا۔

مستدرک میں حاکم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ:

كَانَ اِسْمِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ عَبْدُ شَمْسِ بْنِ صَخْرٍ	جاہلیت میں میرا نام عبد شمس بن صخر تھا۔
فَسُمِّيْتُ فِي الْاِسْلَامِ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ	اور اسلام لانے کے بعد میرا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔

الدولابی اپنی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:

اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم سَمَّاهُ عَبْدَ اللّٰهِ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ رکھا تھا

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ فضلاء، وحفاظِ حدیث صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کثرت سے انھوں نے احادیث حفظ کی ہیں

وہ دُوسرے کسی صحابی نے حفظ نہیں کیں۔ اس جلیل القدر صحابی رسول ؐ نے اٹھتر سال کی عمر پا کر وفات پائی ان کے سن وفات میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ۵۷ھ ہیں، بعض کے نزدیک ۵۸ھ میں اور بعض کے نزدیک ۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ [۱]

قولہ : قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بایں الفاظ روایت منقول ہے کہ :

صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى الصَّفَا فَقَالَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہوکر لوگوں کو پکارا۔

---

[۱] امام بخاری ؒ نے اپنی صحیح بخاری کتاب البیوع کے شروع میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور قول نقل فرمایا ہے جس میں وُہ اپنے ساتھیوں سے فرماتے ہیں کہ :

"تم یہ کہتے ہو کہ ابوہریرہ ؓ مہاجرین و انصار کی بنسبت کثرت سے احادیث بیان کرتا ہے۔ ایُّھا الاخوۃ! اصل بات یہ ہے کہ میرے مہاجر بھائی اپنی ضروریاتِ زندگی اور اپنے بال بچوں کی ذمہ داریوں سے عُہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے وقت کا بیشتر حصہ بازاروں میں خرید و فروخت اور تجارت میں صرف کر دیتے تھے۔ میرے بھائی بازار میں ہوتے اور مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہتا۔ رہے میرے انصاری بھائی، تو وُہ اپنے مال و متاع کی حفاظت اور دیکھ بھال میں مصروف رہتے، لیکن مَیں اہل صفہ میں سے ایک غریب اور مسکین طالب علم تھا، میرا کام ہی یہ تھا کہ جونہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ارشاد فرماتے تو مَیں اُسے اچھی طرح حفظ اور یاد کر لیتا تھا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ" انه لن يبسط احد ثوبه حتى اقضى مقالتى هذه ثم يجمع اليه ثوبه الاوعى ما اقول "

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی چادر پھیلا دی اور جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گفتگو مکمل کر چکے تو وہ ساری گفتگو مَیں نے اپنے سینے میں محفوظ کر لی اور وہ ساری کی ساری گفتگو مجھے حفظ اور از بر ہو گئی ہے، اس میں سے ایک جملہ تو کجا ایک حرف بھی نہیں بھُولا ہوں۔" رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قولہ : حِيْنَ اُنْزِلَ عَلَيْهِ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ

کسی شخص کے باپ کی اولاد کو یا اس کے قبیلے کو عشیرہ کہا جاتا ہے کیونکہ دینی اور دنیاوی احسان اور بھلائی کے زیادہ حقدار یہی لوگ ہوتے ہیں جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحريم - ٦)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

اس آیتِ کریمہ میں قریبی تعلق رکھنے والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا حکم فرمایا اور مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں عام لوگوں کو بھی عذابِ الٰہی سے بچنے کے لیے ارشاد ہوا:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (یٰسٓ - ٦)

تاکہ تم خبردار کرو ایک ایسی قوم کو جس کے باپ دادا خبردار نہ کیے گئے تھے اور اس وجہ سے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ (ابراهيم - ٤٤)

اے محمدؐ! اُس دن سے آپ انھیں ڈرائیے جبکہ عذاب انھیں آلے گا۔
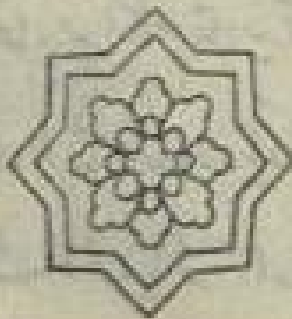
يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ "أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا" إِشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا -

"اے قریش کی جماعت! اپنی جانوں کو بچو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کام نہ آؤں گا۔

قولہ : يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ

معشر جماعت کو کہا جاتا ہے۔

قولہ : أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ فرمایا یا اسی قسم کا کوئی اور دوسرا کلمہ ارشاد فرمایا۔ کَلِمَةً یہاں ماقبل پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ : إِشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ

مطلب یہ ہے کہ:

- — توحید کا اقرار کرے۔
- — عبادت میں دولتِ خلوص سے مالا مال ہو کر
- — شرک سے اجتناب کرکے
- — اس کے حکموں کو مان کر اور
- — اس کی منع کی ہوئی اشیاء سے رُک کر اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے بچا لو

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ ان ہی احکام پر عمل پیرا ہونا

ہے۔ حسب و نسب پر اعتماد کسی کام نہ آئے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقعت حاصل نہیں ہے۔

قولہٗ : لَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی میں ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو انبیاء و صالحین کے فوت ہو جانے کے بعد اُن سے مصائب و مشکلات میں امداد کے متمنی ہوتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کی سفارش کرتے ہیں، ان کو نفع پہنچاتے ہیں یا ان کی تکالیف کو دُور کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہی وہ شرک ہے جس کی وضاحت کی غرض سے اور جس کے انجامِ بد سے آگاہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے انسان اُسی وقت بچ سکتا ہے جب کہ وہ اپنی تمام عبادات میں اخلاص پیدا کرے اور غیر اللہ کی ہر قسم کی عبادت سے براءت کا اظہار کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (المائدہ-۷۲)	جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

زیرِ نظر حدیث میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو خصوصی طور پر اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور بتایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا، بجز اس کے کہ تم توحید کا اقرار کر لو اور شرک سے تائب ہو کر اس سے براءت کا اعلان کرو۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشیوں کے گھر گھر جا کر ان کو وعظ و نصیحت کی اور قبائل عرب کو خاص خاص موقعوں اور موسموں میں اُن کے اجتماعات میں جا کر دعوتِ توحید پیش کی اور خصوصاً چچا، پھوپھی اور اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے صاف صاف فرمایا کہ:

- ○ اگر تم ایمان نہ لائے ، ○ توحید کا اقرار نہ کیا،
- ○ شرک سے براءت کا اظہار نہ کیا اور ○ سابقہ تمام شریعتوں کو ترک نہ کیا

تو پھر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔

يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ! لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ، يَا صَفِيَّةَ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا - وَ يَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِيْ مِنْ مَّالِيْ مَا شِئْتِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا -

---

اے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب ! اے پھوپھی صفیہؓ ! اپنی جانوں کو بچا لو، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کام نہ آؤں گا۔ اے میری بیٹی فاطمہؓ ! میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرے کام نہ آؤں گا۔"

اللہ تعالیٰ مشرکین کے عقیدے کے بارے میں فرماتا ہے :

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر - ۳)

وہ لوگ جنھوں نے اُس کے سوا دُوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں (اور اپنے اس فعل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔

ایک دوسرے مقام پر مشرکین کا ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ :

هٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ

یہ اللہ تعالےٰ کے ہاں ہمارے

اللہِ ط   سفارشی ہیں۔

(یونس - ۱۸)

اللہ تعالیٰ نے اِس عقیدۂ شرکیہ کی تردید فرمائی اور اپنے آپ کو اس قسم کے شرک سے بالا و برتر اور منزہ قرار دیا۔

اس کی مزید تشریح آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔ ان شاء اللہ

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ:

یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ !	اے عبد مناف کی اولاد!
لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا	میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

قولہٗ: سَلِیْنِیْ مِنْ مَالِیْ مَا شِئْتِ لہ

اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت سے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ صرف ایمان باللہ اور عملِ صالح ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی شے ذریعۂ نجات نہیں بن سکتی۔

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دنیوی مال کے سوال کرنے کو اس لیے فرمایا کہ حسبِ طاقت یہ معاملہ آپؐ کے اختیار میں تھا۔ البتہ وہ امور جن کا تعلق صرف اللہ سے ہے، ان پر کسی شخص کی قدرت نہیں ہے جیسا کہ اسی زیرِ بحث حدیث میں منقول ہے۔

جب ابوطالب کی وفات شرکیہ عقیدہ پر ہوئی تو اس کے احسانات اور ان کی حمایت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

لاستغفرن لك ما لم انه عنك	میں اس وقت تک تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے روک نہ دیا جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی کہ:

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کو کسی دوسرے شخص سے وہی سوال کرنا چاہیے جس کی اسے دنیاوی امور میں قدرت اور طاقت حاصل ہو۔

رحمت، بخشش، جنت اور جہنم سے نجات اور اس کے علاوہ ان اشیاء کا جو صرف اللہ تعالیٰ

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ○ (التوبہ - ۱۱۳)

نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کیلئے مغفرت کی دعا کریں چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ چونکہ ابو طالب نے کلمہ شہادت کا اقرار نہیں کیا اور اس کی موت شرکیہ عقیدہ پر واقع ہوئی لہٰذا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بے پناہ حمایت کی تھی وہ اس کے کام نہ آئی اور نہ ہی اس کا یہ اعتراف، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، فائدہ مند ثابت ہوا کیونکہ اس نے شرک اور اپنے آبائی دین سے قطع تعلق نہیں کیا تھا اور یہ بات واضح ہے کہ ہر وہ تعلق جو غیر اللہ سے وابستہ ہو شرک کی تعریف میں آتا ہے جو دنیا اور آخرت میں انسان پر وبالِ جان ثابت ہوگا۔ شفاعت ان ہی افراد کے مقدر میں ہے جو صرف اخلاص کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان ہی افراد کے بارے میں ربِ ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ (الانعام - ۵۱)

اے محمدؐ! تم اس علم وحی کے ذریعہ سے ان لوگوں کو نصیحت کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں کوئی ایسا (ذی اقتدار) نہ ہوگا جو ان کا حامی و مددگار ہو، ان کی سفارش کرے، شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہو کر) وہ خدا ترسی کی روش اختیار کر لیں۔

اس کی مزید تفصیل "بابُ الشفاعۃ" میں آرہی ہے۔ ان شاء اللہ

کے قبضے میں ہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے سے سوال کرنا ممنوع اور حرام ہے اور وہ اشیاء جو اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہیں، ان کا حصول اس وقت تک ممکن ہی نہیں ہے جب تک کہ انسان توحید خالص کا اقرار نہ کرلے اور وہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر لازم قرار دیے ہیں ان کو صرف رضائے الٰہی کی خاطر انجام نہ دے لے اور پھر ان ہی احکام کو تقربِ الٰہی کا ذریعہ نہ سمجھ لے۔

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی، اپنی لختِ جگر، اپنے مہربان چچا، اپنی پھوپھی اور اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کو نفع نہیں پہنچا سکتے تو ان کے علاوہ دوسرے افرادِ اُمت کی کیا حیثیت اور وقعت باقی رہ جاتی ہے؟ خصوصاً آپؐ کے چچا ابوطالب کے واقعہ میں تو اہلِ بصیرت اور عقلمندوں کے لیے بڑی عبرت اور نصیحت کا سامان پنہاں ہے۔

ان لوگوں پر سخت افسوس ہوتا ہے جو مُردوں کے پاس اپنی حاجات اور مشکلات لے جاتے ہیں اور ان کے مشاہد و قبور پر اُمید و خوف کے ملے جلے جذبات سے کامل توجہ اور انکساری کے ساتھ حاضری دیتے ہیں حالانکہ وہ خود اتنے عاجز اور درماندہ ہیں کہ اپنی جان کے لیے بھی نفع مند ثابت نہیں ہو سکتے اور نہ اپنی تکالیف ہی کو از خود دُور کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں بھلا دوسروں کے کام کس طرح پُورے کر سکتے ہیں؟

ان کی حالت پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے اور ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ	ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنالیا اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں۔

(الاعراف - ۳۰)

شیطان نے ان کے سامنے شرک کو صالحین کی محبت و عقیدت کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا ہے حالانکہ ہر مردِ صالح دنیا میں بھی اس شرک سے اللہ کی پناہ مانگتا ہے اور قیامت کے روز بھی

اس سے اظہارِ برأت کرے گا۔

اس میں شک نہیں کہ صلحائے سے محبت صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ دینی معاملات میں ان سے ہم آہنگی اِختیار کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معاملے میں انکے نقشِ قدم کا تتبع کیا جائے نہ کہ اللہ کے ان نیک بندوں کو اس کا شریک ٹھہرا کر، اُن سے اِس انداز کی محبت کرے جو صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، یہ تو اللہ کے ساتھ شرک، غیر اللہ کی عبادت اور اللہ اس کے رسولؐ اور اللہ کے صالح بندوں کے ساتھ دشمنی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۖ

اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب خدا فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟

قَالَ سُبْحٰنَكَ ! مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي ۚ بِحَقٍّ ۚ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝

وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے، مجھے کیسا حق تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہے کیونکہ جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے اُسے میں نہیں جانتا۔ بے شک تُو ہی غیب دان ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا

میں نے ان سے کچھ نہیں کہا، بجز اسکے جس کا تُو نے مجھے حکم دیا، وہ یہ کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار

مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي	ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان کے
كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ	حالات کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا
وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○	سے اٹھالیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر
(المائدہ - ۱۱۷،۱۱۶)	چیز سے خبردار ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:

" اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تردید کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان احکام کی مخالفت کی ہے جن پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کاربند رہنے کی تاکید کی تھی۔ انھوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ انھوں نے صرف توحید ہی کو اپنی قوم کے سامنے پیش کیا تھا، جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں کہ:

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي	میں نے اُن سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا
بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي	جس کا آپ نے حکم دیا تھا، کہ اللہ کی
وَرَبَّكُمْ	بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمھارا بھی

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شہادت محض اُس زمانے تک کی ہے جب تک کہ وہ ان میں قیام فرما رہے۔ ان کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد ان کو ان کی کوئی خبر نہ تھی۔ ان کے رفع الی السماء کے بعد کے حالات و کوائف کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا	میں اُسی وقت تک اُن کا نگران تھا
دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي	جب تک کہ میں اُن کے درمیان تھا
كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ	جب آپ نے مجھے واپس بلا لیا تو آپ ان پر
وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○	نگران تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں
	پر نگران ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی شہادت تمام لوگوں کی شہادت سے ارفع و اعلیٰ ہے"

شارح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اس آیتِ کریمہ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو جن احکام کا حکم دیا تھا، ان کی مشرکین نے مخالفت کی اور وہ تھی توحید الوہیت، جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے۔ اسی کی طرف انھوں نے لوگوں کو دعوت دی اور اسی کو لوگوں سے تعلقات کے قیام و انقطاع کا معیار ٹھہرایا۔

جو شخص انبیائے کرام علیہم السلام کے دین کو اپنائے اور جو حکم ان کو ملا اس کی اطاعت کرے اور بلا شرکت غیرے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فریضہ انجام دے، ایسے شخص کے متعلق کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی اطاعت اور توحید خالص کے اقرار میں اُس نے کسی قسم کی کمی کی ہے۔ اُس نے اپنے رسول ؐ کی اتباع کی اور اللہ تعالیٰ کو شرک سے منزہ اور پاک قرار دیا جو کہ توحید ربوبیت کی ضد ہے۔ ہم اس کے بارے میں کس طرح اِس سوئے ظن سے کام لے سکتے ہیں کہ اس نے توحیدِ الوہیت میں کسی بھی نوع کی کمی کا ارتکاب کیا ہو گا؟

مُشرکین تو دُنیا اور آخرت دونوں جہان میں انبیاء علیہم السلام کے دشمن اور ان کے مدِ مقابل ہیں انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے متبعین پر یہ واضح کیا ہے کہ وُہ ہر مُشرک سے قطع تعلق رکھیں، ان کے رسم و رواج سے بالکل الگ تھلگ رہیں اور اُن سے اور اُن کے معبودوں سے بُغض و عناد کا اظہار کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (الانعام - ۱۴۹)

فرما دیجئے کہ خُدا ہی کی حجت پوری ہے اگر وُہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تَفْسِيرُ الْأٰيَتَيْنِ۔

(١) دو آیات کی تفسیر۔

الثانیۃ: قِصَّةُ أُحُدٍ۔

(٢) جنگِ اُحد کا مختصر واقعہ۔

الثالثۃ: قُنُوطُ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ خَلْفَهُ سَادَاتُ الْأَوْلِيَاءِ يُؤَمِّنُوْنَ فِي الصَّلٰوةِ۔

(٣) سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا قنوتِ نازلہ پڑھنا اور آپ کے پیچھے سادات الاولیاء یعنی صحابہ کا آمین کہنا۔

الرابعۃ: أَنَّ الْمَدْعُوَّ عَلَيْهِمْ كُفَّارٌ۔

(٤) جن کے لیے بددُعاء کی گئی وُہ کافر تھے۔

الخامسۃ: أَنَّهُمْ فَعَلُوْا أَشْيَآءَ مَا فَعَلَهَا غَالِبُ الْكُفَّارِ۔ مِنْهَا شَجُّهُمْ

نَبِيِّهِمْ وَ حِرْصِهِمْ عَلٰى قَتْلِهٖ

وَ مِنْهَا التَّمْثِيْلُ بِالْقَتْلٰى مَعَ

أَنَّهُمْ بَنُوْ عَمِّهِمْ ۔

⑤ اہلِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ سلوک کیا جو دُوسرے کفار نے نہیں کیا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کرنا، آپؐ کے قتل پر آمادہ اور کوشاں ہونا، مسلمان شہداء کا مُثلہ کرنا۔ اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی حالانکہ یہ لوگ آپؐ کے قریبی رشتہ دار تھے اور بعض تو آپؐ کے چچیرے بھائی تھے۔ اِس قدر قریبی رشتے کی بھی انھوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔

السادسة أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِيْ ذٰلِكَ "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ"

⑥ اِن مظالم کے باوجود اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اِن کا انجام کار آپؐ کے قبضہ وقدرت میں نہیں۔

السابعة قَوْلُهٗ : "أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ" فَتَابَ عَلَيْهِمْ فَأٰمَنُوْا ۔

⑦ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "ان کی توبہ قبول کرلے یا اُن کو عذاب دے"۔ چنانچہ اللہ کریم نے ان کی توبہ قبول کی اور وُہ ایمان لے آئے۔

الثامنة: اَلقُنُوتُ فِی النَّوَازِلِ

⑧ نزولِ حوادث کے موقع پر دُعائے قنوت پڑھنا۔

التاسعة: تَسمِیَۃُ المَدعُوِّ عَلَیھِم فِی الصَّلٰوۃِ بِأَسمَآئِھِم وَ أَسمَآءِ أٰبَآئِھِم۔

⑨ جن کے لیے بددُعا کی جارہی ہو اُن کے اور اُن کے آباء و اجداد کے نام نماز میں لینا۔

العاشرة: لَعنُ المُعَیَّنِ فِی القُنُوتِ۔

⑩ قنوت میں کسی خاص شخص کا نام لے کر لعنت کرنا۔

الحادية عشرة: قِصَّتُہٗ ﷺ لَمَّا أُنزِلَ عَلَیہِ "وَ أَنذِر عَشِیرَتَكَ الأَقرَبِینَ"۔

⑪ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی کہ "اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیے" تو آپؐ کا ایک ایک کو پکار کر عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا واقعہ۔

الثانية عشرة: جِدُّہٗ بِحَیثُ فَعَلَ مَا نُسِبَ بِسَبَبِہٖ إِلَی الجُنُونِ وَ کَذٰلِكَ لَو یَفعَلُہٗ مُسلِمٌ اَلأٰنَ۔

⑫ جب رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ توحید سنائی تو آپؐ کو مجنون

جیسے لقب سے پکارا جانا۔

آج بھی اگر کوئی شخص دعوتِ توحید دے تو اُس کو بھی ایسے ہی القاب سے پکارا جاتا ہے۔

الثالثۃ عشرۃ قَوْلُهُ لِلْأَبْعَدِ وَ الْأَقْرَبِ "لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا"۔ حَتّٰى قَالَ : يَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، فَإِذَا صَرَّحَ وَ هُوَ سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ: بِأَنَّهُ لَا يُغْنِي شَيْئًا عَنْ سَيِّدَةِ نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ وَ آمَنَ الْإِنْسَانُ أَنَّهُ ﷺ لَا يَقُوْلُ إِلَّا الْحَقَّ ، ثُمَّ نَظَرَ فِيْمَا وَقَعَ فِيْ قُلُوْبِ خَوَاصِّ النَّاسِ الْيَوْمَ . تَبَيَّنَ لَهُ التَّوْحِيْدُ وَ غُرْبَةُ الدِّيْنِ -

(۱۳) رسول اللہ ﷺ کا قریبی اور غیر قریبی سب کو علی الاعلان یہ فرمانا

کہ میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہاں تک آپؐ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی فرمایا کہ دیکھو میں تم کو بھی عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکوں گا۔ سید المرسلینؐ کا سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس صراحت سے کہنا کہ میں تم کو اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ رکھ سکوں گا۔ انسان کا یہ ایمان اور یقین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مُبارک سے سوائے حق کے دوسری بات نہیں نکلتی۔

مُندرجہ بالا صراحت کی روشنی میں آج کے حالات پر بھی غور کیجیۓ کہ جس میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ بعض خواص بھی مبتلا ہیں تو آپ کو صحیح توحید صاف طور پر معلوم ہوگی اور دین کی بے بسی بھی واضح ہو جائے گی۔

باب

قولہ اللہ تعالیٰ:

حتّٰی إذا فُزّع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربّكم قالوا الحقّ وهو العليّ الكبير

◎

جب گھبراہٹ اُن کے دلوں سے دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم دیا ہے؟ اس پر مقربین کہتے ہیں کہ جو حکم دینا چاہیئے تھا وہی دیا ہے۔ اور وہ عالی شان اور سب سے بڑا ہے

قوله تعالىٰ حَتّٰٓى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۔

حتیٰ کہ جب لوگوں کے دلوں سے گھبراہٹ دُور ہو گی تو وہ پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا۔

قولہٗ : حَتّٰٓى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ

یعنی اُن کے دِل سے گھبراہٹ جب ختم ہو جاتی ہے۔

فزّع کا یہ مفہوم حضرت ابنِ عباس، ابنِ عمر رضی اللہ عنہم ، ابو عبد الرحمٰن السلمی، الشعبی اور حسن البصری رحمہم اللہ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں :

" یہاں بعض کے نزدیک فرشتے مُراد ہیں کیونکہ جب وہ کلام اللہ سُنتے ہیں تو اُن پر ہیبت اور خوفِ الٰہی طاری ہو جاتا ہے۔"

ابنِ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

" ظاہر کلام اس پر دلالت کناں ہے کہ یہاں عبارت محذوف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جن کو تم اپنے سفارشی سمجھتے ہو حقیقت میں وہ تمہارے سفارشی نہیں ہیں کیونکہ وہ تو خود ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہیں، اُن کی حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہیں جو اپنے مولا و آقا کا مطیع و منقاد ہوتا ہے جیسا کہ ابن جریرؒ نے کہا ہے، یہاں فرشتے مُراد ہیں۔"

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :

" یہاں بلا شبہ فرشتے ہی مُراد ہیں جیسا کہ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت

کی ہے اور صحیح احادیث اور آثار صحابہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔"

ابو حیان رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر "البحر المحیط" میں رقمطراز ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس بارے میں واضح ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ملائکہ ہی مراد ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کرتے ہیں تو تمام فرشتے ایک آواز سنتے ہیں جیسے کسی نے پتھر پر لوہے کو دے مارا ہو تو اس آواز کی دہشت، خوف اور ہیبت سے اُن پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

جن مفسرین نے یہاں فرشتے مراد لیے ہیں، اُن کے لیے گذشتہ آیت سے اس کا رابطہ قائم رکھنا آسان ہو جاتا ہے، اور جنھوں نے فرشتے مراد نہیں لیے، اُن کے لیے اِس آیت کا سابقہ آیت سے ربط پیدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

قولہ: قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ

یعنی فرشتے وحی کے اس مرحلہ میں یہ نہیں سوال کرتے کہ مَاذَا خَلَقَ رَبُّنَا یعنی ہمارے پروردگار نے کیا پیدا کیا؟ کیونکہ اگر کلام اللہ مخلوق ہوتا تو فرشتے " مَاذَا خَلَقَ رَبُّنَا " کہتے۔

(ماخوذ از شرح سنن ابن ماجہ)

لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآنِ حکیم، اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں۔

ایک حدیث میں اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں:

مَاذَا قَالَ رَبُّنَا يَا جِبْرِيْلُ — اے جبرائیل! ہمارے رب نے کیا فرمایا ہے؟

کتاب وسنت میں اس قسم کے بہت سے دلائل ہیں، جن سے کلام اللہ کا غیر مخلوق ہونا ثابت ہوتا ہے۔

قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝ (سبا: ٢٣)

وہ کہیں گے کہ ٹھیک جواب مِلا ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے۔

قولہٗ : قَالُوا الْحَقَّ

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا وہ برحق ہے۔

جب فرشتے کلام اللہ سنتے ہیں تو اُن پر بے ہوشی اور غشی کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد ایک دُوسرے سے پُوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ پھر خود ہی ایک دُوسرے سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ برحق ہے۔

لہ زیرِ بحث آیات میں چار اُمور ایسے ذکر کیے گئے ہیں جن سے شرک جیسے مُوذی مرض کی جڑیں کٹ جاتی ہیں:

ا ـــ یہ کہ غیر اللہ ذرہ برابر کسی چیز کی ملکیت نہیں رکھتا۔ جس کی یہ حالت ہو وہ دُوسرے کو تکلیف یا نفع نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا مالک ہے، وہی تدبیر امر کرتا ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے۔

۲ ـــ یہ کہ (و ما لھم فیھما من شرك) یعنی زمین و آسمان میں کسی بھی غیر اللہ کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے۔

۳ ـــ یہ کہ (و ما لہ منھم من ظھیر) یعنی تمام کائنات میں سے کوئی ایک فرد بھی اللہ تعالیٰ کا مُعین اور مددگار نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سب کا مددگار ہے۔ وہی اپنے بندوں کی ضروریات کا واحد کفیل ہے اور تمام مخلوق کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی دنیوی ضرورت ہو یا اُخروی سب کو اللہ تعالیٰ ہی پوری کرتا ہے۔

۴ ـــ یہ کہ (و لا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ) یعنی دربارِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص سفارش کرنے کی جرأت نہیں کرسکے گا۔

قولہٗ : وَھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ

یہاں مراد بلندی قدر و منزلت، بلندی قہر و اختیار اور بلندی ذات ہے۔ غرض ہر قسم کی کامل ترین بلندیاں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لیے خاص ہیں۔

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے جب سوال کیا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسے حاصل کریں؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو اپنا سفارشی بناتا ہے تو ایسے شخص کی شفاعت ہرگز نہ ہو سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارشی بنانا شرک ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ	یہ لوگ اللہ کے سوا اُن کی پرستش کرتے ہیں
مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ	جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور
وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا	کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے
عِندَ اللَّهِ ۚ	سفارشی ہیں۔
قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا	(اے محمدؐ!) ان سے کہو، کیا تم اللہ کو
لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَ	اُس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں
لَا فِي الْأَرْضِ ۚ	میں جانتا ہے نہ زمین؟
سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا	پاک ہے وہ اور بالاتر ہے اس شرک
يُشْرِكُونَ ۝ (یونس ـ ١٨)	سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اُن لوگوں کو مشرک قرار دیا گیا ہے جو کسی کو سفارشی خیال کرتے ہیں اور مشرک کی سفارش ممکن ہی نہیں۔ مشرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ	اس وقت سفارش کرنے والوں کی سفارش
الشَّافِعِينَ ۝	ان کے کسی کام نہ آئے گی۔

دُوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ	اب تم ویسے ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے
كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ	جیسا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا۔

تو فرمایا "اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام مخلوقات سے جدا (بائن) عرش پر استوا پذیر مانیں"۔

اس عقیدہ کو قرآن کریم سے ماخوذ اور اللہ کی طرف سے تعلیم کردہ خیال کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ رحمٰن عرش پر استوا پذیر ہوا۔

(طٰہٰ - ۵)

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ پھر وہ عرش پر استوا پذیر ہوا۔

(الفرقان - ۵۹)

اللہ تعالیٰ کا عرش پر استوا پذیر ہونا قرآن کریم میں تقریباً سات مقامات پر آتا ہے۔

قولہ : اَلْکَبِیْرُ

یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ تو کوئی بڑا ہے اور نہ کوئی اعظم ہے۔ تبارک وتعالیٰ۔

تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ (الانعام - ۹۴)

جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا وہ سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو اور اب ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ تمہارے کام بنانے میں اُن کا بھی کچھ حصہ ہے۔ تمہارے آپس کے سب رابطے ٹوٹ گئے اور وہ سب تم سے گم ہو گئے جن کا تم زعم رکھتے تھے۔

جو شخص کسی کو اپنا سفارشی خیال کرتا ہے وہ اُسے مختلف اوقات میں یاد کرتا ہے، اُس سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے، اُس سے ڈرتا ہے اور اُس کی محبت میں آ کر اپنے دل میں امیدوں کے چراغ جلائے رکھتا ہے۔

یہ مختلف قسم کی عبادات ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی مخصوص ہیں اور جو شخص ان کو کسی بھی غیر اللہ میں سمجھے تو یہ ایسا شرک ہے جو اخلاص اور توحید کے منافی ہے اور ایسا شخص مُشرک ہے۔

فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَآءِ۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی بات کا فیصلہ صادر فرماتا اور حکم دیتا ہے۔

قولہ : فِي الصَّحِيحِ [1]

یہاں صحیح سے صحیح بخاری مراد ہے۔

قولہ : إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَآءِ

یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی ایسے حکم و فیصلہ کے بارے میں کلام کرتا ہے، جس کو جبریل علیہ السلام کی طرف وحی کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔

لفظ قضا کا ترجمہ کلام، ہم نے ایک حدیث کی روشنی میں کیا ہے جس کو سعید بن منصور، ابوداؤد اور ابن جریر رحمہم اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے

إِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِالْوَحْيِ سَمِعَ	جب اللہ تعالیٰ وحی کے انداز میں کلام کرتا ہے تو
أَهْلُ السَّمٰوٰتِ صَلْصَلَةً	آسمانوں میں رہنے والے اس طرح واضح طور پر اور
كَجَرِّ السِّلْسِلَةِ عَلَى الصَّفْوَانِ	دہشت زدہ ہو کر سنتے ہیں جیسا کہ پتھر پر کسی زنجیر کے گھسیٹنے کی آواز ہوتی ہے۔

[1] امام بخاری رحمہ اللہ آیت "إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ" کی تفسیر کرتے ہوئے سورۃ الحجر اور سورۃ سبا دونوں جگہ یہ روایت لائے ہیں۔

ضَرَبَتِ الْمَلَآئِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهٖ كَاَنَّهٗ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ۔

تو مارے ڈر اور خوف کے فرشتے اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی بنا پر اپنے پروں کو پھڑپھڑانے لگتے ہیں اور اللہ کے کلام کی آواز ایسی واضح اور زور دار ہوتی ہے جیسے صاف اور نرم پتھر سے لوہے کی زنجیر ٹکرائے۔ یہ آواز ان فرشتوں کے دِلوں میں اُتر جاتی ہے۔

ابنِ ابی حاتم اور ابنِ مردویہ، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ، لَمَّا اَوْحَى الْجَبَّارُ اِلٰى مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم دَعَا الرَّسُوْلَ مِنَ الْمَلَآئِكَةِ لِيَبْعَثَهٗ بِالْوَحْيِ فَسَمِعَتِ الْمَلَآئِكَةُ صَوْتَ الْجَبَّارِ يَتَكَلَّمُ بِالْوَحْيِ فَلَمَّا كُشِفَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ سَاَلُوْا عَمَّا قَالَ اللّٰهُ؟ فَقَالُوا الْحَقَّ وَعَلِمُوْا

جب جبّار (اللہ)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کرنا چاہتا ہے تو فرشتوں میں سے ایک کو بلاتا ہے تاکہ وُہ وحی لے کر آپ کے پاس جائے۔ ربِ جبار کی اس وحی کی آواز کو سب فرشتے سنتے ہیں۔ جب ان کے دِلوں سے دہشت کی کیفیت ختم ہوتی ہے تو ایک دُوسرے سے پُوچھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ حق ہی

اَنَّ اللّٰہَ لَا یَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا فرمایا ہے اور سب فرشتے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہی ارشاد فرماتا ہے۔

قولہٗ : خُضعَانًا لِقَوْلِہٖ

خاء اور ضاد کے فتح کے ساتھ جس کے معنی خضوع کے ہیں۔

یا بضمِ خاء اور سکونِ ضاد ہے۔ اِس صورت میں یہ مصدر ہوگا بمعنیٰ خاضعین کے۔

لِقَوْلِہٖ سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام اور اُس کا حکم ہے۔

قولہٗ : یَنْفُذُھُمْ ذٰلِکَ

یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام اور حکم ان فرشتوں کے دِلوں میں اُتر جاتا ہے۔

ابن مردویہ نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے:

فَلَا یَنْزِلُ عَلٰی اَھْلِ سَمَآءٍ اِلَّا صَعِقُوْا

جبریلؑ اِس کلام کو لے کر جب بھی کسی آسمان سے گزرتے ہیں تو اس آسمان کے مقیم تمام فرشتے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ایک مرفوع حدیث یوں روایت کرتے ہیں

اِذَا تَکَلَّمَ اللّٰہُ بِالْوَحْیِ سَمِعَ اَھْلُ السَّمَآءِ الدُّنْیَا صَلْصَلَۃً کَجَرِّ السِّلْسِلَۃِ عَلَی الصَّفَا فَیُصْعَقُوْنَ فَلَا یَزَالُوْنَ کَذٰلِکَ حَتّٰی یَاْتِیَھُمْ جِبْرِیْلُ

جب اللہ وحی سے تکلم فرماتا ہے تو آسمانِ دُنیا کے سب فرشتے ایک ایسی واضح اور زوردار آواز سنتے ہیں جیسے کسی نے صاف اور نرم پتھر پر لوہے کی زنجیر دے ماری ہو۔ چنانچہ اس آواز کی دہشت سے وہ بیہوش ہو جاتے ہیں۔ وہ اِسی بیہوشی کی حالت میں رہتے ہیں، حتیٰ کہ جبرائیلؑ آجاتے ہیں۔

حَتّٰٓی إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا
مَا ذَا قَالَ رَبُّکُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ
الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ۔ فَیَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ
السَّمْعِ۔ وَ مُسْتَرِقُ السَّمْعِ هٰکَذَا بَعْضُهٗ
فَوْقَ بَعْضٍ وَ صَفَهٗ سُفْیَانُ بِکَفِّهٖ
فَحَرَّفَهَا وَ بَدَّدَ بَیْنَ أَصَابِعِهٖ

جب ان کو گھبراہٹ اور غشی سے افاقہ ہوتا ہے تو ایک دُوسرے سے پُوچھتے ہیں اللہ نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں جو کچھ فرمایا وہ حق ہی ہے اور وہ صاحبِ علو ہے۔ چنانچہ اِس کلامِ ربانی کو شیطان چوری چھپے سُننے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ صف بصف زمین سے آسمان تک اوپر تلے سُننے پر آمادہ رہتے ہیں۔

(راوی حدیث) حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے شیاطین کے صف بصف اوپر تلے ہونے کی حالت کو اپنا ہاتھ ٹیڑھا کر کے اور اُنگلیوں میں فاصلہ دے کر بتایا کہ اِس طرح کھڑے ہوتے ہیں۔

قولہٗ : قَالُوا مَا ذَا قَالَ رَبُّکُمْ ؟ قَالُوا الْحَقّ
یعنی فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ برحق ہے کیونکہ تمام ملائکہ کو معلوم ہے کہ

اللہ تعالیٰ مبنی برحق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔

قولہٗ : فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ

یعنی وہ فیصلہ اور حکم جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اُسے سُننے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ سُننے والے شیاطین ہوتے ہیں جو صف بصف ایک دُوسرے کے اُوپر تلے کھڑے ہو کر زمین سے آسمان تک پہنچتے ہیں۔

اس کو مزید سمجھنے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت نقل کی ہے اِس پر غور کیجیے تو بات صاف ہو جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَنَّ الْمَلَائِكَةَ تَنْزِلُ فِي الْعَنَانِ وَهُوَ السَّحَابُ فَتَذْكُرُ الْاَمْرَ قُضِيَ فِي السَّمَاءِ	فرشتے بادلوں میں نازل ہوتے ہیں اور جو فیصلہ آسمان میں ہوتا ہے اسکا تذکرہ کرتے ہیں۔
فَتَسْتَرِقُ الشَّيَاطِيْنُ السَّمْعَ فَتُوْحِيْهِ اِلَى الْكُهَّانِ	چنانچہ اس آواز کو شیاطین چوری چھپے سن لیتے ہیں اور کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

قولہٗ : وَمُسْتَرِقُ السَّمْعِ هٰكَذَا وَصَفَهٗ سُفْيَانُ بِكَفِّهٖ

یعنی حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسری پر رکھ کر فرمایا کہ شیاطین اِس طرح صف بصف ایک دُوسرے کے اُوپر تلے کھڑے ہو کر آسمان تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سُفیان سے سفیان بن عیینۃ ابو محمد الہلالی کوفی ثم المکی مراد ہیں۔ حضرت سفیان حافظ الحدیث، ثقہ امامِ حُجت اور اپنے زمانے کے فقیہ تھے۔

یہ جلیل القدر فرزندِ اسلام اکیانوے برس کی عمر پا کر ۱۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

قولہٗ : وَبَدَّدَ

یعنی اپنی انگلیوں کو اس طرح پھیلا دیا کہ ہر ایک انگلی میں کچھ فاصلہ پیدا ہو گیا۔

فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا إِلَىٰ مَنْ تَحْتَهُ۔ ثُمَّ يُلْقِيهَا الْآخَرُ إِلَىٰ مَنْ تَحْتَهُ حَتّٰى يُلْقِيهَا عَلٰى لِسَانِ السَّاحِرِ أَوِ الْكَاهِنِ

جب سب سے اُوپر والا شیطان کوئی بات سُنتا ہے تو وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتا ہے یہاں تک کہ وہ ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے۔

قولہ : فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا اِلٰى مَنْ تَحْتَهُ

یعنی سب سے اُوپر والا شیطانی طبقہ نیچے والے طبقہ تک حکم و فیصلہ کی نوعیت پہنچاتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے طبقہ تک اور اس طرح یہ سب سے نیچے والا شیطانی طبقہ کاہنوں اور ساحروں تک اس حقیقت کو پہنچا دیتا ہے۔

قولہ : فَرُبَمَا اَدْرَكَهُ الشِّهَابُ قَبْلَ اَنْ يُلْقِيَهَا

شہاب سے مُراد وہ ٹُوٹا ہوا ستارہ ہے جو شیاطین پر پھینکا جاتا ہے۔ یعنی کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ شہاب سُننے والے شیطان کو جلا دیتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ شہاب بے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی گرا کرتے تھے جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے معمر کے واسطے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ:

انبأنا الزہری عن علی بن الحسین عن ابن عباس رضی اللہ عنہم قال:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ

جَالِسًا فِیْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ
قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ : مِنَ الْاَنْصَارِ
قَالَ : فَرُمِیَ بِنَجْمٍ عَظِیْمٍ
فَاسْتَنَارَ قَالَ مَا كُنْتُمْ
تَقُوْلُوْنَ اِذَا كَانَ مِثْلَ
هٰذَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ ؟

کی ایک جماعت میں، عبدالرزاق کی روایت
کے مطابق، اپنے انصاری صحابہ میں
تشریف فرما تھے کہ اچانک شہابیہ گرا اور
اس کی روشنی سے گردوپیش چمک اٹھا۔
آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ جاہلیت کے
دور میں اس شہابیے کے متعلق تم کیا عقیدہ
رکھتے تھے؟

قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ : لَعَلَّهٗ یُوْلَدُ
عَظِیْمٌ اَوْ یَمُوْتُ عَظِیْمٌ
قُلْتُ لِلزُّهْرِیِّ اَكَانَ یُرْمٰی

صحابہؓ نے عرض کی کہ ہم یہ سمجھا کرتے تھے
کہ آج یا تو کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوگا
یا مرے گا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے زہریؒ

بِهَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ ؟

سے پوچھا کہ کیا جاہلیت میں بھی شہابیے گرا
کرتے تھے؟

قَالَ : نَعَمْ وَلٰكِنْ غَلُظَتْ
حِیْنَ بُعِثَ النَّبِیُّ ﷺ
قَالَ : فَاِنَّهَا لَا یُرْمٰی بِهَا
لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیَاتِهٖ
وَلٰكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ اسْمُهٗ
اِذَا قَضٰی اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ
الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ
السَّمَآءِ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ
الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ

فرمایا ہاں! لیکن آنحضرت ﷺ
کی بعثت کے بعد یہ زیادہ گرنے لگے ہیں،
آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہ تو
کسی کی موت کے وقت نمودار ہوتا ہے اور
نہ کسی کی ولادت کے وقت۔ اصل بات یہ
ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی اہم فیصلہ کرتا
ہے تو وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے
ہیں، اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، پھر ان سے
نیچے کے آسمان والے اور پھر ان سے نیچے

فَرُبَمَا أَدْرَكَهُ
الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا ، وَ رُبَمَا أَلْقَاهَا
قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ
كَذْبَةٍ فَيُقَالُ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا
يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا ، كَذَا وَ كَذَا .
فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي
سُمِعَتْ مِنَ السَّمَآءِ . [1]

پس کاہن کو بتانے سے پہلے ہی شہاب اُس کو جلا دیتا ہے اور کبھی بات بتانے کے بعد اس پر آ کر گرتا ہے۔ پس شیطان ایک بات کے ساتھ سو جھوٹ ملاتا ہے۔ اگر کوئی بات ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں روز فلاں کاہن نے یوں ہی نہ کہا تھا چنانچہ صرف ایک سچی بات سے جو آسمان سے سُنی گئی تھی، کی وجہ سے کاہن کو سچا سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] جادوگر، کاہن اور عراف کی بات بعض اوقات جب واقعہ کے مطابق ہو جاتی ہے تو جاہل لوگ اُس کے سو جھوٹ کو بھی صحیح مان کر دھوکہ کھا جاتے ہیں حالانکہ یہ سراسر اللہ تعالیٰ پر کذب، بہتان اور افترا ہے اور غیب دانی کا دعویٰ ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
اس کی مزید تشریح "بابُ الکھان" میں آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ

التَّسْبِيحُ هٰذِهِ السَّمَآءَ الدُّنْيَا	کے آسمان والے فرشتے تسبیح کہتے ہیں،
ثُمَّ يَسْتَخْبِرُ اَهْلُ الَّذِيْنَ	یہاں تک کہ آسمانِ دُنیا یعنی پہلے آسمان
يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ	تک اِس تسبیح کی آواز پہنچتی ہے۔ اِس
فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ	کے بعد وہ فرشتے جو حاملینِ عرش کے
الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَا	قریب تر ہوتے ہیں ان سے پوچھتے ہیں
ذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟	کہ تمہارے ربِّ ذو الجلال نے کیا فرمایا ہے؟
فَيُخْبِرُوْنَهُمْ وَيُخْبِرُ اَهْلُ	حاملینِ عرش ان کو بتاتے ہیں۔ یہاں تک
كُلِّ سَمَاءٍ سَمَاءً حَتّٰى	کہ ہر آسمان والے فرشتے اپنے سے اوپر
يَنْتَهِيَ الْخَبَرُ اِلٰى هٰذِهِ السَّمَاءِ	والے آسمان کے فرشتوں سے پوچھتے ہیں
وَتَخْطَفُ الْجِنُّ السَّمْعَ	اور آہستہ آہستہ یہ خبر آسمانِ دنیا (پہلے
فَيَرْمُوْنَ فَمَا جَاءُوْا بِهِ عَلٰى	آسمان) تک آ پہنچتی ہے اور اِن سے
وَجْهِهِ فَهُوَ حَقٌّ وَلٰكِنَّهُمْ	جنّات سُن لیتے ہیں، وہ بات جو آسمان
يَقْرِفُوْنَ فِيْهِ وَيَزِيْدُوْنَ	سے جنّات سُنتے ہیں وُہ تو ٹھیک ہوتی ہے
	لیکن یہ جنّات کچھ اپنی طرف سے گھڑتے
	ہیں اور اِس میں کمی بیشی کرتے ہیں۔

قولہٗ : فیکذب معہا مائۃ کذبۃ :

اِس سے کاہن اور جادُوگر مراد ہیں۔ لفظ کذبۃ بفتح الکاف اور سکون الذال ہے۔

مندرجہ بالا احادیث سے اس بات کا پتا چلا کہ اگر کسی کی باتوں میں ایک آدھ بات سچّی اور صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کی سب کی باتیں سچّی ہوں گی کیونکہ گمراہ اور بدعتی لوگوں کا شیوہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک بات صحیح اور اس کے ساتھ کئی جھوٹی، غلط اور بے بنیاد باتیں مِلا کر عوام کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ صحیح بات صرف اِس لیے کہتے ہیں کہ سادہ لوح عوام ان کی جھوٹی

وعن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ إِذَا أَرَادَ اللّٰہُ تَعَالیٰ أَنْ يُوحِيَ بِالْأَمْرِ تَكَلَّمَ بِالْوَحْيِ أَخَذَتِ السَّمٰوٰتُ مِنْهُ رَجْفَةً أَوْ قَالَ رَعْدَةً خَوْفًا مِّنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب وحی کرنا چاہتا ہے تو اُس حکم سے کلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی آواز سُنتے ہی تمام آسمانوں پر اللہ کے خوف سے کپکپی اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

باتوں کے فریب میں پھنس جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ	حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ
وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ أَنْتُمْ	اور تم سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ
تَعْلَمُونَ ۝ (البقرہ - ۴۲)	اور تم اس کو جانتے بوجھتے ہو۔

ان احادیث سے اور جو آئندہ ذکر ہوں گی، ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا جو بھی تقاضا ہے وُہ اِس میں موجود ہے اور وہ اپنی تمام مخلوق سے بالا ہے اور یہ کہ وہ ازل سے جب بھی چاہتا ہے اپنے پاکیزہ کلام کو فرشتوں تک پہنچا دیتا ہے۔
اللہ کے علو اور فرشتوں سے تکلم پر اہلِ سُنت کے تمام گروہوں کا اتفاق رہا ہے، سلف سے لے کر

خلف تک اس میں کبھی اختلاف رونما نہیں ہوا بجز اشاعرہ، جہمیہ اور معتزلہ کے جو نفی صفات کے قائل ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تعطیل کی ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئیں[1]

قولہٗ : وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رضی اللہ عنہ

ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں منقول ہے۔ حضرت نواس بن سمعان بن خالد الکلابی رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ انصاری تھے اور بعض محدثینِ کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے والدِ ماجد بھی صحابی رسولؐ تھے۔

قولہٗ : إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يُّوْحِيَ بِالْأَمْرِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ وحی کو تکلم کی صورت میں ڈھالتا ہے۔ یہ حدیث منکرین نطق پر اہلِ سنت کی طرف سے دلیل اور برہانِ قاطع ہے۔ حدیث کے یہ الفاظ:

لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ مُتَكَلِّمًا إِذَا شَآءَ	اللہ تعالیٰ ازل سے صفتِ کلام سے متصف رہا ہے۔ اس نے جب چاہا تکلم فرمایا۔

اس کی وضاحت کے لیے کافی ہیں۔

قولہٗ : أَخَذَتِ السَّمٰوٰتُ مِنْهُ رَجْفَةٌ :

اَلسَّمٰوٰتُ مفعول مقدم ہے اور "رَجْفَةٌ" فاعل ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے سے آسمانوں پر کپکپی اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ آسمان، اللہ کے کلام کو سنتے ہیں۔ اس سلسلے میں ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے وہ منکرین کے عقائدِ باطلہ پر ایک ضرب کی حیثیت رکھتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

إِذَا قَضَى اللّٰهُ أَمْرًا تَكَلَّمَ	جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے
تَبَارَكَ وَتَعَالٰى رَجَفَتِ	تو اس سے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں

[1] اشاعرہ کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہے جو نفی و تعطیل کے حامی ہیں۔ (مترجم)

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَخَرَّتِ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ سُجَّدًا	پر ایک زلزلہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور تمام فرشتے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔

قولہٗ اَوْ قَالَ : رَعْدَةً

راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ رَعدۃ فرمایا تھا یا رجفۃ۔

قولہٗ خَوْفًا مِّنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں احساس اور معرفت کا ملکہ پیدا کر دیا ہے، تبھی تو وہ اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اِس کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ عظیم مخلوق بھی اس کی تسبیح و تہلیل کہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ○ (بنی اسرائیل - ۴۴)	ساتوں آسمان اور زمینیں اور اُن کے رہنے والے سب اسی کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ بردبار (اور) غفار ہے۔

دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے:

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ○ (مریم - ۹۰)	قریب ہے کہ اِس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں۔

ایک مقام پر ارشاد ہے کہ:

فَإِذَا سَمِعَ ذٰلِكَ أَهْلُ السَّمٰوٰتِ
صُعِقُوْا وَ خَرُّوْا لِلّٰهِ سُجَّدًا فَيَكُوْنُ
أَوَّلَ مَنْ يَّرْفَعُ رَأْسَهٗ جِبْرِيْلُ فَيُكَلِّمُهُ
اللّٰهُ مِنْ وَحْيِهٖ بِمَا أَرَادَ - ثُمَّ
يَمُرُّ جِبْرِيْلُ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ كُلَّمَا
مَرَّ بِسَمَآءٍ سَأَلَهٗ مَلٰٓئِكَتُهَا مَاذَا
قَالَ رَبُّنَا يَا جِبْرِيْلُ ؟ فَيَقُوْلُ جِبْرِيْلُ،
قَالَ الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ -

پھر جب اسے آسمان والے سُنتے ہیں تو بیہوش ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ پس سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے گفتگو فرماتا ہے۔ جس آسمان سے جبریل علیہ السلام فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ دریافت کرتے ہیں کہ ہمارے رب تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ جبریل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ حق ہی فرمایا ہے اور وہی صاحبِ عُلو ہے۔

وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط (البقرہ-۷۴)

اور بعض ایسے ہیں جو خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات کے الفاظ اور ان میں جو معنی پنہاں ہیں، اُن سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ زمین اور آسمان حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں

كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ — ہم کھانا کھاتے وقت کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔

وہ حدیث جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں

اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اَخَذَ فِي يَدِهٖ حَصَيَاةً فَسَمِعَ لَهُنَّ تَسْبِيحٌ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں چند کنکریاں لیں جن سے تسبیح کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

ان احادیث کے علاوہ صحیح بخاری میں وُہ مشہور واقعہ بھی موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، منبر تیار ہونے سے قبل ایک سُوکھے ہوئے کھجُور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر پر تشریف فرما ہوئے تو وہ تنا زار و قطار رونے لگا جس کی ہچکیاں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سُنیں۔

قولہٗ : صَعِقُوا وَ خَرُّوْا سُجَّدًا

الصعوق غشی کی اُس حالت کا نام ہے جس میں سجدہ بھی ہو۔

قولہٗ : فَيَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ جِبْرِيْلُ

لفظ "اول" یکون کی خبر مقدم ہے جس کا مؤخر ہونا بھی مستعمل ہے۔

جبرئیل عبداللہ کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن جریرؒ وغیرہ نے حضرت علی بن الحسین سے نقل کیا ہے کہ:

جبرئیل کا نام عبداللہ،

میکائیل کا نام عبید اللہ اور
اسرافیل کا نام عبد الرحمٰن ہے۔

ابنِ جریر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جو لفظ "ایل" کی طرف منسوب ہو کر استعمال ہو اُس کے معنیٰ اللہ کی عبادت کرنے والے کے ہوتے ہیں

اس روایت سے حضرت جبریل علیہ السلام کی قدر و منزلت اور ان کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے اور قرآن کریم بھی اس پر شاہد ہے

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ؕ (التکویر-۱۹)	بے شک یہ (قرآن) فرشتۂ عالی مقام کی زبان سے پیغام ہے جو صاحبِ قوت، مالکِ عرش کے ہاں اُونچے درجے والا اور امانت دار ہے۔

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس کی یوں تشریح کرتے ہیں کہ:

"یہ قرآن پاک ایک کریم پیغامبر کا لایا ہوا ہے۔" (یعنی جبریلؑ کا)

مذکورہ آیت کے ذیل میں ابوصالح نے طویل حدیث کا ایک جملہ نقل کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جِبْرِيْلُ يَدْخُلُ فِیْ سَبْعِیْنَ حِجَابًا مِّنْ نُوْرٍ بِغَيْرِ اِذْنٍ ۔	جبریلؑ بلا اجازت نُور کے ستر پردوں میں داخل ہو سکتا ہے۔

مسند امام احمد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک صحیح روایت یوں منقول ہے:

رَاٰی رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم جِبْرِيْلَ فِیْ صُوْرَتِهٖ لَهٗ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ كُلُّ جَنَاحٍ مِنْهَا قَدْ سَدَّ الْاُفُقَ يَسْقُطُ	رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کو اُس کی اپنی صورت میں دیکھا کہ اُس کے پر چھ سو تھے اور ہر ایک پر آسمان کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا (خوف اور

مِنْ جَنَاحِهٖ مِنَ التَّهَاوِيْلِ وَالدُّرَرِ وَالْيَاقُوْتِ مَا اللّٰهُ بِهٖ عَلِيْمٌ	ڈر کی وجہ سے) اُس کے پیروں سے موتی اور یاقوت گر رہے تھے جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اِس حدیث پر غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق اِتنی بڑی ہو سکتی ہے تو اُس خالق کائنات کی عظمت، جلالت اور کبریائی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

سب سے اہم مسئلہ جس پر غور و فکر کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس خالق کائنات کے علاوہ کون ہے جس کی عبادت کی جائے، جس سے دُعا کی جائے، جس سے ڈرا اور خوف کھایا جائے اور کون ہے جس پر بھروسہ کیا جائے اور اُس سے اُمیدیں وابستہ کی جائیں اور ان عبادات کے علاوہ دوسری عبادات میں اللہ کے سوا کون مستحق ہے؟

فرشتوں کی حالت اور ان کے خوف و دہشت پر ایک نظر ڈالیے کہ وُہ اللہ تعالیٰ سے کس قدر لرزہ براندام ہیں، ان کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۞ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۞ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۞	بلکہ وہ اُس کے صاحب عزت بندے ہیں۔ اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اسی کے حکم پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ جو کچھ ان سے پہلے ہو چکا اور جو کچھ اب ہو گا وہ سب سے آگاہ اور واقف ہے اور وُہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے مگر اُس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وُہ اُس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔
وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ	اور جو بھی ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے بعد میں بھی معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ

فَيَقُولُونَ كُلُّهُمْ مِثْلَ مَا قَالَ جِبْرِيلُ ۔ فَيَنْتَهِي جِبْرِيلُ بِالْوَحْيِ إِلَى حَيْثُ أَمَرَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ ۔

پس تمام فرشتے وہی الفاظ کہتے ہیں جو حضرت جبریل علیہ السلام کہتے ہیں
پھر جبریل علیہ السلام اِس وحی الٰہی کو جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے پہنچا دیتے ہیں

جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِينَ ۝ (الانبیاء۔۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹) کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

قولہ : فَيَنْتَهِي جِبْرِيلُ بِالْوَحْيِ إِلَى حَيْثُ أَمَرَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

اِس باب میں جن آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کا ذکر کیا گیا ہے، یہ اُس توحید کی وضاحت اور توضیح کرتی ہیں جس کا بیان کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں ہے کیونکہ وہ ملک عظیم جس کے کلام کو سن کر فرشتے خوف و دہشت سے غش کھا کر گر پڑتے ہیں اور تمام مخلوقات اس سے گھبراتی اور کانپتی ہیں اور وہ ذاتِ اقدس ہے جو اپنی ذات اپنی صفات، اپنے علم، اپنی قدرت، اپنی بادشاہت، اپنی عظمت و شرف اور بے نیازی میں تمام مخلوقات سے کامل و اکمل ہے اور ساری کائنات اس کی محتاج ہے اور اس کے فیصلے، اس کا تصرف اور اس کی تقدیر مخلوقات میں نافذ اور جاری و ساری ہیں کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے

پس ایسی باکمال ذاتِ کبریا کے ساتھ کسی کو اس کی عبادت میں شریک ٹھہرانا شرعاً یا عقلاً کسی لحاظ سے بھی درست نہیں۔

جو خود پرورش یافتہ ہو، اسے پرورش کنندہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے، اور جو خود عابد ہو، اُسے معبود کیونکر مانا جا سکتا ہے؟

ان کی عقلیں کہاں چلی گئی ہیں اور ان کی قوتِ فہم کیوں سلب ہو گئی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ موٹی موٹی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں؟ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ تو صاف اور کھلے الفاظ میں فرماتا ہے

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝

تمام شخص جو زمین و آسمان میں ہیں سب خدا کے رُوبرو غلامانہ حیثیت سے آئیں گے۔ اُس نے ان کو گھیر رکھا اور شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔ (مریم - ۹۳، ۹۴، ۹۵)

پس بلا استثنار جب تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی غلام اور عبید ہے تو بغیر کسی دلیل و حجت کے ایک دوسرے کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ صرف اپنی رائے کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں اور اختراعات اور من گھڑت امور میں مبتلا ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اول سے آخر تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو صرف اس لیے مبعوث فرمایا کہ وہ لوگوں کو شرک سے بچنے کی تلقین کریں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی عبادت سے منع کریں، اور حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی اطاعت میں ایسا ہی کیا۔

فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تَفْسِيْرُ الْآيَةِ۔

① آیتِ کریمہ "حَتّٰٓى إِذَا فُزِّعَ" کی تفسیر

الثانیۃ: مَا فِيْهَا مِنَ الْحُجَّةِ عَلٰى إِبْطَالِ الشِّرْكِ خُصُوْصًا مَا تَعَلَّقَ عَلَى الصَّالِحِيْنَ وَهِيَ الْآيَةُ الَّتِيْ قِيْلَ إِنَّهَا تَقْطَعُ عُرُوْقَ شَجَرَةِ الشِّرْكِ مِنَ الْقَلْبِ۔

② آیت "حَتّٰٓى إِذَا فُزِّعَ" ابطالِ شرک پر دلیل ہے، خصوصاً اُس شرک پر جس کا تعلق صُلحائے اُمّت سے ہے، جو انسان کے دِل سے شرکیہ عقائد کی جڑیں کاٹتی ہے۔

الثالثۃ تَفْسِيرُ قَوْلِهِ "قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ"۔

③ آیت "قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ" کی تفسیر و توضیح۔

الرابعۃ سَبَبُ سُؤَالِهِمْ عَنْ ذٰلِكَ۔

④ فرشتوں کے سوال کرنے کا سبب اور وجہ۔

الخامسۃ أَنَّ جِبْرِيلَ يُجِيبُهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ بِقَوْلِهِ "قَالَ كَذَا وَ كَذَا"۔

⑤ فرشتوں کے سوال کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام ان کو جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ یہ ارشادات فرمائے ہیں۔

السادسۃ ذِكْرُ أَنَّ أَوَّلَ مَنْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ جِبْرِيلُ۔

⑥ اِس بات کی وضاحت کہ غشی کے بعد سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں۔

السابعۃ أَنَّهُ يَقُولُ لِأَهْلِ السَّمٰوٰتِ كُلِّهِمْ لِأَنَّهُمْ يَسْأَلُونَهُ۔

⑦ چونکہ ہر آسمان کے فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں

لہذا وہ سب کو جواب دیتے ہیں۔

الثامنۃ أَنَّ الْغَشْيَ يَعُمُّ أَهْلَ السَّمٰوٰتِ كُلَّهُمْ۔

⑧ بے ہوشی اور غشی تمام آسمانوں کے فرشتوں پر طاری ہو جاتی ہے۔

التاسعۃ إِرْتِجَافُ السَّمٰوٰتِ بِكَلَامِ اللّٰهِ۔

⑨ اللہ تعالیٰ کے کلام سے آسمانوں کا لرزنا۔

العاشرۃ أَنَّ جِبْرِيْلَ هُوَ الَّذِيْ يَنْتَهِيْ بِالْوَحْيِ إِلٰى حَيْثُ أَمَرَهُ اللّٰهُ۔

⑩ وحی الٰہی کو صرف جبریل علیہ السلام، جہاں اللہ تعالیٰ اس کو حکم دیتا ہے، منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔

الحادیۃ عشرۃ ذِكْرُ إِسْتِرَاقِ الشَّيَاطِيْنِ۔

⑪ شیاطین کے چوری چھپے کلام الٰہی کو سننے کا ذکر۔

الثانیۃ عشرۃ صِفَةُ رُكُوْبِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا۔

⑫ شیاطین کے صف بصف ایک دوسرے کے اوپر تلے کھڑے ہونے کی صورت اور کیفیت۔

الثالثة عشرة إِرْسَالُ الشِّهَابِ -

⑬ شیاطین پر شہاب کا گرنا۔

الرابعة عشرة أَنَّهُ تَارَةً يُدْرِكُهُ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا وَ تَارَةً يُلْقِيهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ مِنَ الْإِنْسِ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ -

⑭ بعض اوقات شیاطین کے سُننے سے پہلے ہی شہاب اُن کو خاکستر بنا دیتا ہے اور بعض اوقات وہ سُننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اپنے گلے بندھوں کے کانوں میں جا کر ڈال دیتے ہیں۔

الخامسة عشرة كَوْنُ الْكَاهِنِ يَصْدُقُ بَعْضَ الْأَحْيَانِ -

⑮ بعض اوقات کاہن بھی ٹھیک بات بتا دیتا ہے۔

السادسة عشرة كَوْنُهُ يَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ -

⑯ کاہن اگر ایک بات صحیح بتاتا ہے تو اُس کے ساتھ سو جھوٹ بھی ملا دیتا ہے۔

السابعۃ عشرۃ أَنَّهُ لَمْ يُصَدِّقْ كَذِبَهُ إِلَّا بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ ۔

(١٧) کاہن کے جھوٹ کو لوگ صرف اس لیے صحیح تسلیم کر لیتے ہیں کہ اس نے ایک سچی بات بھی تو کہی تھی اور وہ بھی آسمان سے سنی گئی تھی

الثامنۃ عشرۃ قُبُولُ النُّفُوسِ لِلْبَاطِلِ كَيْفَ يَتَعَلَّقُونَ بِوَاحِدَةٍ وَ لَا يَعْتَبِرُونَ بِمِائَةٍ ۔

(١٨) نفوسِ انسانی باطل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ غور کیجیے کہ انسان کاہن کی صرف ایک سچی بات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اسے سچا تسلیم کر لیتا ہے لیکن اس کے سو جھوٹ کی کیوں کوئی پرواہ نہیں کرتا؟

التاسعۃ عشرۃ كَوْنُهُمْ يَتَلَقَّى بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ تِلْكَ الْكَلِمَةَ وَ يَحْفَظُونَهَا وَ يَسْتَدِلُّونَ بِهَا ۔

(١٩) شیاطین ایک دوسرے سے سن کر اسے یاد کر لیتے ہیں اور اس سے بعض دوسرے جھوٹوں کے صحیح ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

العشرون إِثْبَاتُ الصِّفَاتِ خِلَافًا لِلْأَشْعَرِيَّةِ الْمُعَطِّلَةِ۔

(٢٠) اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات، اشاعرہ معطلہ اس کو نہیں مانتے ہیں [1]

الحادیۃ والعشرون أَنَّ تِلْكَ الرَّجْفَةَ وَ الْغَشْيَ خَوْفًا مِّنَ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ۔

(٢١) یہ دہشت اور غشی اللہ تعالیٰ کے خوف سے طاری ہوتی ہے۔

الثانیۃ والعشرون أَنَّهُمْ يَخِرُّوْنَ لِلّٰهِ سُجَّدًا۔

(٢٢) تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے میں گر جاتے ہیں۔

---

[1] اشاعرہ کے بارے میں ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ نفی صفات کے قائل نہیں ہیں۔ (مترجم)
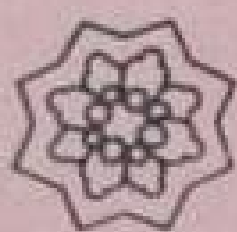
بَابُ
الشفاعة
اس باب میں
بیان کیا گیا ہے کہ سفارش کی دو قسمیں ہیں۔
ایک سفارش وہ ہے جو قرآنِ کریم سے
ثابت ہے اور دوسری سفارش وہ ہے
جس کے قائل مشرک ہیں

قولہٗ وَ أَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ أَنْ يُّحْشَرُوْٓا إِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (الانعام : ٥١)

اور اے محمدؐ! تم اِس (علم وحی) کے ذریعہ سے اُن لوگوں کو نصیحت کرو جو اِس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اِس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اُس کے سِوا وہاں کوئی (ایسا ذی اقتدار) نہ ہوگا جو ان کا حامی اور مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے شاید کہ (اِس نصیحت سے متنبہ ہوکر) وہ خدا ترسی کی روش اختیار کرلیں۔

قولہٗ : وانذر بہ الذین :

خوف وخشیت کے اسباب کی نشاندہی اور تحذیر انداز ہے۔

قولہٗ : بہٖ :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بہٖ کے لفظ سے قرآنِ کریم اور الّذین یخافون ان یحشروا الٰی ربّھم سے مومنین مراد لیے ہیں۔

فضیل بن عیاضؒ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی ساری مخلوق کو معتوب نہیں ٹھہرایا بلکہ صرف ذوی العقول سے خطاب کیا ہے اور اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ سے وہ مومن مراد ہیں جن کے پہلو میں ایسے دِل پائے جاتے

قولہٗ تعالیٰ : قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ط

کہو شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔

ہیں جو احکامِ الٰہی کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں

قولہٗ : ليس لهم من دونه ولي ولا شفيع :

علامہ الزجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ یہاں لفظ 'لیس' 'یخافون' کا حال ہے معنیٰ یہ ہیں کہ تیرے انذار کے مخاطبین کو یہ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ وہ اس حالت میں اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے کہ ان کا کوئی دوست اور سفارشی نہیں ہوگا۔

قولہٗ : لعلهم يتقون :

مطلب یہ کہ ان کو ڈراؤ تاکہ یہ اس دنیا میں ایسی زندگی بسر کرنا شروع کردیں جو ان کو جہنم کے عذاب سے بچالے۔

قولہٗ : قل : لله الشفاعة جميعا

اس آیت کے ساتھ اس سے پہلے والی آیت کو ملا کر پڑھا جائے تو مسئلہ بالکل صاف ہو جائیگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (الزمر۔ ۴۳)	کیا اس خدا کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے؟ ان سے کہو، کیا وہ شفاعت کریں گے، خواہ ان کے اختیار میں کچھ نہ ہو۔ اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں؟

اس آیت کریمہ کا مفہوم بالکل وہی ہے جو درج ذیل آیت کا مفہوم ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

(یونس - ۱۸)

یہ لوگ اللہ کے سوا اُن لوگوں کی پرستش کر رہے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اے محمد! ﷺ ان سے کہو۔ "کیا تم اللہ کو اُس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمینوں میں؟" پاک ہے وہ اور بالا و برتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے زعم میں جو شفاعت کا تصور تھا، اس کی تردید فرمائی ہے، اور ان کے اس خیال کو شرک سے تعبیر کیا ہے کہ انبیا و صلحا شفاعت کرنے والے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۚ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○

(الاحقاف : ۲۸)

پھر کیوں نہ اُن ہستیوں نے ان کی مدد کی جنہیں اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہوئے معبود بنا لیا تھا؟ بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے اور یہ تھا ان کے جھوٹ اور ان بناوٹی عقیدوں کا انجام جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے۔

ان کے اس عقیدے کو کہ جن انبیا و صلحا کی ہم عبادت کرتے ہیں، وہ ہماری شفاعت کریںگے

اللہ تعالیٰ نے کذب و افترا سے تعبیر کیا ہے۔

زیر بحث آیت "قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شفاعت کا خود مالک ہے، اور جن سے مشرکین شفاعت کے طلب گار ہیں ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اُسی ذاتِ گرامی سے مانگے جس کے قبضہ و اختیار میں ہر شئے ہے۔ اِدھر اُدھر نہ بھاگا پھرے۔ کیونکہ مانگنا اور دستِ طلب دراز کرنا عبادت ہے جو صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی بھی حق دار نہیں،

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر میں فرماتے ہیں

"مشرکین جن لوگوں کو اپنا شفاعت کنندہ سمجھتے ہیں ان کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے چونکہ یہ مقرب اور برگزیدہ ہیں اس لیے یہ ہماری شفاعت کریں گے قرآن مجید نے یہ کہہ کر کہ سفارش کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے اس عقیدہ کی تردید کی ہے۔"

زیر بحث آیت کریمہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — زمین و آسمان کی بادشاہت صرف اللہ کریم کے لیے خاص ہے۔

اس آیت میں غیر اللہ کو شفاعت کا ذمہ دار ٹھہرانے کی مزید تردید کی گئی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے، اور شفاعت بھی اسی کی ملکیت اور اختیار میں ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہی مالکِ حقیقی ہے تو غیر اللہ سے شفاعت طلب کرنا باطل اور لغو قرار پایا۔ قرآنِ کریم میں ہے

مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرة - ٢٥٥) — کون ہے جو اُس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔

اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا۔

قولہ تعالیٰ : مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ إِلَّا بِإِذْنِهٖ ط

کون ہے جو اُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟

وَلَا يَشْفَعُوْنَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (الانبیاء-٢٨)
وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اُس کے جس کے حق میں سفارش سُننے پر اللہ راضی ہو۔

مفسر قرآن علامہ ابن جریر الطبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"مشرکین نے یہ کہا کہ ہم کسی وثن اور صنم کی قطعاً پوجا نہیں کرتے ہم تو ان اولیائے کرام کے نام کی نذر و نیاز صرف اس لیے دیتے ہیں تاکہ یہ لوگ ہم گنہگاروں کے لیے قرب الٰہی کا ذریعہ اور وسیلہ بن جائیں۔ اس موقع پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○
زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

یعنی سفارش بھی اسی کی ہوگی، جس کے قبضہ و قدرت کے دائرے آسمان و زمین تک وسعت پذیر ہیں۔"

قولہ : من ذا الذی یشفع

سابقہ آیات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ قرآن کریم نے غیر اللہ سے طلب کردہ شفاعت

قولہ تعالیٰ: وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ
لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْۢ بَعْدِ
أَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى

آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں، ان کی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آسکتی جب تک کہ اللہ کسی ایسے شخص کے حق میں اس کی اجازت نہ دے جس کے لیے وہ کوئی عرضداشت سننا چاہے اور اس کو پسند کرے۔

کو باطل قرار دیا ہے۔ شفاعت کا حق دار اس کے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اس آیت کریمہ میں اس شفاعت کا ذکر ہے جو میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے حکم سے کی جائے گی۔ اس سلسلے میں ارشادِ خداوندی ہے

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ — اس روز سفارش کچھ فائدہ مند نہ ہوگی۔
اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ — مگر اس شخص کی جس کو اللہ تعالیٰ اجازت
وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝ (طٰہٰ - ١٠٩) — دیدے، اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔

اس سے پتا چلا کہ جب کسی شخص میں دو شرطیں پائی جائیں گی تو وہ سفارش کر سکے گا۔

١ ـــــ جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دیدے کہ تم سفارش کر سکتے ہو۔

٢ ـــــ جس کے لیے شفاعت کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ صرف اس شخص کی سفارش سے راضی ہوگا جس نے اپنے ظاہری اور باطنی اعمال کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی زندگی بھر مخلصانہ عبادت کی اور اپنے رب سے اس حالت میں ملا کہ دل شکوک و شبہات سے پاک تھا۔

قولہ تعالیٰ: قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ۚ

(اے نبیؐ! ان مشرکین سے) کہو کہ پکار دیکھو ان اپنے معبودوں کو جنھیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو۔

آئندہ صفحات میں شیخ الاسلام کے کلام میں بھی ہم ان کا ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ

قولہ: وکم من ملك فی السمٰوٰت:

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

"اس آیت کریمہ اور سابقہ آیات یعنی "مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ" اور "وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَۃُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَہٗ" کا مطلب ایک ہی ہے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مقرب اور برگزیدہ فرشتوں کا یہ عالم ہے کہ وہ بھی بارگاہِ قدس میں دم نہیں مار سکتے تو یہ جاہل اور احمق لوگ غیر اللہ اور معبودانِ باطل سے کس طرح توقع اور اُمید لگائے بیٹھے ہیں؟ جن کی عبادت کا اللہ تعالیٰ نے نہ شریعت میں کوئی حکم فرمایا اور نہ اجازت دی۔ بلکہ اس کے برعکس تمام انبیائے کرامؑ کے ذریعہ سے اس کی تردید اور ممانعت فرمائی۔ اور اپنی نازل کردہ کتب میں اس کی نفی کی"

قولہ: قل ادعوا الذین زعمتم:

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ان آیات پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے ان تمام اسباب اور ذرائع کو کالعدم قرار دے دیا ہے جن کو کسی نہ کسی صورت میں مشرکین عقیدۂ سفارش کو ثابت کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے کہ مشرک غیر اللہ کو صرف اس لیے معبود بناتا ہے کہ اُسے اس

لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْأَرْضِ۔

وہ نہ آسمانوں میں کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔

سے کوئی فائدہ اور نفع حاصل ہو۔ لیکن جب تک کسی شخص میں مندرجہ ذیل چار صفات نہ پائی جائیں اس وقت تک اُس سے نفع کی توقع عبث ہے۔

۱۔۔۔ اسے نفع اور فائدہ پہنچانے پر قدرت یا ملکیت اور اختیار حاصل ہو۔

۲۔۔۔ ملکیت حاصل نہ ہو تو شریک ملکیت ہو۔

۳۔۔۔ شرکت بھی میسر نہ ہو تو مالک کا معین و مددگار ہو۔

۴۔۔۔ اگر مددگار بھی نہیں تو کم از کم مالک کے ہاں اس کی یہ حیثیت تو مسلم ہو کہ اس کی سفارش اس کے ہاں مانی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان چاروں مراتب کی کلیۃً نفی اور تردید فرمادی ہے، اور صرف اس شفاعت کو برقرار رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے وقوع پذیر ہوگی، اور اس میں مشرک کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

پس ایک عقل مند، اور صاحب بصیرت شخص کے لیے اس آیت میں ہدایت اور دلائل کی دولت موجود ہے، اور توحید الٰہی کو سمجھنے کے لیے شمع نور ہویدا ہے۔ شرک و بدعت کی جڑیں کاٹنے کے لیے یہ آیات تلوار بے نیام کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ کریم اس قسم کی آیات سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے، وہ یہ کہ لوگوں میں شعور کا مادہ ختم ہو چکا ہے اور شرک و بدعت میں اس قدر آگے

وَ مَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ۝

وہ آسمان وزمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں، ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔

نکل گئے ہیں کہ اُن کا واپس آنا مشکل نظر آتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مشرکین یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد نے جو سوچ اور فکر ان کو دیا ہے وہ اس کے واحد وارث ہیں جس کی حفاظت ان کا فرض ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان کا قلب فہم قرآن کے درمیان حائل ہے۔

بخدا! ان مشرکین کے آباؤ واجداد، اپنے ہی جیسوں کو یا اپنے سے زیادہ شریروں کو وارث بنا گئے ہیں چنانچہ قرآن پاک ان کو اور اُن کو برابر رکھتا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

○— مُردوں سے اپنی حاجات طلب کرنا۔ اور

○— اُن سے استغاثہ اور فریاد کرنا۔

دنیا میں سب سے بڑا شرک ہے۔ اس لیے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع اور ختم ہو چکا ہے، اور جب وہ خود اپنی جان کے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں رہا تو وہ دوسرے کی فریاد سن کر کیا جواب دے گا؟ اب تو دوسروں کی شفاعت اس کے لیے ممکن ہی نہیں رہی۔

شفاعت طلب کرنے والا اور جس کو شفاعت کنندہ سمجھ لیا گیا دونوں ہی

وَ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ -

اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی بجز اُس شخص کے جِس کے لیے اللہ نے سفارش کی اجازت دی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں برابر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں اس کی اجازت کے بغیر کسی شخص کا شفاعت کرنا تو درکنار اونچی آواز سے بول بھی نہیں سکتا —— اور سب سے غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ سے استغاثہ، فریاد رسی اور سوال کرنے کو اپنی رضا کا سبب اور ذریعہ بھی نہیں قرار دیا بلکہ اس کو عدمِ اجازت اور شرک سے تعبیر فرمایا ہے اور اپنے غضب اور قہر کا باعث ٹھہرایا ہے۔

اب ہر مشرک کی یہ کیفیت ہو چکی ہے کہ اس نے غیر اللہ سے فریاد کرکے حقیقت میں اپنی حاجت اور طلب کے درمیان اللہ تعالیٰ کی ناراضی کو حائل کر لیا ہے۔

معبودِ حقیقی کے ساتھ شرک اُس کے دینِ خالص میں تغیر و تبدل، اہلِ توحید سے عداوت اور دشمنی یہ سب عیب مشرکین نے اپنے اندر جمع کر رکھے ہیں۔ ان کا شرک کرنا، خالقِ کائنات میں عیب اور نقص نکالنے کے مترادف ہے

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور موحدین کی مذمت اور ان سے عداوت ہے۔

ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ اہلِ توحید مُردوں کی تنقیص کرتے ہیں۔ حالانکہ خود ان کا عمل یہ ہے کہ شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تنقیص کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی تنقیص کے مرتکب ہوتے ہیں جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان معنوں میں کہ ان کے بارہ میں ان کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ یہ بزرگ ان کے اس شرک پر خوش ہیں۔ اور یہ کہ خود انہوں نے ان کو شرک کی تلقین کی ہے اور یہ ان کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ شرک کرنے والے انبیاء و رسل کے ہر دور اور ہر جگہ دشمن تصوّر کیے گئے ہیں۔

خصوصاً جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا گیا ان میں تو بہت زیادہ نقص نکالنے کی اس وجہ سے کوشش کی گئی۔ کہ وہ ہماری ان عبادتوں پر راضی ہیں اور یہ کہ ان کو اس قسم کی عبادات کا انہوں نے خود حکم دیا تھا۔ اور اس عبادت سے وہ خوش ہوتے ہیں۔

اِس طرح کا کردار ادا کرنے والے مشرکین ہمیشہ کثیر تعداد میں اس دنیا میں رہے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ انبیاء کرام کی مخالفت کی ہے۔ اس شرکِ کبیر سے وہی بچ سکتا ہے۔ جو توحید کو صرف اللہ کے لیے خاص کرے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مشرکین سے دشمنی مول لے، ان کے ظلم و ستم برداشت کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست، اللہ اور معبود سمجھے، تمام دنیا کی محبت کو دل سے نکال کر صرف اللہ سے پیمانِ محبت باندھے۔ ساری کائنات کا ڈر قلب سے محو کر کے فقط اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرے، اللہ ہی سے اپنی اُمیدیں وابستہ رکھے اور اپنی عجز و انکساری صرف اسی کے سامنے پیش کرے۔ توکل اور بھروسہ ہو تو اللہ پر، کسی وقت امداد کا طالب ہو تو اللہ سے، گڑگڑائے تو اسی کے سامنے، استغاثہ

قال ابو العباس رحمه الله نَفَى اللّٰهُ عَمَّا سِوَاهُ كُلَّ مَا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْمُشْرِكُونَ فَنَفَى أَنْ يَكُونَ لِغَيْرِهِ مِلْكٌ أَوْ قِسْطٌ مِنْهُ أَوْ يَكُونَ عَوْنًا لِلّٰهِ

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے اِن باتوں کی نفی کر دی جن سے مشرکین سند پکڑتے ہیں اور خصوصاً اِس بات کی نفی کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو آسمان و زمین میں کسی قسم کی قدرت ہو یا قدرت کا کچھ حصہ یا وہ اللہ کی کچھ مدد کرتے ہوں۔

دائر کرے تو اسی کی بارگاہ قدس میں، مقصود و منتہی اسی کو قرار دے۔ غرض اپنے تمام امور اسی کی مرضی اور حکم کے مطابق انجام دینے کی طرح ڈالے، اور اسی کی رضا کا طالب رہے۔ جب سوال کرے تو اسی ایک اللہ سے،

اعانت کا خواہاں ہو تو اسی ایک اللہ سے،

کوئی بھی عمل کرے تو اسی وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے۔

خود بھی اور اپنے تمام امور اور معاملات میں بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہو کر رہ جائے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ان آیات پر جو سیر حاصل بحث کی ہے حقیقت میں انہوں نے دین اسلام کا بہترین نقشہ کھینچ کر سامنے رکھ دیا ہے اور اسی مفہوم کو قرآن کریم نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

وَ لَمْ يَبْقَ إِلَّا الشَّفَاعَةُ فَبَيَّنَ أَنَّهَا لَا تَنْفَعُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّبُّ كَمَا قَالَ : وَ لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى (الانبياء : ۲۸) فَهٰذِهِ الشَّفَاعَةُ الَّتِي يَظُنُّهَا الْمُشْرِكُونَ هِيَ مُنْتَفِيَةٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَمَا نَفَاهَا الْقُرْاٰنُ

باقی رہی سفارش، تو یہ بھی اُسے نفع دے گی جس کے بارے میں ربِ کریم اجازت عطا فرمائے، جیسا کہ فرمایا "وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اُس کے جس کے حق میں سفارش سُننے پر اللہ راضی ہو۔"

البتہ قیامت کے دِن وُہ شفاعت جس کے مشرکین قائل ہیں اُن کے حق میں نہ ہو سکے گی کیونکہ قرآنِ کریم نے اِس کی صراحت کے ساتھ اور غیر مبہم الفاظ میں تردید کی ہے۔

اس شخص سے بہتر اور کس کا طریقِ زندگی	وَ مَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا
ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے	مِّمَّنْ اَسْلَمَ
سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویہ نیک رکھا	وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ
اور یک سُو ہو کر ابراہیم علیہ السلام	مُحْسِنٌ وَّ

وَ أَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ : أَنَّهُ يَأْتِي فَيَسْجُدُ لِرَبِّهِ وَ يَحْمَدُهُ - لَا يَبْدَأُ بِالشَّفَاعَةِ أَوَّلاً ثُمَّ يُقَالُ لَهُ : إِرْفَعْ رَأْسَكَ وَ قُلْ يُسْمَعْ وَ سَلْ تُعْطَ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ".

و قال ابو هريرة رضی اللہ عنہ : "مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَا رَسُولَ اللهِ ؟

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے اور فوراً شفاعت نہیں کریں گے بلکہ آپؐ سب سے پہلے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونگے، اُس کی حمد و ثنا بیان کریں گے۔ پھر آپؐ کو حکم ہوگا کہ اپنا سر مبارک اٹھاؤ۔ آپؐ کی بات کو سُنا جائے گا اور جو سوال کروگے وہ دیا جائے گا اور سفارش کیجیے، آپؐ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون خوش نصیب اور سعید شخص ہے جو آپؐ کی شفاعت کا مستحق ہوگا؟"

اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا ○ (النساء ۱۲۵)

کے طریقے کی پیروی کی اس ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنا لیا تھا۔

قولہٗ : قال ابو العباس :

ابو العباس شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام ابن تیمیہ الحرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ہے جو بالاتفاق اہلِ سنّت کے نزدیک امام اور پیشوا تسلیم کیے جاتے ہیں۔

قولہٗ : قال ابو هريرة :

اس روایت کو امام بخاری اور امام نسائی نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے۔ امام احمدؒ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَشَفَاعَتِیْ لِمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا يُصَدِّقُ قَلْبُهٗ لِسَانَهٗ وَلِسَانُهٗ قَلْبَهٗ

وہ شخص میری شفاعت کا حق دار ہوگا جس نے اخلاص قلب سے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیا اور جس کے دل نے اس کی زبان کی اور زبان نے اس کے دل کی تصدیق کی۔

اس حدیث کے ہم معنیٰ ایک حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهٗ وَاِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا

ہر نبی سے مخصوص دعاء قبول کرنے کا وعدہ کیا گیا چنانچہ ہر نبی نے اسی دنیا میں وہ دعاء مانگ لی۔ البتہ میں نے اس دعاء کو چھپا کر رکھا ہے، تاکہ قیامت کے دن اپنی اُمّت کی شفاعت کر سکوں۔ پس اس دعاء کا ہر اس شخص کو فائدہ پہنچے گا جو شرک سے بچ بچا کر زندگی گذار گیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

قَالَ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهِ۔" فَتِلْكَ الشَّفَاعَةُ لِأَهْلِ الْإِخْلَاصِ بِإِذْنِ اللهِ وَ لَا تَكُوْنُ لِمَنْ أَشْرَكَ بِاللهِ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اپنے دل کی گہرائیوں سے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کرے۔" پس ثابت ہوا کہ یہ شفاعت اُن کو حاصل ہو گی جو اپنے اعمال و افعال میں مخلص ہوں گے اور وہ بھی اللہ تعالےٰ کی اجازت سے لیکن مُشرکین کی شفاعت ہرگز نہ ہو سکے گی۔

مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام نقل فرمایا ہے جو اس پورے باب کی تشریح اور تفسیر کے لیے کافی و وافی ہے، جس میں تحقیق بھی ہے اور ایجاز و اختصار بھی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاص کی جو بہترین تعریف کی ہے، وہ یہ ہے

اَلْاِخْلَاصُ مُحَبَّةُ اللهِ وَحْدَهٗ وَاِرَادَةُ وَجْهِهٖ — ایک اللہ کریم کی خالص محبت اور ہر کام میں اس کی رضاجوئی کا نام اخلاص ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے مطلب کے بارے میں فرماتے ہیں

اس حدیث پر غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف توحید خالص کو شفاعت

وَ حَقِيقَتُهُ أَنَّ اللهَ سُبحَانَهُ هُوَ الَّذِي يَتَفَضَّلُ عَلَى أَهلِ الإِخلَاصِ فَيَغفِرُ لَهُم بِوَاسِطَةِ دُعَاءِ مَن أَذِنَ لَهُ أَن يَّشفَعَ لِيُكرِمَهُ وَ يَنَالَ المَقَامَ المَحمُودَ.

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو سفارش کرنے کی اجازت دے گا۔ اُن کی دُعا کی وجہ سے اہلِ اخلاص پر اپنا خاص فضل و کرم کرتے ہوئے معاف فرما دے گا تاکہ اُن کی عِزت و تکریم ہو اور وہ قابلِ تعریف مقام حاصل کر لیں۔

کے حصول کا سبب قرار دیا ہے، اور مشرکین کے اس عقیدہ کی تردید فرمائی ہے کہ وہ غیر اللہ سے محبت اور ان کی عبادت کی بنا پر اور ان کو سفارشی سمجھ کر شفاعت کے مستحق قرار پائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے اس زعمِ باطل کے برعکس فرمایا کہ شفاعت حاصل کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے توحید میں تجرید و اخلاص کا پایا جانا۔ جب اخلاص پیدا ہو جائے گا تو پھر اس کے لیے شفاعت کی اجازت مل جائے گی۔

مشرکین کی جہالت یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جن کو انہوں نے اپنا ولی، دوست، اور سفارشی سمجھ رکھا ہے وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور اس کی بارگاہ میں ان کے لیے نفع رساں ثابت ہوں گے۔ بالکل اسی طرح جس

فَالشَّفَاعَةُ الَّتِي نَفَاهَا الْقُرْآنُ
مَا كَانَ فِيهَا شِرْكٌ وَ لِهَذَا أَثْبَتَ
الشَّفَاعَةَ بِإِذْنِهِ فِي مَوَاضِعَ ۔

پس قرآنِ کریم نے جس شفاعت کی تردید کی ہے وُہ ایسی شفاعت ہے جس میں شرک کی آمیزش ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر شفاعت کو اپنی اجازت سے ثابت اور مقید کر دیا ہے ۔

طرح کہ بادشاہوں کے مقربین اپنے ساتھیوں کو فائدہ پہنچا دیتے ہیں مشرکین اس بات کو بالکل بھول گئے ہیں کہ اللہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی سفارش کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی شخص کی سفارش ممکن ہے جس کے اعمال و افعال اور کردار پر اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔

امام ابن قیم ؒ نے پہلی فصل میں قرآنِ کریم کی یہ آیت پیش کی ہے

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ (البقرۃ - ۲۵۵) کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے ؟

اور دوسری فصل میں یہ آیت ذکر کی ہے کہ

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو۔

رہی تیسری فصل تو اس میں فرماتے ہیں کہ

وَقَدْ بَيَّنَ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّهَا لَا تَكُونُ إِلَّا لِأَهْلِ التَّوْحِيدِ وَالْإِخْلَاصِ ۔ انتهى كلامه

اور نبی رحمت ﷺ نے صاف اور واضح طور پر فرمایا کہ یہ شفاعت صرف موحدین اور سچی توحید والوں کے لیے ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کسی کے قول و عمل پر اس وقت تک قطعاً اظہار رضامندی نہیں کرتا جب تک کہ وہ توحید خالص کا حامل اور رسول کریم ﷺ کا متبع نہ ہو۔

یہ تینوں فصلیں اس شخص کے دل سے شرک کی جڑیں کاٹنے کے لیے کافی ہیں، جس میں عقل و خرد کا مادہ موجود ہے اور وہ غور و فکر کے لیے بھی تیار ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ شفاعت کی چھ قسمیں ہیں۔

۱۔ پہلی، شفاعت کبریٰ ہے، جس سے اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی گھبرا جائیں گے۔ حتیٰ کہ معاملہ آنحضرت ﷺ تک آپہنچے گا آنحضرت ﷺ فرمائیں گے

"انا لها" کہ یہ میرا ہی کام ہے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آئے گا جب کائنات یکے بعد دیگرے تمام انبیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کے لیے عرض کرے گی کہ اس مقام کے عذاب سے لوگوں کو نجات ملنی چاہئے۔ اس شفاعت کے وہی لوگ مستحق ہوں گے جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا

۲ــــ دوسری شفاعت دخولِ جنّت کی ہوگی۔ اس کا مفصّل بیان حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود ہے جو صحیحین میں مروی ہے

۳ــــ تیسری شفاعت ان لوگوں کی ہوگی جو اُمّتِ محمدیہ میں سے ہوتے ہوئے اپنے گناہوں کی پاداش میں دخولِ جہنّم کے مستوجب قرار پا جائیں گے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہنّم میں داخل ہونے سے پہلے ان کی شفاعت کریں گے تاکہ یہ لوگ دوزخ میں نہ جا سکیں۔

۴ــــ چوتھی شفاعت ان اہلِ توحید کے لیے ہوگی جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنّم میں سزا بھگت رہے ہوں گے۔

احادیثِ متواترہ، اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم، اور اہلِ سُنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ اہلِ توحید اپنے گناہوں کی وجہ سے سزا بھگتیں گے۔

جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، ان نفوسِ قدسیہ نے ان کو بدعتی قرار دیا ہے، ان کی نکیر کی ہے اور ان کو گمراہ ٹھہرایا ہے۔

۵ــــ پانچویں شفاعت صرف اہلِ جنّت کے لیے ہوگی تاکہ ان کے اجر میں اضافہ کیا جائے اور ان کے درجات بلند کیے جائیں۔ اس شفاعت میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مندرجہ بالا پانچوں شفاعتیں صرف ان مخلصین کے لیے ہیں جنھوں نے کسی غیر اللہ کو نہ اپنا ولی بنایا اور نہ شفاعت کنندہ سمجھا جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ	اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اس (علم
اَنْ يُّحْشَرُوْٓا	وحی) کے ذریعے سے ان لوگوں کو
اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ	نصیحت کرو جو اس بات کا خوف رکھتے
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ	ہیں کہ اپنے ربّ کے سامنے کبھی اس

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تَفسِيرُ الْآيَاتِ۔

① آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر۔

الثانیہ: صِفَةُ الشَّفَاعَةِ الْمَنْفِيَّةِ۔

② ناقابلِ قبول شفاعت کی توضیح و تشریح۔

الثالثہ: صِفَةُ الشَّفَاعَةِ الْمُثْبَتَةِ۔

③ اُس شفاعت کا تذکرہ جو مومنین کے لیے فائدہ مند ہوگی۔

وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ (الانعام - ۵۱)

حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں کوئی (الیسا ذی اقتدار) نہ ہوگا جو ان کا حامی و مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے۔

۶ ــــ چھٹی شفاعت بعض اہل جہنم کفار کے لیے ہے تاکہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے۔ اور یہ صرف ابوطالب کے لیے خاص ہے۔

انتہٰی کلام ابن القیمؒ

الرابعة ذِكْرُ الشَّفَاعَةِ الكُبْرٰی وَ هِيَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ -

④ شفاعتِ کبریٰ کا ذکر جسے مقام محمود بھی کہتے ہیں۔

الخامسة صِفَةُ مَا يَفْعَلُهُ ﷺ أَنَّهُ لَا يَبْدَأُ بِالشَّفَاعَةِ بَلْ يَسْجُدُ فَإِذَا أُذِنَ لَهُ شَفَعَ -

⑤ رسولِ کریم ﷺ کے شفاعت کرنے کے طریقے کی وضاحت کہ آپ لوگوں کی بات سنتے ہی شفاعت نہیں کریں گے بلکہ سب سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوں گے جب اجازتِ شفاعت ملے گی تو شفاعت کریں گے۔

السادسة مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِهَا ؟

⑥ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا سوال کرنا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون خوش نصیب اور سعید شخص ہے جو اس شفاعت کا حق دار ہوگا؟

السابعة أَنَّهَا لَا تَكُونُ لِمَنْ أَشْرَكَ بِاللهِ

⑦ یہ شفاعت اس شخص کے لیے قطعاً نہ ہوگی جس نے اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کیا ہے۔

الثامنة بَيَانُ حَقِيقَتِهَا -

⑧ شفاعت کی حقیقت و ماہیت کا بیان۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

اِس باب میں

اِس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ رُشد و ہدایت کی توفیق اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے جس کو چاہے ہدایت کی نعمت سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا کرے اور جس سے چاہے یہ دولت چھین لے

قال اللہ تعالیٰ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ (القصص-٥٦)

اے نبیؐ! تم جسے چاہو اُسے ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

قولہ اِنَّکَ لَا تَہْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ :

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب کی موت تھی۔ اس کی موت اپنے باپ عبدالمطلب کے مذہب وعقیدہ پر ہوئی۔ اس کی تفصیلات اسی باب میں آگے آرہی ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم ﷺ سے یہ فرماتا ہے کہ اے محمد! ﷺ ہر اس شخص کو جس سے آپ کو محبت ہو، ہدایت اور سیدھے راستہ پر لانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ آپ کا کام صرف تبلیغِ دین ہے کسی کو ہدایت سے نوازنا اللہ کا کام ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہے۔"

اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات پر بھی واضح فرمایا ہے۔ جیسے۔

لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ وَ (اے میرے رسول کریم ﷺ!)

لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ (البقرۃ - ۲۷۲)

ان کو ہدایت اور راہِ راست پر لانا آپ کا کام نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نورِ ہدایت سے منور فرماتا ہے۔

ایک اور جگہ پر یوں ارشاد ہوتا ہے

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف - ۱۰۳)

اے میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ اکثر لوگ ایمان کی دولت سے بے بہرہ ہی رہیں گے اگرچہ آپ کا کتنا ہی جی چاہتا ہو

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں جس ہدایت کی نفی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہدایت کی توفیق دینا آپ کے اختیار میں نہیں ہے اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اور وہی اس پر قدرت رکھتا ہے۔

البتہ مندرجہ ذیل آیت میں جس ہدایت کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے ہدایت کی تشریح اور اس کی وضاحت مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ پر جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ آپ دینِ اسلام اس کے احکام اور اللہ کی ہدایت کو لوگوں پر واضح فرمائیں۔ آیت یہ ہے۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ (الشوریٰ - ۵۲)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں

و فی الصحیح عن ابن المسیّب عن ابیه رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَآءَهُ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ عِنْدَهُ عَبْدُ اللهِ ابْنُ أُمَيَّةَ وَ أَبُوْ جَهْلٍ ۔

صحیح بخاری اور صحیح مُسلم میں حضرت سعید رحمہ اللہ اپنے باپ حضرت مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت مسیّبؓ رضی اللہ عنہ اپنے باپ حضرت حُزن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ابُوطالب کی وفات کے آثار دکھائی دیے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس تشریف لے گئے۔ اُس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ بھی وہاں بیٹھے تھے۔

قولہ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ :

یہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ ہیں۔ ان کا مختصر نسب نامہ یہ ہے۔

سعید بن المسیّب بن حزن بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم القرشی المخزومی۔

حضرت سعید بن مسیّب کا شمار ان سات علما اور کبار فقہا میں ہوتا ہے جو جماعت تابعین میں بہت ہی نامور اور عظیم المرتبت تھے۔ اہل الحدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس قدر بھی مراسیل منقول ہیں اُن میں سعید کی مراسیل بہت ہی صحیح ترین ہیں۔ ان کے بارے میں ابن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

فَقَالَ لَهٗ يَا عَمِّ !

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، چچا جان!

لَا اَعْلَمُ فِي التَّابِعِيْنَ اَوْسَعَ عِلْمًا مِنْهُ

مجھے تابعین میں سعید بن مسیب سے بڑھ کر کوئی صاحبِ علم دکھائی نہیں دیتا۔

ان کی عمر اسّی سال کے لگ بھگ تھی ۹۰ھ کے بعد فوت ہوئے۔

ان کے والد ماجد حضرت مسیب رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔ حضرت سعید کے جدِ امجد حضرت حزن رضی اللہ عنہ بھی صحابیِ رسول تھے، جنہوں نے جنگِ یمامہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

قولہ لَمَّا حَضَرَتْ اَبَا طَالِبِ الْوَفَاةُ :

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ابو طالب پر موت کی علامات اور اُس کے آثار ظاہر ہوئے

قولہ جَاءَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ)

جب ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیۃ ابو طالب کے پاس بیٹھے تھے، ممکن ہے اُس وقت مسیب رضی اللہ عنہ بھی وہیں بیٹھے ہوں، کیونکہ یہ تینوں قبیلہ بنی مخزوم سے تعلق رکھتے تھے اور وفاتِ ابی طالب کے وقت تینوں کافر تھے۔ ابوجہل تو حالتِ کفر ہی میں مرا۔ اور باقی دونوں نے دولتِ اسلام سے متمتع ہونے کا شرف حاصل کیا۔

قولہ یَا عَمِّ :

یہ مضاف منادیٰ ہے اس میں حرفِ "یا" کو باقی رکھنا بھی جائز ہے اور حذف کرنا بھی، یعنی "یا عَمِّ" بھی پڑھا جاسکتا ہے اور "یا عَمِّیْ" بھی۔ یہاں "یا" محذوف ہے اور "میم مکسور

قُلْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔

کلمہ لآاِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کر لو، میں تمہارے لیے یہی کلمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور دلیل پیش کروں گا۔

ہے جو اس کی "یا" پر دلالت کناں ہے۔

قولہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ :

رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو کلمۂ توحید کے اقرار کرنے کی ترغیب دی لیکن ابوطالب نے انکار کر دیا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ علم ویقین کے ساتھ لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے اقرار کا مطلب یہ ہے کہ شرک اور مشرکین سے کلیۃً اظہار برارت کیا جائے۔ اور تمام عبادات پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کی جائیں اور یہ کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے مطلب کو خوب سمجھتے تھے۔ اس وقت مکۃ المکرمہ میں دو ہی قسم کے لوگ تھے مسلمان اور کافر۔ اس کلمے کا اقرار وہی شخص کرتا تھا جو شرک سے بالکل بیزار ہو جاتا اور قطعِ علائق کر لیتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مکۃ المکرمۃ سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو یہاں صحابہ کرام نے ہجرت فرمائی وہاں منافقین بھی مدینہ طیبہ پہنچ گئے جو صرف زبان سے کلمۂ توحید ادا کرتے تھے لیکن اس کے معنی ومفہوم کو سمجھنے کے باوجود اس پر دل سے یقین نہ رکھتے تھے۔ اُن کے دِل بغض وعداوت اور شکوک وشبہات سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ لوگ صرف ظاہری طور پر مسلمانوں کے ساتھ بعض اعمال میں شرکت کرتے تھے بباطن ان کے مخالف تھے۔

فَقَالَا لَهٗ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ؟

ابوجہل اور عبداللہ بن ابو امیہ بولے "کیا عبدالمطلب کے مذہب کو چھوڑ دو گے ؟"

مدینہ طیبہ میں یہود بھی سکونت پذیر تھے لیکن جیسا کہ کتب حدیث و سیر میں منقول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ اور اقرار لے لیا تھا کہ وہ نہ تو مسلمانوں سے خیانت کریں گے اور نہ ان کے خلاف کفر کی حمایت و نصرت کریں گے۔

قولہٗ كَلِمَةً :

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

"لفظ" کلمۃ" منصوب ہے کیونکہ یہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا بدل ہے۔ اس کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس صورت میں اس کو مبتداء محذوف کی خبر قرار دیا جائے گا"

قولہٗ اُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ :

احاج۔ میں حرف" ج" مشدد ہے جو" محاجة" سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حالتِ موت میں بھی لا الہ الا اللہ کہہ لیا جائے تو اس کو حجت قرار دیا جاتا ہے۔

اگر ابوطالب مرتے وقت بھی اس کلمہ کا اقرار کر لیتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور دلیل اس کی اس شہادت کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال کا دار و مدار خاتمے پر ہے۔ کیونکہ اگر ابوطالب

فَأَعَادَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَأَعَادَا۔

فَكَانَ أٰخِرُ مَا قَالَ۔

رسول اکرم ﷺ بار بار کلمۂ شہادت کی ترغیب دیتے تھے اور وہ دونوں ابوطالب کو اپنے مذہب پر قائم رہنے پر اصرار کرتے تھے۔

ابوطالب کی آخری بات یہ تھی کہ

خلوصِ دل سے اور ان تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے جو نفی واثبات کی صورت میں لا الٰہ الا اللہ سے وابستہ ہیں یہ کلمہ پڑھ لیتا تو وہ لازماً اس کے لیے سُود مند ثابت ہوتا۔

قولہ: فَقَالَا لَهُ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ:

یہ وہی حجت ملعونہ ہے جو تمام مشرکین نے اپنے رسولوں کے سامنے پیش کی تھی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کہتا ہے

فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ؟ (طٰہٰ - ۵۱)

تو اچھا یہ بتاؤ کہ پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا۔؟

قرآنِ کریم میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

وَكَذٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُّقْتَدُونَ ۝ (الزخرف - ۲۳)	اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اُس کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی

کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں

قولہ: فَاَعَادَ عَلَیْہِ النَّبِیُّ ﷺ فَاَعَادَا :

حدیث کے ان الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ اس کلمہ لاالٰہ الا اللہ کے مقتضیات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ کیونکہ اُس وقت ان دونوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اگر ابوطالب نے کلمۂ لاالٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس نے عبدالمطلب کے مذہب سے اظہارِ بیزاری کر دیا ہے۔ عبدالمطلب کا مذہب شرک فی الالوہیت ہی تو تھا۔ البتہ توحید ربوبیت کا جیسا کہ پہلے گزر چکا، کافر و مشرک سب اقرار کرتے تھے۔

ابرہہ بادشاہ کو جو بیت اللہ کو گرانے کے لیے آیا تھا عبدالمطلب نے یہی جواب تو دیا تھا کہ

اَنَا رَبُّ الْاِبِلِ وَالْبَیْتُ لَہٗ رَبٌّ یَمْنَعُہٗ مِنْکَ

یہ اونٹ میرے ہیں یہ مجھے واپس کر دو۔ رہا بیت اللہ کا معاملہ، تو اس کا مالک موجود ہے وہ تم سے خود نمٹ لے گا

یہ جملہ ابوجہل اور اُس کے ساتھی نے اُس وقت کہا تھا جب کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کو لاالٰہ الا اللہ کے اقرار کی ترغیب دی تھی۔ انہوں نے اس کلمہ کے تقاضوں اور مدلول پر عمل کرنے کو حقارت اور تکبر کی نگاہ سے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ان جیسے دوسرے مشرکین کے بارے میں فرماتا ہے کہ

اِنَّھُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَھُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ (الصّٰفّٰت - ۳۵، ۳۶)

وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں تو تکبر کیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے چھوڑ دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت - ۳۷)

یہ تو ایک سچا دین لے کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔

لاالہ الااللہ سے مشرکین کے انکار اور استکبار کی وجہ بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اس لیے انکار کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا یہ جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور جن پر معبود اور الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، کلمہ لاالہ الااللہ۔ ان کے اس عقیدہ کی بیخ کنی کرتا ہے۔ یہ کلمہ اخلاص پر دلالت کرتا ہے اور مشرکین کے عقائدِ شرکیہ کے ابطال اور ان کے معبودانِ باطلہ کی نفی کو متضمن ہے۔

ابو طالب کے ہدایت یاب نہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں، ان میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ

لوگوں کو اس بات کا علم اور یقین ہو جائے کہ کسی کو ہدایت دینا یا نہ دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اس کے سوا کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور اگر

○ — لوگوں کے دلوں کو ہدایت کی طرف ملتفت کرنا۔

○ — مصائب و مشکلات سے نجات دلانا۔

○ — ان کو عذابِ الٰہی سے بچانا

اور ان جیسے دوسرے اُمور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہوتے جو کہ تمام کائنات سے افضل و اشرف ہیں تو اس کے سب سے زیادہ حقدار ابو طالب تھے کیونکہ یہ رشتہ میں آپ کے چچا بھی ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو حمایت، نصرت اور اعانت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابو طالب نے کی ہے وہ تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ نقش رہے گی۔ لیکن ہم اس حکمت اور بھید کی تہہ تک پہنچنے میں یکسر عاجز اور قاصر ہیں۔ اور اللہ کی ذات ہر عیب سے پاک اور منزہ ہے جس کی حکمتوں کو سمجھنے کے لیے عقلِ انسانی واطۂ حیرت میں ڈوب جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے اپنی معرفت، توحید، اور اخلاصِ عمل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

هُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَ أَبٰى أَنْ يَّقُوْلَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ"۔

وہ عبدالمطّلب کے دین پر ہی قائم رہے گا اور اُس نے لاالٰہ الاّاللہ کے اقرار سے اِنکار کر دیا۔ رسُولِ اکرم ﷺ نے اُس سے فرمایا کہ جب تک مجھے روک نہ دیا گیا مَیں تمھارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔

قولہٗ: فَکَانَ اٰخِرُ مَا قَالَ :

احسن یہ ہے کہ لفظ اٰخِرُ کو مرفوع پڑھا جائے کیونکہ یہ کَانَ کا اسم ہے اور ھُوَ اور اس کے بعد اس کی خبر ہے۔

قولہٗ: ھُوَ عَلٰی مِلَّۃِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ :

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"روایت کا سیاق یہ واضح کرتا ہے کہ اصل عبارت یوں تھی کہ

"انا علٰی ملۃ عبدالمطلب"

راوی نے لفظ اَنَا کو اچھا نہ سمجھتے ہوئے ھُوَ سے بدل دیا ہے۔ اس قسم کے تصرّفات اہلِ علم کے ہاں استحسان کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

قولہٗ: وَاَبٰی اَنْ یَّقُوْلَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ :

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

فانزل الله عز وجل : مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْآ أُوْلِي قُرْبٰى - الآية

(التوبة : ١١٣)

اِس پر اللہ کریم نے یہ آیت نازل فرمائی کہ نبی کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دُعا کریں۔ چاہے وُہ رِشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

" راوی نے ابوطالب کے انکار کو مزید مؤکد کرنے کی غرض سے یہ کہا ہے "

مصنّف رحمہ اللہ اسی باب کے آخر میں " فیہ مسائل " کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

ا ـــــ حدیث کے زیر بحث الفاظ میں اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو ابوطالب کے اسلام پر اصرار کرتے ہیں اور ان کی حمایت میں بہت آگے بڑھ جاتے ہیں۔

۲ ـــــ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بُرے اور غلط ساتھیوں کے شرّ سے چوکس رہنا چاہیے

۳ ـــــ تیسری بات یہ ظاہر ہوئی کہ اپنے اسلاف کی تعظیم میں افراط و تفریط اور غلو سے بچنا چاہیے، کیونکہ یہ چیز اس درجہ خطرناک ہے کہ اکثر اوقات یہ دخول جہنم کا سبب بن جاتی ہے

یعنی ان کی تعظیم شریعت کی حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ اور متنازعہ فیہ مسائل میں اُن کے قول کو فیصلہ کن خیال کر کے مان لیا جاتا ہے تو اس سے احکام شرعی مجروح ہوتے ہیں۔

قولہ : فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ :

یہاں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

و انزل الله في ابی طالب : إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○ (القصص ۵۶)

ربِ ذوالجلال نے ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اے نبی! تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وُہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

" بلاقسم لیے اگر کوئی شخص قسم کھائے تو جائز ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کی تالیفِ قلبی کے لیے اور اپنے عزم کے اظہار کی غرض سے، اس کے لیے اللہ سے استغفار کرنے کی قسم کھائی ہے۔"

ہجرتِ نبویؐ سے تھوڑا عرصہ قبل مکہ مکرمہ میں ابوطالب کی موت واقع ہوئی۔ ابن فارس کا کہنا ہے کہ

"جب ابوطالب فوت ہوئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر انچاس سال آٹھ مہینے گیارہ دن تھی۔"

اور ان کی موت کے آٹھ روز بعد ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی اس عالمِ فانی کو چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی کے جوارِ رحمت میں جا بسیں۔ رضی اللہ تعالی عنہا

قوله: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوٓا :

یعنی کسی نبی اور مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں۔

یہ آیت کریمہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تفسیر (إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ)

① آیتِ کریمہ " انك لا تهدى من أجبت " کی تفسیر

کے اس فرمان سے کہ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ - یہی ثابت ہوتا ہے۔
علمائے کرام نے اس آیت کریمہ کے شانِ نزول میں اور بھی کئی چیزیں بیان فرمائی ہیں، جن میں کوئی منافات نہیں ہے اور وہ سب صحیح ہیں. حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
"آیت استغفار، ابوطالب کی وفات کے کافی عرصہ بعد نازل ہوئی اور یہ کہ یہ آیت ابوطالب اور غیر ابی طالب کے لیے عام ہے۔ لہذا اس کو صرف ابوطالب کے حق میں نازل ماننا قرینِ صحت معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں!
دوسری آیت یعنی إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ ابوطالب کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ کفر ہی کی حالت میں فوت ہوا تھا۔
اور سہیلی کا مسعودی کی بعض کتب کے حوالے سے یہ کہنا کہ ابوطالب

الثانية تفسير قوله (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ أٰمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْآ أُوْلِيْ قُرْبٰى - (الآية)

(۲) آیتِ کریمہ "ما كان للنبي " کی تفسیر و توضیح۔

الثالثة وَهِيَ الْمَسْأَلَةُ الْكَبِيْرَةُ تَفْسِيْرُ قَوْلِهٖ " قُلْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " بِخِلَافِ مَا عَلَيْهِ مَنْ يَّدَّعِي الْعِلْمَ۔

(۳) بہت عظیم اور اہم مسئلہ جس میں آپؐ کے ارشاد "قُلْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی وضاحت ہے اور اُن لوگوں کی تردید کی گئی ہے جو کلمہ شہادت کے زبانی اقرار کو باعثِ نجات قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ شرکیہ اعمال کا مرتکب ہو رہا ہو۔

مسلمان ہو گئے تھے، صحیح نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی باتیں صحیح روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔"

اس آیت کریمہ میں صاف اور واضح ارشاد موجود ہے کہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا، اُن سے محبت و موالات قائم کرنا اور اُن سے تعلقات استوار کرنا حرام ہے۔ اس لیے کہ جب اس نے ان کے لیے استغفار حرام ٹھہرا دیا تو اُن سے محبت اور تعلقات و موالات تو بالاولیٰ حرام قرار پائے۔

الرابعۃ: أَنَّ أَبَا جَهْلٍ وَ مَنْ مَّعَهٗ يَعْرِفُوْنَ مُرَادَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ قَالَ لِلرَّجُلِ قُلْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَبَّحَ اللّٰهُ مَنْ أَبُوْجَهْلٍ أَعْلَمُ مِنْهُ بِأَصْلِ الْإِسْلَامِ۔

④ جب رسولِ عربی ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے کہا کہ لاالٰہ اِلّاالله کا اقرار کرلو تو اس کے مطلب کو ابوجہل اور اُسکے ساتھی جانتے تھے اسی لیے توانہوں نے ابوطالب کو عبدالمطّلب کے مذہب پر قائم رہنے کی ترغیب دی۔ آج کل کتنے ہی ابوجہل ہیں الله ان کا ستیا ناس کرے جن سے ابوجہل لاالٰہ اِلّاالله کے مفہوم کو زیادہ جانتا تھا۔

الخامسۃ: جِدُّهٗ ﷺ وَ مُبَالَغَتُهٗ فِيْ إِسْلَامِ عَمِّهٖ۔

⑤ اپنے چچا ابوطالب کے قبولِ اسلام کے لیے رسول الله ﷺ کی انتہائی جدوجہد اور بدرجہ غایت کوشش وسعی۔

السادسۃ: أَلرَّدُّ عَلٰى مَنْ زَعَمَ إِسْلَامَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَ أَسْلَافِهٖ۔

(۶) عبدالمطلب اور اس کے بڑوں کو مسلمان سمجھنے والوں کی تردید۔

السابعة كَوْنُهُ ﷺ إِسْتَغْفَرَلَهُ فَلَمْ يُغْفَرْلَهُ بَلْ نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ

(۷) رسولِ اکرم ﷺ کے استغفار کے باوجود ابوطالب کی مغفرت نہ کی گئی بلکہ اس کے برعکس آپ کو ان کے لیے استغفار سے روک دیا گیا۔

الثامنة مَضَرَّةُ أَصْحَابِ السُّوْءِ عَلَى الْإِنْسَانِ

(۸) انسان پر برے لوگوں کی صحبت کا اثر پڑنا۔

التاسعة مَضَرَّةُ تَعْظِيْمِ الْأَسْلَافِ وَ الْأَكَابِرِ

(۹) اپنے اکابر و اسلاف کی تعظیم میں غلو کی مضرتیں۔

العاشرة إِسْتِدْلَالُ الْجَاهِلِيَّةِ بِذٰلِكَ۔

(۱۰) اپنے اکابر کی زندگی سے استدلال، جاہلیت کی رسم ہے۔

الحادية عشرة أَلشَّاهِدُ لِكَوْنِ الْأَعْمَالِ بِالْخَوَاتِيْمِ لِأَنَّهُ لَوْ قَالَهَا لَنَفَعَتْهُ

(۱۱) ان احادیث سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ اعمال کا دارومدار انسانی زندگی کے خاتمے پر ہے کیونکہ ابوطالب اگر بوقتِ وفات کلمۂ شہادت کا اقرار کرلیتا تو وہ اس کے لیے ضرور نفع رساں ہوتا۔

الثانية عشرة

أَلتَّأَمُّلُ فِي كِبَرِ هٰذِهِ الشُّبْهَةِ فِي قُلُوبِ الضَّآلِّينَ لِأَنَّ فِي الْقِصَّةِ أَنَّهُمْ لَمْ يُجَادِلُوهُ إِلاَّ بِهَا مَعَ مُبَالَغَتِهِ ﷺ وَ تَكْرِيرِهِ فَلِأَجْلِ عَظَمَتِهَا وَ وُضُوحِهَا عِنْدَهُمْ إِقْتَصَرُوا عَلَيْهَا

(۱۲) مشرکین کے دِلوں میں جو یہ شبہ پیدا ہوگیا ہے کہ وُہ صرف لآ اِلٰہ اِلّا اللہ اپنے جھگڑے اور اختلاف کی بنیاد سمجھتے تھے، اِس پر غور و تامّل ۔

اگرچہ حقیقت یہی ہے کہ شریعتِ اِسلامیہ میں اِس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے تبھی تو رسولِ معظّم ﷺ بار بار یہ کوشش فرماتے ہیں کہ ابُوطالب اِس کا اقرار کرلے ۔ کلمۂ شہادت کا مطلب اور اِسکے تقاضے اِتنے واضح اور روشن ہیں کہ مُشرک بھی اِسے سمجھتے تھے، اِسی بنا پر تو اُنھوں نے اپنے مُعاملات اور اِختلافات کو اِس پر مرکوز کر رکھا تھا ۔
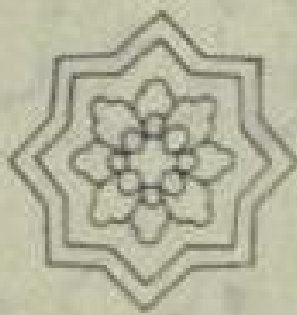
باب ما جاء

أنّ سبب كفر بني آدم وتركهم دينهم هو الغلوّ في الصّالحين

اِس باب میں

یہ بیان کیا گیا ہے کہ بنی نوع اِنسان کے کُفر اور شِرک میں مُبتلا ہونے اور دِین کو چھوڑ دینے کا سب سے بڑا سبب بزرگوں کے معاملہ میں غلو کرنا ہے۔

قولہ تعالیٰ يَأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ -

اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو۔

قولہ: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ :

قول اور اعتقاد میں افراط و تجاوز کا نام غلو ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا ہے اس سے اس کو اونچا اور بالا نہ سمجھو۔ یہ خطاب اگرچہ یہود و نصاریٰ سے ہے لیکن اس کے ساتھ ہی پوری اُمت محمدیہ سے بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ خدشہ ہے کہ یہ اُمت بھی کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ اور یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کے ساتھ کیا۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (الحدید - ۱۶)	کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دِل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اُس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ایک لمبی مُدّت اُن پر گزر گئی تو اُن کے دِل سخت ہو گئے اور آج اُن میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں؟

وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ؕ (النسآء : ۱۷۱)

اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔

اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

لَا تُطْرُوْنِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ

میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے مبالغہ سے کام لیا۔

پس جس شخص نے اللہ کے سوا کسی نبی اور ولی کو پکارا گویا کہ اس نے اس کو معبود ٹھہرا لیا انہوں نے شرک میں نصاریٰ سے مشابہت پیدا کی، تفریط میں یہودیوں کے مانند ہو گئے۔ نصاریٰ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں غلو سے کام لیا اور اس کے مقابلے میں یہودیوں نے ان سے عداوت کا مظاہرہ کیا، انہیں سب وشتم کیا اور ان کی تنقیص کی۔ اس طرح یوں سمجھیے کہ نصاریٰ نے افراط کا ثبوت دیا اور یہودی تفریط کا شکار ہوئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ أُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَأْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ (المائدہ ـ ۷۵)

مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول تھا۔ اُس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔ اس کی ماں ایک راستباز عورت تھی اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

اس آیت کریمہ میں اور اس قسم کی دوسری آیات میں یہود و نصاریٰ کی تردید کی گئی ہے۔

وفی الصحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ في قول الله تعالیٰ

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ (نوح : ۲۳) قال

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آیت (انھوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو وَدّ اور سُوَاع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو) کے بارے میں کہتے ہیں کہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

" اُمتِ محمدیہ میں سے جو شخص یہود ونصاری سے مشابہت اختیار کریگا اور دین میں افراط یا تفریط سے کام لے گا، وہ ان ہی جیسا ہوگیا"

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں غالی رافضیوں کو جلا دیا تھا اور باب کندہ کے قریب گڑھے کھدوا کر ان کو ان میں پھینک دیا تھا، صحابہ کرام کا ان غالی رافضیوں کے قتل پر اتفاق تھا۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان کو بجائے جلانے کے تلوار سے قتل کر دیا جائے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے:

قولہ وَفِي الصَّحِيْحِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر کو اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جسے ہم بہت ہی اہم خیال کرتے ہوئے اس کا یوں خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

قوم نوح کے عرب میں بڑے بڑے اور مشہور معبود پانچ تھے۔ یہ سب قوم نوح میں صالح اور نیک افراد شمار کیے جاتے تھے۔

۱ــــ وَدّ :۔ دومۃ الجندل میں بنو کلب کا دیوتا تھا۔

۲ــــ سُواع :۔ بنو ہذیل کا پیشوا تھا۔

۳ــــ یَغُوث : قبیلہ مراد کا مشکل کشا تھا۔ ان کے بعد بنو غطیف نے اس کی پوجا شروع کر دی یہ سبا شہر کے پاس جرف نامی مقام پر تھا۔

۴ــــ یَعُوق :۔ ہمدان کا بُت تھا۔

۵ــــ نَسْر :۔ قبیلہ حمیر کا بت تھا جو آلِ ذی الکلاع سے تعلق رکھتے تھے عکرمہ، ضحاک اور ابن اسحاق سے اسی طرح مروی ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ محمد بن قیس سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ

"یغوث، یعوق، اور نسر، تینوں اولادِ آدم میں سے صالح اور بہتر لوگ شمار کیے جاتے تھے۔ کچھ لوگ ان کی صالحیت کی بنا پر ان کی اتباع بھی کرتے تھے۔ جب یہ مرگئے تو ان کے ساتھیوں نے باہم مشورہ کیا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنا کر رکھ لیں تو ان کی وجہ سے ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مزید جذبہ اور شوق پیدا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ان کی تصاویر بنالیں جب یہ لوگ وفات پاگئے اور ان کے بعد دوسری نسل پیدا ہوئی تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارے آباؤ اجداد ان کی عبادت کیا کرتے تھے، اور ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی تھی ان کی عبادت کرنے لگے۔

هٰذِهٖ أَسْمَآءُ رِجَالٍ صَالِحِيْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ فَلَمَّا هَلَكُوْا أَوْحَى الشَّيْطٰنُ إِلٰى قَوْمِهِمْ أَنْ أَنْصِبُوْا إِلٰى مَجَالِسِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا يَجْلِسُوْنَ فِيْهَا أَنْصَابًا۔ وَ سَمُّوْهَا بِأَسْمَآئِهِمْ فَفَعَلُوْا وَلَمْ تُعْبَدْ حَتّٰى إِذَا هَلَكَ أُولٰٓئِكَ وَ نُسِيَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ۔

یہ سب قومِ نُوح کے صالح لوگ تھے، جب وُہ مَر گئے تو شیطان نے اُنکی قوم کو یہ بات سمجھائی کہ یہ نیک لوگ جس جگہ بیٹھتے تھے وہاں بطور یادگار پتھر نصب کرو اور اس پتّھر کو اُن کے نام سے پکارو، سو اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب اگلے لوگ مر گئے اور علم اُن سے جاتا رہا تب اُن کی اولاد نے اُن یادگاروں کی پرستش شروع کر دی۔

قولہٗ : أَنْصَابًا : جمع نصب۔

اس سے وہ اصنام مراد ہیں، جو ان نیک لوگوں کی تصویروں کی شکل میں انہوں نے اپنی مجلسوں میں سجا رکھے تھے، اور ان کے وہی نام رکھ لیے تھے جو ان صلحا کے نام تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا سیاق یہ بتاتا ہے کہ اصنام کو اوثان سے تعبیر

کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کو وثن کہتے ہیں. خواہ وہ قبر کی شکل میں ہو۔ یا مشہد کی شکل میں یا کسی دوسری صورت میں۔

قولہٗ : حَتّٰى اِذَا هَلَكَ :

یعنی جن لوگوں نے ان اصنام کی تصویریں تیار کی تھیں وہ فوت ہو گئے۔

قولہٗ : وَ نُسِيَ الْعِلْمُ :

مطلب یہ کہ علما کی وفات کی وجہ سے اور جہالت کے دور دورہ سے ان کے آثار و نشانات ختم ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ لوگ توحید اور شرک کے درمیان فرق نہ کر سکے. انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ صالحین عنداللہ ہمارے لیے نفع رساں ثابت ہوں گے، اس لیے یہ لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے۔

قولہٗ : عُبِدَتْ :

ابلیس نے ان سے کہا کہ دیکھو! تمہارے آباؤ اجداد ان بزرگوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کے طفیل بارش ہوتی تھی۔ اس نے ان اصنام کی عبادت کو ان کے سامنے انتہائی خوب صورت انداز میں پیش کیا اور ان کی عظمت کا نقش اس طرح بڑھا چڑھا کر ان کے دلوں میں بٹھا دیا کہ وہ سمجھنے لگے کہ گویا وہی ان کے معبود حقیقی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ	اولادِ آدم! کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی بندگی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے، مگر اس کے باوجود اس نے تم میں سے ایک گروہ کثیر کو گمراہ کر دیا. کیا تم عقل نہیں رکھتے

وَ قَالَ ابْنُ الْقَيِّمُ رحمه الله

قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ السَّلَفِ: "لَمَّا مَاتُوا عَكَفُوا عَلٰى قُبُوْرِهِمْ-

---

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر سلف صالحین نے بیان کیاہے کہ جب وہ مر گئے تو پہلے یہ لوگ ان کی قبروں کے مجاور بنے،

تکونوا تعقلون ۝ تھے-؟

اللہ تعالیٰ کے اس عہد و پیمان کو یاد رکھنے کا اصل فائدہ یہ ہے کہ انسان غلو سے محفوظ رہتا ہے. شیطان نے صالحین کی شان میں افراط و مبالغہ اور ان سے غلو فی المحبت کی بنا پر ہی ان لوگوں کو مبتلائے شرک کیا تھا. جیسا کہ آج کل اُمتِ محمدی میں سے اکثر لوگ شرک کا شکار ہو گئے ہیں. اس لیے کہ شیطان نے صالحین کی محبت و عظمت کو اور ان کی شان میں بدعت و غلو کو اُن کے سینوں میں اس طرح پیوست کر دیا ہے کہ یہ لوگ اب اعمال شرکیہ کو بھی توحید اور رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھ بیٹھے ہیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں

"اُن لوگوں نے کہا کہ ہمارے آباؤ اجداد کی شان و عظمت کی اصل وجہ یہی تھی کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا شفاعت کنندہ سمجھتے تھے"

یعنی ہمارے جن بزرگوں نے یہ تصویریں بنائی تھیں اور ان تصویروں کو انہی ناموں سے موسوم کیا، جو ان کے اصل نام تھے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کو شفاعت کنندہ سمجھنا، ان کی شفاعت کی اُمید

رکھنا اور یہ کہنا کہ یہ ضرور ہماری مدد کریں گے ، یہی شرکِ اعظم ہے ۔ جیسا کہ سابقہ صفحات میں محکم آیات کی تشریح میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے ۔

قولہٗ وقال ابن القیم رحمہ اللہ

یہاں امام علامہ محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی الدمشقی مراد ہیں جو ابن القیم الجوزی کے نام سے مشہور ہیں ۔

علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ سلف میں سے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب وہ لوگ مر گئے تو یہ ان کی قبروں پر معتکف ہو کر بیٹھ گئے ان کے مجسموں کی تصویریں بنائیں اور پھر مدتِ مدید تک وہاں بیٹھ کر ان کی عبادت میں مشغول رہے ۔

علامہ ابن قیم کو امام سخاوی ان الفاظ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں ۔

اَلْعَلَّامَةُ الْحُجَّةُ الْمُتَقَدِّمُ فِيْ سَعَةِ الْعِلْمِ وَمَعْرِفَةِ الْخِلَافِ وَقُوَّةِ الْجَنَانِ الْمُجْمَعُ عَلَيْهِ بَيْنَ الْمُوَافِقِ وَالْمُخَالِفِ صَاحِبُ التَّصَانِيْفِ السَّائِرَةِ وَالْمَحَاسِنِ الْجَمَّةِ مَاتَ سَنَةَ اِحْدٰى وَخَمْسِيْنَ وَسَبْعِمَائَةٍ	علامہ ، وسعتِ علم اور اختلافی مسائل کی معرفت میں فائق تر ، قوتِ قلب میں اس درجہ بڑھے ہوئے کہ اس پر مخالف و موافق سب متفق متداول و مقبول کتابوں کے مصنف اور بہت سے محاسن کے مرکز ، ۷۵۱ھ میں فوت ہوئے ۔

قولہٗ : وَقَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ السَّلَفِ :

امام بخاریؒ اور ابن جریرؒ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے ۔ البتہ انہوں نے بتایا ہے کہ وہ ان کی قبروں پر ان کی تصویروں کے بت بنانے سے پہلے ہی مجاور بن کر بیٹھ گئے تھے ۔

ثُمَّ صَوَّرُوا تَمَاثِيلَهُمْ۔

ثُمَّ طَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَعَبَدُوهُمْ۔

پھر ان کی تصاویر بنائیں۔ پھر زمانہ دراز گزرنے پر ان کی عبادت کرنے لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ بڑا ذریعہ اور سبب ہے جو انسان کو شرک کی وادی میں لے جاتا ہے۔ یہی شرک ہے کیونکہ اللہ کی رضا کے لیے مسجد میں بیٹھنا عبادت ہے۔ اسی طرح جب کسی کی قبر پر بیٹھنا صاحب قبر کی عظمت اور محبت کی دلیل ہے تو یہ بھی اس کی عبادت ہی ٹھہری۔

قولہٗ: ثُمَّ طَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَعَبَدُوهُمْ

یعنی جب ایک زمانہ گزر گیا تو انہوں نے ان لوگوں کی عبادت شروع کر دی۔ ان کی عبادت کا سب سے بڑا محرک وہی غلو و مبالغہ تھا جو ان سے پہلے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنا اور پھر ان کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھ جانا اور اپنی مجالس میں ان کی تصویروں کو باعث برکت سمجھتے ہوئے سجا لینا مزید گمراہی کا موجب ہوا۔ اسی طرح یہ چیز دین کی شکل اختیار کر گئی اور اللہ کے سوا ان کی عبادت شروع ہو گئی جیسا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے عنوان باب میں واضح کیا ہے۔

ان اسباب شرک سے قبل یہ لوگ خالص دین اسلام پر کاربند تھے ان صلحا کی تصاویر کی عبادت سے انکار کرتے تھے۔ اور ان کو صرف اپنا شفاعت کنندہ سمجھتے تھے اور یہی وہ سب سے پہلا شرک ہے جو دنیا میں نمودار ہوا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

"ان کی پہلی تصاویر بنانے والوں نے صرف اس بنا پر تصویریں بنائی تھیں کہ ہم ان کو دیکھ کر ان کے اعمالِ صالحہ یاد کریں گے، انہی کی طرح اعمالِ صالحہ

اور امورِ خیر میں حصہ لیں گے اور ان کی قبروں کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں گے۔

لیکن ہوا یہ کہ ان کی وفات کے بعد ایسے افراد پیدا ہوئے جو ان کے مقاصد کو بھول گئے اور شیطان کو ان کے گمراہ کرنے کا موقع مل گیا چنانچہ ابلیس نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ "تمہارے آبا و اجداد ان بزرگوں کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور ان کی عبادت میں مصروف رہتے تھے"۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

"قبروں کے پجاریوں کے دل میں شیطان ہمیشہ یہ وسوسہ ڈالتا رہا کہ دیکھو! انبیائے کرام اور صلحائے عظام کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھنا اور ان پر قبے تعمیر کرنا ان اہل قبور سے محبت و عقیدت کا مظہر ہے اور یہ کہ ان کی قبروں کے پاس آکر دعا کرنا قبولیتِ دعا کا ذریعہ ہے۔

یہ بات ان کے دل میں اچھی طرح گھر کر گئی تو پھر یہ وسوسہ ڈالا کہ

دیکھو! اگر ان کے نام کو وسیلہ ٹھہرا کر دعا کرو گے اور ان کے نام کی قسم دے کر ملتجی ہو گے تو دعا بہت جلد قبول ہو گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان تو اس سے کہیں بلند ہے کہ ان بتوں کا نام لے کر اس کی قسم کھائی جائے یا کسی مخلوق کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے۔

جب یہ بات اچھی طرح ان کے ذہن میں بیٹھ گئی تو یہ وسوسہ ڈالا کہ ان کو براہ راست پکارو، ان کو اپنا شفاعت کنندہ سمجھو، ان کی قبروں پر چادریں چڑھاؤ، اور خوب چراغاں کرو۔ اگر ان کی قبروں کا طواف کیا جائے، ان کو بوسہ دیا جائے اور ان پر جانور ذبح کیے جائیں تو یہ بہت ہی نیکی اور سعادت مندی کی بات ہے۔

جب یہ چیز ان کے ذہن میں راسخ ہو گئی تو کہا

دیکھو! لوگوں کو بھی ان بزرگانِ کرام کی عبادت کی طرف بلاؤ۔ اس کی بہترین صورت یہ ہے

کہ ان کے عرس منانے کا اہتمام کرو، اور ان کے یوم پیدائش مناؤ، مشرکین نے جب دیکھا تو انہوں نے اس فعل کو انتہائی نفع بخش سودا سمجھا۔ دنیا میں بھی مالا مال ہو گئے اور آخرت میں بھی اپنے آپ ہی کو نجات یافتہ قرار دیا۔

شریعت اسلامیہ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب خرافات توحید کے منافی اور اس دین کے سراسر برعکس ہیں جس کو لے کر محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث کیے گئے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اس کے سوا اور کسی کے آگے نہ جھکا جائے۔

جب یہ تمام باتیں مشرکین کے دلوں میں جاگزیں ہو گئیں تو شیطان نے اپنا آخری تیر بھی چلایا کہ

دیکھو۔! جو شخص تم کو اس عقیدے کو اپنانے اور ان اعمال پر کاربند رہنے سے روکے، وہ شخص ان مراتب عالیہ کا منکر ہے اور ان بزرگوں کی شان کو گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان بزرگوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ اب اگر ان مشرکین کی اصلاح کے لیے کوئی بات کہی جاتی ہے تو وہ غضب ناک ہو جاتے ہیں اور ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں۔ مشرکین کی اس حالت کو قرآنِ کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ (الزمر۔۴۵)	جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں۔ اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکایک وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں

اور یہ بات اکثر جہال اور طاغی نفوس کے سینوں میں بیٹھ چکی ہے۔ اور افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ اکثر اہلِ علم اور دین دار لوگ بھی اس بیماری میں مبتلا ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ اہل توحید کے دشمن ہو گئے ہیں۔ اور ان پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں اور عوام الناس کو ان سے متنفر کرنے میں کوئی

وعن عمر رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کی تعریف میں نصاریٰ نے مبالغہ کیا تھا۔

کسر نہیں چھوڑتے ——— لیکن اہل شرک سے ان کی دوستی ہے۔ اور خوب بڑھا چڑھا کر ان کی شان میں قصیدے پڑھتے ہیں۔ ان کی جہالت یہیں ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے دین اسلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اس کردار کی تردید کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا كَانُوٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ○ (الانفال:۳۴)	یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہرگز نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دوست تو صرف متقین اور پرہیزگار لوگ ہی ہیں۔

قولہ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ

یہاں امیر المومنین عمر بن الخطاب بن نفیل العدوی رضی اللہ عنہ مراد ہیں آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقریباً ساڑھے دس

إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ۔

میں ایک بندہ ہوں، بس مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو (بخاری، مسلم)

سال تک خلافت کی اپنے دورِ خلافت میں انہوں نے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیا تھا۔ ان ہی کے دورِ خلافت میں قیصر اور کسریٰ کی عظیم مملکتوں کو فتح کیا گیا۔

اسلام کے اس عظیم خادم اور عدل و انصاف کے پیکر نے ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں ابو لؤلؤ کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا رضی اللہ عنہ۔

قولہ: لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ:

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"کسی کی تعریف میں حد سے تجاوز کرنے کو، جس میں کذب بیانی سے کام لیا جائے، اطراء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔"

دیگر علماء نے لکھا ہے کہ

"میری جھوٹی تعریف نہ کرو اور میری تعریف میں حد سے آگے نہ بڑھو۔"

قولہ: إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ:

مطلب یہ ہے کہ میری بے جا تعریف نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ اس میں غلو پیدا ہو جائے جیسا کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف کرکے غلو کا شکار ہوئے اور حد سے تجاوز کر گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کی ذات میں الوہیت کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔

میں تو صرف اللہ کا بندہ، اور اس کا رسول ہوں۔ بس مجھے اسی صفت سے پکارا کرو اللہ تعالیٰ نے میری یہی صفت بیان کی ہے۔

بُرا ہو مشرکین کا۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت پر کان نہ دھرا۔ وہ آپ ﷺ کی مخالفت پر اُتر آئے۔ جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا تھا اس پر عمل کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انداز سے تعریف کی کہ جس سے آپؐ نے منع فرمایا تھا۔ انہوں نے آپ کی اس سلسلے میں شدید مخالفت کی اور غلو اور شرک میں نصاریٰ کی مشابہت اختیار کر لی۔ اور محذورات و منہیات میں گر پڑے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نظم و نثر میں اتنی کتابیں لکھیں جن کا شمار کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے اپنے دور کے بعض ان مشرک علما کی تردید کی ہے۔ جنہوں نے لکھا ہے کہ

"جن جن مواقع پر اللہ تعالیٰ سے استغاثہ جائز ہے، وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی استغاثہ جائز ہے"

اِس موضوع پر خاصی کتب لکھی جا چکی ہیں جن کی شیخ الاسلامؒ نے خوب تردید کی ہے شیخ الاسلامؒ کی یہ تردید اب بھی کتابی صورت میں موجود ہے۔

ایک شخص اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ

"غیب کی وہ چابیاں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہیں اُن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی باخبر ہیں"

اس کے علاوہ بھی اس نے بہت سی خرافات اپنی کتاب میں جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قلبی بصیرت کے اس اندھاپن سے محفوظ رکھے۔ آمین

اِس ضمن میں بوصیری کی ایک نظم کا یہ شعر دیکھیے۔ لکھا ہے۔

يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مَنْ أَلُوذُ بِهِ ‏ سِوَاكَ عِنْدَ حُدُوثِ الْحَادِثِ الْعَمِمِ

اے مخلوق میں سے بہترین انسان! ‏ میں تیرے سوا خطراتِ عامہ میں کس کی پناہ میں آؤں؟

اس کے بعد کے اشعار پر غور کیجیے کہ اخلاص، دعا، امید و رجا، اعتماد، اور مشکلات میں پناہ کی خواہش

کا اظہار جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے ان اشعار میں ان چیزوں کو غیر اللہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے۔

اصل میں یہ آنحضرت ﷺ کے فرامین سے انکار ہے۔ کیونکہ جو آپ نے فرمایا تھا اس کے خلاف عمل کیا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ دونوں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے گئے ہیں۔

حقیقت میں محبتِ رسول ﷺ کی صورت میں شیطان نے شرک کو ان کے قلب و ذہن میں پیوست کر دیا ہے۔ توحید اور اخلاص کو جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو مرحمت فرما کر مبعوث کیا تھا، ناقص کر دیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مشرکین آنحضرت ﷺ کی عظمت و توقیر کے بجائے آپ کی شان میں نقص اور گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کیونکہ افراطِ تعظیم سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ یہ اس کا ارتکاب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور آپ کی تعلیمات کی قطعاً پروا نہیں کرتے آنحضرت ﷺ کے فرامین پر رضامند نہیں اور نہ ان کو تسلیم ہی کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی عظمت اور توقیر صرف اس میں ہے کہ

آپ کے ارشادات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

آپ کی منع کی ہوئی اشیاء کو ترک کر دیا جائے۔

آپ کے اختیار کردہ راستہ پر چلا جائے۔

آپ کی سُنّتِ مطہرہ کو مشعلِ راہ بنایا جائے۔

آپ کے دین کی دعوت کو قریہ قریہ پہنچایا جائے۔

آپ کے دین کی مدد و نصرت میں اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا جائے۔

آپ کے نقشِ قدم پر جو شخص گامزن ہو، اس سے محبت کی جائے۔

وَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِيَّاكُمْ وَ الْغُلُوَّ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلو سے بچتے رہو کیونکہ تم سے پہلے جتنے لوگ ہلاک ہوئے وہ سب غلو ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔

اور جو شخص

آپ کے طریقہ اور سنت کی مخالفت کرے اس سے عداوت، بغض اور قطع تعلق کر لیا جائے۔ لیکن ان لوگوں نے جو کچھ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت چاہتے تھے اس کے خلاف کیا ہے۔ اور جن سے منع فرمایا تھا اس پر عمل پیرا ہیں۔

فاللہ المستعان

قولہ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ :

غلو کے بارے میں مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے مجھے میدان عرفات میں بلا کر فرمایا کہ

هَلُمَّ الْقُطْ لِيْ فَلَقَطْتُ لَهُ حَصَيَاتٍ هُنَّ حَصَى الْخَذْفِ فَلَمَّا وَضَعَهُنَّ فِيْ يَدِهٖ قَالَ نَعَمْ بِأَمْثَالِ هٰؤُلَاءِ

میرے لیے کنکریاں چن کر لاؤ، چنانچہ میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں چن کر لایا۔ آپ نے انہیں ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمایا کہ ہاں اسی مقدار کی کنکریاں جمرات کو مارا کرو۔

ولمسلمٍ عن ابن مسعودٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ۔ قَالَهَا ثَلَاثًا۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا کہ تکلف کرنے اور حد سے بڑھنے والے ہلاک ہو گئے۔

فَاذْمُوا وَاِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِی الدِّيْنِ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِی الدِّيْنِ

اور دیکھو! دین کے بارے میں غلو سے بچتے رہنا۔ کیونکہ غلو ہی کی وجہ سے سابقہ اُمتیں تباہ و برباد ہوئی تھیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"یہ لفظ اگرچہ رمی جمار کے لیے استعمال ہوا ہے۔ لیکن ہر قسم کے اعتقادی اور عملی غلو کو محیط ہے۔ جیسا کہ کوئی یہ خیال کرے کہ بڑے بڑے پتھروں سے رمی زیادہ افضل ہے بہ نسبت چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے۔ اس کے بعد سابقہ اُمتوں کے ہلاک اور گمراہ ہونے کے وجوہ بیان فرمائے اس لیے کہ جن اسباب کی بنا پر سابقہ اُمتیں ہلاک ہوئی تھیں ان اسباب میں ہماری مشابہت ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔"

قولہ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ :

علامہ الخطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں

"کسی عمل میں غلو کرنے والا شخص متنطع کہلاتا ہے۔ وہ بھی متنطع ہے جو کلامی

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: أَنَّ مَنْ فَهِمَ هٰذَا الْبَابَ وَبَابَيْنِ بَعْدَهُ تَبَيَّنَ غُرْبَةَ الْإِسْلَامِ وَرَأَى مِنْ قُدْرَةِ اللّٰهِ وَ تَقْلِيبِهِ لِلْقُلُوبِ الْعَجَبَ

① جو شخص اس زیرِ بحث باب اور آئندہ ابواب پر غور کرے گا اُس پر اسلام کی مظلومیت واضح اور آشکارا ہو جائے گی اور دِلوں کے پھیرنے کے سلسلے میں اُس کو اللہ کے عجیب و غریب کرشمے اور اُس کی حکمتیں نظر آئیں گی۔

موشگافیوں میں الجھتا ہے اور ایسے ایسے مسائل کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔ جہاں ان کی عقلوں کی رسائی ممکن نہ ہو۔

عبادت و تصوّف کی اصطلاح میں اُس شخص کو بھی متنطع کہتے ہیں جو حلال اور مباح اشیا کو اپنے اوپر حرام قرار دے لے۔ جیسے روٹی اور گوشت کا نہ کھانا۔

الثانية: مَعْرِفَةُ أَوَّلِ شِرْكٍ حَدَثَ فِي الْأَرْضِ أَنَّهُ بِشُبْهَةِ الصَّالِحِينَ۔

② کرۂ ارض پر سب سے پہلے جو شرک پایا گیا وہ صالحین کی محبت وعظمت میں غلو کی وجہ سے تھا۔

سادے اور موٹے رُوئی کے کپڑے پہننا۔
بھیڑ بکریوں کے بالوں کے کپڑے استعمال کرنا۔
نکاح وغیرہ سے اجتناب کرنا۔
ان تمام چیزوں سے اس لیے رُک جانا کہ یہ زُہد، مستحسن اور مستحب ہے۔"
شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ یہ پرلے درجہ کی جہالت اور ضلالت ہے کہ اس طرح کے تقشفات کو دین قرار دیا جائے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ
"بحث وتمحیص میں انتہا کو پہنچ جانے والے کو متنطع کہا جاتا ہے۔"

ابو السعاداتؒ کہتے ہیں
"کلامی مسائل میں بال کی کھال اتارنے والے کو متنطع کہا جاتا ہے وہ بھی اس دائرے میں داخل ہیں جو بتکلف بات چیت کرتے اور حلق سے نکالتے ہیں۔"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
"خواہ مخواہ گفتگو میں تفصیلات پیدا کرنا اور بہ تکلف فصاحت و بلاغت

الثالثۃ: أَوَّلُ شَيْءٍ غُيِّرَ بِهِ دِينُ الأَنْبِيَاءِ وَمَا سَبَبُ ذٰلِكَ مَعَ مَعْرِفَةِ أَنَّ اللهَ أَرْسَلَهُمْ۔

③ دُنیا میں سب سے پہلے جس میں تغیر و تبدل واقع ہوا وہ انبیائے کرام علیہم السلام کا دین تھا اور اس کے اسباب کی وضاحت۔ اور اس حقیقت کا اظہار کہ اہلِ دُنیا کو خوب علم تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالےٰ نے ہی مبعوث فرمایا ہے۔ (لیکن اس پر بھی لوگوں نے اسکی پروا نہ کی)

کا اظہار کرنا۔ اجنبی اور غیر مانوس الفاظ بولنا اور عوام سے خطاب کرتے وقت دقیق عبارات و الفاظ استعمال کرنا یہ سب کراہت میں داخل ہے۔

قولہ قَالَهَا ثَلَاثًا:

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت اسلامیہ کو اسی طرح خوب وضاحت سے دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے۔

صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

الرابعة قُبُولُ الْبِدَعِ مَعَ كَوْنِ الشَّرَائِعِ وَ الْفِطَرِ تَرُدُّهَا۔

④ لوگوں نے بدعت کو بہت جلد قبول کیا حالانکہ شریعت اسلامی اور فطرتِ سلیم اِس کی سخت تردید کرتی ہے۔

الخامسة أَنَّ سَبَبَ ذٰلِكَ كُلِّهٖ مَزْجُ الْحَقِّ بِالْبَاطِلِ فَالْأَوَّلُ مَحَبَّةُ الصَّالِحِينَ وَ الثَّانِي فِعْلُ أُنَاسٍ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ شَيْئًا أَرَادُوْ بِهٖ خَيْرًا فَظَنَّ مَنْ بَعْدَهُمْ أَنَّهُمْ أَرَادُوْا بِهٖ غَيْرَهٗ۔

⑤ شرک کے پیدا ہونے کی صرف ایک وجہ تھی، وہ یہ کہ حق اور باطل کو آپس میں خلط ملط کر دیا گیا تھا اور اسکے دو سبب واضح طور سے نظر آتے ہیں۔

- صالحین کی محبت میں غلو اور افراط و مبالغہ۔
- اہلِ علم نے چند ایسے اُمور انجام دیے کہ بظاہر اُن کی نیتیں درست تھیں، لیکن بعد میں آنے والے افراد نے ان کا مطلب اِس کے برعکس سمجھا جو

سابق اہلِ علم کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

السادسۃ: تَفْسِيرُ الْأَيَةِ الَّتِي فِي سُورَةِ نُوحٍ۔

⑥ سُورَۂ نوح کی آیت کی تفسیر۔

السابعۃ: جِبِلَّةُ الْأدَمِيِّ فِي كَوْنِ الْحَقِّ يَنْقُصُ فِي قَلْبِهِ وَ الْبَاطِلِ يَزِيدُ۔

⑦ اِنسان کی طبیعت کچھ اِس طرح واقع ہوئی ہے کہ اِس کے قلب و ضمیر میں حق کمزور سے کمزور تر واقع ہوتا چلا جاتا ہے اور باطل آہستہ آہستہ جڑ پکڑتا جاتا ہے۔

الثامنۃ: فِيهِ شَاهِدٌ لِمَا نُقِلَ عَنِ السَّلَفِ أَنَّ الْبِدَعَ سَبَبُ الْكُفْرِ۔

⑧ اِس باب میں سلفِ اُمّت کے اقوال سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ کُفر و شرک میں ملوّث ہونے کی سب سے بڑی وجہ بدعت کا اِرتکاب تھا۔

التاسعۃ: مَعْرِفَةُ الشَّيْطٰنِ بِمَا تَؤُولُ إِلَيْهِ الْبِدْعَةُ وَ لَوْ حَسُنَ

قَصدُ الفَاعِلِ۔

⑨ انسان کو بدعت کس گڑھے میں پھینک دیتی ہے؟ اِس سے شیطان اچھی طرح آگاہ ہے، اگرچہ بدعتی کی نیت اچھی ہی کیوں نہ ہو۔

العاشرة مَعرِفَةُ القَاعِدَةِ الكُلِّيَةِ وَ هِيَ النَّهيُ عَنِ الغُلُوِّ وَ مَعرِفَةُ مَا يَؤُولُ إِلَيهِ

⑩ اِس باب کے مطالعہ سے ایک قاعدہ کلیہ سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ کہ غلو سے قطعی طور پر اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اس کا انجام اِنتہائی رُسواکُن اور بسا اوقات انسان کو مُشرک بنا دیتا ہے۔

الحادیۃ عشرۃ مَضَرَّةُ العُكُوفِ عَلَى القَبرِ لِاَجلِ عَمَلٍ صَالِحٍ -

⑪ کسی عملِ صالح کی انجام دہی کے لیے قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا اِنتہائی نقصان دہ فعل ہے۔

الثانیۃ عشرۃ مَعرِفَةُ النَّهيِ عَنِ التَّمَاثِيلِ وَ الحِكمَةِ فِي إِزَالَتِهَا۔

⑫ (مٹی اور پتھر وغیرہ سے) کسی شخص کی شبیہ بنانے کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے۔ مزید برآں یہ کہ ان کے مٹا دینے اور توڑ دینے میں جو حکمتیں اور

مصلحتیں پوشیدہ ہیں، اُن کا علم۔

الثالثۃ عشرۃ مَعْرِفَةُ شَأنِ هٰذِهِ الْقِصَّةِ وَ شِدَّةِ الْحَاجَةِ إِلَيْهَا مَعَ الْغَفْلَةِ عَنْهَا۔

⑬ وقوعِ شرک کے واقعہ کا علم اور اس کے اسباب کی معرفت کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے لیکن یہی وہ اہم پہلو ہے جس سے مسلمان غافل ہو گئے ہیں۔

الرابعۃ عشرۃ وَ هِيَ أَعْجَبُ وَ أَعْجَبُ قِرَاءَتُهُمْ إِيَّاهَا فِي كُتُبِ التَّفْسِيْرِ وَ الْحَدِيْثِ وَ مَعْرِفَتُهُمْ بِمَعْنَى الْكَلَامِ وَ كَوْنُ اللهِ حَالَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ حَتّٰى اعْتَقَدُوْا أَنَّ فِعْلَ قَوْمِ نُوْحٍ أَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ فَاعْتَقَدُوْا أَنَّ مَا نَهَى اللهُ وَرَسُوْلُهُ عَنْهُ فَهُوَ الْكُفْرُ

الْمُبِيحُ لِلدَّمِ وَ الْمَالِ ۔

⑭ سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اہلِ علم اِس واقعہ کو کُتبِ حدیث و تفسیر میں بچشمِ خود پڑھتے ہیں اور یہ خُوب سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اِن کے اور اُن کے دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، اِس کے باوجود یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قومِ نُوح نے جو غلط کردار ادا کیا تھا وہ بہتر تھا اور جس چیز سے اللہ اور اُس کے رسُولؐ نے منع فرمایا ہے وُہ وُہی کُفر ہے جو کسی کے مال اور خُون کو مُباح کرتا ہے ۔

الخامسة عشرة أَلتَّصْرِيحُ بِأَنَّهُمْ لَمْ يُرِيدُوا إِلاَّ الشَّفَاعَةَ ۔

⑮ اِس واقعہ میں اِس بات کی وضاحت ہے کہ اُن کا ارادہ صِرف یہ تھا کہ ہمارے بُزرگ ہمارے سفارشی ہیں ۔

السادسة عشرة ظَنُّهُمْ أَنَّ الْعُلَمَاءَ الَّذِيْنَ صَوَّرُوا الصُّوَرَ أَرَادُوا ذٰلِكَ ۔

⑯ ان مشرکین نے یہ سمجھا کہ جن علماء نے اُن اولیاء کی تصویریں بنائی تھیں ان کا اِرادہ بھی وہی تھا جس کا ہم عملاً اظہار کر رہے ہیں ۔

السابعة عشرة أَلْبَيَانُ الْعَظِيمُ فِي قَوْلِهِ ﷺ لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ

النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَصَلوٰاتُ اللّٰہِ وَ سَلَامُہٗ عَلٰی مَنْ بَلَّغَ الْبَلَاغَ الْمُبِیْنَ۔

⑰ رسُول اللہ ﷺ کے اِس ارشاد میں کہ " لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم " مسلمانوں کو بہت بڑی نصیحت کی گئی ہے۔ کاش یہ اِس پر غور کریں۔ پس اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اُس رسُولِ عربی پر جس نے شریعتِ اسلامیہ کو کماحقہٗ دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ ﷺ

الثامنۃ عشرۃ نَصِیْحَتُہٗ إِیَّانَا بِھَلَاکِ الْمُتَنَطِّعِیْنَ۔

⑱ رسُول اکرم ﷺ نے ہمیں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ غلو میں مبتلا ہونے اور بے معنی موشگافیاں پیدا کرنے والے ہی ہمیشہ ہلاک ہوئے ہیں۔

التاسعۃ عشرۃ أَلتَّصْرِیْحُ بِأَنَّھَا لَمْ تُعْبَدْ حَتّٰی نُسِيَ الْعِلْمُ فَفِیْھَا بَیَانُ مَعْرِفَۃِ قَدْرِ وُجُوْدِہٖ وَ مَضَرَّۃِ فَقْدِہٖ۔

(۱۹) اِس باب میں اِس امر کی تصریح ہے کہ جب علم ناپید ہو گیا تو پھر ان کی عبادت شروع ہو گئی تھی اِس سے علم کے وجود کی قدر و قیمت اور اِس کے ختم ہو جانے کے نقصانات کا پتا چلتا ہے۔

العشرون أَنَّ سَبَبَ فَقْدِ الْعِلْمِ مَوْتُ الْعُلَمَاءِ

(۲۰) یہ بھی پتا چلا کہ فقدانِ علم کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ علماء اِس دُنیا سے رُخصت ہو گئے تھے۔

باب ما جاء

من التغليظ فيمن عبد الله عند قبر رجل صالح فكيف اذا عبده

اس باب میں

یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا کس درجہ فتنوں کو دعوت دیتا ہے چہ جائیکہ خود اس مردِ صالح کی عبادت کی جائے

فی الصحیح عن عائشة رضی اللہ عنہا أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتْ لِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَنِيسَةً رَأَتْهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ وَ مَا فِيهَا مِنَ الصُّوَرِ۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ملک حبشہ میں نصاریٰ کا ایک گرجا دیکھا جس میں تصاویر بھی تھیں۔ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ چشم دید منظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

قولہ : اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ :

حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن المخزوم القرشیہ المخزومیہ رضی اللہ عنہا۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ ہجری یا ۴ ہجری میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مرحوم شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۶۲ ہجری میں فوت ہوئیں۔

قولہ : ذَكَرَتْ لِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

صحیحین کی ایک روایت کے مطابق حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا دونوں نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا تھا۔

فَقَالَ اُولٰٓئِكَ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ أَوِ العَبْدُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ شَرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان میں اگر کوئی صالح اور دین دار شخص فوت ہو جاتا تو یہ لوگ اُس کی قبر کے پاس مسجد بنا لیتے اور پھر اُس مسجد میں فوت شدہ شخص کی تصویر بنا کر لٹکا دیتے تھے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس قسم کے افراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں بدترین لوگ شمار ہوتے ہیں۔

قولہ : اِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ اَوِ الْعَبْدُ الصَّالِحُ :

راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلرَّجُلُ الصَّالِحُ فرمایا تھا یا اَلْعَبْدُ الصَّالِحُ۔ اس سے معلوم ہوا کہ رواتِ حدیث کتنی احتیاط اور کوشش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو ضبط اور نقل کرتے تھے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔

قولہ : وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ :

اس کنیسہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ملک حبشہ میں دیکھا تھا لفظ کنیسہ بفتح الکاف وکسر النون ہے۔ کنیسہ عیسائیوں کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔

قولہ : اُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ :

اس ارشادِ گرامی سے ثابت ہوا کہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا حرام ہے۔ کیونکہ آنحضرت

ﷺ نے ایسے افراد پر لعنت فرمائی ہے۔

اس کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"یہود و نصاریٰ انبیا کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے وقت ان قبور کو قبلہ قرار دیا کرتے تھے۔ انہوں نے ان کی قبور کو وثن بنا رکھا تھا، جس کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے ان پر لعنت کی ہے۔"

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ یہود و نصاریٰ کی کیفیت بایں الفاظ بیان کرتے ہیں۔

"ان کے آباؤ اجداد نے ان تصاویر کو صرف اس لیے بنایا تھا تاکہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کی زندگی کو بطور علامت کے سامنے رکھ کر زندگی بسر کریں جس طرح انہوں نے محنتیں اور کوششیں کی تھیں ہم بھی اسی طرح کریں نیز ان کے مرقدوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فریضہ ادا کریں۔

ان کے مرنے کے بعد ایسے افراد پیدا ہوئے، جو ان کے اس مقصد کو قطعاً بھول گئے۔ شیطان نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ دیکھو! تمہارے اسلاف اور بزرگ ان تصاویر کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کے ہاں ان تصاویر کی بہت عظمت و وقعت تھی

اس لیے آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمّت کو قبروں پر مساجد تعمیر کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔ تاکہ شرک میں ملوّث ہونے کا دروازہ بند ہو جائے۔"

فَهٰؤُلَآءِ جَمَعُوْا بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ فِتْنَةَ الْقُبُوْرِ وَ فِتْنَةَ التَّمَاثِيْلِ۔

ان لوگوں میں بیک وقت دو فتنے جمع ہو گئے، ایک قبروں کا اور دوسرا تصاویر کا۔

قولہ: فَهٰؤُلَآءِ جَمَعُوْا بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ فِتْنَةَ الْقُبُوْرِ وَ فِتْنَةَ التَّمَاثِيْلِ

یہ کلام شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ قبروں اور اولیائے کرام کی تصاویر کا فتنہ چونکہ اپنے عروج پر تھا اور یہ فتنہ اصنام پرستی سے بدتر تھا، اسلئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر اسے من وعن نقل فرما دیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"چونکہ قبروں پر مساجد کی تعمیر کی وجہ سے اکثر و بیشتر قومیں شرک میں ملوث ہو کر عذابِ الٰہی کا شکار ہوئی تھیں، اسی بنا پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو اس سے سختی سے منع فرما دیا۔ کیونکہ انسان جب کسی صالح اور بزرگ شخص کی تصویر کو دیکھتا ہے تو سمجھنے لگتا ہے کہ اس میں نجوم اور کواکب کی تاثیر کو بڑا دخل ہو گا۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ بنسبت لکڑی یا پتھر کے کسی صالح اور بزرگ کی تصویر سے زیادہ اور جلدی متاثر ہوتا اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم مشرکین کو کسی بزرگ کی قبر پر دیکھتے ہیں تو وہ وہاں آہ و زاری میں مبتلا ہوتے ہیں، انتہائی خوف و خشیت کی حالت میں دعائیں کرتے ہیں اور قلب و ذہن کی تمام توجہات سے اس طرح قبر پر عبادت میں مشغول ہوتے ہیں کہ مسجد میں ان کی یہ کیفیت ہرگز نہیں ہو پاتی۔ اکثر لوگوں کو سجدہ کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے اور

وہ وہاں نماز پڑھنے اور دعاء والتجا کرنے کو مسجد سے زیادہ بابرکت سمجھتے ہیں اسی خرابی کو مدنظر رکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے قبروں کو بالکل صاف اور سطح زمین کے برابر کرنے کا حکم فرمایا حتیٰ کہ قبرستان میں نماز پڑھنے سے بھی منع فرمادیا گیا۔ اگرچہ نمازی کی نیت برکت حاصل کرنا نہ ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے طلوعِ شمس کے وقت نماز پڑھنے کو منع فرمایا اس لیے کہ مشرکین اس وقت سورج کی پوجا اور پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو اس وقت نماز پڑھنے سے منع فرمادیا بے شک نمازی سورج کی پوجا نہ کرتا ہو۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ شرک تک رسائی کے تمام دروازوں کو بند کردیا جائے۔

جو شخص قبرستان میں نماز اس لیے پڑھتا ہے کہ اسے برکت کثیر حاصل ہوگی تو گویا وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کا مرتکب ہوا ہے، وہ شریعتِ اسلامیہ کی کھلم کھلا مخالفت پر اتر آیا ہے اور دینِ اسلام میں ایسی رخنہ اندازی کر رہا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قطعاً اجازت نہیں دی۔

تمام مسلمانوں کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں قبروں میں نماز پڑھنا ممنوع بلکہ حرام ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

دین میں سب سے بڑی بدعت قبروں میں مسجد بنانا اور وہاں نماز پڑھنا ہے، اور شرک میں مبتلا ہونے کا سب سے بڑا سبب بھی یہی ہے آنحضرت ﷺ کے فرامین اور نصوص حدِ تواتر تک پہنچ گئے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا حرام ہے۔ تمام ائمہ کرام قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کو خلافِ سنت اور منافی

ولهما عنها قَالَتْ لَمَّا نُزِلَ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ طَفِقَ يطْرَحُ خَمِيصَةً لَهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ فَإِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا فَقَالَ وَ هُوَ كَذٰلِكَ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وفات کی علامات ظاہر ہوئیں تو آپ شدتِ تکلیف سے اپنی چادر کبھی چہرۂ انور پر ڈال لیتے اور کبھی چہرے کو کھلا رکھتے جب کھلا رکھتے تو فرماتے کہ یہود و نصاریٰ پر لعنت ہو اُنھوں نے انبیائے کرام کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ یہود و نصاریٰ کے اس کردار سے ڈرا رہے تھے۔

شریعت قرار دیتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب نے قبرستان میں مسجد بنانے اور نماز پڑھنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات اس سلسلے میں کثرت سے موجود ہیں اسی لیے آپ نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے جو قبرستان میں نماز پڑھتا ہے۔

قولہٗ : لَمَّا نُزِلَ :

یعنی جب ملک الموت آپ کی روحِ اطہر کو قبض کرنے کے لیے آیا۔

قولہ : کشفھا :

یعنی چادر اپنے چہرہ سے ہٹا دیتے۔

قولہ : خمیصۃ :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دھاری دار چادر کا نام ہے۔

قولہ : لَعنَۃُ اللہِ عَلَی الیَھُودِ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوا قُبُورَ اَنبِیَائِھِم مَسَاجِدَ :

مطلب یہ کہ جو شخص مسلمان ہوتے ہوئے یہود و نصاریٰ کا سا کردار ادا کرے گا وہ عند اللہ ملعون ہوگا۔

قولہ : یُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا :

یہ الفاظ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو یہود و نصاریٰ کے اس غلط کردار سے جو انہوں نے انبیاء کی قبروں پر روا رکھا، ڈرا اور سمجھا رہے ہیں۔ اور وہ تھا ان کی شان میں غلو اور افراط کرنا۔ کیونکہ یہی وہ اہم سبب ہے جس کی وجہ سے ایک عام آدمی شرک کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔

اسلام کی بے چارگی کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس عملِ بد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا، اور اس کے کرنے والے کو ملعون قرار دیا، آج اسی عمل میں آپ کی اُمت کی اکثریت گرفتار ہو چکی ہے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بدترین گناہ ہے لیکن بعض لوگ اسے اللہ تعالیٰ کے قُرب کا ذریعہ اور اس کی رضا کا سبب سمجھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت اور جنگ کرنے کے مترادف ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

"یہ وہ اسباب اور ذرائع ہیں جو ایک عام انسان کو شرک میں مبتلا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی ایک ایک کرکے نفی کردی حقیقت

وَلَوْ لَا ذٰلِكَ أُبْرِزَ قَبْرُهُ غَيْرَ أَنَّهُ خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا۔ (اخرجاہ)

اگر آنحضرت ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ بنائے جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپؐ کی قبر بھی عام صحابہ کی قبروں کی طرح ظاہر ہوتی۔

یہ ہے کہ یہی وہ ذرائع واسباب تھے جن کی بنا پر لوگ اصنام پرستی کا شکار ہوئے۔

اگر آپ اس پر ذرا غور فرمائیں گے تو یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ قبر کے پجاریوں اور اصنام پرستوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

اندازہ کیجیے حضرت یوسف بن یعقوب علیہما الصلوٰۃ والسلام کی بات کو اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَاءِيْ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ أَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ (یوسف - ۳۸)	میں نے اپنے آباؤاجداد ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہم السلام کے دین کو اپنا لیا ہے۔ ہمیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔

قولہ : لَوْ لَا ذٰلِكَ أُبْرِزَ قَبْرُهُ :

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ آپؐ کی قبر کو عبادت گاہ بنالیں گے تو آپؐ کی قبر کو کھلا اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا جاتا۔

قولہ : غَيْرَ أَنَّهُ خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا :

اگر اَنْ يَتَّخِذَ مَسْجِدًا پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ کو خدشہ

لاحق تھا جس کی بنا پر آپ نے فرمایا کہ جہاں فوت ہو جاؤں مجھے وہیں دفن کرنا

اور اگر ان یُتَّخَذَ مَسْجِدًا پڑھا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں لوگ پہلی اُمتوں کی طرح آپ کی قبر کو بھی سجدہ گاہ نہ بنالیں، لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو محفوظ جگہ میں دفن کیا تاکہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور توقیر میں غلو نہ کرنے لگیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے واضح اور کھلے الفاظ میں منع فرمایا ہے اور اس کے مرتکب کو ملعون قرار دیا ہے۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ

"یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ذرائع شرک کے سدِ باب کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے سلسلے میں انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ انہوں نے آپ کی قبر کی دیوار کو اتنا اونچا کر دیا کہ اس میں داخل ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ پھر اس کے ارد گرد چار دیواری تعمیر کی، جس کی وجہ سے وہ ایک گھیرے میں آگئی۔ بعد ازاں ان کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ آپ کی قبر کو قبلہ نہ بنالیا جائے، کیوں کہ وہ نمازیوں کے سامنے پڑتی تھی اور ان کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ وہ عبادت کی صورت میں، اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دیں گے۔ چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر قبر کے جانب شمال میں دونوں طرف دو دیواریں اس انداز سے تعمیر کی گئیں کہ نمازیوں کے سامنے آنا ممکن نہ رہا۔"

مُصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مندرجہ ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔۔۔ کسی نیک شخص کی قبر پر مسجد تعمیر کر کے اس میں اللہ کی عبادت کرنا، اگرچہ نیت کتنی بھی صحیح ہو، خلافِ شریعت ہے۔

۲۔۔۔ تصاویر و تماثیل بنانے کی پوری سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

۳۔۔۔ قبر کے صحیح مقام کے علم کے بغیر، اس کو کسی شخص کی قبر نہ سمجھا جائے۔

ولمسلم عن جندب بن عبد الله رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ بِخَمْسٍ وَ هُوَ يَقُوْلُ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللهِ أَنْ يَكُوْنَ لِي مِنْكُمْ خَلِيْلٌ۔

صحیح مُسلم میں حضرت جُندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وُہ کہتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے پانچ روز قبل یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ مَیں تم میں سے کسی کو اپنا خلیل نہیں بنا سکتا۔

۴ــــ قبور کو مرکزِ عبادت ٹھہرانا یہود و نصاریٰ کا فعل تھا۔ وہ اپنے انبیاء و صلحاء کی قبروں پر عبادت کیا کرتے تھے۔

۵ــــ اس فعل کی وجہ سے وہ ملعون قرار پائے۔

۶ــــ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد، لوگوں کو اپنی قبر پر کسی غیر شرعی حرکت کے ارتکاب سے خوف زدہ کرنا تھا۔

۷ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے ظاہر اور کھلے مقام پر نہ ہونے کی وجہ۔

قولہ: عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ

جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ بعض اوقات ان کو اپنے جدِ امجد کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ

حضرت جندب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی تھے۔ ۶۰ ہجری کے بعد فوت ہوئے۔

قولہ: اِنِّيْ اَبْرَأُ اِلَى اللهِ اَنْ يَكُوْنَ لِيْ مِنْكُمْ خَلِيْلٌ:

فَإِنَّ اللّٰهَ قَدِ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا
وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي
خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے اور اگر میں اپنی اُمت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو بناتا۔

خلیل، خلت (بفتح الخاء) سے مشتق ہے۔

أَبْرَأُ إِلَى اللّٰهِ۔ کا مطلب یہ ہے کہ جو کام جائز نہیں ہے وہ میں نہیں کر سکتا۔ خلّت کا مقام محبت سے اونچا ہے۔ خلیل اسے کہتے ہیں جو کسی کا انتہائی محبوب ہو۔ تخلّل اس محبت کو کہا جاتا ہے جو دل کی گہرائیوں سے کی جائے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

قد تخللت مسلك الرّوح منی   وبذا سمی الخلیل خلیلا

تیری محبّت میرے اندر رُوح کی طرح جاری و ساری ہے۔ اور اسی محبت کی بنا پر خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے

خلت کے یہی معنی زیادہ درست ہیں اور اسی مفہوم کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام ابن قیم اور حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک چونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، معرفت اور محبت سے معمور تھا اس لیے کسی دوسرے کی خلّت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

قولہ : فَإِنَّ اللّٰهَ قَدِ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ خلّت کا مقام محبت سے

کہیں بلند ہے۔امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"بعض لوگ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ محبت کا مقام اور درجہ خلت سے بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حبیب کے لقب سے نوازا ہے۔"

امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے۔وجہ یہ ہے کہ محبت عام ہے اور خلت خاص محبت کی انتہی کو خلت کہا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خلیل ٹھہرالیا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور خلیل نہیں ہے۔جہاں تک محبت کا تعلق ہے اس کی صف میں کئی لوگ آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد ماجد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے آپ کو محبت تھی۔اسی طرح اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں، پاک وصاف رہنے والوں، اور صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔لیکن اس نے اپنی مخلوق میں سے صرف دو انبیاء کو خلیل ٹھہرایا ہے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

قولہ : وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔اس میں رافضیوں اور جہمیوں کی تردید ہو گئی۔کیونکہ یہ دونوں فرقے اہل بدعت میں سے سب سے زیادہ شریر ہیں، بلکہ بعض سلف نے تو ان کو بہتر فرقوں میں سے بھی باہر نکال دیا ہے۔تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ان رافضیوں کی وجہ ہی سے شرک اور قبروں کی پوجا شروع ہوئی اور یہی وہ فرقہ ہے جس نے سب سے پہلے قبروں میں مساجد تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت

أَلَا وَ إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ مِنْ قُبُورِ أَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ۔ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔

غور سے سُنو! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیا کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا کرتے تھے۔ خبردار! میں تم کو قبروں میں مساجد تعمیر کرنے سے منع کرتا ہوں۔

کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی محبت جس سے زیادہ ہوگی وہی آپ کی جانشینی کا زیادہ مستحق ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ تیسری یہ کہ جب آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کیا گیا کہ آپ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے فرمائیں تو آنحضرت ﷺ برہم اور ناراض ہوئے یہ واقعہ آپ کے مرض الموت کا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام اور مختصر نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عثمان بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ رضی اللہ عنہ

صِدّیقِ اکبرؓ آنحضرت ﷺ کے خلیفہ اوّل تھے۔ اہلِ علم کا اس پر کامل اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔

صِدّیق اکبر رضی اللہ عنہ تریسٹھ برس عمر پاکر ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری میں فوت ہوئے رضی اللہ عنہ

قولہ : اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ مِنْ قُبُوْرِ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ:
آنحضرت ﷺ کے ارشادِ مندرجہ بالا پر علامہ الخلخالی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیلی بحث کی ہے۔ وہ

فَقَدْ نَهَى عَنْهُ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ ثُمَّ أَنَّهُ لَعَنَ - وَ هُوَ فِي السِّيَاقِ - مَنْ فَعَلَهُ وَ الصَّلٰوةَ عِنْدَهَا مِنْ ذٰلِكَ وَ إِنْ لَمْ يُبْنَ مَسْجِدٌ، وَ هُوَ مَعْنَى قَوْلِهَا: "خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا"۔

اِس سے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری زندگی میں روکا تھا، پھر آپ موت وحیات کی کش مکش میں تھے کہ یہود و نصاریٰ اور اُس شخص پر جو قبروں میں مسجد بنا کر یا بغیر مسجد بنائے نماز پڑھے لعنت فرمائی ہے۔ مذکورہ مفہوم اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کہ "خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا" میں کوئی فرق نہیں بلکہ یہ ہم معنی اور ہم مطلب عبارات ہیں۔

رقم طراز ہیں کہ

"یہود و نصاریٰ کے اس فعل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انکار فرمایا ہے اس کے دو سبب تھے۔

۱۔۔۔۔ پہلا یہ کہ وہ انبیائے کرام کی قبروں کو تعظیمی سجدہ کیا کرتے تھے۔

۲۔۔۔۔ دوسرا یہ کہ وہ انبیا کی قبروں پر نماز پڑھنا باعث برکت خیال کرتے تھے اور حالت نماز میں ان انبیا کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انبیا کی تعظیم و توقیر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ایک خاص درجہ حاصل ہو جائے گا۔ پہلی صورت شرک جلی کہلاتی ہے اور دوسری شرک خفی۔ اسی بنا پر وہ لعنت کے مستحق ٹھہرائے گئے۔

قولہ : فَقَدْ نَهٰى عَنْهُ فِي آخِرِ حَيَاتِهٖ :

فقد نهٰی سے آگے تک شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے۔

قولہ : ثُمَّ إِنَّهُ لَعَنَ وَهُوَ فِي السِّيَاقِ مَنْ فَعَلَهُ :

شیخ الاسلام کی اس عبارت اور حضرت عائشہ کے اس فرمان کہ

" خُشِيَ اَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا " میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں عبارتیں ہم معنی ہیں۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس درجہ سخت تہدید، شدید وعید اور ان کو ملعون قرار دینے کے بعد ایک مسلمان کا قبروں کی تعظیم کرنا، اور ان پر قبّے وغیرہ تعمیر کرنا، وہاں جاکر اور خصوصاً ان کو مرکزِ توجہ ٹھہرا کر نماز پڑھنا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے ؟ یہ لوگ اگر ذرا بھی غور وفکر کریں تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ یہ براہِ راست اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی اور جنگ کرنے کے مترادف ہے۔

قولہ : وَالصَّلٰوةُ عِنْدَهَا مِنْ ذٰلِكَ وَاِنْ لَّمْ يُبْنَ مَسْجِدًا ،

یعنی جو شخص قبرستان میں مسجد تعمیر کرے گا، وہ عند اللہ ملعون ٹھہرے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبرستان میں یا کسی قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا حرام ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ   قبرستان اور غسلخانہ کے علاوہ ساری

اِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ   زمین مسجد کا حکم رکھتی ہے۔

(رواہ احمد واہل السنن وصححہ ابن حبان والحاکم)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

" جس شخص کو شرک، اسباب شرک، اور شرک تک پہنچنے کے ذرائع معلوم ہوں، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بھی سمجھتا ہو اُس کو اس

بات کا یقین ہو جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے لعنت اور نہی پر جو زور دیا "لا تفعلوا" اور "انی انہاکم عن ذلک" تو یہ اس کی نجاست کی وجہ سے نہیں فرمایا۔ بلکہ اس سے مراد ہے، شرک اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اللہ کے منع کردہ امور کو انجام دینا اپنی خواہشات کی تکمیل میں زندگی بسر کرنا، اور اپنے مالک حقیقی کے عذاب سے بے خوف وخطر ہو کر شب و روز گزارنا۔ ایسے شخص کا لا الٰہ الا اللہ میں یا تو بہت معمولی حصہ ہوتا ہے یا بالکل نہیں ہوتا۔

رسولِ اکرم ﷺ کے اس قسم کے تمام ارشادات کا تعلق توحید الٰہی کی حمایت و نصرت سے ہوتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو شرک سے بالکل پاک رکھا جائے، لوگ اس کے غضب کا شکار نہ ہوں اور کسی کو اس کے ہم مثل اور برابر نہ سمجھا جائے۔ تاکہ توحید پر شرک غالب نہ آجائے۔

افسوس کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی اور جن امور سے اس نے روکا تھا، ان کے مرتکب ہوئے۔ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا کہ یہ انبیاء اور صالحین کی تعظیم اور توقیر ہے۔ ان کی عظمت میں جس درجہ شدت اور غلو اختیار کیا جائے گا اتنا ہی ان کا قرب حاصل ہوگا اور انبیاء وصالحین کے دشمنوں سے بُعد ہوگا۔

امام صاحب فرماتے ہیں۔

بخدا یہی وہ دروازہ ہے جس سے یغوث، یعوق نسر اور اصنام پرستوں میں شیطان داخل ہوا اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ پس مشرکین میں دو جرم بیک وقت جمع ہو گئے۔

ایک صالحین کی شان میں غلو،

اور دوسرا صالحین کے طریقے کی مخالفت۔

فَإِنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يَكُونُوْا لِيَبْنُوا حَوْلَ قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَكُلُّ مَوْضِعٍ قُصِدَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ فَقَدِ اتُّخِذَ مَسْجِدًا - بَلْ كُلُّ مَوْضِعٍ يُصَلّٰى فِيْهِ يُسَمّٰى مَسْجِدًا -

---

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے اردگرد مسجد بنالیں کیونکہ جس جگہ نماز پڑھنا مقصود ہو وہ مسجد ہی کا حکم رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں نماز پڑھی جائے اُسے مسجد ہی کے نام سے موسُوم کیا جاتا ہے۔

اہلِ توحید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا کیونکہ یہ اہل اللہ اور صالحین کے نقشِ قدم پر چلے۔ ان کو اس مقام سے بلند نہ سمجھا جس پر اللہ نے ان کو فائز کیا ہے، اور وہ عبدیت کا عظیم مقام ہے۔ جس میں الوہیت کی کوئی بھی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔"

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرک سے روکنے والے صیغہ کو فتنۂ شرک پر محمول کیا ہے، اُن میں امام شافعی، ابوبکر الاثرم، ابو محمد المقدسی، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور ان کے علاوہ بہت سے ائمہ حدیث وفقہ رحمہم اللہ شامل ہیں اور یہی تعبیر زیادہ صحیح اور مطابق کتاب وسنت ہے۔ اس کی صحت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

قولہ : فَاِنَّ الصَّحَابَةَ :

كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طُهُوْرًا۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے لیے رُوئے زمین کو پاک صاف اور مسجد قرار دے دیا گیا ہے۔

کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علم تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیا ہے۔

قولہ : وَكُلُّ مَوْضِعٍ قُصِدَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ :

مطلب یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو، اگرچہ وہاں مسجد نہ ہو اور نہ وہاں مسجد تعمیر کرنا مقصود ہو وہ مسجد ہی کہلائے گی ـــــ جیسا کہ چلتے چلتے کہیں راستے میں نماز کا وقت ہو گیا اور کسی نے وہاں نماز پڑھ لی۔ تو اگرچہ وہاں مسجد نہ تھی اور نہ مسجد بنانے کا ارادہ تھا، لیکن اس مقام کو مسجد ہی کہا جائے گا۔

قولہ : جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طُهُوْرًا :

آنحضرت ﷺ نے ساری زمین کو مسجد قرار دیا ہے۔ یعنی ہر جگہ نماز پڑھنا درست ہے، بجز ان مقامات کے جن سے آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا۔ جیسے قبرستان اور حمام وغیرہ۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "شرح السنۃ" میں لکھتے ہیں کہ

"آنحضرت ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ کتاب کو اپنے کنیسہ کے علاوہ اور کہیں بھی نماز و عبادت وغیرہ کی اجازت نہ تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کو ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تاکہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ البتہ مقبرہ، حمام، اور نجاست والی جگہوں میں

و لاحمد بسند جید عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاً إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَ هُمْ أَحْيَاءٌ۔

و رواه ابو حاتم فی صحیحه وَ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ۔

مسند امام احمد میں بسند جید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدترین اور شریر لوگ وہ ہوں گے کہ جن کی زندگی میں بڑے بڑے آثارِ قیامت نمودار ہوں گے۔

امام ابوحاتمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ (یہ وہ لوگ ہوں گے) جو قبرستانوں میں مسجدیں تعمیر کریں گے۔

نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے"۔

قولہ: مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ:

یعنی قیامت کی بڑی بڑی علامتیں ظاہر ہونی شروع ہو جائیں گی، جیسے خروج الدابہ، مغرب سے طلوعِ شمس، ان علامتوں کے بعد نفخۂ اولیٰ کی باری آئے گی، جس سے سب مخلوق گھبرا اُٹھے گی۔

قولہ: وَالَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ:

یعنی بدترین لوگوں میں سے دوسرا گروہ وہ ہے جو قبروں میں مسجدیں تعمیر کرتا ہے یعنی قبرستان

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: مَا ذَكَرَ الرَّسُولُ ﷺ فِيمَنْ بَنَى مَسْجِدًا يَعْبُدُ اللهَ فِيهِ عِنْدَ قَبْرِ رَجُلٍ صَالِحٍ وَ لَوْ صَحَّتْ نِيَّةُ الْفَاعِلِ۔

① جو بھی کسی صالح اور بزرگ کی قبر کے پاس عبادت کے لیے مسجد تعمیر کرتا ہے، اگرچہ اُس کی نیت صحیح ہو وُہ آنحضرت ﷺ کے تہدیدی فرمان کی زد میں آتا ہے۔

میں نماز پڑھتا ہے اور خصوصاً قبروں کی طرف منہ کر کے عبادت کرتا ہے۔

اس پر تفصیلی بحث پہلے گزر چکی ہے کہ یہ کردار یہود و نصاریٰ کا ہے۔ جس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ملعون قرار دیا ہے۔ تاکہ آپ ﷺ کی اُمت بھی اپنے نبی ﷺ اور صلحا کی قبروں پر یہود و نصاریٰ جیسا عمل نہ شروع کر دے لیکن افسوس ہے کہ اُمتِ محمدیہ کی اکثریت یہود و نصاریٰ کے کردار کو اپنانے سے ذرہ بھی پیچھے نہیں رہی بلکہ چند قدم آگے ہی نکلی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر اس مکروہ اور حرام کام کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھ بیٹھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عمل کی وجہ سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے دُور ہو گئے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ اس کے باوجود

الثانیۃ

أَلنَّهْيُ عَنِ التَّمَاثِيلِ وَ غِلَظِ الْأَمْرِ فِي ذٰلِكَ

(۲) کسی صالح شخص کی تصویر بنانے کی حرمت میں آنحضرت ﷺ کی سخت ترین وعید ہے۔

اس عمل میں برابر آگے بڑھ رہے ہیں.

اسلام کی غربت کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان مشرکین کے نزدیک ہر اچھے کام کو بُرا، اور ہر بُرے کام کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ سُنّت کو بدعت اور بدعت کو سُنّت کا مقام دے دیا گیا ہے اور اس سلسلے کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ بچپن سے جوانی، اور جوانی سے بڑھاپے تک اسی راہ گزر پر چلتے ہوئے زندگی بسر ہو رہی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

" اس باب میں تمام ائمہ کرام کی صراحت موجود ہے کہ قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنا ممنوع ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ اسی نقطہ نظر کی تائید کرتی ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس پر شیخ الاسلام احادیث درج کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ انبیاء و صالحین اور بعض بادشاہوں کی قبروں پر جو مساجد نظر آ رہی ہیں ان کا انہدام ضروری ہے اور ان کو منہدم کرنے میں کسی صاحب علم کو اختلاف نہیں ہے۔"

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

قبروں پر جو بڑے بڑے قبے نظر آ رہے ہیں ان کو منہدم کر دینا واجب ہے۔ کیونکہ ان کی بنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی مخالفت پر رکھی گئی ہے اور بعض علمائے شافعیہ

الثالثة: أَلْعِبْرَةُ فِي مُبَالَغَتِهِ ﷺ فِي ذٰلِكَ كَيْفَ بَيَّنَ لَهُمْ هٰذَا أَوَّلًا۔ ثُمَّ قَبْلَ مَوْتِهِ بِخَمْسٍ قَالَ مَا قَالَ۔ ثُمَّ لَمَّا كَانَ فِي السِّيَاقِ لَمْ يَكْتَفِ بِمَا تَقَدَّمَ۔

③ رسول اکرم ﷺ کے شدید تہدیدی کلمات میں عبرت و نصیحت کا یہ پہلو پنہاں ہے کہ ابتدا میں آپ نے اِس مسئلہ کی نرم الفاظ میں وضاحت فرمائی اور پھر وفات سے پانچ روز پہلے اس کی سختی سے تردید فرمائی۔ آپ نے اسی پر بس نہیں کی (بلکہ وفات کے وقت ایسے لوگوں کو جو قبروں میں مساجد تعمیر کرتے ہیں، ملعون قرار دیا)

رحمۃ اللہ علیہ نے ان قبوں کے انہدام کا فتویٰ دیا ہے جو قرافہ میں ابن جمیزی اور ظہیر ترمینی وغیرہ کے تعمیر کیے گئے تھے۔

قاضی ابن کج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

”قبروں کو چونے سے پختہ کرنا، ان پر قبے تعمیر کرنا، یا قبے تعمیر کرنے کی وصیت کرنا، سب باطل، ممنوع اور حرام ہے۔“

اذرعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

”قبروں پر قبے تعمیر کرنا، اس کی وصیت کرنا، اور قبروں کی زیبائش و زینت

الرابعة: نَهيُهُ عَنْ فِعلِهِ عِندَ قَبرِهِ قَبلَ أنْ يُوجَدَ القَبرُ۔

④ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر پر تعمیرِ مسجد سے منع فرمایا حالانکہ آپؐ کی قبر اُس وقت موجود نہ تھی۔

پر مال و دولت خرچ کرنا بالکل حرام ہے۔ اس کی حرمت میں کسی کو شک نہیں ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث
"نهى أن يُجصّص القبرُ أو يُبنى عليه" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
"اس حدیث کے پیش نظر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قبروں کو چونا گچ کرنا یا ان پر کسی قسم کی تعمیر کرنا مکروہ ہے۔

البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ چند اصحاب نے اس کی اجازت بھی دی ہے۔ لیکن یہ حدیث ان اصحاب کی تردید کرتی ہے۔"

ابن رشد، امام مالک کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ
"قبروں پر عمارت تعمیر کرنا اور ان پر کتبے لکھ کر لٹکانا متکبرین کی بدعات میں سے ہے۔ فخر و مباہات اور ریا کی خاطر انہوں نے کتبے وغیرہ لکھ کر اپنے احباب کی قبروں پر لگا دیے تھے۔ اس کے ممنوع اور باطل ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔"

علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ حنفی شرح کنز میں تحریر فرماتے ہیں کہ
"قبروں پر تعمیرات کرنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ قبروں کو چونے سے پختہ کرنا اور ان پر قبے وغیرہ بنانا ممنوع ہے۔

الخامسة أَنَّهُ مِنْ سُنَنِ الْيَهُودِ وَ النَّصَارٰى فِي قُبُورِ أَنْبِيَآئِهِمْ۔

⑤ قبروں پر مسجد بنانا اور ان میں عبادت کرنا یہود و نصاریٰ کا طریقہ تھا۔

کیونکہ آنحضرت ﷺ نے قبر کو چونا گچ کرنے اور اس پر تعمیر کرنے کو منع فرمایا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ عمل مکروہ تحریمی ہے۔ ابن نجیمؒ نے بھی کنز کی شرح میں مکروہ تحریمی ہی لکھا ہے۔"

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"مخلوق میں سے کسی کی ایسی تعظیم کرنا جس سے اس کی قبر کو مسجد بنالیا جائے میرے نزدیک مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔"

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں قبروں پر ہر قسم کی عمارت بنانے کو حرام قرار دیا ہے۔"

شیخ الحنابلہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ جن کا نام ابو محمد عبداللہ بن قدامہ ہے اور جو المغنی اور الکافی وغیرہ کئی بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں، لکھتے ہیں کہ

"قبرستان میں مساجد تعمیر کرنا ممنوع ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اسی وجہ سے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی تھی ——— علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصنام کی عبادت اور پوجا کی ابتدا ہی اس بات سے ہوئی تھی کہ لوگوں نے صالحین کی وفات کے بعد ان کی تعظیم میں غلو سے کام لیا اور ان

السادسۃ | لَعْنُهُ إِيَّاهُمْ عَلَىٰ ذٰلِكَ۔

⑥ اسی پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود و نصاریٰ کو ملعون قرار دینا۔

السابعۃ | أَنَّ مُرَادَهُ تَحْذِيرُهُ إِيَّانَا عَنْ قَبْرِهِ۔

⑦ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرنے کا اصل مطلب یہ تھا کہ مسلمان آپ کی قبر پر اسی قسم کے افعال کا ارتکاب نہ کریں۔

کی تصاویر بنا کر لٹکا لیں ان کو چومتے چاٹتے رہے پھر وہ عبادت کے وقت ان کو اپنے سامنے رکھ لیا کرتے تھے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"مقبرہ نیا ہو یا پرانا، اس کی تربت بدل گئی ہو یا نہ بدلی ہو، اس کے اور زمین کے درمیان کوئی چیز حائل ہو یا نہ ہو، چونکہ اس کے اسم اور علت میں عمومیت کارفرما ہے، اس لیے اس کی حرمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مطلق ہے کہ

لُعِنَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ — ان لوگوں کو موجب لعنت ٹھہرایا گیا ہے جو انبیا کی قبروں کو عبادتگاہیں بناتے ہیں۔

اور یہ مسئلہ واضح اور معلوم ہے کہ انبیائے کرام کی قبور مبارکہ نجس نہیں ہوتیں۔ جن علمائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کو مقبرہ کے نجس اور پلید ہونے پر محمول کیا ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے بالکل خلاف اور بعید از

الثامنہ | اَلْعِلَّةُ فِیْ عَدَمِ إِبْرَازِ قَبْرِہٖ

⑧ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو ظاہر اور کھلا نہ رکھنے کا سبب اور مصلحت۔

التاسعہ | فِیْ مَعْنٰی إِتِّخَاذِھَا مَسْجِدًا

⑨ قبر کو عبادت گاہ بنانے کے نقصانات کا تفصیل سے جائزہ لینا۔

قیاس ہے۔ اگر پہلے سے مسجد بنی ہوئی ہے تو اس میں نماز پڑھنا منع ہے۔ قبر آگے ہو یا پیچھے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلا اختلاف کسی مذہب کے ایسا کرنا معصیت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ وَصَالِحِیْھِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّیْ اَنْھَاکُمْ عَنْ ذٰلِكَ	تم سے پہلے لوگ انبیاء اور صالحین کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا کرتے تھے۔ خبردار! میں تم کو قبرستان کو عبادت گاہ بنانے سے منع کرتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء وصلحا کی قبروں کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ ان کی قبروں پر مجاور بن کے بیٹھنا اور ان پر مساجد تعمیر کرنا سنگین جرم ہے

اگر پہلے سے مسجد نہیں ہے تو بھی قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع ہے، اس لیے کہ نماز کی مخالفت تو قبر کی وجہ سے ہے۔ خواہ مسجد ہو یا نہ ہو، ہر وہ مقام جہاں نماز ادا کی جائے اُسے مسجد کہا جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی یہی ہے کہ

جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَھُوْرًا	میری اُمّت کے لیے ساری زمین کو پاک اور مسجد قرار دے دیا گیا ہے۔

العاشرة أَنَّهُ قَرَنَ بَيْنَ مَنِ اتَّخَذَهَا وَبَيْنَ مَنْ تَقُوْمُ عَلَيْهِ السَّاعَةُ فَذَكَرَ الذَّرِيعَةَ إِلَى الشِّرْكِ قَبْلَ وُقُوعِهِ مَعَ خَاتِمَتِهِ۔

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے والوں اور اُن بدترین لوگوں کو جن کی زندگی میں قیامت برپا ہوگی، ایک ہی مقام دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے شرک کے وقوع سے پہلے ہی اُسکے اسباب پر روشنی ڈال دی۔

ایک قبر کی جگہ ہو یا زیادہ کی۔ بہرحال جہاں قبر ہو وہاں نماز نہیں پڑھنی چاہیے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ ایک آدھ قبر ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اس کو مقبرہ نہیں کہا جاتا شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب میں سے کسی کے کلام میں یہ فرق مذکور نہیں ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمومی فرمان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع اور حرام ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ "میں حمام اور قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع سمجھتا ہوں۔ اور خود بھی نہیں پڑھتا"

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ قبر اور اس کے صحن میں نماز پڑھنا حرام ہے۔

اس طرح جو مسجد قبرستان میں تعمیر ہو چکی ہو، اس میں نماز پڑھنا حرام ہے خواہ

الحادية عشرة ذِكرُهُ فِي خُطبَتِهِ قَبلَ موتِهِ بِخَمسٍ۔ الرَّدُّ عَلى الطَّائِفَتَينِ اللَّتَينِ هُمَا أَشَرُّ أَهلِ البِدَعِ بَل أَخرَجَهُم بَعضُ أَهلِ العِلمِ مِنَ الثِّنتَينِ وَ السَّبعِينَ فِرقَةً وَ هُمُ الرَّافِضَةُ وَ الجَهمِيَّةُ وَ بِسَبَبِ الرَّافِضَةِ حَدَثَ الشِّركُ وَ عِبَادَةُ القُبُورِ

وَ هُم أَوَّلُ مَن بَنَى عَلَيهَا المَسَاجِدَ۔

(۱۱) رحمتِ عالم ﷺ نے وفات سے صرف پانچ روز قبل اس فتنے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگاہ فرمایا۔ اہلِ بدعت کے سب سے زیادہ شریر دو فرقوں کی تردید اور بعض اہلِ علم نے تو ان کو بہتر فرقوں سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ان دو فرقوں میں ایک رافضی اور دوسرا جہمیہ ہے۔ خصوصاً رافضیوں کی وجہ سے مسلمانوں میں شرک اور قبروں کی عبادت کے فتنے نے جنم لیا اور یہی وہ فرقہ ہے جس نے سب سے پہلے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

نمازی اور قبر کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا نہ ہو۔

الاثرم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ اگر مسجد قبرستان کے درمیان واقع ہو تو اس میں فرض نماز جائز نہیں۔ اور اگر مسجد اور قبر کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو تو اس مسجد میں صرف نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد الاثرم نے ابی مرثد کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لَا تُصَلُّوْا اِلَى الْقُبُوْرِ[1] قبرستان کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھا کرو۔

وقال اسنادہ جید

اس سلسلے میں اگر ہم تمام علماء کے کلام کو نقل کریں تو کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جائے گی۔ بہر حال علمائے اُمّت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو خوب واضح اور منقح کر دیا ہے اور اس غلو اور افراط و مبالغہ سے اُمّت کو آگاہ کر دیا ہے کہ یہی چیز غیر اللہ کی عبادت کا پیش خیمہ ہے۔ جیسا کہ تجربات اور مشاہدات بتاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

معتمد ائمہ کرام کے بعد کچھ اس قسم کے علمائے سُوء پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات سے اجنبیت برتنا شروع کر دی ہے اور اپنے مزعومہ عقائد کو مشعل راہ ٹھہرا لیا ہے۔ اُنہوں نے نصوص کتاب و سُنّت پر ایسی قیود لگا دی ہیں کہ جن کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ہی بدل دیا گیا ہے۔

مثلاً۔ ان کے نزدیک آپ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ عام قبرستان میں کسی قبر پر کوئی عمارت تعمیر کرنا منع ہے۔

اس میں نماز اس لیے ممنوع ہے کہ مُردوں کی پیپ وغیرہ کی وجہ سے یہ جگہ نجس اور پلید ہو جاتی ہے۔

---

[1] مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی۔

الثانیۃ عشرۃ   مَا بُلِیَ بِہٖ ﷺ مِنْ شِدَّۃِ النَّزْعِ

(۱۲) اِس باب میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ رحمتِ دو عالم ﷺ کو وفات کے وقت بہت تکلیف برداشت کرنی پڑی۔

یہ تمام تاویلات کئی ایک وجوہ کی بنا پر غلط اور باطل ہیں۔

۱۔ــــ نصِ قطعی سے ثابت ہے کہ بغیر علم کے اللہ کی طرف کسی بات کو منسوب کرنا حرام ہے۔

۲۔ــــ ان کا یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلہ کن فرمان اور آپ کی لعنت کی زد میں خاص خاص قبروں پر تعمیرات کرنے والے نہیں آتے۔

یہ سب لغو اور باطل ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے راستے میں کوئی چیز مانع نہ تھی اگر وجہ ممانعت یہی ہوتی تو آپ یوں بھی ارشاد فرما سکتے تھے کہ

مَنْ صَلّٰی فِیْ بُقْعَۃٍ نَجِسَۃٍ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ — جو ناپاک جگہ پر نماز پڑھے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔

اِن علمائے سُوء کے اقوال سے یہ بات لازم آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی وجہ اور علت بیان فرمائے بغیر اتنی شدت اختیار کی ہے، جس سے قرون مفضلہ کے بعد آنے والے ائمہ اور اہلِ علم کو دھوکہ لگا اور وہ خواہ مخواہ بلادلیل باتیں کرنے لگے۔

یہ بھی عقلاً اور شرعاً لغو اور بے اصل بات ہے کیونکہ اس سے تو العیاذ باللہ یہ مترشح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ شریعت کی کما حقہٗ تبلیغ نہیں کر سکے یا کسی مسئلہ کو بیان کرنے سے عاجز و قاصر رہے۔

یہ انتہائی غلط بات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ

الثالث عشرة مَا أُكْرِمَ بِهٖ مِنَ الْخُلَّةِ۔

⑬ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خُلّت کی عظمت و بزرگی سے نوازا گیا ہے۔

الرابع عشرة اَلتَّصْرِيْحُ بِأَنَّهَا أَعْلٰى مِنَ الْمَحَبَّةِ۔

⑭ اِس بات کی وضاحت کہ خُلّت کا مقام محبت سے اونچا ہے۔

الخامس عشرة اَلتَّصْرِيْحُ بِأَنَّ الصِّدِّيْقَ أَفْضَلُ الصَّحَابَةِ۔

⑮ اِس بات کی بھی تصریح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

نے ہر ایک مسئلہ کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے کہ ایک دیہاتی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ آپ کو ہر مسئلہ اور عقدۂ مشکل کو سلجھانے کی وہ قدرت اور ملکہ حاصل تھا کہ بڑے بڑے عقل مند سُن کر حیران رہ جاتے تھے۔ جب لازم باطل قرار پایا تو ملزوم بھی باطل ٹھہرا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شدّتِ الفاظ اور لعنت کے صرف وہ لوگ مستحق ہیں جو انبیاء کی قبروں پر مساجد تعمیر کرتے ہیں۔ انبیاء کے علاوہ کسی کی قبر پر عمارت تعمیر کرنا یا مسجد بنانا جائز ہے۔

یہ بھی غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ نصوص میں ایسے الفاظ مروی ہیں جو انبیاء اور غیر انبیاء سب کو شامل ہیں۔ اگر یہی وجہ مقصود ہوتی تو کم از کم انبیاء کی قبریں تو اس سے مستثنیٰ ہوتیں۔ انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ مطہرہ تو نجاست کے ہر شائبہ سے پاک ہیں۔

السادس عشرة أَلإِشَارَةُ إِلٰى خِلَافَتِهٖ۔

(۱۶) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی زندگی میں ہی صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ فرمانا۔

پس ثابت ہوا کہ مسجد تعمیر کرنے کی نہی انبیا اور دیگر سب لوگوں کی قبور کو شامل ہے۔ کیونکہ نہی کے اسباب وہی ہیں جو ہم علمائے اُمّت کے اقوال سے نقل کر آئے ہیں۔ ہم اس اظہارِ حق اور تبیینِ حُجّت پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

باب ماجاء

انّ الغلوّ فی قبور الصّالحین یصیرها اوثانا تعبد من دونِ اللہ

◎

یہ باب اِس بیان میں ہے کہ بزرگوں کی قبروں کے بارے میں غلو کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُن کو بُتوں کی حیثیت دے دی جاتی ہے اور پھر اُن کی بھی پرستش ہونے لگتی ہے

روی مالك فی الموطا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ

قَالَ أَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُّعْبَدُ۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب موطا میں روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! میری قبر کو وثن نہ بنانا جسے لوگ پوجنا شروع کردیں

قولہ: رَوٰی مَالِکٌ فِی الْمُوَطَّا:

○ — امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن اسلم عن عطاء بن یسار یہ حدیث مرسلاً نقل کی ہے۔

○ — مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن عجلان عن زید بن اسلم مروی ہے۔ اس میں عطاء بن یسار کا ذکر نہیں ہے۔

○ — اور البزار نے عن زید عن عطاء عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت نقل کی ہے۔

○ — مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع یوں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ	اے اللہ! میری قبر کو بُت نہ بنانا۔
وَثَنًا لَعَنَ اللهُ قَوْمًا اِتَّخَذُوْا	اللہ تعالیٰ نے ان اقوام کو ملعون قرار دیا
قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ	ہے جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بنا لیا تھا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر نسب نامہ یہ ہے۔

مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو الاصبحی۔

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ المدنی تھی۔ چار مشہور ائمہ میں سے ایک ہیں۔ حدیثِ نبویؐ سے والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"بہترین اور صحیح سند وہ ہے جو مالک عن نافع عن ابن عمرو مروی ہو۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ۹۳ یا ۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بقول واقدی نوے سال کی عمر پا کر ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے کیسے قبول فرمایا؟ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ

فاجاب رب العالمين دعاءه   واحاطه بثلاثة الجدران
حتی غدت ارجاؤه بدعائه   فی عزة وحماية وصيان

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ کی قبر کو تین دیواروں میں چھپا دیا ہے۔ اور آپ کی قبر مبارک کے اطراف کو آپ کی دعا کی وجہ سے اللہ رب العزت نے اپنی خاص رحمت اور حفاظت و صیانت میں لے لیا ہے۔

زیرِ بحث حدیث کے الفاظ اس بات پر شاہد ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو پوجا جاتا تو وہ بہت بڑا وثن بن جاتی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبرِ انور کو اس طرح محفوظ فرمایا ہے کہ وہاں تک پہنچنا کسی بادشاہ کے اختیار میں بھی نہیں رہا۔

حدیث مذکورہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وہی قبر وثن کہلاتی ہے جسے قبروں کے پجاری اپنے ہاتھوں سے چومنا چاٹنا شروع کر دیں یا ان کے تابوتوں سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ کریں۔ افسوس کہ آج کل قبروں کی تعظیم اور ان کی عبادت کا فتنہ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ الامان والحفیظ۔

اس بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ لائق مطالعہ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا لَبَسَتْكُمْ فِتْنَةٌ   اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب

يَهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ وَيَنْشَأُ فِيهَا الصَّغِيرُ تَجْرِي عَلَى النَّاسِ يَتَّخِذُونَهَا سُنَّةً إِذَا غُيِّرَتْ ، قِيلَ غُيِّرَتِ السُّنَّةُ	تمہیں ایسا فتنہ آدبوچے گا جس میں جوان بوڑھا ہوجائے گا اور چھوٹا بڑا ہوجائے گا فتنہ لوگوں میں راہ پائے گا اور لوگ اُسے سُنّت سمجھ لیں گے کہ جب وہ بدل جائے گا تو لوگ کہیں گے سُنّت بدل گئی ہے

اِسی فتنے کے خطرے کے پیش نظر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے تتبع سے لوگوں کو روکا تھا۔

ابن وضاح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عیسیٰ بن یونس کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اُس درخت کو جڑ سے کاٹ پھینکنے کا حکم صادر کیا جس کے نیچے بیٹھ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر لوگوں سے بیعت لی تھی۔ اس درخت کو اس لیے کاٹ دیا گیا کہ لوگوں نے وہاں جا کر اُس کے نیچے نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرک کا فتنہ پھیلنے کے خدشے کی وجہ سے اس کو کٹوا دیا"

معرور بن سوید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک دفعہ مکۃ المکرمہ کے راستہ میں صبح کی نماز ادا کی۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ گروہ در گروہ کہیں جا رہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔؟ جواب دیا گیا کہ اے امیر المومنین! یہاں کسی مقام پر کوئی مسجد ہے، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی، یہ لوگ وہاں جا کر نماز پڑھنا باعث برکت سمجھتے ہیں اس لیے وہاں جا رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ہم سے پہلے بہت سی قومیں اسی لیے تباہ ہو گئی تھیں کہ وہ اپنے انبیاء کے آثار کی تلاش میں رہتی تھیں۔ اور

پھر اس جگہ کو کنیسہ بنا لیتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اچانک ایسی جگہ پر نماز کا وقت آجائے تو وہاں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ ورنہ وہاں سے گزر جانا چاہیے۔ لیکن عمداً، اور جان بوجھ کر وہاں جانے کا ارادہ نہ کرنا چاہیے"۔

خالد بن دینار کہتے ہیں کہ ابو العالیہ نے ہمیں مندرجہ ذیل عجیب و غریب واقعہ سنایا فرماتے ہیں کہ

"جب ہم نے تستر فتح کیا تو ہرمزان کے مال میں جہاں اور بہت سی اشیاء دستیاب ہوئیں وہاں ایک چارپائی بھی ملی جس پر ایک شخص کی لاش تھی، اور اُس کے سرہانے ایک مصحف رکھا ہوا تھا۔ ہم اسے امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے امیر المومنین کے حکم کے مطابق حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے میں نے اس کو اس طرح پڑھ کر سنایا جیسا کہ ہم قرآن پڑھا کرتے ہیں۔

خالد بن دینار: اُس مصحف میں کیا لکھا ہوا تھا۔؟

ابو العالیہ بولے: تمہاری سیرت، تم ہی جیسے امور و احکام، اور تمہارے ہی جیسی خوش الحانی، اور اس کے علاوہ بہت سی آئندہ پیش آنے والی باتیں۔

خالد بن دینار نے سوال کیا، تم نے اس شخص کی لاش کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔؟

ابو العالیہ: ہم نے دن کی روشنی میں مختلف تیرہ قبریں کھودیں، اور پھر رات کی تاریکی میں ہم نے اس میت کو ایک قبر میں دفن کر کے تمام قبروں کو برابر کر دیا تاکہ لوگوں کو پتا ہی نہ چل سکے کہ وہ کس قبر میں مدفون ہے۔

خالد بن دینار: اس لاش کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کہ وہ کون تھا۔؟

ابوالعالیہ : وہ حضرت دانیال علیہ السلام نبی کی لاش تھی۔

خالد بن دینار : تمہاری رائے میں اُن کو فوت ہوئے کتنا عرصہ گزرا ہوگا؟

ابوالعالیہ : تین سو سال کے قریب۔

خالد بن دینار : جسم میں کسی قسم کی تبدیلی تو نہیں ہوئی تھی۔؟

ابوالعالیہ : ہرگز نہیں۔ صرف گدّی کے قریب چند بال متغیر ہوگئے تھے۔
کیونکہ انبیاء کے جسموں کو زمین خراب نہیں کر سکتی۔

اس واقعہ کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"مہاجرین اور انصار مجاہدین صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر کو اس لیے برابر اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تاکہ بعد میں آنے والے لوگ شرک و بدعت کے فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ اور اس لیے بھی قبر کو ظاہر نہیں کیا تاکہ لوگ یہاں آکر دعا اور تبرک حاصل نہ کر سکیں۔ کیونکہ اگر قبر کو نمایاں اور ظاہر کر دیا جاتا تو بعد میں آنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی پوجا شروع کر دیتے۔ اور اگر متاخرین قبر کو ظاہر کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو اس پر تلواروں سے جنگ شروع ہو جاتی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے سوا قبر کی پوجا شروع ہو جاتی۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نظر دعائیہ جملہ میں لوگوں کو روکا گیا ہے کہ وہ آپ کی قبر پر حاضری دے کر طرح طرح کی بدعات اور شرکیہ اعمال میں نہ پھنس جائیں۔ کیونکہ جو شخص کسی ایسی جگہ پر جاتا ہے جہاں شارع علیہ السلام نے جانے کا ارشاد نہیں فرمایا کہ وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کا طالب ہو، یا نماز پڑھے، یا دعا کرے، یا قرآن کریم کی تلاوت کرے، یا کسی قسم کا ذکر الٰہی کرے، یا کوئی اور عمل صالح کرنے کا ارادہ کرے، تو شریعت مطہرہ اسے باطل اور معصیت

إِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى قَوْمٍ
اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ۔

اُن اقوام پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل ہوا جنھوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا تھا۔

قرار دیتی ہے۔

البتہ اگر اتفاقیہ وہاں سے گزر ہو تو اپنے لیے اور اُن کے لیے خیر و عافیت کی دعا کرے، ان کی سلامتی کی دعا کرے، جیسا کہ طریقہ سنّت ہے۔

اس نیّت سے جانا کہ بہ نسبت دوسری جگہوں کے وہاں دعا جلد قبول ہوگی تو یہ ممنوع ہے۔

قولہٗ : اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ :

آنحضرت ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے ثابت ہوا کہ قبروں پر قبّہ تعمیر کرنا۔ یا وہاں جاکر نماز پڑھنا حرام ہے اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "القریٰ لقاصد ام القریٰ" میں رقم طراز ہیں کہ "علماء مالکیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ کہنا ممنوع ہے کہ

زُرْتُ قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ — میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کی۔

اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ" یعنی کسی لفظ کو قبر کی طرف منسوب کرنا مکروہ ہے تاکہ یہود و نصاریٰ کے کردار سے مشابہت نہ ہو

جائے یہ رائے شرک و بدعت کا راستہ بند کرنے کی خاطر اختیار کی گئی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تابعین کا دور دیکھا ہے اور وہ لوگ اس مسئلہ کی حقیقت کو بعد میں آنے والے علماء سے زیادہ صحیح سمجھتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ تابعین کے دور میں یہ لفظ معروف نہ تھا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ زُرْتُ قَبْرَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم" بلکہ لوگ اس اندازِ بیان کو مکروہ گردانتے تھے۔ لفظِ زیارت سے زیارتِ بدعیہ مراد لیتے تھے، زیارتِ بدعیہ یہ ہے کہ کوئی شخص نیت سے کسی کی قبر کے پاس جائے کہ وہ صاحبِ قبر سے کچھ طلب کرے گا۔ یا اس سے دعا کی خواہش کرے یا اس سے کسی تکلیف کو رفع کرنے یا رفع حاجات کی درخواست کرے، جیسا کہ آج کل اکثر لوگ کرتے ہیں۔

یہ نیت اور عقیدہ رکھنا تمام ائمہ کرام کے نزدیک ممنوع ہے اور شریعت اسلامیہ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے مجمل لفظ کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے جس سے غلط مفہوم مراد لیا جا سکے۔

البتہ اہلِ قبور کے لیے دُعائے مغفرت کی نیت سے جانا ممنوع نہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ قبروں کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔

جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے تھے۔

فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ میں کفار اور مشرکین کی قبریں بھی آجاتی ہیں۔ اس سے یہ نہیں

و لابن جرير بسنده عن سفيان عن منصور عن مجاهد :

"أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَ الْعُزَّىٰ" - قَالَ : "كَانَ يَلُتُّ لَهُمُ السَّوِيقَ فَمَاتَ فَعَكَفُوا عَلَىٰ قَبْرِهِ."

علامہ ابنِ جریر رحمہ اللہ آیتِ کریمہ "افرأیتم اللات و العزّٰی" میں مذکور اللات کے بارے میں مجاہد رحمہ اللہ کا قول اپنی سند سے عن سفیان عن منصور نقل کرتے ہیں کہ

"لات حجاجِ کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ فوت ہو گیا تو لوگ اسکی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گئے۔"

سمجھنا چاہیے کہ وہاں جا کر اہلِ قبر سے دعا کی خواہش کی جائے یا اس سے کچھ مانگا جائے یا استغاثہ کیا جائے جیسا کہ اہلِ بدعت اور مشرک کرتے ہیں بخصوص انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں کی قبروں پر جاتے وقت خاص خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اکثر لوگ ان کی قبروں کی زیارت سے زیارت بدعیہ شرکیہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر امام مالک رحمہ اللہ نے مجمل لفظ کے استعمال کو مکروہ جانا ہے۔ لیکن جہاں شرک کا یہ خطرہ نہ پایا جائے وہاں ایسے الفاظ استعمال کرنا جائز ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات سے پناہ مانگی ہے جس سے

خطرہ محسوس فرمایا۔

قولہ : وَ لِابْنِ جَرِيْرٍ :

حافظ محمد بن جریر بن یزید الطبری مراد ہیں۔ جن کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

___ تفسیر ابن جریر الطبری

___ کتاب التاریخ

___ کتاب الاحکام

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

لَا اَعْلَمُ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَعْلَمَ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَرِيْرٍ — محمد بن جریر سے زیادہ عالم روئے زمین پر میرے علم میں کوئی شخص نہیں۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ خود مجتہد تھے کسی کی تقلید نہ کرتے تھے ان کے ماننے والے بہت سے فقہاء تفریع مسائل میں ان کے اجتہاد کا تتبع کرتے۔ اور ان کے اقوال سے حجت پکڑتے تھے۔

ابن جریر ۲۲۴ ہجری میں پیدا ہوئے، اور ماہ شوال کے دو روز باقی تھے کہ ۳۱۰ ہجری میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

قولہ : عَنْ سُفْيَانَ :

ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ

سفیان بن سعید بن مسروق الثوری مراد ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی کوفہ سے تعلق رکھتے تھے، بہت بڑے ثقہ، امام، فقیہ، حافظ، اور عابد اور مجتہد تھے۔ ان کے بے شمار شاگرد ان کی فقہ پر اعتماد کرتے تھے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ اپنی عمر کی چوسٹھ بہاریں دیکھ کر ۱۶۱ ہجری میں فوت ہوئے۔

قولہ : عَنْ مَنْصُوْرٍ :

منصور بن المعتمر بن عبد اللہ السلمی مراد ہیں۔ ثقہ اور اپنے زمانے کے بہت بڑے فقیہ

تھے۔ ۱۳۲ ہجری میں وفات پائی۔

قولہ : عَنْ مُجَاهِدٍ :

مجاہد بن جبر ابوالحجاج المخزومی مراد ہیں۔ ثقہ راویوں میں سے ہیں۔ تفسیر کے موضوع میں امام شمار ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے کئی صحابہ سے روایت کرتے ہیں بقول یحییٰ قطان ۱۰۴ ہجری میں فوت ہوئے۔

ابن حبان کی روایت کے مطابق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۲ ہجری یا ۱۰۳ ہجری میں بحالت سجدہ وفات پائی

قولہ : كَانَ يَلُتُّ لَهُمُ السَّوِيقَ :

سعید بن منصور کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ

فَيُطْعِمُ مَنْ يَمُرُّ مِنَ النَّاسِ فَلَمَّا مَاتَ عَبَدُوْهُ وَقَالُوا: هُوَ اللَّاتُ	جو شخص اس کے پاس سے گزرتا اسے کھانا کھلاتا، اور ستو بناتا جب یہ فوت ہوگیا تو لوگوں نے اس کی پوجا شروع کردی۔ اور اللات کے نام سے مشہور کردیا

زیر بحث روایت کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ لوگ اس شخص کی سخاوت دیکھ کر، اس کی محبت میں غلو کا شکار ہوگئے اور نوبت بایں جا رسید کہ اس کی عبادت شروع ہوگئی۔ اور پھر اس کی قبر مشرکین عرب کا بہت بڑا وثن اور بت بن گئی۔

وکذا قال ابو الجوزاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ

"کَانَ یَلُتُّ السَّوِیْقَ لِلْحَاجِّ"۔

ابن الجوزاء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے یہی نقل کیا ہے کہ لات حجاجِ کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔

قولہ : وکذا قال ابو الجوزاء

ان کا پورا نام یہ ہے :

ابو الجوزاء اوس بن عبداللہ الربعی رحمۃ اللہ علیہ

ابو الجوزاء ۸۳ ہجری میں فوت ہوئے۔

امام بخاری فرماتے ہیں۔ حدثنا مسلم وھو ابن ابراھیم حدثنا ابو الاشھب حدثنا ابو الجوزاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال۔

کَانَ اللَّاتُ رَجُلاً یَلُتُّ سَوِیْقَ الْحُجَّاجِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ لات وہ شخص تھا جو حجاج کرام کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا۔

ابن خزیمۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ العزیٰ کی بھی اسی طرح پوجا ہوتی تھی۔ العزیٰ ایک درخت کا نام تھا جس کے اوپر عمارت تعمیر کر دی گئی تھی اور اسے پردوں سے مزین کر دیا گیا تھا۔ یہ درخت وادی نخلہ[1] میں تھا جو طائف اور مکہ مکرمہ کے درمیان واقع ہے۔ قریش اس درخت کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جنگِ احد کے موقع پر ابو سفیان نے مسلمانوں کو للکارتے ہوئے کہا تھا کہ

---

[1] وادی نخلہ کو آج کل السیل الکبیر کہتے ہیں۔ (مترجم)

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَ الْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَ السُّرُجَ -

رَوَاهُ أَهْلُ السُّنَنِ -

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔ اور اُن لوگوں کو بھی ملعون قرار دیا جو قبروں میں مسجدیں بناتے اور قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔

اِس حدیث کو اہلِ سُنن نے روایت کیا ہے۔

"لَنَا الْعُزّٰى وَ لَا عُزّٰى لَكُمْ" ہمارا تو عزیٰ معبود ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔

قولہ : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ :

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس باب میں دو حدیثیں منقول ہیں۔

۱ ——— ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

۲ ——— اور دوسری حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث مسند امام احمد، اور ترمذی میں موجود ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور حسان بن ثابت والی حدیث ابن ماجہ میں بایں الفاظ منقول ہے کہ

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں
زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ کو ملعون قرار دیا جو قبروں کی زیارت
کرتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث کی سند میں حضرت ام ہانی کے غلام ابوصالح ہیں جنہیں بعض محدثین نے ضعیف اور بعض نے ثقہ قرار دیا ہے۔

ابوصالح کے متعلق علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ

"اپنے اصحاب میں سے میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا، جس نے کہ ام ہانی کے غلام ابوصالح کو ترک کر دیا ہو اور میں نے کسی کو ان پر تنقید کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ شعبہ، زائدہ، اور عبداللہ بن عثمان جیسے محدثین نے اسے ترک نہیں کیا۔"

ابوصالح کے بارے میں ابن معین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

لَیْسَ بِہٖ بَأْسٌ

ان وجوہ کی بنا پر ابن السکن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ابوصالح کی روایات کو نقل کیا ہے۔

ماخوذ از الذھب الابریز للحافظ الجزی

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"یہ حدیث دو واسطوں سے منقول ہے

ا۔۔۔۔ ایک حضرت ابوہریرہ سے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ رسول اللہ ﷺ نے قبرستان
لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ کی زیارت کرنے والی مستورات پر
لعنت کی ہے۔

۲۔۔۔۔ دوسرا واسطہ یہی زیر نظر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والا۔

فیہ

مسائل

اس بابؑ میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: **تَفْسِيرُ الْأَوْثَانِ۔**

① اوثان کی تشریح و توضیح۔

الثانیۃ: **تَفْسِيرُ الْعِبَادَةِ۔**

② عبادت کا تفصیلی بیان۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں روایتوں کے راوی مختلف ہیں اور دونوں روایتوں میں کوئی ایک راوی بھی متہم بالکذب نہیں پایا گیا اور اس قسم کی روایات باتفاقِ محدثین حجت ہیں۔ اور یہ روایات ان حسن روایات میں سے ہیں جو امام ترمذی کی شروطِ صحت کے مطابق ہیں۔ کیونکہ امام ترمذی حسن کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ

"جو حدیث کئی واسطوں سے منقول ہو، اور کسی بھی روایت میں کوئی ایک شخص بھی متہم بالکذب نہ ہو، اور نہ وہ شاذ ہو، یعنی اس روایت کے صریح مخالف ہو جو ثقہ راویوں سے منقول ہے، اُسے حسن کہتے ہیں"

پس زیرِ بحث حدیث کئی واسطوں سے مروی ہے۔ اس میں کوئی ایک بھی راوی متہم بالکذب نہیں پایا گیا۔ اور نہ یہ حدیث کسی دوسری صحیح حدیث کے مخالف ہی ہے۔ البتہ اگر یہ روایت ایک ہی

الثالثة: أَنَّهُ ﷺ لَمْ يَسْتَعِذْ إِلَّا مِمَّا يُخَافُ وُقُوعُهُ۔

③ رسولِ اکرم ﷺ نے اُسی شے سے پناہ مانگی ہے جس سے کہ خطرے کا اندیشہ ہو۔

راوی سے مروی ہوتی تو اس میں غور و فکر کیا جاتا لیکن یہ تو کئی راویوں سے منقول ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث رواۃ کے حلقوں میں مشہور و معروف تھی۔

رہے وہ لوگ جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا سہارا لے کر عورتوں کو قبرستان جانے کی رخصت دے دی ہے، تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت عبد الرحمان رضی اللہ عنہ کی قبر پر تشریف لے گئیں اور قبر پر کھڑی ہو کر کہنے لگیں کہ

لَوْ شَهِدْتُكَ — (اے بھائی!) اگر میں تمہاری وفات کے وقت تمہارے پاس ہوتی تو

مَا زُرْتُكَ — تمہاری قبر کی زیارت نہ کرتی۔

اس روایت سے بھی عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت مستحب ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ مردوں کے لیے مستحب ہے۔ کیونکہ اگر عورتوں کے لیے بھی قبروں کی زیارت مستحب ہوتی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی قبر کی زیارت پر اس معذرت کا اظہار نہ کرتیں۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی رخصت پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔

زیر بحث حدیث کا مذکورۃ الصدر سیاق، عبد اللہ بن ابی ملیکہ کے سیاق کے بھی مخالف ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ

الرابعة: قَرَنَهُ بِهٰذَا اِتِّخَاذَ قُبُورِ الأَنْبِيَآءِ مَسَاجِدَ۔

④ آنحضرت ﷺ نے قبروں پر چراغاں کرنے اور ان میں مساجد تعمیر کرنے کو ایک جیسا گناہ قرار دیا ہے۔

"ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قبرستان سے واپس تشریف لا رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا کہ اے ام المؤمنین! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا ہے؟"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بولیں: ہاں، معلوم ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے بعد میں اجازت دے دی تھی۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مندرجہ بالا حدیثِ عائشہ صدیقہ کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"عورتوں کے لیے رخصت کا جواز حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نہیں ملتا۔ کیونکہ عدم رخصت پر جو دلیل پیش کی گئی ہے، وہ نہی کی عمومیت ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مندرجہ ذیل قول سے منسوخ خیال کیا گیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول یہ ہے کہ

"قد امر بزیارتھا" آنحضرت ﷺ نے بعد میں عورتوں کو بھی زیارت کی اجازت دے دی تھی۔ اس میں نہی خاص کا ذکر نہیں کیا گیا جس میں آنحضرت ﷺ نے ان عورتوں کو جو قبر کی زیارت کے لیے جاتی ہیں، ملعون قرار دیا ہے۔

الخامسۃ: ذِكْرُ شِدَّةِ الْغَضَبِ مِنَ اللّٰهِ۔

⑤ ایسے افراد پر اللہ تعالیٰ کے شدید غضب اور غصے کا ذِکر جو قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث میں جو زیارت کا حکم ہے وہ استحباب پر دلالت کناں ہے۔ جو صرف مردوں کے لیے خاص ہے۔ کیونکہ اگر اس حکم میں عورتیں بھی شامل ہوتیں تو مردوں کی طرح عورتیں بھی زیارت کے لیے جایا کرتیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی کہ "لَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو ملعون قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کا قبر کی زیارت کی نیت سے جانا حرام ہے۔

"فزوروھا" میں جو خطاب ہے۔ وہ صرف مردوں سے ہے، عورتوں سے نہیں ہے۔ یعنی عورتیں اس زیارت قبور کی اجازت میں شامل نہیں ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ مسئلہ مسلّم ہے کہ وہ عام حکم جو خاص کے بعد آئے خاص کو منسوخ نہیں کرتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ، اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ اصحاب احمد رحمہ اللہ کے ہاں یہی مشہور اور معروف ہے۔ اور یہ بات بھی واضح رہے کہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عام حکم، خاص حکم کے بعد دیا گیا تھا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو قبروں کی زیارت کی اجازت دینے کے بعد فرمایا ہو کہ

السادسة وَهِيَ مِنْ أَهَمِّهَا صِفَةُ مَعْرِفَةِ عِبَادَةِ اللَّاتِ هِيَ أَكْبَرُ الْأَوْثَانِ۔

⑥ چھٹا مسئلہ بہت ہی اہم ہے جو یہ ہے کہ لات کی عبادت کیسے کی گئی؟ لات عرب کا بہت بڑا بت تھا۔

لَعَنَ اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت
زَوَّارَاتِ	کی ہے جو قبرستان کی زیارت کے
الْقُبُوْرِ	لیے جاتی ہیں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زوارات القبور کو ان لوگوں کے ساتھ شمار کیا ہے جو قبروں پر مساجد تعمیر کرتے ہیں اور قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ قبروں پر مساجد بنانا، اور چراغاں کرنا محکم و واضح ارشادات نبویہ سے ممنوع ہے جس پر صحیح احادیث گواہ ہیں۔ صحیح موقف یہ ہے کہ زیارت قبور کی اجازت میں عورتیں شامل نہیں ہیں۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔

ا ـــــ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ "فزوروها" اگرچہ مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے لیکن اس میں بر سبیل تغلب عورتیں بھی شامل ہیں۔ لیکن اس میں دو قول ہیں۔

ـــــ ایک یہ کہ تغلیب کی صورت میں عورتوں کو اس حکم میں شامل کرنے کے لیے علیحدہ دلیل بھی ہونی چاہیے تاکہ تغلیب کی تائید فراہم ہو سکے۔

ـــــ دوسرا قول یہ کہ عورتیں اس حکم کے عموم میں داخل ہیں۔ اس صورت

السابعة: مَعْرِفَةُ أَنَّهُ قَبْرُ رَجُلٍ صَالِحٍ۔

⑦ اِس کی پہچان کہ لات ایک صالح اور بزرگ شخص کی قبر تھی۔

میں عورتیں بھی زیارت قبور کی اجازت میں شامل سمجھی جائیں گی لیکن عموم واطلاق سے استدلال کمزور ہوتا ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ حکم خاص سے متعارض ہو ظاہر ہے کہ حکم عام حکم خاص کو منسوخ قرار نہیں دے سکتا۔

اگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہوتیں تو ان کے لیے بھی زیارت قبور مستحب ہوتی لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ تو آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد میں اور نہ خلفائے راشدین کے مقدس دور میں عورتیں زیارت قبور کے لیے جایا کرتی تھیں۔

۲ —— دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مردوں کو اجازت دینے کی علت اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ —— قبروں کی زیارت

يُذَكِّرُ الْمَوْتَ وَيُرِقُّ — موت یاد دلاتی ہے، دل کو نرم کرتی ہے
الْقَلْبَ وَتُدْمِعُ الْعَيْنَ — اور آنکھوں کو پُرنم کرتی ہے۔

(مسند احمد)

اور تجربہ سے بات ثابت ہے کہ اگر عورت کے لیے یہ اجازت دیدی جائے تو وہ اپنی فطری کمزوری کے باعث جزع فزع اور بین کرنے سے باز نہیں رہ سکتی جس کا حرام ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔

اس طرح عورتوں کا قبروں کی زیارت کے لیے جانا گویا حرام کاموں میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی ایسی حد نہیں مقرر کی جاسکتی جس کی بنا پر عورتیں جزع فزع ایسے حرام کاموں سے بچ سکیں۔ اسی لیے

الثامنة: أَنَّهُ إِسْمُ صَاحِبِ الْقَبْرِ وَ ذِكْرُ مَعْنَى التَّسْمِيَةِ۔

(۸) لات، صاحبِ قبر کا نام تھا، اِس کی وجہ تسمیہ بھی تفصیلاً بیان کی گئی ہے۔

ان کو بالکل روک دیا گیا۔ شریعت کا اصول بھی یہی ہے کہ کسی فعل کی حکمت پوشیدہ ہو یا ظاہر، حکم کا اطلاق مظنہ کی بنا پر آتا ہے۔ تاکہ نہ صرف اس برائی کو روکا جا سکے بلکہ وہ ذرائع و وسائل جو عام طور پر اس برائی کی طرف لے جاتے ہیں ان سے بھی روک دیا جائے۔

بطور مثال اس کو یوں سمجھئے۔ کہ کسی اجنبی عورت کی زیب و زینت دیکھنا یا اس سے خلوت میں باتیں کرنا حرام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے زنا میں مبتلا ہونے کا مظنہ یا خطرہ ہوتا ہے

یوں بھی عورتوں کی زیارتِ قبور کے سلسلہ میں کوئی ایسی مصلحت نہیں ہے جو اس عقیدہ یا خطرہ کے منافی ہو کیونکہ زیارت قبور کا مقصد وحید یہی تو ہے کہ میت کے لیے دعا اور استغفار کیا جائے۔ اور یہ گھر میں بھی ممکن ہے۔

بعض علماء نے عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے کو بھی زیارتِ قبور کی طرح ناجائز ٹھہرایا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے کہ

اِرْجِعْنَ مَأْزُوْرَاتٍ غَيْرَ مَأْجُوْرَاتٍ فَإِنَّ كُنَّ تَفْتِنَّ الْحَيَّ وَتُؤْذِيْنَ الْمَيِّتَ

تم گھروں کو لوٹ جاؤ، تم لوگوں کی نظروں کا ہدف بنتی ہو اس لیے تمہیں جنازہ کے ساتھ چلنے پر کوئی اجر نہیں ملے گا، تم زندہ افراد کے لیے فتنہ۔ اور فوت شدہ افراد کے لیے اذیت اور تکلیف کا ذریعہ بنتی ہو۔

التاسعۃ لَعنۃُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ

⑨ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے۔ جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں۔

ایک موقع پر آپ نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ

اَمَا اِنَّكِ لَوْ بَلَغْتِ مَعَهُمْ الْكُدٰى لَمْ تَدْخُلِي الْجَنَّةَ	اگر تم ان کے ساتھ قبرستان تک چلی جاتیں تو جنت میں نہ جاسکتیں۔

مندرجہ ذیل صحیحین کی روایات مذکورۃ الصدر احادیث کی تائید کرتی ہیں

ایک روایت میں ہے کہ

اَنَّهٗ نَهَى النِّسَاءَ عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ	آپ نے عورتوں کو جنازہ کے ساتھ چلنے سے منع فرمایا۔

اور ایک روایت میں یوں ارشاد نبوی ہے۔

مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَلَهٗ قِيْرَاطٌ وَمَنْ تَبِعَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهٗ قِيْرَاطَانِ	جو شخص صرف نمازِ جنازہ پڑھتا ہے اسے ایک قیراط، اور جو تدفین تک ساتھ رہتا ہے اسے دو قیراط اجر ملتا ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ مندرجہ بالا ارشاد نبوی میں لفظ "مَن" مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ لیکن صحیح احادیث سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس عموم میں مستورات داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ؐ نے عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے سے منع فرمادیا ہے۔

پس جب اس عموم میں عورتیں داخل ہی نہیں تو زیارت قبور میں بطریق اولیٰ داخل نہ ہوں گی۔

العاشرة: لَعْنَةُ مَنْ أَسْرَجَهَا۔

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن لوگوں کو بھی ملعون قرار دینا جو قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ زیارت قبور کی اجازت صرف مردوں کے لیے خاص ہے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے کہ

لَعَنَ اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو ملعون
زَوَّارَاتِ	قرار دیا ہے جو قبروں کی زیارت
الْقُبُوْرِ	کرتی ہیں۔

نہی عام تھی، اس سے مردوں کو خاص کر دیا گیا۔

جو لوگ نسخ سے استدلال کرتے ہیں کہ عورتوں کو بھی اجازت ہے۔ ان کو کئی جواب دیے جا سکتے ہیں۔

پہلا جواب تو یہ ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو فعل نقل کیا گیا ہے وہ اُن کی اپنی روایات کے خلاف ہے لہٰذا نسخ کیسے ثابت ہوا۔؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی صحابی کا قول یا اس کا اپنا فعل حدیث نبوی کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف رونما نہیں۔

رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہنا کہ جب تم قبر کی زیارت کے لیے جاؤ تو کیا کلمات استعمال کرنا چاہیے؟

تو یہ قول مندرجہ بالا تین صحیح احادیث کا ناسخ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاکید اور سخت وعید سے پہلے یہ تعلیم دی ہو۔

محمد بن اسماعیل الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف "تطہیر الاعتقاد" میں فرماتے ہیں کہ

"یہ بڑے بڑے قبے اور میلے جو الحاد اور شرک میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہیں جن کی وجہ سے اسلام کی بنیادیں ہل کر رہ گئیں ہیں۔ ان کو تعمیر کرنے والے بڑے بڑے بادشاہ، سلاطین، رؤسا، اور والیان ریاست ہی تو تھے۔

انہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کے قبے بنائے۔ یا ان لوگوں کی قبروں پر قبے تعمیر کیے جن کے متعلق یہ ملوک اور سلاطین حسن ظن رکھتے تھے۔ جیسے کوئی فاضل، یا عالم، یا صوفی، یا فقیر، یا کوئی بہت بڑا بزرگ۔

جو لوگ ان کو جانتے تھے وہ تو ان کی قبروں کی زیارت اس نیت سے کرتے تھے کہ ان کے لیے دعا اور استغفار کریں یہ لوگ ان کے نام کی قطعاً دہائی نہ دیتے تھے اور نہ ان کو وسیلہ ہی خیال کرتے تھے۔ بلکہ ان کے لیے دعا کرتے۔ اور بخشش مانگتے۔ لیکن ان اصحابِ قبور کو جاننے والے جب خود فوت ہو گئے تو بعد میں آنے والوں نے دیکھا کہ قبر پر ایک شاندار قبہ تعمیر ہے۔ جس پر چراغاں بھی ہوتا ہے۔ اور نہایت قیمتی فرش بچھایا گیا ہے۔ اور قبر پر اعلیٰ قسم کے کپڑے کے پردے لٹک رہے ہیں اور قبر کو ہاروں اور پھولوں سے خوب لادا اور سجایا گیا ہے۔ اس پر انہوں نے سوچا کہ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ ان سے کوئی نفع حاصل کیا جائے یا کسی مصیبت سے نجات حاصل کی جائے۔ اور یہ ان قبوں کے مجاور ان قبروں کے متعلق طرح طرح کے افسانے تراشتے ہیں یعنی فلاں وقت یہ ہوا۔ اور فلاں زمانے میں وہ ہوا۔ فلاں شخص کی تکلیف دُور ہو گئی۔ اور فلاں شخص کو اتنا نفع ہوا حتیٰ کہ سادہ لوح عوام کے دلوں میں جھوٹا، من گھڑت، اور شرکیہ عقیدہ گھر کر جاتا ہے۔

حالانکہ صحیح اور درست مسئلہ وہی ہے جو احادیث نبویہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو شخص قبروں پر چراغاں کرتا ہے۔ یا ان پر کوئی تحریر لکھ کر لٹکاتا ہے۔ یا قبر پر کسی قسم کی تعمیر کرتا ہے وہ عند اللہ ملعون قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں اور معروف ہیں، جن کی روشنی میں مندرجہ بالا اعمال قبر پر ممنوع اور حرام ٹھہرائے گئے ہیں اور عظیم خطرہ کا ذریعہ اور سبب بھی ہیں۔"

مندرجہ بالا عبارت پر غور کرنے سے اس حدیث کا باب کے ساتھ تعلق از خود سمجھ میں آجاتا ہے۔

قولہ : وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ :

حدیث کے اس جملہ کی شرح باب سابق میں گزر چکی ہے۔

قولہ : اَلسُّرُجُ :

ابو محمد المقدسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اگر قبروں پر چراغاں کرنا جائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چراغاں کرنے والے پر لعنت کیوں فرماتے۔؟ اس میں دو خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ بغیر کسی فائدہ کے مال ضائع ہوتا ہے۔

۲۔ قبر کی تعظیم میں افراط اور غلو پایا جاتا ہے۔ جو بت پرستوں کی تعظیم کے مشابہ ہے۔"

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"قبروں پر مساجد تعمیر کرنا، اور ان پر چراغاں کرنا کبیرہ گناہ ہے۔"

قولہ : رَوَاهُ اَهْلُ السُّنَنِ :

اس حدیث کو صرف ابوداؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ امام نسائی نے اسے نقل نہیں کیا۔

باب ما جاء

فی

حمایة المصطفی ﷺ

جناب التوحید

وسدّہ کل طریق

یوصل الی الشرک

اِس باب میں

اِس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن اقوال و اعمال کی، جو عقیدۂ توحید میں نقص و اِضمحلال کا باعث بنتے ہیں، کِس طرح بیخ کُنی کی اور شجرِ توحید کی آبیاری کے لیے کیا کیا کوشش فرمائیں۔

قولہ تعالیٰ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ۔

دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔

قولہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنا احسانِ عظیم جتاتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے تمہارے پاس اپنے رسول بھیجے ہیں جن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ تمہاری ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں اور تمہارے ہی جیسی بولی بولتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (البقرہ۔۱۲۹) اے اللہ! ان لوگوں میں خود ان ہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو!

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور فرمایا

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ (آل عمران۔۱۶۴) خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمایا۔

سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ (لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔

تمہارا نقصان میں پڑنا اُس پر شاق ہے۔

اَنْفُسِكُمْ (التوبة - ۱۲۸) ایک پیغمبر آیا ہے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شاہ نجاشی سے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے قاصد سے کہا تھا

"اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایسا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث فرمایا ہے جس کے حسب و نسب کو ہم جانتے ہیں، جس کے اوصافِ حمیدہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، جس کا آنا جانا، سفر و حضر، بیٹھنا اُٹھنا اور چلنا پھرنا ہمارے علم میں ہے اور جس کی صداقت و امانت ہمارے ہاں مسلّم ہے۔"

زیرِ بحث آیتِ کریمہ لَقَدْ جَآءَكُمْ کے بارے میں سفیان بن عیینہ، جعفر بن محمد عن ابیہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

لَمْ يُصِبْهُ شَيْءٌ مِنْ وِلَادَةِ الْجَاهِلِيَّةِ — آپ کی ولادت میں کسی جاہلیت کی رسم کا دخل نہیں ہے۔

قولہٗ: عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

یعنی وہ اُمور جو اُمّت کے لیے تکلیف دہ ہیں اور جن کا انجام دینا انتہائی مشقت کا باعث ہوتا ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر شاق گزرتے ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ — مجھے وہ دینِ حنیف دے کر بھیجا گیا ہے جو بالکل آسان اور سہل ہے۔

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔

صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں:

اِنَّ هٰذَا الدِّيْنَ يُسْرٌ — دین اسلام آسان اور سہل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ کا ایک ایک امر اور حکم صاف ستھرا اور نکھرا ہوا ہے، اور اس پر عمل کرنا انتہائی آسان ہے خصوصاً اس شخص پر تو بہت ہی آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آسان کرے۔

قولہ: حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ

یعنی لوگوں کا ہدایت قبول کرنا اور دینی و دنیوی امور میں کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دلی منشا تھا اور آپ کی یہی اصل تمنا اور خواہش تھی۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ:

تَرَكَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَمَا طَائِرٌ يُقَلِّبُ جَنَاحَيْهِ فِي الْهَوَاءِ اِلَّا وَهُوَ يَذْكُرُ لَنَا مِنْهُ عِلْمًا (اخرجہ الطبرانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا کہ دین کی ایک ایک تفصیل ہمیں بتائی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

مَا بَقِيَ شَيْءٌ يُقَرِّبُ مِنَ — میں نے اس بات کی وضاحت کر دی

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ
لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

اب اگر یہ لوگ تم سے مُنہ پھیرتے ہیں تو اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ بس کافی ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہ۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وُہ مالک ہے عرشِ عظیم کا۔

الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُ مِنَ النَّارِ إِلَّا وَقَدْ بَيَّنْتُهُ لَكُمْ[1]

ہے کہ ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہی جو جنت کے قریب لے جاتی ہو اور جہنّم سے دُور رکھتی ہو اور میں نے وہ بیان نہ کی ہو۔

قولہٗ: بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤف و رحیم ہونے کا قرآنِ کریم میں متعدد جگہ پر ذکر کیا گیا ہے۔
جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى

اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمھاری پیروی اختیار کریں اُن کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ لیکن اگر وہ تمھاری نافرمانی کریں تو اُن سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے میں بری الذمہ ہوں

---

[1] رواہ الطبرانی

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔

الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝ — اور زبردست اور رحیم پر توکل کرو۔

(الشعراء - ۲۱۵ ، ۲۱۶ ، ۲۱۷)

زیر بحث آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل اور محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہی حکم فرمایا کہ اگر یہ لوگ آپ کی شریعتِ عظمیٰ و مطہرہ اور دین کامل کو تسلیم نہ کریں تو ان سے صاف صاف اور دوٹوک الفاظ میں کہہ دیجئے کہ:

حَسْبِیَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝ — مجھے صرف اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اُسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا اوصاف ہی تو تھے جن کی بنا پر آپ نے اپنی اُمت کو شرک ایسی معصیت کبریٰ سے ڈرایا اور اُن اسباب و ذرائع سے آگاہ فرمایا جن کی وجہ سے ایک عام آدمی مرتکبِ شرک ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک میں مبتلا ہونے کے اسباب بیان کرنے اور اُن کی وضاحت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ اُن اسباب و ذرائع میں سب سے اہم یہ ہیں:

- قبروں کی تعظیم کرنا۔
- اُن کی تعظیم میں غلو سے کام لینا۔

وَ لَا تَجعَلُوا قَبرِي عِيدًا۔

اور میری قبر کو عُرس کی جگہ نہ ٹھہراؤ۔

- قبرستان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔
- قبرستان میں نماز پڑھنا۔ اور

اِس قسم کے بے شمار اسباب ہیں جن کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے اور آئندہ بھی آرہا ہے۔

قولهٗ: لَا تَجعَلُوا بُيُوتَكُم قُبُورًا

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ حدیث بالا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اپنے گھروں کو نماز و دعا، اور تلاوتِ قرآن ترک کر کے قبرستان نہ بنا دینا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں نماز پڑھنے اور قبرستان میں نماز نہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ زیرِ بحث حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اِس سے از خود ہی ان لوگوں کی بھی مخالفت ہو گئی ہے جو اُمتِ خیرالوریٰ میں شمار ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اور درحقیقت یہود و نصاریٰ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔"

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

اِجعَلُوا مِن صَلٰوتِكُم فِي بُيُوتِكُم وَ لَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا	اپنی نماز کا کچھ حصہ گھروں میں ادا کیا کرو۔ نماز اور عبادت سے محروم کر کے اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ

تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ (رواہ ابوداؤد باسناد حسن، رواتہ ثقات)

اور مجھ پر دُرود و سلام بھیجو کیونکہ تم جہاں بھی رہو یہ دُرود و سلام مجھ تک بہر حال پہنچتا ہے۔

نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَفِرُّ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِيْ يَسْمَعُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ تُقْرَأُ فِيْهِ

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت سنتا ہے اُس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔

قولہ: وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہر اُس عام اجتماع کو جو باقاعدہ ہفتے، مہینے یا سال کے بعد منعقد کیا جائے، عید کہتے ہیں۔"

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس زمان یا مکان کو، جس کا عادتاً انتظار کیا جائے، عید کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی جگہ مقصود ہو تو اس میں عبادت اور اجتماعِ عام کا اہتمام کیا جاتا ہے جیسے مسجد الحرام، منیٰ، مزدلفہ، عرفات اور مشاعر جن کو اللہ تعالےٰ نے اُمتِ محمدیہ کے لیے عید قرار دیا۔

مُشرکین کی جتنی عیدیں مشہور ہیں اُن میں بعض زمان سے تعلق رکھتی ہیں اور

وعن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَجِيءُ إِلَىٰ فُرْجَةٍ كَانَتْ عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اُنھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حُجرہ مُبارک میں ایک کھڑکی کے پاس آتا جوآپؐ کی قبر کے پاس تھی۔

بعض مکان سے۔ جب اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ کو نازل فرمایا تو ان مشرکین کی زمانی عیدوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو عیدالفطر، عیدالاضحیٰ اور ایام منیٰ جیسی تقریبوں سے نوازا۔ جن عیدوں کا تعلق مکان سے تھا اُن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے مکۃ المکرمہ، مُزدلفہ، عرفہ اور دُوسرے مشاعر عطا کیے۔"

قولہ: صَلُّوا عَلَيَّ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تمھارا درود وسلام مجھے پہنچ جایا کرے گا خواہ تم میری قبر سے قریب رہو یا دُور۔ لہٰذا میری قبر کو زیارتگاہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

قولہ: عَنْ عَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ رضی اللہ عنہ

علی بن حسین سے امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔ خانوادہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی شخص زیادہ عالم نہ تھا۔ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے افضل مرتبہ

کے مالک تھے۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

مَا رَأَیْتُ قُرَشِیًّا اَفْضَلَ مِنْهُ — میں نے کسی قریشی کو ان سے زیادہ بہتر نہیں دیکھا۔

صحیح روایت کے مطابق امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ۹۲ھ میں فوت ہوئے۔

ان کے والدِ ماجد حضرت حسین رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور آپ کیلئے راحتِ جان تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، آغوشِ نبوت میں پلے پھولے اور انھوں نے چھپن سال کی عمر پاکر دس محرم ۶۱ھ کو جامِ شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

زیرِ نظر حدیث اور اس سے پہلی حدیث دونوں کی سندیں حسن ہیں۔ سابقہ روایت ابوداؤد میں مندرجہ ذیل سند سے منقول ہے:

عن عبداللہ بن الصائغ، قال اخبرنی ابن ابی ذئب عن سعید المقبری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور مشہور ہیں البتہ عبداللہ بن نافع کے متعلق ابوحاتم لکھتے ہیں کہ ان کا حافظہ ٹھیک نہ تھا۔ بعض علمائے انھیں معروف اور بعض نے منکر کہا ہے۔

ابن معین ان کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی ہیں۔

ابوزرعہ کی رائے یہ ہے کہ "لا بأس به"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس قسم کی روایت کے اگر شواہد مل جائیں تو اس کو محفوظ روایت سمجھا جاتا ہے اور اس روایت کے متعدد شواہد موجود ہیں۔"

علامہ حافظ محمد بن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ حدیث حسن ہے اور اس کی سند جید ہے۔ اس حدیث کے ایسے شواہد موجود ہیں جن کی وجہ سے یہ صحت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔"

دوسری یعنی زیرِ بحث حدیث کو ابو یعلیٰ، قاضی اسمٰعیل اور محمد بن عبد الواحد المقدسی نے مختارہ میں نقل فرمایا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"غور کیجئے، یہ حدیث اہلِ مدینہ اور اہل بیت سے مروی ہے اور یہ وہ بزرگ ہیں جو نسب و مکان کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں۔ لہٰذا ظاہر ہے وہ دوسروں کی نسبت زیادہ محتاط، اضبط اور قابلِ محبت ہیں، اس بنا پر اس حدیث کے لائق استدلال ہونے کے بارے میں کون شک و شبہ کا اظہار کر سکتا ہے؟"

سعید بن منصور اپنی سنن میں مندرجہ ذیل واقعہ نقل کرتے ہیں۔

حدثنا عبد العزیز بن محمد اخبرنی سہیل ابن ابی سہیل قال:

رَأَنِی الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عِنْدَ الْقَبْرِ فَنَادَانِی وَهُوَ فِی بَیْتِ فَاطِمَةَ رضی اللہ عنہا یَتَعَشّٰی	مجھے حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس دیکھ کر بلایا اور وہ خود فاطمہ بنت رسول اللہ کے گھر بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ میں حاضر ہوا تو
فَقَالَ: هَلُمَّ اِلَی الْعَشَاءِ فَقُلْتُ لَا اُرِیْدُهٗ فَقَالَ: مَا لِیْ رَأَیْتُكَ عِنْدَ الْقَبْرِ؟	فرمانے لگے آؤ کھانا کھاؤ۔ میں نے عرض کی، مجھے کھانے کی خواہش نہیں ہے پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس کیا کر رہے تھے؟
فَقُلْتُ: سَلَّمْتُ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اِذَا دَخَلْتَ	میں نے عرض کی کہ میں آپ پر سلام پیش کر رہا تھا۔ فرمایا دیکھو، جب مسجد

فَيَدْخُلُ فِيْهَا فَيَدْعُوْ ۔

اور اِس کھڑکی سے اندر داخل ہو کر دُعا کرتا۔

الْمَسْجِدَ فَسَلِّمْ ثُمَّ قَالَ
اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِىْ عِيْدًا
وَلَا تَتَّخِذُوْا بُيُوْتَكُمْ
مَقَابِرَ وَصَلُّوْا عَلَىَّ
فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِىْ
حَيْثُمَا كُنْتُمْ لَعَنَ اللّٰهُ
الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا
قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ
مَا اَنْتُمْ وَمَنْ بِالْاَنْدَلُسِ
اِلَّا سَوَاءٌ

میں داخل ہو تو سلام کہہ لیا کرو۔ پھر کہا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے
کہ میری قبر کو عید نہ قرار دے لینا اور اپنے
گھروں کو قبرستان نہ بنا لینا۔
مجھ پر درود پڑھا کرو، تم جہاں بھی ہوگے
تمہارا درود مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔
اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے
کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں
کو عبادت گاہیں بنا لیا۔
تم خواہ اندلس میں ہو یا مدینہ میں،
سب برابر ہو۔

سعید بن منصور ایک دُوسری سند سے یہی حدیث بیان کرتے ہیں :

حدثنا حبان بن علی، حدثنا محمد بن عجلان عن سعید مولی المہری قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِىْ عِيْدًا
وَلَا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَ
صَلُّوْا عَلَىَّ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ
تَبْلُغُنِىْ

میری قبر کو میلہ اور اپنے گھروں کو قبرستان
نہ بناؤ۔ تم مجھ پر درود پڑھا کرو، بلاشبہ
تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔

فَنَهَاهُ وَ قَالَ أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا سَمِعْتُهُ مِنْ أَبِيْ عَنْ جَدِّيْ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اُسے روکا اور فرمایا آؤ میں آپ کو ایک ایسی حدیث سُناتا ہوں جسے میرے والد نے میرے دادا سے اور اُنھوں نے آنحضرت ﷺ سے سُنا۔ آپؐ نے فرمایا:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"یہ دونوں مُرسل احادیث جو دو مختلف طرق سے مروی ہیں صحت حدیث پر واضح اور بیّن دلیل ہیں اور خصوصاً ان احادیث کو مُرسل بیان کرنے والا، ان احادیث سے استدلال کر رہا ہے۔ خود راوی کا اس حدیث کو بطورِ دلیل بیان کرنا اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ یہ تو دونوں احادیث اس طریق سے مُرسل روایت کی گئی ہیں جب بھی قابلِ حُجت ہیں، اگر یہ مُسند بیان ہوں گی تو کیا ان کا مرتبہ بڑھ نہ جائے گا؟

قولہ: فَيَدْخُلُ فِيهَا فَيَدْعُو

رسُول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ قبرستان یا مشہد وغیرہ میں قصداً اس نیت سے جانا کہ وہاں جا کر نماز یا دعا یا کوئی ذکر اذکار کریں گے، ممنوع ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"مجھے نہیں معلوم کہ کسی امام یا کسی جید عالم نے اس کی اجازت دی ہو کیونکہ

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَّ لَا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا۔

میری قبر کو میلا اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنا لینا۔

یہ قبر کو میلہ بنانے کے مترادف ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ مسجدِ نبوی میں نماز کی نیت سے جانا اور پھر قصداً اور ارادۃً قبرِ نبوی پر سلام کے لیے جانا ممنوع ہے شریعت نے اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ مدینہ کے لیے اس بات کو مکروہ قرار دیا ہے کہ وہ جب بھی نماز کے لیے مسجد میں آئیں، قبرِ نبوی کے پاس جا کر سلام کہیں کیونکہ یہ سلفِ اُمت کا طریقہ نہ تھا۔ پھر فرماتے ہیں:

وَلَنْ يُّصْلِحَ اٰخِرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَهَا	اس اُمت کی اصلاح صرف اُن ہی باتوں سے ممکن ہے جن سے قرونِ اولیٰ کی اصلاح ہوئی تھی

صحابہ کرام اور تابعینِ عظام کا یہ دستور تھا کہ وہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کے بعد اپنے کاروبار کے لیے نکل جاتے یا بیٹھ جاتے، قبرِ نبوی کے پاس سلام کے لیے نہ آتے۔ صحابہ کرام کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ صلوٰۃ و سلام جو ہم نے نماز میں پڑھا ہے وہ کامل اور افضل ترین ہے۔ اس کے بعد مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ قبرِ نبویؐ کے پاس آ کر صلوٰۃ و سلام کہنے یا وہاں نماز پڑھنے یا دعاء وغیرہ کرنے کی شریعت اسلامیہ میں کوئی دلیل نہیں ملتی بلکہ اس سے روکا گیا ہے ــــــ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وَ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ تَسْلِیمَکُمْ یَبْلُغُنِیْ أَیْنَ کُنْتُمْ۔

تم مجھ پر دُرود وسلام بھیجا کرو۔ تم جہاں بھی ہو گے تمہارا دُرود وسلام مجھ کو پہنچ جایا کرے گا۔

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا — میری قبر کو میلا نہ بنا لینا اور تم
وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ — مجھ پر درود بھیجتے رہنا وہ مجھ تک پہنچ
تَبْلُغُنِیْ — جاتا ہے۔

اِس حدیث سے ثابت ہؤا کہ صلوٰۃ وسلام دُور سے ہو یا نزدیک سے بہرحال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ آپ نے اُن لوگوں کو ملعون قرار دیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجد اور عبادت گاہ بنا لیتے ہیں۔

صحابہ کرام کے زمانے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مُبارک میں ایک دروازہ تھا جس سے انسان اندر جا سکتا تھا اور اس کے بعد ایک دُوسری دیوار کا اضافہ کر دیا گیا جس سے ہر شخص اندر داخل ہو سکتا تھا لیکن صحابہ کرام حجرہ مبارک میں قطعاً داخل نہ ہوتے، نہ نماز کے لیے، نہ صلوٰۃ وسلام کے لیے، نہ اپنے یا کسی دُوسرے کے لیے دعاء کی غرض سے اور نہ کسی حدیث کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کے لیے۔ نہ شیطان کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ صحابہ کرام کے دل میں اس قسم کا وسوسہ ڈال سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صلوٰۃ وسلام کو سُن رہے ہیں تاکہ سُننے والے کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ ہمیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہے یا ہم سے گفتگو فرمائی ہے یا آپ نے کوئی حدیث بیان کی ہے یا سلام

رَوَاهُ فِي الْمُخْتَارَةِ -

روایت کیا اِس کو مختارہ میں۔

کا جواب دیا ہے۔

صحابہؓ تو اِس نوع کی بدعات سے محفوظ رہے لیکن اِس قسم کے وساوس کو دوسرے افراد کے دِلوں میں ڈالنے میں شیطان کامیاب ہوگیا جس کی وجہ سے وہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ صاحبِ قبر ہمیں بعض اُمور کے انجام دینے کا حکم صادر کرتا اور بعض سے روکتا ہے، وہ ہمارے سوالات کا جواب دیتا ہے اور ہم سے ہم کلام ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات وہ اپنی قبر سے باہر نکل کر بھی ہم سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی ہوگیا کہ میت کی رُوح جسم کی شکل اختیار کر کے ہم سے ہم کلام ہوتی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات مختلف ارواح کو دیکھا تھا اور ان سے باتیں بھی کی تھیں۔"

ہماری اِس ساری گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام کے لیے بلاناغہ اور متواتر نہیں جایا کرتے تھے جیسا کہ بعد میں آنے والوں نے اِسے اپنا وظیفۂ زندگی بنالیا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص سفر سے مدینہ منورہ واپس آتا تو قبر پر حاضر ہوکر سلام عرض کر لیا کرتا تھا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔

چنانچہ عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما إِذَا — عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی سفر سے

قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ أَتَى قَبْرَ — واپس تشریف لاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تفسیرُ أیةِ براءةِ۔

① سورۂ برائت کی آیت کی تفسیر۔

النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ :	کی قبر پر حاضر ہو کر یوں سلام عرض کرتے
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	یا رسولؐ اللہ! آپ پر سلام ہو!
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا بَكْرٍ	اے ابوبکرؓ! آپ پر سلام ہو!
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَتَاهُ	اے اباجان! آپ پر سلام ہو!
ثُمَّ يَنْصَرِفُ	یہ کہہ کر واپس لوٹ جاتے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ:

مَا نَعْلَمُ اَحَدًا مِّنْ	ہم نے سوا عبداللہ بن عمرؓ کے
اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَعَلَ	کسی صحابیٔ رسولؐ کو ایسا کرتے ہوئے
ذٰلِكَ اِلَّا ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ	نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل واضح کرتا ہے کہ سلام کے وقت دعاء کرنے کے لیے قبر کے پاس نہیں رُکنا چاہیے جیسا کہ آج کل اکثر لوگ کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الثانیۃ: إبعادُہٗ أُمَّتَہٗ عَنْ ھٰذَا الْحِمٰی غَایَۃَ الْبُعْدِ۔

② رسولِ اکرم ﷺ کا اپنی اُمت کو شرک کی چار دیواری سے بے حد دُور رہنے کی ہدایت کرنا۔

"چونکہ یہ فعل کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ سے منقول نہیں لہٰذا یہ بدعت اور گمراہی ہے۔"

المبسوط میں امام مالک رحمہ اللہ کا مندرجہ ذیل قول مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام کہہ کے واپس چلا جائے، قبر کے پاس نہ ٹھہرے۔"

البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ

"قبر کے پاس دعا کرتے وقت اپنا چہرہ قبلے کی طرف کرے اور حجرۂ نبوی کو اپنے بائیں جانب کرے تاکہ اُس کی طرف پلیٹھ نہ ہونے پائے۔"

تمام ائمۂ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ دعا کرتے وقت قبلہ رُو کھڑا ہو۔ البتہ سلام کہتے وقت قبلہ رُو ہو یا قبر کی طرف منہ کرے؟ اس میں اختلاف ہے۔ اِس سلسلے میں صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے روضۂ مبارک کی طرف یا کسی دُوسری قبر یا مشہد کی طرف قصداً جانا منع ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اِس قبر کو زیارت گاہ بنا لیا گیا ہے، اور یہ ممنوع ہے۔ دُوسری بات یہ کہ شرک میں مبتلا ہونے کا یہ سب سے بڑا ذریعہ اور سبب ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی انبیاء و صالحین کی قبروں کی طرف قصداً جانے کے بارے میں یہی فتوےٰ دیا ہے۔

انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی زیارتِ قبور کیلئے جانے کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ا — امام غزالی اور ابو محمد المقدسی رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت کے لیے ایک شہر سے دُوسرے شہر کا سفر کیا جا سکتا ہے۔

الثالثۃ: ذِكْرُ حِرْصِهٖ عَلَيْنَا وَ رَأْفَتِهٖ وَ رَحْمَتِهٖ۔

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ جو اُلفت و محبت تھی اور ہماری نجات کے لیے آپؐ کو جو شغف تھا اُس کا مختصر خاکہ پیش کرنا۔

۲— ابن بطہ، ابن عقیل، ابو محمد الجوینی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ کے نزدیک منع ہے۔ جمہور علماء اور ائمہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی تصریح کی ہے اور کسی بھی امام نے اِس کی مخالفت نہیں کی۔ اور یہی صحیح مسلک ہے۔

اِس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں مروی ہے۔ آپؐ نے فرمایا

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِیْ هٰذَا وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی	تین مساجد کے علاوہ کہیں سفر کرکے نہیں جانا چاہیے اور وہ ہیں: مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

مذکورۃ الصدر حدیث میں جس نہی کا حکم ہے اس میں قبور اور مشاہد کی طرف قصداً جانا بھی شامل ہے یہ حکم نہی یا نفی دونوں میں سے کسی ایک کے ذیل میں ضرور داخل ہے۔

ایک روایت میں نہی کے صیغے سے بھی مروی ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ نہی کے حکم میں ہے اور صحابۂ کرامؓ نے اِس ممانعت کو نہی ہی سمجھا جیسا کہ موطا امام مالک، مسند امام احمد اور سنن کی تمام کتب میں بصرہ بن ابی بصرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کوہِ طور سے واپس آئے تو ابی بصرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

الرابعة: نَهْيُهُ عَنْ زِيَارَةِ قَبْرِهِ عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ مَعَ أَنَّ زِيَارَتَهُ مِنْ أَفْضَلِ الأَعْمَالِ

۴ رسُول اللہ ﷺ نے اپنی قبر کی زیارت کی مخصوص صورت سے منع فرمایا حالانکہ آپؐ کی قبر کی زیارت شرعی حدود میں افضل ترین عمل ہے۔

لَوْ أَدْرَكْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ إِلَيْهِ لَمَا خَرَجْتَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: لَا تُعْمَلُ الْمَطِيُّ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى

اگر تمھارے جانے سے قبل مجھے علم ہو جاتا تو تم نہ جا سکتے، کیونکہ میں نے رسُول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ تین مساجد کے علاوہ کسی طرف سواری کو استعمال نہیں کرنا چاہیے، اور وہ ہیں: مسجد الحرام، مسجدِ نبوی اور مسجد اقصٰی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور عمر بن شبہ نے اخبار مدینہ میں بسند جید قزعہ سے مندرجہ ذیل روایت نقل کی ہے۔ قزعہ کہتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کی کہ میں جبلِ طور پر جانا چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بولے "مسجدِ نبوی، مسجد الحرام اور مسجد اقصٰی کے علاوہ کہیں بھی قصداً جانا منع ہے، اِس لیے آپ جبلِ طور پر جانے کا ارادہ ترک کردیں۔"

الخامسة نَهْيُهُ عَنِ الْإِكْثَارِ مِنَ الزِّيَارَةِ۔

⑤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیارتِ قبر کیلئے بار بار جانے سے منع فرمانا۔

غور فرمائیے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور بصرہ بن ابی بصرہ رضی اللہ عنہما نے جبلِ طور پر قصداً جانے کو ممنوع گردانا کیونکہ حدیثِ نبوی میں تین مساجد کے علاوہ ہر جگہ کی طرف تقرب الی اللہ کی غرض سے سفر کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اس میں صرف مساجد کو خاص کرنا درست نہیں ہے کیونکہ جو شخص جبلِ طور پر جانے کی خواہش کرے گا وہ فقط اسی لیے جائے گا کہ وہ مقدس مقام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے باتیں کی تھیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ یہ مقدس وادی اور مبارک جگہ ہے۔

ائمۂ اربعہ اور جمہور علماء کا یہی عقیدہ ہے۔ جو شخص مزید تفصیل دیکھنا چاہے اُسے' ابن اخنائی کی تردید میں' جو شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے' اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

تین مساجد کے علاوہ دوسری مساجد کی زیارت کے لیے جانے میں کوئی مصلحت اور فائدہ نظر نہیں آتا۔ اِس موضوع پر "الصارم المنکی فی ردّہ علی السبکی" بہترین تصنیف ہے جس میں حافظ محمد بن عبدالهادی نے زیارتِ قبور کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بہت سی احادیث کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

حافظ محمد بن عبدالهادی اور شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہما اللہ، دونوں بزرگوں نے لکھا ہے کہ زیارتِ قبر النبی ﷺ کے بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔ اور نہ امام احمد رحمہ اللہ سے کوئی حدیث مروی ہے۔

دُوسری بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے کیونکہ مطلق اور بلا شدِّ رحال' قبر کی زیارت

السادسۃ حَثُّہٗ عَلَى النَّافِلَةِ فِي الْبَيْتِ۔

⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفلی نماز گھر پڑھنے کی ترغیب دینا۔

کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ جن احادیث میں جواز کا پہلو ملتا ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ بغیر شدِ رحال کے اگر ممکن ہو تو زیارتِ قبرِ نبوی کے لیے جانا جائز ہے اور اس زیارت سے زیارتِ شرعی مراد ہے نہ کہ زیارتِ شرکیہ اور بدعیہ۔

قولہ: رواہ فی المختارۃ:

المختارہ میں صحیح بخاری اور مسلم کے علاوہ جتنی جید احادیث ہیں، اس کتاب میں درج ہیں۔

المختارہ کے مؤلف ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی الحافظ ضیاء الدین حنبلی رحمہ اللہ ہیں جو مشہور علماء میں سے تھے۔ ان کے متعلق علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> "دینِ حنیف کی خدمت میں انھوں نے اپنی ساری زندگی صرف کر دی۔ بہت پرہیزگار اور متقی شخص تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور اُن کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین!"

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کتاب "المختارہ" کے متعلق رقم طراز ہیں:

> "اس میں شک نہیں کہ المختارہ کی صحیح احادیث حاکم کی صحیح روایات سے کہیں زیادہ بہتر اور درست ہیں۔"

صاحب المختارہ ۶۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ

السابعة: أَنَّهُ مُتَقَرَّرٌ عِندَهُم أَنَّهُ لَا يُصَلِّى فِي المَقبَرَةِ۔

⑦ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ بات مسلّم اور معروف تھی کہ قبرستان میں نماز پڑھنا منع ہے۔

الثامنة: تَعلِيلُهُ ذٰلِكَ بِأَنَّ صَلٰوةَ الرَّجُلِ وَ سَلَامَهُ عَلَيهِ يَبلُغُهُ وَ إِن بَعُدَ فَلَا حَاجَةَ إِلٰى مَا يَتَوَهَّمُهُ مَن أَرَادَ القُربَ۔

⑧ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے کہا کہ جو شخص مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے خواہ وہ دُور ہو یا نزدیک وہ صلوٰۃ و سلام میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے لہٰذا قریب آنے کی ضرورت نہیں۔

التاسعة: كَونُهُ صلی اللہ علیہ وسلم فِي البَرزَخِ تُعرَضُ أَعمَالُ أُمَّتِهِ فِي الصَّلٰوةِ وَ السَّلَامُ عَلَيهِ۔

⑨ اِس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ برزخ میں ہیں اور اُمت کے اعمال میں سے صِرف درود و سلام ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔